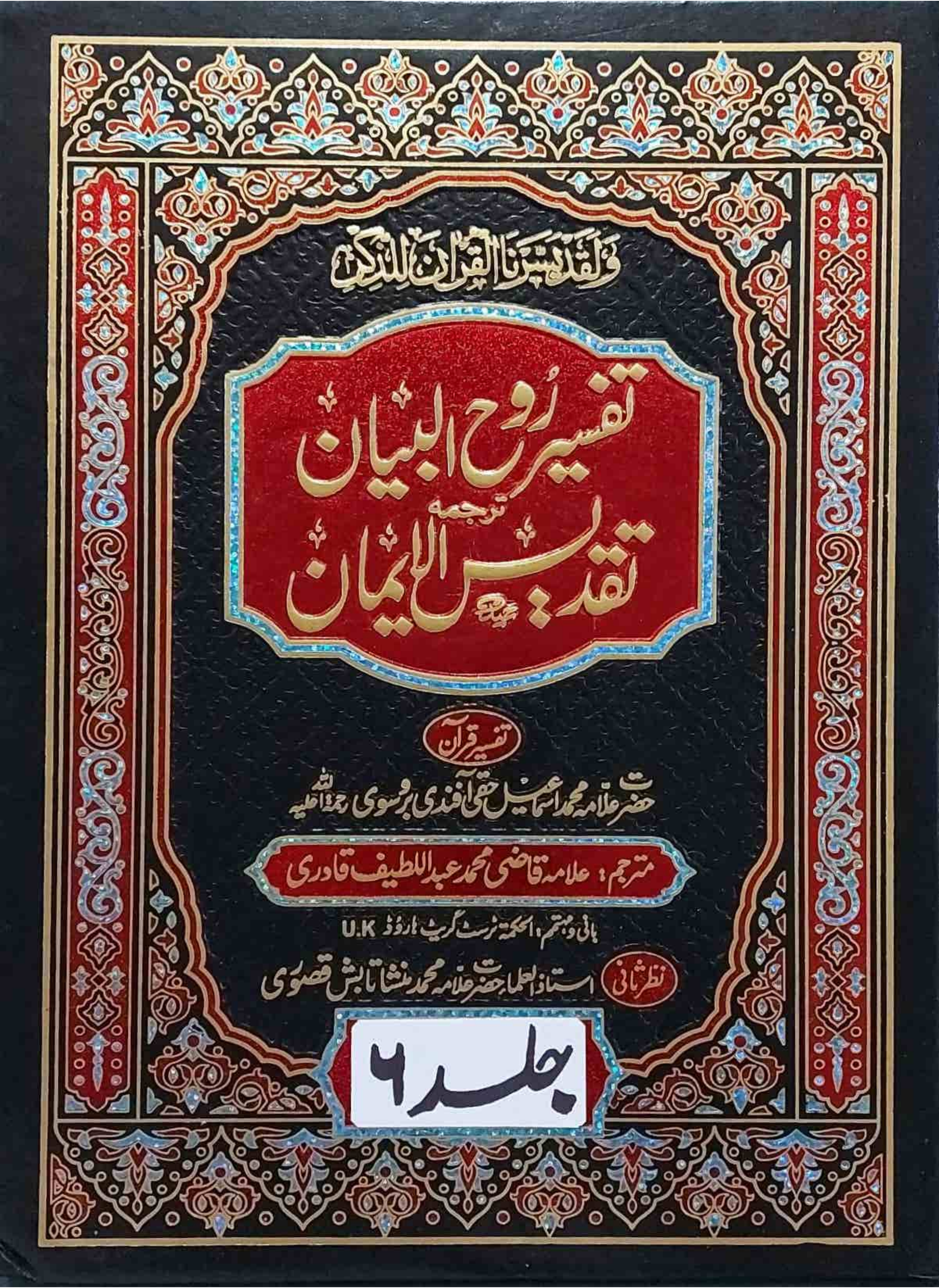

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
تفسیر روح البیان
ترجمہ
تقدیس الایمان
تفسیر قرآن
حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
بانی و مہتمم، الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہارووڈ U.K
نظرثانی
استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
جلد ٦

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ (سورۃ القمر)

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

تفسیر قرآن : حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری

بانی و مہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K

نظر ثانی : استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری

پارہ 16 تا 18



میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-37241382

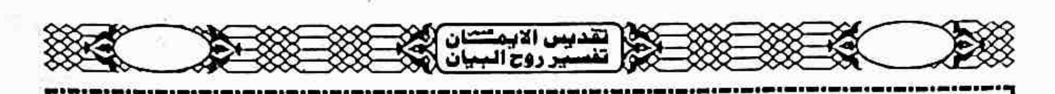
نام کتاب	......☆......	تفسیر روح البیان ترجمہ تقدیس الایمان
تفسیر قرآن	......☆......	حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی آفندی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وتخریج	......☆......	علامہ قاضی محمد عبداللطیف قادری
	......☆......	بانی ومہتمم: الحکمۃ ٹرسٹ گریٹ ہاورڈ U.K
نظر ثانی	......☆......	استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری
پروف ریڈنگ	......☆......	علامہ قاضی محمد سعید الرحمٰن قادری 0300-9506527
	......☆......	علامہ قاضی طاہر محمود قادری، علامہ قاضی مظہر حسین قادری
	......☆......	مولانا مقصود الٰہی، مولانا حافظ غالب چشتی
پروف ریڈنگ قرآن	......☆......	قاری محمد اسلام خوشابی 0306-6628331
	......☆......	(رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب)
کمپوزنگ	......☆......	حافظ شاہد خاقان 0321/0311-5841622
اشاعت اول	......☆......	2021
مجلدات	......☆......	10

ہدیہ

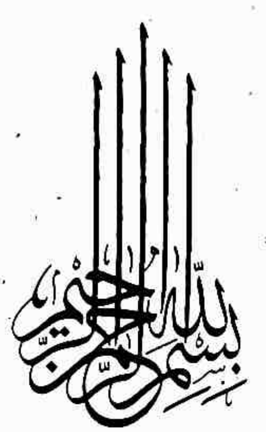
گورنمنٹ آف پاکستان کے احکامات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا نام مبارک جہاں بھی آئے گا وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ کا لفظ لازمی آئے گا۔ حکومت کے اسی حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں جہاں جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین ﷺ لکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کہیں لکھنے سے رہ گیا ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ ہی لکھا اور پڑھا جائے۔ شکریہ ادارہ

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ (ادارہ)



فہرست مضامین تفسیر روح البیان (جلد ششم پارہ 18-16)



پارہ 16 تا 18

تفسیر روح البیان

ترجمہ

تقدیس الایمان

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

کہا کیا نہیں میں نے کہا آپ کو بے شک آپ ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے میرے ساتھ۔ فرمایا اگر میں نے پوچھا آپ سے

عَنْ شَيْءٍ ۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

کچھ اس کے بعد تو نہ ساتھ رکھو مجھے۔ تحقیق پورا ہوا میری طرف سے عذر۔

(آیت نمبر ۷۵) خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ یہ پہلے سے زیادہ زجر و توبیخ ہے یعنی کیا آپ کو میری وصیت یا وعدہ یاد نہیں رہا کہ آپ نے پھر ایک بار میرے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی مخالفت کردی۔ مراد یہ ہے کہ میں جو بھی کروں تم خاموشی سے تماشہ دیکھو۔

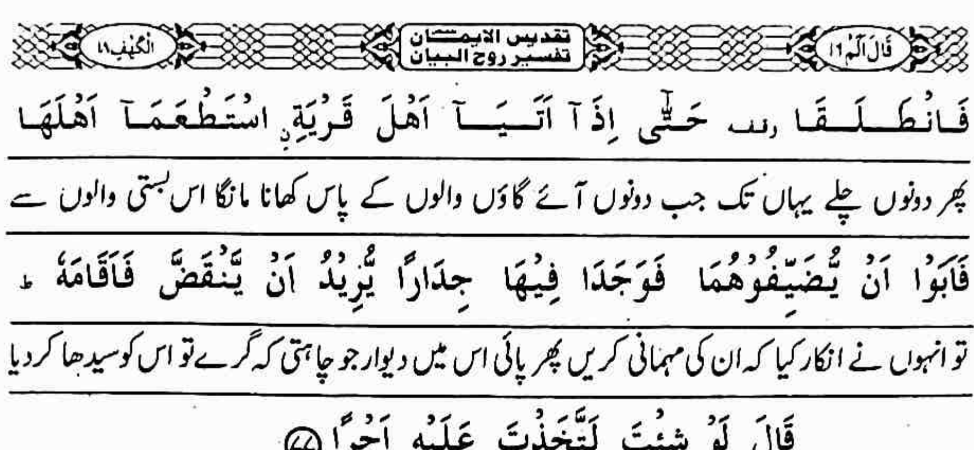
(آیت نمبر ۷۶) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب اگر ایسے افعال ناپسندیدہ پر میں نے کوئی سوال کیا تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ پھر آپ نے مجھ سے عذر پورا کردیا چونکہ آپ کی تین بار مخالفت ہو جائیگی لہذا پھر عذر معذرت ختم ہوگئی۔ (کیونکہ آزمائش زیادہ سے زیادہ تین ہی بار ہوئی۔ غالباً اس لئے یہ فرمایا۔)

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے آپ نے حیاء کے پیش نظر فرمادیا ورنہ وہ اگر کچھ اور صبر کرتے تو بڑے بڑے عجائب دیکھتے (شرح احیاء العلوم)۔ (ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں ہوتا تو خاموش ہی رہتا۔)

باطنی علم: تفسیر ابن حبان میں ہے کہ امت میں اکثریت کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے ان پر باطنی امور کی وحی ہوتی تھی اور ان پر ہی عمل کرنے کیلئے مامور تھے اور موسیٰ علیہ السلام ظاہری امور پر عمل کرنے کے پابند تھے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ امور ظاہری اور باطنی دونوں پر عمل کے مجاز تھے لیکن اکثر آپ کا عمل امور ظاہریہ پر تھا کبھی امور باطنیہ پر بھی عمل کر لیتے تھے جیسا کہ آپ نے ایک چور کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک آدمی کے قتل کا حکم دیا بہ ظاہر وہ نمازی بھی تھا چونکہ اس کا دل بغض نبی سے پُر تھا۔ ظاہر طور پر ان دونوں کا قتل درست نہ تھا لیکن حضور ﷺ نے ان کی باطنی خباثتوں کے پیش نظر ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

فائدہ: اسی طرح اب بھی کئی لوگ اچانک مرجاتے ہیں اصل میں خضر علیہ السلام ان کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)



فَانْطَلَقَا ۥ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَیَآ اَهْلَ قَرْیَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا

پھر دونوں چلے یہاں تک جب دونوں آئے گاؤں والوں کے پاس کھانا مانگا اس بستی والوں سے

فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ

تو انہوں نے انکار کیا کہ ان کی مہمانی کریں پھر پائی اس میں دیوار جو چاہتی کہ گرے تو اس کو سیدھا کردیا

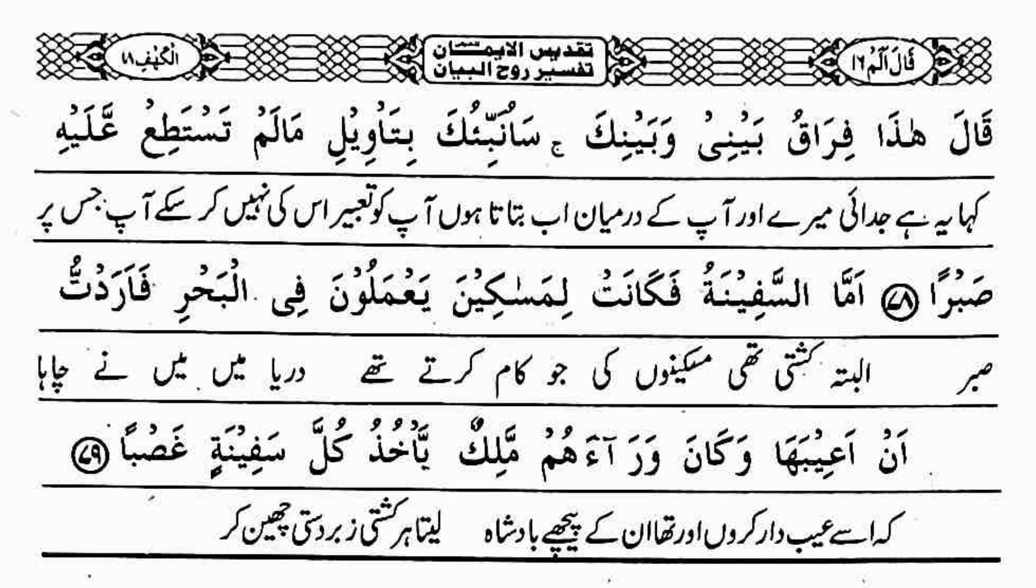
قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

فرمایا اگر آپ چاہتے تو لے لیتے اس پر کچھ مزدوری۔

(آیت نمبر ۷۷) اب دوبارہ مشروط صحبت کے ساتھ دونوں حضرات نے اگلا سفر جاری کردیا۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اس بستی کا مشہور نام انطا کیہ ہے جو اس زمانے میں بڑا مضبوط اور مشہور شہر تھا جس کے اندر چشمے اور باہر بڑی فصیل تھی اور یہ شہر پانچ بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ جس کا گھراؤ بارہ میل تک ہے۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شام کے وقت اس شہر کے بڑے تمام گیٹ بند کردیئے جاتے تھے کچھ بھی ہوجائے پھر نہیں کھلتے تھے تو یہ دونوں حضرات جب پہنچے تو دروازے بند ہوچکے تھے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی لیکن ان کیلئے دروازہ نہیں کھولا گیا نہ ان کے مانگنے کے باوجود انہیں کھانا دیا گیا اس بستی کے اکثر لوگ کنجوس تھے لوگوں کو کھانا وغیرہ دینے میں قارون تھے۔ ایک **حدیث** میں بھی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس بستی والے بڑے بخیل تھے۔ (کشاف)۔ کسی مہمان یا راہ گیر۔ مسافر بلکہ کسی غریب کو کھانا نہیں دیتے تھے۔

عجیب قصہ: انطا کیہ والے مسلمان ہوئے تو وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ آپ جتنا چاہیں ہم سے سونا لے لیں اور اس آیت میں با کی جگہ تا کردیں تو "ابَوْ" کی جگہ "اتَوْ" ہوجائیگا۔ جس کا معنی ہے۔ انہوں نے مہمانی کی۔ اس سے ہمارے آباؤ اجداد سے بخیلی کا دھبہ اتر جائیگا۔ آپ نے فرمایا تم سے بخیلی کا دھبہ اتر جائیگا تو پھر جو مجھ پر قرآن کی تبدیلی کا سیاہ دھبہ لگ جائیگا۔ اس کا کیا بنے گا۔ آگے فرمایا کہ دونوں حضرات رات کو شہر سے باہر رہے صبح جب دروازہ کھلا تو انہوں نے ایک دیوار دیکھی کہ وہ گرنے والی تھی تو خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے ہی اسے سیدھا کھڑا کردیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا انہوں نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا اور آپ نے ان کی دیوار کھڑی کردی۔



قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ج سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ

کہا یہ ہے جدائی میرے اور آپ کے درمیان اب بتاتا ہوں آپ کو تعبیر اس کی نہیں کر سکے آپ جس پر

صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ

صبر البتہ کشتی تھی مسکینوں کی جو کام کرتے تھے دریا میں میں نے چاہا

اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾

کہ اسے عیب دار کروں اور تھا ان کے پیچھے بادشاہ لیتا ہر کشتی زبردستی چھین کر

(آیت نمبر ٧٨) جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے دیوار کھڑی کر دی اور دوسری طرف انہیں کھانے کی بھی سخت ضرورت تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے نہ انہوں نے رات رہنے کی جگہ دی نہ کھانا ہمیں دیا کیسے بے مروّت ہیں اور آپ نے فٹافٹ ان کی دیوار سیدھی کر دی اگر آپ چاہتے تو دیوار سیدھی کرنے کا ان سے اجر ہی لے لیتے جس سے ہم کھانا خرید لیتے۔

رموز کی باتیں: موسیٰ علیہ السلام نے جب جناب خضر سے کہا تھا کہ کشتی کیوں پھاڑی کیا ہمیں غرق کرنا چاہتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جس خدا نے تمہیں بحر قلزم میں غرق نہیں ہونے دیا۔ وہ یہاں کیسے غرق کرتا۔ پھر جب ایک لڑکے کو خضر علیہ السلام کے بلا وجہ قتل کرنے پر ٹوکا تو حضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے ایک قبطی کو (ایک مکہ) مار کر کیوں قتل کر دیا تھا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے دیوار پر مزدوری لینے کی بات کی تو حضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا تو آپ نے کون سی مزدوری پہلے مانگی تھی لیکن یہ محبت کے انداز میں گفتگو ہوئی۔

(آیت نمبر ٧٩) خضر علیہ السلام نے مزدوری کی بات سنتے ہی فرمایا کہ یہ وقت میری اور آپ کی جدائی کا ہے۔ یعنی تیسرا اعتراض آپ کی جدائی کا سبب بن گیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلے فرما چکے تھے کہ اب اگر اعتراض کیا تو مجھے اپنا ساتھی نہ بنانا لہٰذا اب کوئی گنجائش نہ رہی تو خضر علیہ السلام نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا کہ اب آپ کو بتاؤں گا وہ تفصیل کہ جس پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔ کشتی کو میں نے اس لئے توڑ دیا کہ اس کی آمدن پر ایک پورے غریب گھرانے کا گذر اوقات تھا۔ کمانے والا ایک تھا۔ اور کھانے والے آٹھ دس حضرات تھے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ ﴿٨٠﴾

اور جولڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہے کہ وہ چڑھائے گا ان پر سرکشی اور کفر۔

(بقیہ آیت نمبر۷۹) **تاویل** : یعنی انجام کی خبر خضر علیہ السلام نے فرمایا: (۱) کشتی اس لئے پھاڑی کہ ظالموں سے بچ جائے۔(۲) بچہ اس لئے مارا کہ اس کے ماں باپ اس کے شر سے بچ جائیں۔(۳) دیوار اس لئے کھڑی کی تا کہ یتیموں کا خزانہ بچ جائے۔دونوں یتیم اپنے خزانے کو پالیں۔

(آیت نمبر۸۰) البتہ وہ کشتی جسے ہم نے چیرا وہ ایسے چند غریبوں کمزوروں کی تھی جن کی گذر معاش اس کشتی پر تھی وہ دس بھائی تھے جن میں سے پانچ لنجے لنگڑے تھے جو کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔باقی بھائی دریا میں کشتی بانی کی مزدوری کر کے گھر کے تمام افراد کیلئے معاش کا بندوبست کرتے تھے۔

فائدہ : سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ لمساکین میں لال تملیک ہو تو معنی یہ ہے کہ کشتی ان کی اپنی تھی یہ بھی ممکن ہے، کہ لام تملیک نہ ہو یعنی ان کی اپنی نہ ہو اور وہ کرائے یا اجرت پر چلاتے ہوں۔روایات میں اسی طرح وارد ہے۔ آگے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم سے یہ ارادہ کیا کہ میں اس کشتی کو عیب دار کردوں کیونکہ جدھر کشتی جارہی تھی۔آگے ایک بادشاہ تھا جس کا نام جلندی تھا جو اندلس کے جزیرے میں رہتا تھا۔دریائی راہ زن اور فسادی تھا جو ہر صحیح سالم کشتی چھین لیتا تھا۔یعنی جبراً کشتی والوں سے کشتی لے لیتا تھا۔اس غصب کے خوف سے ہی کشتی کو عیب دار کردیا کیونکہ جس کشتی میں کوئی عیب ہوتا اسے نہیں لیتا تھا کشتی پھاڑنے کا مقصد لوگوں کو ڈبونا نہیں تھا۔ بلکہ ان غریبوں کو ظالموں کے دس ظلم سے بچانا تھا اور یہ بات اترتے وقت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کو بھی بتادی تھی کہ آگے ظالم بادشاہ ہے۔میں نے کشتی اس لئے توڑی تا کہ تمہاری کشتی اس کے ہاتھ سے بچ جائے۔

فائدہ : قصص الانبیاء میں ہے کہ کشتی تھوڑا آگے گئی تو بادشاہ کے کارندے آگئے لیکن کشتی کو عیب دار دیکھ کر واپس چلے گئے کیونکہ بادشاہ کا آڈر تھا کہ نئی قسم کی کشتی ہو تم چھین لیا کرو۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کئی فوائد اور بھی بتائے ہیں۔**فائدہ** : علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک اور بھی لطیف سا اشارہ ہے وہ یہ کہ کشتی والوں نے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعظیم وتکریم کی اور ان سے کرایہ وغیرہ بھی نہیں لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں اس کے عوض میں اس سے بہتر صلہ عطا فرمایا کہ ایک بہت بڑے ظالم کے ہاتھ سے اس کشتی کو بچالیا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تعظیم وتکریم اور ان کا ادب کرنے میں دونوں جہانوں کی فلاح و بہبود ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں انبیاء واولیاء کا باادب بنائے۔(آمین)

فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ

تو ہم نے چاہا کہ بدل دے ان کو انکا رب بہتر اس سے پاکیزہ اور زیادہ قریب رحم کرکے۔ اور رہی دیوار

فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ

وہ تھی دو لڑکوں کی جو یتیم تھے شہر میں اور تھا نیچے اس کے خزانہ ان کا اور تھا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً

ان کا باپ نیک آدمی تو ارادہ ہوا تیرے رب کا کہ دونوں پہنچ کر اپنی جوانی کو نکال لیں اپنا خزانہ۔ رحمت

مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ ع ﴿۸۲﴾

آپ کے رب کی۔ اور نہیں کیا میں نے کچھ اپنے حکم سے۔ یہ ہے تعبیر جو نہیں کر سکے آپ اس پر صبر

(آیت نمبر ۸۱) البتہ جو جیسو نامی لڑکا تھا اس کے قتل کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے یعنی توحید خدا کے قائل تھے اور صاحب ایمان تھے ہمیں اس بات کا خطرہ ہوا کہ یہ نوجوان لڑکا اپنے ماں باپ کو کفر یا کم از کم گمراہی کے گڑھے میں گرا دے گا اور وہ بھی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان چھوڑ دیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے۔ یہ بات انہیں اللہ تعالیٰ نے بتادی کہ اس لڑکے کا انجام کفر ہے لہذا اسے قتل کرنا ہی مناسب ہے ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے جو اس مرنے والے سے بہتر ہو اور گناہوں سے پاک اور رحمت کے نزدیک ہو گا یا ماں باپ سے شفقت اور خدمت کے لحاظ سے بہتر ہو گا۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس لڑکے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو ایسی بچی عطا کی جو ایک نبی کی بیوی بنی پھر اس کی نسل میں ستر نبی پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔

مسئلہ: انسان کو رضا و تقدیر الٰہی پر راضی رہنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی اس کے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا۔

(آیت نمبر ۸۲) اب رہی بات اس دیوار کی جسے گرنے سے بچا کر سیدھا کر دیا تھا۔ وہ اصل میں دو یتیم بچوں کی تھی جن میں سے ایک کا نام اضرم اور دوسرے کا نام صریم تھا ان کے والد کا نام کاشح تھا جو کہ نہایت متقی شخص تھا جس

بستی کا نام انطا کیہ تھا جس دیوار کو کھڑا کیا اس دیوار کے نیچے یتیم بچوں کا سونے اور چاندی کا خزانہ دفن تھا اور ان یتیموں کا باپ نیک اور امانتدار آدمی تھا اس کے پاس لوگ امانتیں رکھتے تو وہ خیانت نہیں کرتا تھا۔

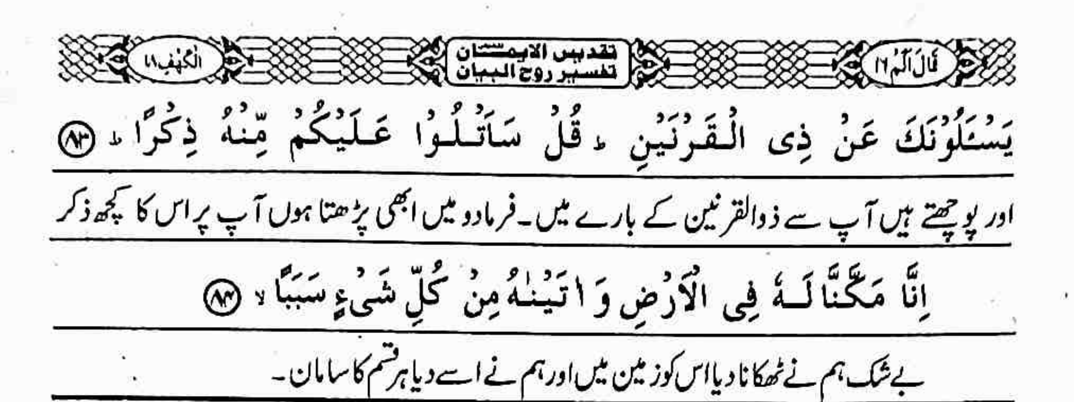
فائدہ :جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ نیک بخت بزرگ اوپر ساتویں پشت میں تھا یعنی وہ مال اس نیک مرد کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا زمانہ تک ان کے اس مال کی حفاظت فرمائی۔ آگے فرمایا تیرے رب کا ارادہ ہوا کہ خضر علیہ السلام دیوار کو سیدھا کر دیں کہ دونوں یتیم بچے بالغ ہو چکے ہیں اور کمال عقل مندی اور ہوش مندی کو پہنچ گئے ہیں۔ لہذا رب کریم نے چاہا کہ وہ دونوں نوجوان اپنا خزانہ وہاں سے نکال لیں۔ اگر میں دیوار سیدھی نہ کرتا اور وہ گر جاتی تو اندر کا خزانہ سامنے ہو جاتا اور لوگ اسے اٹھا کر لے جاتے۔ دیوار کے سیدھا ہونے کے بعد ان بچوں کے متولی نے انہیں خزانے کے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ نے جس طرح محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اسی طرح ان بچوں کے دل میں ڈال دیا اور "لھما" میں لام اختصاص ہے کہ وہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی بچوں کیلئے مخصوص رکھا ہوا تھا۔

آگے فرمایا کہ یہ بھی تیرے رب کی رحمت ہے کہ حق حق دار کو مل گیا اور اے موسیٰ علیہ السلام یہ جو کچھ آپ نے دیکھا کہ کشتی توڑی یا نوجوان کا قتل اور دیوار کی سیدھائی۔ یہ سب کام میرے اپنے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حکم الٰہی سے اور وحی خفی سے ایسا کیا۔ گویا موسیٰ علیہ السلام سے معذرت بھی ہوگئی۔

آگے فرمایا کہ یہ تفصیل ہے اس کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ موسیٰ علیہ السلام رو پڑے جب خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہوئے تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کاش آپ خاموش رہتے تو ہزاروں عجائبات دیکھتے جو ایک سے ایک بڑھا ہوا ہوتا۔ (اب موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا۔ کہ واقعی مجھ سے زیادہ علم والے لوگ بھی موجود ہیں)۔

نکتہ :خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کیا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی تاکہ عیب والے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو۔ دوسرے کام میں ماں باپ کے ساتھ نیکی اور آگے نیک نسل کا معاملہ تھا۔ اس میں اپنے ساتھ تائید خداوندی کو ملا لیا اور تیسرے کام میں محض خیر ہی تھی۔ اس لئے اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی۔

سبق :محمد بن المنکدر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کامل صالح کے طفیل اس کی کئی پشتوں تک ان کے مال کی حفاظت فرماتا ہے اس کے قبیلے اور ہمسائے بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتے ہیں۔ **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے ایک نیک آدمی کے طفیل ساتویں پشت تک حفاظت فرمائی اور نبی کریم ﷺ کی آل اولاد اور امت قیامت تک حضور ﷺ کی ذات سے برکات حاصل کریں گے۔ بلکہ قیامت کے دن بھی برکات حاصل کریں گے۔ (نجدی عقائد اور ان کے پیچھے نماز کے تفصیلی مسائل دیکھنے ہوں تو اس مقام پر فیوض الرحمان دیکھ لیں)۔



يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ ﴿٨٣﴾

اور پوچھتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں۔ فرمادو میں ابھی پڑھتا ہوں آپ پر اس کا کچھ ذکر

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ۙ ﴿٨٤﴾

بے شک ہم نے ٹھکانا دیا اس کو زمین میں اور ہم نے اسے دیا ہر قسم کا سامان۔

(آیت نمبر ۸۳) اے محبوب آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔

شان نزول: یہودیوں کی طرف سے یہ تیسرا سوال تھا کہ وہ کونسا شخص تھا کہ جس نے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب تک بادشاہی کی۔ سکندر اکبر بھی اسی کو کہا گیا۔ اور انہوں نے ہی پوری دنیا کی سیر کی۔

فائدہ: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ پوری دنیا پر چار شخصوں نے حکومت کی۔ دو کافر تھے نمرود اور شداد اور دو مسلمان تھے۔ حضرت سلیمان اور ذوالقرنین علیہما السلام۔ ذوالقرنین کے نبی ہونے میں اختلاف ہے۔

فائدہ: جناب ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئے ایک ہزار سال عمر پائی۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کے مشیروں سے تھے۔ ابن کثیر کے مطابق وہ نبی نہیں تھے نیک عادل ضرور تھے مگر صاحب تبیان فرماتے ہیں کہ پانچ سو سال عمر پائی بیت المقدس میں فوت ہوئے۔ غالباً خضر علیہ السلام کے خالہ زاد تھے۔

ذوالقرنین کی وجہ: وہ مشرق ومغرب پر حاکم تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی ذوالقرنین کہا گیا ہے ایک روم کا بادشاہ ذوالقرنین ہوا ہے۔ دونوں کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے لیکن وہ کافر تھا۔ یہ ذوالقرنین جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ مسلمان تھے۔ بعض لوگ اس میں فرق نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں۔

آگے فرمایا۔ اے محبوب ان کو بتاؤ کہ عنقریب میں تمہیں اللہ کے حکم سے بتاؤں گا۔ کہ وہ کون تھے۔

(آیت نمبر ۸۴) ہم نے سکندر ذوالقرنین کو تدبیر اور رائے میں اور اسباب کے تصرف کرنے کی قدرت عطا کی اور اسباب کی فراوانی دی اور انہیں ایسا نور بخشا کہ وہ رات کو دن کی طرح دیکھتا تھا اور زمینی سفر اس کے لئے آسان کردیا۔ آگے فرمایا کہ ہم نے اسے شاہی کے متعلقہ تمام اسباب عطا فرمائے۔ یہاں سببا سے وہ طریقہ مراد ہے جس سے مقصود حاصل ہو یا علم وقدرت مراد ہے یا جنگی آلات مراد ہیں یا ایسے دستاویز دیئے گئے جن سے وہ آسانی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تھا۔

فَاَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ

پھر پیچھے چلا سامان لے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے غروب آفتاب کی جگہ پایا اسے ڈوبتا ہوا چشمے میں جو سیاہ کالا تھا

وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿٨٦﴾

اور ملی وہاں ایک قوم۔ کہا ہم نے اے ذوالقرنین یا تو انہیں عذاب دے اور یا پھر کر دان میں بھلائی۔

(آیت نمبر ۸۵) تو پھر اس نے اسباب کا پیچھا کیا یعنی اگر اس نے مغرب کے آخری کونے تک جانے کا ارادہ کیا تو اسے ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ وہ ان کے ذریعے منزل مقصود تک جا پہنچا اور اس نے پوری دنیا مشرق و مغرب شمال و جنوب کو دیکھا بلکہ دنیا کی ہر جگہ کو دیکھ لیا۔ گئے تو **آب حیات کی تلاش**: چونکہ دنیا کے کسی کونہ میں آب حیات ہے جو شخص وہاں سے ایک قطرہ بھی پی لیتا ہے قیامت تک موت اس کے قریب نہیں آتی۔ اسے پانے کیلئے حضر علیہ السلام سکندر ذوالقرنین بھی گئے کہ وہ چشمہ مل جائے اور اس سے پی لوں حضر علیہ السلام نے پالیا اور سکندر اسے نہ پا سکے۔ (یہ بھی قسمت کی بات ہوتی ہے کہ جس کے پاس اسباب تھے اس نے نہ پایا۔ اور جس کے پاس اسباب نہ تھے اس نے پالیا۔)

(آیت نمبر ۸۶) یہاں تک کہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچ گئے یعنی زمین کے آخری حصے تک جہاں سے آگے کوئی نہیں جا سکتا۔ اس جگہ سے سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔

چشمہ آب حیات: کوہ قاف کے قریب تھا۔ درمیان میں ظلمۃ الارض تھا۔ یعنی ایسا اندھیرا کہ ہاتھ بھی نظر نہ آئے۔ وہاں سے آگے سمندری گھوڑیاں لیکر ان پر سوار ہو کر گئے کیونکہ سمندری گھوڑی سخت اندھیری رات میں بھی راستہ دیکھ لیتی ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے خضر علیہ السلام نے آب حیات پالیا اور پی بھی لیا اور غسل بھی کر لیا لیکن وائے ناکامی کہ سکندر خالی ہاتھ واپس آ گیا۔

زمرد: راستے میں ایک جگہ زمرد بہت تھا۔ سکندر نے ساتھیوں سے کہا یہ پتھر اٹھا لو جتنے اٹھا سکتے ہو۔ لوگوں نے تھوڑے تھوڑے اٹھائے لیکن روشنی میں آ کر دیکھا تو وہ سبز زمرد تھا۔ اب پچھتائے کہ کاش اور بھی لے آتے۔ آگے فرمایا کہ سکندر نے وہاں دیکھا کہ سورج سیاہ کیچڑ میں ڈوبتا ہے۔ حالانکہ سورج کے ڈوبنے کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا جو جہاں کھڑا ہو حد نگاہ پر جو چیز نظر آئے۔ بندہ یہی سمجھتا ہے کہ شاید سورج وہاں غائب ہو رہا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے وہاں چشمہ کے قریب ایک قوم کو پایا۔ جو بت پرست تھے۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ معراج کی شب نبی پاک ﷺ کا گذر اس قوم پر ہوا اور وہ قوم حضور ﷺ پر ایمان لائی۔ اس مقام کا نام جابلصا یا جابلقا ہے۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾

کہا البتہ جس نے ظلم کیا عنقریب اسے ہم سزا دیں گے پھر پھرایا جائیگا طرف اپنے رب کے پھر وہ عذاب دے گا بہت برا۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اور جس نے ایمان لایا اور عمل نیک کیا اس کا بدلہ ہے بہت اچھا۔ اور ہم کہیں گے اسے اپنا کام آسان۔

(بقیہ آیت نمبر ٨٦) آگے فرمایا کہ ہم نے سکندر کو کہا (بذریعہ الہام) کیونکہ سکندر ذوالقرنین نبی نہیں ہیں۔ نبی تسلیم کرنے کیلئے نص قطعی چاہئے اور ان کے متعلق کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ اس قوم کے بارے میں ذوالقرنین کو اختیار دیا گیا کہ تم انہیں عذاب دو یا ان سے نیک کام کا وعدہ لے لو۔ یعنی انہیں پہلے تو دین کی دعوت دو۔ اس پر اگر وہ انکار کریں تو پھر انہیں سخت سزا دو یا ان سے احسان و مروت سے پیش آؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ مانیں تو احسان و مروت کریں ورنہ قتل کر دیں تمہیں اختیار ہے۔

(آیت نمبر ٨٧) تو ذوالقرنین نے فرمایا کہ جس نے ظلم کیا یعنی دین کا منکر ہو کر کافر ہوا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اسے پہلے تو سمجھائیں گے پھر بھی نہ مانا۔ تو ہم قتل کے عذاب میں مبتلا کریں گے پھر وہ منکر آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اسے اللہ تعالیٰ نہایت برے عذاب میں مبتلا فرمائے گا جو عذاب اس سے پہلے نہ سنا ہوگا نہ دیکھا ہوگا یعنی جہنم کا عذاب۔

(آیت نمبر ٨٨) البتہ جو ایمان لایا یعنی میری دعوت کو قبول کیا اور ایمانی تقاضے کے مطابق نیک عمل بھی کئے اسے دونوں جہانوں میں بہت اچھا اجر ملے گا۔ یعنی انہیں جنت ملے گی اور عنقریب ہم اسے اپنے کام آسان کر کے بتائیں گے یعنی ہمارے احکام پر عمل کرنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہوگا۔ جس کے ادا کرنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ **فائدہ**: قصص الانبیاء میں ہے کہ ذوالقرنین جس قوم کے پاس سے بھی گذرتے انہیں دین کی دعوت دیتے اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں امن و سکون مل جاتا اگر نہ مانتے تو اس قوم پر ظلمت چھا جاتی۔ ہر طرف سخت اندھیرا چھا جاتا اور وہ تاریکی دھواں بن کر ان کے منہ کان اور ناک میں گھس جاتی۔ آگے فرمایا کہ ذوالقرنین آٹھ دن تک اسی اندھیرے میں چلتے رہے۔ یہاں تک کوہ قاف تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک فرشتے کو بھی دیکھا جو کوہ قاف پر مقرر ہے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے میں مصروف ہے جو تسبیح بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ ذوالقرنین فرشتے کو دیکھ کر سجدے میں گر گئے اس سجدے کی برکت سے انہوں نے فرشتے کو بھی دیکھا اور کوہ قاف کو بھی دیکھ لیا۔ فرشتے نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے یہاں تو کسی بنی آدم کا گذر نہیں ہوا تو سکندر نے کہا جس نے آپ کو یہاں مقرر فرمایا وہی مجھے بھی لایا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

پھر وہ پیچھے چلا اپنے سامان کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا طلوع آفتاب کی جگہ پایا کہ وہ نکلتا ہے

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

ایسی قوم پر کہ نہیں رکھی ہم نے ان کیلئے اس سے کوئی آڑ

(آیت نمبر ۸۹) پھر وہ سامان کے ساتھ اور آگے چل پڑا۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ اپنے ساتھ آگے آگے ایک نور کا لشکر لیکر روانہ ہوا وہاں قوم ہادیل کو جو قطر ایمن میں تھی۔ انہیں مسخر کرتے ہوئے مشرق کی طرف چل پڑا۔ فائدہ: چونکہ ان کے ساتھ ہر قسم کا سامان تھا۔ اس لئے اس اسباب کا ذکر کثرت سے کیا۔

(آیت نمبر ۹۰) یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی جگہ تک جا پہنچا جہاں پر سورج نکلتے وقت اس کی کرنیں سب سے پہلے پڑتی ہیں۔ **فائدہ** :ایک روایت میں ہے کہ مغرب سے مشرق تک بارہ سال میں پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمت عطا فرمائی اور کئی طرح کے اسباب بھی اسے عطا ہوئے تو وہاں جا کر دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع کر رہا ہے جو بالکل ننگ دھڑنگ تھے ان کے اور سورج کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی نہ اس قوم کا لباس تھا نہ ان کے مکان تھے اس لئے کہ وہ کیچڑ میں ہی رہتے تھے جہاں مکان بن ہی نہیں سکتا البتہ جب سورج نکلتا تو وہ غاروں میں چھپ جاتے تھے جب سورج آگے نکل جاتا تو وہ غاروں سے باہر آجاتے تھے۔ اس وقت وہاں سورج کی اتنی تپش تھی کہ مچھلی اس تپش سے بھون لیتے۔ اور سمندر کا پانی بھی ابلنے لگ جاتا۔

فائدہ : حدادی فرماتے ہیں کہ ان کے جسم پر بالکل بال نہیں تھے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم نے اسے بلند مرتبہ پر پہنچایا اور تحقیق ہم نے گھیر رکھا اسے جو اس کے پاس تھا۔ از روئے علم کے۔ یعنی ہمیں اس کے تمام ظواہر اور بواطن کا علم ہے۔ اس کا اتنا بڑا لشکر تھا۔ جس کا احاطہ سوائے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اتنی بڑی سلطنت کی وجہ: ان سے پوچھا گیا کہ بادشاہ تو بڑے بڑے ہوئے۔ بڑے خزانے اور لشکروں کے مالک تھے لیکن آپ جیسی فتح ونصرت کسی کو نصیب نہیں ہوئی تو انہوں نے کہا۔ اصل میں تو اللہ تعالیٰ کی مدد میرے شامل حال رہی اور میری عادت تھی کہ میں رعیت کو کبھی رنج نہیں پہنچاتا تھا انہیں امن وسکون میں رکھا تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ

اسی طرح اور تحقیق گھیرا ہم نے جو اس کے پاس ہے علم۔ پھر پیچھے چلا سامان کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچے

بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

درمیان دو پہاڑوں کے تو پائی ان کے قریب ایک قوم نہیں قریب تھا کہ سمجھتے بات کو۔

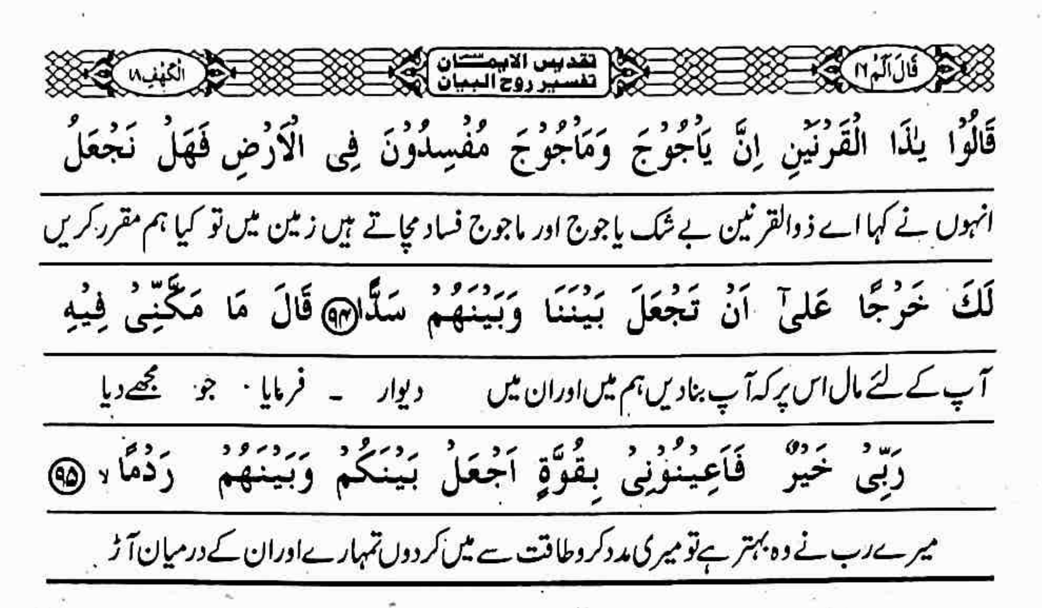
(آیت نمبر۹۱) پھر اپنے سامان کے ساتھ ایک اور راستہ اختیار کیا جو جنوب سے شمال کی طرف جاتا ہے۔ یعنی اس نے چند سالوں میں مشرق و مغرب کا کونہ کونہ چھان مارا۔ یہ سب اسے تائید ایزدی حاصل تھی۔

(آیت نمبر۹۲) پھر وہ اپنا ساز و سامان لیکر آگے چل پڑے۔ یعنی اب انہوں نے مشرق و مغرب کے علاوہ ایک تیسرا راستہ اختیار کیا۔ یعنی جنوب و شمال کی طرف چل پڑے۔

(آیت نمبر۹۳) یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان والی جگہ پر پہنچے یعنی غالباً ترکی کی زمین کے آگے آخر تک پہنچے جو اس کے شمال مشرق جانب میں واقع ہے جس کے پیچھے یاجوج ماجوج کے بسیرے ہیں جب سکندر اعظم ان دونوں پہاڑوں میں سے گذرے تو ان کے پیچھے ایک قوم کو دیکھا کہ جو کسی بات کو نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کچھ سمجھتے بھی تو بڑی مشکل سے کوئی بات انہیں سمجھ آتی تھی۔ اشاروں یا کنائیوں سے۔ جیسے گنگے کو کوئی بات سمجھائی جائے۔

یاجوج ماجوج کون ہیں: نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: (۱) حام۔ (۲) سام۔ (۳) یافث۔ (۱) عرب۔ (۲) عجم۔ (۳) روم سام کی اولاد سے۔ حبش زنج اور نوبہ حام کی اولاد سے خزر اور صقابیہ اور یاجوج ماجوج یافث کی اولاد سے۔

ذوالقرنین کا مختصر تعارف: روایت نمبر ۱: وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین اسکندریہ کی ایک بوڑھی غریب عورت کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ اس عورت کا کوئی بیٹا نہیں تھا، وہ عورت اپنی قوم سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ ذوالقرنین انتہائی خوبصورت، بردبار اور بہت شریف پاکدامن ذی وجاہت تھا۔ نہایت خوش اخلاق اور بڑے بڑے کام سرانجام دینے والا، اللہ تعالیٰ نے اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں رکھ دی۔ اور اپنی قوم میں بہت معزز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی دولت دی۔ اس نے پوری قوم کو بھی مسلمان بنالیا۔ قوم سے چلتے چلتے پوری دنیا پر چھا گیا اور کہتا تھا۔ یہ سب میرے رب کی کرم نوازی ہے۔ **روایت نمبر ۲:** تفسیر تبیان میں ہے کہ ذوالقرنین کا باپ ایک جابر ظالم بادشاہ تھا۔ جب وہ مر گیا اور یہ اس کا جانشین ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نیک اور پرہیز ساتھی دے دیا۔ اس نے اسے کہا کہ تو اللہ سے ڈر اور مرنے سے پہلے توبہ تائب ہو جا۔ اسے اس کی باتوں پر غصہ آ گیا اور اسے قید کر دیا اور سخت پہرا لگا دیا۔ اسے ایک فرشتہ نے چھت پھاڑ کر وہاں سے نکال لیا۔ جب ذوالقرنین نے یہ ماجرا دیکھا۔ انتہائی خوف زدہ ہوا۔ اور اس دوست کو ایک پہاڑ پر عبادت کرتے دیکھا۔ تو یہ بھی مسلمان ہو گیا۔



قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین بے شک یاجوج اور ماجوج فساد مچاتے ہیں زمین میں تو کیا ہم مقرر کریں

لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِيْهِ

آپ کے لئے مال اس پر کہ آپ بنادیں ہم میں اوران میں دیوار ۔ فرمایا جو مجھے دیا

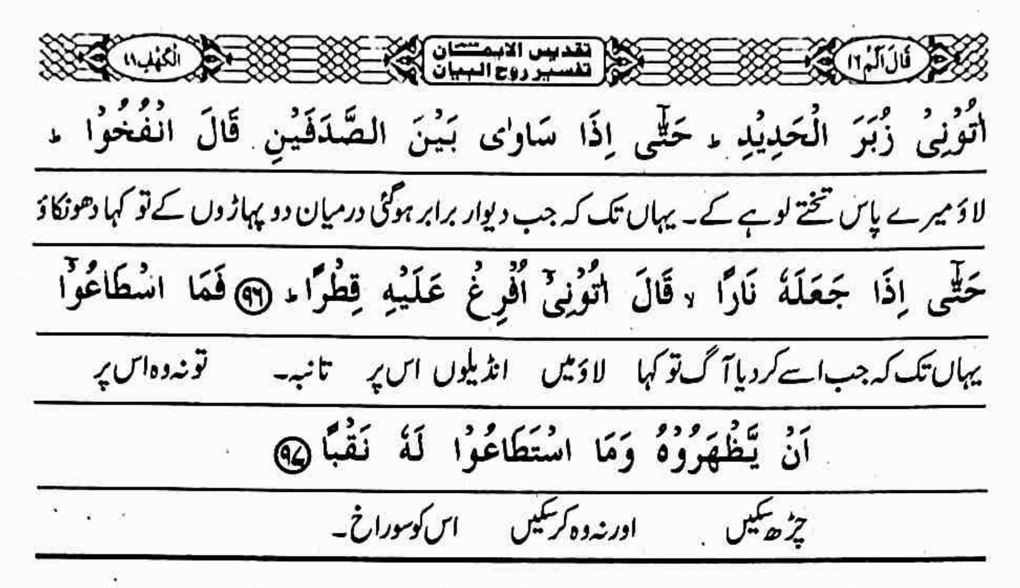
رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

میرے رب نے وہ بہتر ہے تو میری مدد کرو طاقت سے میں کردوں تمہارے اوران کے درمیان آڑ

(آیت نمبر۹۴) تو وہ کہنے لگے کہ اے ذوالقرنین بے شک یاجوج اور ماجوج نے ہمیں سخت تنگ کر رکھا ہے ان سے ہمیں نجات دلائیں یہ بات ذوالقرنین کے دل پر اثر کر گئی تو انہوں نے بتایا کہ یاجوج ماجوج زمین پر فساد کرتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں آ کر قتل وغارت اور ہر طرح کی تخریبی کارروائی کرتے ہیں۔ کھیتوں کو اجاڑ جاتے ہین۔ انسانوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ جانوروں تک کھا جاتے ہیں۔ بلکہ جو چیز ان کے سامنے آئے اسے کھا جاتے ہین۔ شیر اور ہاتھیوں تک بھی نہیں چھوڑتے۔ ان کی تعداد بھی ہم سے دس گناہ زیادہ ہے۔

آگے فرمایا کہ انہوں نے سکندر سے کہا کہ اگر ہم کچھ مال چندہ کر کے آپ کو دیں یعنی جو مزدوروں کو دیئے جائیں خراج اس چندہ کو کہا جاتا ہے جس کی ادائیگی لازمی ہو تو کہا کہ اس شرط پر دیں گے کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان کوئی دیوار بنادین۔

(آیت نمبر۹۵) تو ذوالقرنین نے کہا جو مجھے میرے رب نے قدرت بخشی ہے یعنی بہت بڑا ملک دیا۔ وافر حصہ مال کا اور بے شمار اسباب دیئے۔ یہ سب بہتر ہے تمہارے چندہ جمع کرنے سے۔ صرف تم یہ کرو کہ تم اپنی قوۃ وہمت سے میری مدد کرو۔ یعنی دیوار بنانے میں تم میرا یوں ساتھ دو کہ جتنا سامان یا مزدور لا سکتے ہو لاؤ۔ اس کام میں بڑھ چڑھ کر میری مدد کرو تو میں تمہارے اوران کے درمیان بہت بڑا مضبوط قلعہ بنادونگا۔ یعنی ایسی مضبوط دیوار ہوگی اور پتھروں میں ایسا جڑاؤ ہوگا کہ پھر اسے توڑنا آسان نہیں ہوگا۔



اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ

لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے۔ یہاں تک کہ جب دیوار برابر ہوگئی درمیان دو پہاڑوں کے تو کہا دھونکاؤ

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا

یہاں تک کہ جب اسے کر دیا آگ تو کہا لاؤ میں انڈیلوں اس پر تانبہ۔ تو نہ وہ اس پر

اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾

چڑھ سکیں اور نہ وہ کر سکیں اس کو سوراخ۔

(آیت نمبر ۹۶) اب تم میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ۔ (یعنی جو جو میں کہوں تم وہ کرو)۔

فائدہ :اس زمانے میں لوہے اور تانبے کی دکانیں تو نہ تھیں البتہ کانیں موجود تھیں جن کا سکندر کو علم تھا اس نے بتایا کہ فلاں مقام پر لوہے کی کان ہے اور فلاں مقام پر تانبے کی تم جاؤ اور وہاں سے نکال کر لے آؤ۔

فائدہ :سکندر نے پینسٹھ گز چوڑی بنیاد رکھی اور یہ دیوار تین میل لمبی تھی۔ بنیادیں پتھروں اور سیسہ پگھلا کر بھری گئیں۔ پہاڑوں سے بھی دیوار اونچی لے گئے اوپر کے حصے کو تمام لوہے اور تانبے سے پر کیا گیا یہاں تک کہ پہاڑوں کے درمیانی فاصلے کے برابر کر دیا گیا اور ارد گرد لکڑیاں رکھ کر انہیں آگ لگا دی اور کہا کہ اس آگ کو پھونکیں مار کر خوب بھڑکاؤ تا کہ لوہا اور تانبہ یکجا ہو جائے یہاں تک کہ وہ سب آگ ہی بن گئیں تو سکندر نے پھر کہا کہ اب پگھلا ہوا سیسہ لاؤ تا کہ اس پر ڈالوں تو کئی قسم کی چیزوں کو ملا کر اس دیوار کو مکمل کر دیا اور بنا دیا کہ اسے قیامت تک توڑنا محال ہو گیا۔

(آیت نمبر ۹۷) جب لوہا تانبہ پتھروں اور کوئلہ کو ملا کر آگ لگائی گئی تو سب ایک ساتھ ملکر لوہے کی طرح مضبوط دیوار بن گئی اور پہاڑ کی طرح بلند ہو گئی تو فرمایا کہ اب یاجوج ماجوج نہ تو اسکے اوپر چڑھ سکیں گے کہ اتنی اونچائی پر چڑھنا ان کیلئے نہایت مشکل ہے اور اس پر پاؤں سے چڑھنا بھی مشکل کہ پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ پاؤں اس پر جم ہی نہیں سکتے اور نہ اس میں وہ سوراخ کر سکیں گے کئی دفعہ منصوبہ بنایا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

فائدہ :مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ میں نے سد سکندری دیکھی ہے اس نے جب اس کی کیفیت بیان کی تو فرمایا واقعی تو نے دیکھی ہے۔

قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّىۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّىۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

فرمایا یہ ہے رحمت میرے رب کی پھر جب آئیگا وعدہ میرے رب کا کردیگا اسے پاش پاش

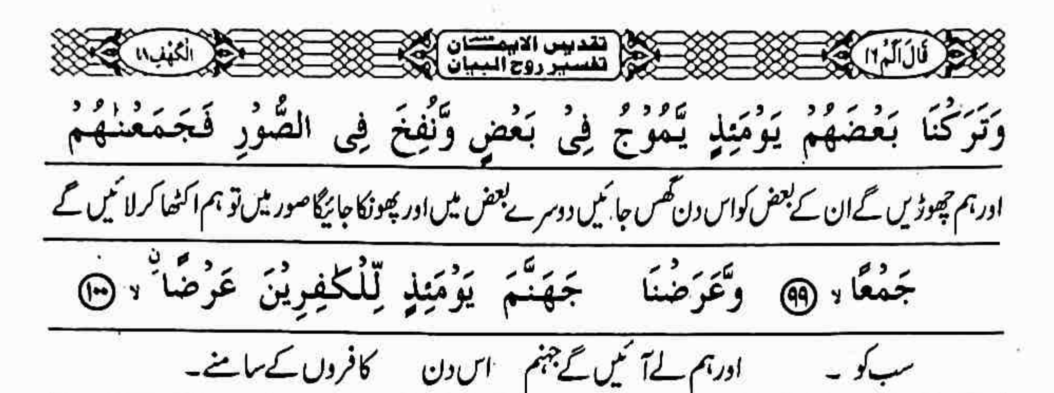
وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّىۡ حَقًّا ؕ ﴿۹۸﴾

اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔

(آیت نمبر ۹۸) دیوار بننے کے بعد ذوالقرنین نے کہا کہ یہ دیوار بننا میرے رب کی رحمت اور نعمت ہے۔

فائدہ :بندۂ خدا کو چاہئے کہ وہ ہر کامیابی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے خواہ عمل اس کا اپنا ہو۔لیکن مہربانی اور احسان اللہ تعالیٰ کا سمجھے۔آگے فرمایا کہ جب میرے رب کا وعدۂ قیامت آئے گا تو اسے وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا یعنی یہ مضبوط دیوار بھی ریزہ ریزہ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے گا اور میرے رب کا وعدہ ایک دن پورا ہو جائیگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ روزانہ یاجوج ماجوج مل کر سد سکندری کو توڑتے ہیں۔شام تک وہ بالکل توڑنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ ان کا بڑا نمبردار حکم دیتا ہے کہ چلو باقی حصہ جو معمولی رہ گیا ہے کل اسے بھی توڑ کر باہر نکل جائیں گے جب وہ دوسرے دن وہاں آتے ہیں تو قدرت خداوندی سے خالی شدہ جگہ پھر آپس میں مل جاتی ہے۔یہ معاملہ ان سے قیامت تک ہوتا رہے گا۔قریب قیامت ان میں ایک مسلمان بھی ہو جائے گا تو وہ شام کے وقت واپس جاتے وقت کہے گا۔باقی ان شاء اللہ کل توڑیں گے تو ان شاء اللہ کی برکت سے اگلے دن اسے مکمل کرنا آسان ہو جائے گا۔اگلے دن وہ وہاں سے نکل کر انسانوں پر حملہ بول دیں گے۔جدھر سے گذریں گے ہر چیز کو کھاتے جائیں گے۔انسان حیوان، درند، چرند، پرند کھیتیاں کچھ نہیں چھوڑیں گے۔دریاؤں کے دریا پانی پی جائیں گے۔چار جگہوں پر نہیں جاسکیں گے: (۱) مکہ مکرمہ، (۲) مدینہ منورہ، (۳) بیت المقدس، (۴) طور سینا۔عیسیٰ علیہ السلام کی دعا و برکت سے وہ فنا ہو جائیں گے وہ وقت انتہائی مشکل ہوگا۔یاجوج ماجوج کے مرنے سے زمین پر بدبو پھیل جائے گی۔پھر اللہ تعالیٰ ایک بڑا پرندہ جو اونٹ کے برابر ہوگا جو انہیں اٹھا کر کسی نامعلوم جگہ پر لے جائے گا۔(مشکوٰۃ شریف)



2

(آیت نمبر ۹۹) جب یہ وعدہ پورا ہو جائے گا تو ہم بعض مخلوق کو چھوڑ دیں گے کہ وہ چڑھ دوڑیں گے دوسروں پر۔ (یہ بہت بڑا فتنہ کا دور ہو گا۔)

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ یہ نفخ اولیٰ سے پہلے ہو گا اس کے بعد صور میں پھونکا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ صور کیا چیز ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ نورانی قرن ہے۔ جسے اسرافیل علیہ السلام نے لقمہ کی طرح منہ میں رکھا ہوا ہے (کذافی شعب الایمان) وہ قرن اس جہاں سے بڑا ہے ہر بندے کی روح اس کے جسم سے نکل کر جسم مثالی کے ساتھ قرن اسرافیل میں چلی جاتی ہے اسی کا نام عالم برزخ ہے۔ یا قیامت کے قریب اس میں ہر روح چلی جائے گی۔

عالم برزخ میں کچھ ارواح تو بالکل مقید ہو جاتی ہیں وہ عالم دنیا کی طرف سے بے گانہ ہو جاتے ہیں اور بعض ارواح آزاد ہوتی ہیں جیسے انبیاء وشہداء کی ارواح اور بعض ارواح دنیا کی طرف صرف دیکھ سکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد نفحہ ثانیہ ہے تو مراد یہ ہے کہ اسرافیل علیہ السلام صور میں جب دوسری مرتبہ پھونکیں گے تو ارواح سیدھی اپنے جسم میں جا کر داخل ہوں گی اور آنکھیں کھل جائیں گی وہ سمجھیں گے کہ ابھی نیند سے اٹھے ہیں۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم انہیں حساب وکتاب کیلئے ایک عجیب طریقے سے سب کو اکٹھا کر لیں گے۔

(آیت نمبر ۱۰۰) اس دن ہم جہنم کو بالکل ظاہر کر دیں گے کافروں کیلئے یعنی وہ اسے دیکھیں گے اور اس کی آوازیں بھی سنیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا۔ ستر ہزار لگاموں کے ساتھ فرشتے اسے کھینچ کر لائیں گے۔ اس جہنم پر پل صراط ہو گی جنت میں جانے کا صرف وہی راستہ ہو گا۔ (سنن ترمذی)

الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

وہ جن کی ہیں آنکھیں پردے میں میری یاد سے اور نہیں طاقت رکھتے سننے کی۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا

کیا گمان کرلیا کافروں نے کہ بنالیں گے میرے بندوں کو میرے سواء اپنا حمایتی۔ بے شک ہم نے تیار کی

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

جہنم کافروں کیلئے مہمانی۔

(آیت نمبر۱۰۱) وہ لوگ جن کی آنکھیں دنیا میں پردے میں تھیں۔ یعنی ایسے پردے جنہوں نے اس کی آنکھوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا کہ وہ ہر بات حق والی دیکھنے اور سننے سے محروم رہے۔ ایسے غلیظ اور سخت پردے تھے کہ انہوں نے میرے ذکر کو بھی ان کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیا اور اتنے بڑے دلائل کے باوجود وہ نہیں دیکھ سن سکے۔ اس لئے کہ ان کے کان سننے سے بہرے رہے اور حضور ﷺ کی دشمنی میں اتنے بھرے ہوئے ہیں کہ انہیں خیال تک نہیں آتا کہ کبھی کوئی حرف ان سے بھی سن لیں۔ ایسی بدبختی ان پر سوار ہے کہ کلام حق کو سننا وہ گوارا ہی نہیں کرتے۔ کوئی آواز آ ہی جائے تو توجہ ہی نہیں کرتے۔

(آیت نمبر۱۰۲) کیا پس کافروں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ بنائیں میرے ہی بندوں کو یعنی عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اور میرے فرشتوں کو معبود کہ وہ ان کی مدد کر کے انہیں عذاب سے چھڑائیں گے۔ حالانکہ وہ تو میرے قبضہ قدرت اور میرے حکم کے تحت ہیں۔

فائدہ : یہ سوچ صرف کفار و مشرکین کی تھی۔ انبیاء و اولیاء یا فرشتوں کا تو اس میں کوئی دخل ہی نہیں (بلکہ انبیاء و اولیاء تو ساری زندگی انہیں شرک سے روکتے رہے)۔ یہ شیطان کی کارستانی ہے کہ وہ لوگوں کو شرک پر لگا دیتا ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک ہم نے کافروں کیلئے جہنم میں مہمانی کرنی ہے۔ یہ جملہ کفار کو ذلیل کرنے کیلئے کہا۔

فائدہ : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نزل کا معنی ٹھکانہ بھی ہے۔ یعنی کافر کو جہاں لایا جائیگا وہ جہنم سے بھی سخت مقام ہوگا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ

فرمادو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ ناقص عمل کن کے ہیں ۔ وہ ہیں کہ ضائع گئی ان کی سعی حیات

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

دنیا میں اور وہ سمجھتے رہے کہ بے شک وہ اچھا کام کررہے ہیں۔

(آیت نمبر۱۰۳) اے محبوب ان کو بتادو کہ اے کافرو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ عمل کے لحاظ سے کون تمام مخلوق سے زیادہ خسارے والے ہیں۔

فائدہ :الارشاد میں ہے کہ یہ کافروں کے ان اچھے کاموں کے بارے میں ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے جیسے صلہ رحمی یا غریبوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جیسی نیکیوں پر نازاں تھے کہ انہیں اس کا ثواب ملے گا۔تو اس کے جواب میں فرمایا۔کہ اگرچہ ان کے یہ اعمال اچھے تھے لیکن ان کے برے عقائد کی نحوست سے انہیں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ ان کے ان تمام عمل غبار کی طرح اڑادیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر۱۰۴) وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی ساری کی ساری محنت وکوشش ضائع اور باطل ہو جائیگی۔اگرچہ ان کے اعمال اچھے ہوں گے۔لیکن بدعقیدگی کی وجہ سے سب ضائع جائیں گے۔ان کا انہیں دنیا میں شاید کہ کوئی بدلہ ملے۔لیکن آخرت میں تو انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کررہے ہیں۔انہیں ان کے اعمال آخرت میں فائدہ دیں گے۔لیکن اچھے اعمال کا فائدہ صرف ایمان والوں کو ہوگا۔**فائدہ** :اس آیت میں واضح اشارہ ہے کہ اہل ہوا وبدعت یعنی بدعقیدہ اور ریاکار لوگوں کے اعمال ضائع ہیں جن لوگوں نے اسلام کے نام پر نئے عقائد گھڑ لئے ہیں۔ان کے بدعقائد کی وجہ سے ان کے بھی نیک اعمال ضائع ہیں۔

خارجی لوگ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔خارجیوں کا بھی یہی حال ہے۔جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جنگیں کیں۔یہ ظاہراً بڑے عابد وزاہد تھے (آج کل دہشت گردوں کی طرح) وہ صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے اور حضرت علی سے جنگ کا اعلان کردیا۔جنگ نہروان میں وہ حضرت علی کے مقابلے میں بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر آئے۔آپ نے بھی خدا کا نام لیکر حیدری تلوار سے ان کا مکمل صفایا کردیا (جیسے آج کل راحیل شریف نے ان خارجیوں کا خوب صفایا کیا۔لعنة الله علی الخوارج كلاب النار)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

وہ ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہوگئے ان کے عمل

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا

تو نہیں قائم کریں گے ان کیلئے بروز قیامت کوئی تول۔ یہ سزا ان کی جہنم ہے بہ سبب اس کے جو کفر کیا

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

اور بنایا میری آیتوں اور رسولوں کو ہنسی مزاح۔

(آیت نمبر ۱۰۵) ان اوصاف کے لوگ پکے کافر ہیں۔ ان کے اچھے اعمال سب کے سب ضائع ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا۔ آیات سے مراد وہ ہیں جن میں توحید الٰہی کے عقلی اور نقلی ثبوت ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بھی انکار کیا۔ لہٰذا ان کے سارے اچھے اعمال ضائع گئے۔ جن سے وہ بروز قیامت ثواب کی امید میں تھے۔ جب اعمال ہی ضائع ہوگئے تو ان کے اعمال کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا نہ ان کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ ترازو تو اہل توحید مومنوں کیلئے رکھا جائے گا۔ تاکہ نیک اور بداعمال کا فرق کیا جائے۔ کفار کے اعمال ویسے ہی ضائع ہوگئے وزن کرنے کا کیا فائدہ۔

(آیت نمبر ۱۰۶) یہ ہیں جن کی سزا جہنم میں ہے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر بھی کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں سے ہنسی مزاح بھی کی۔ چاہیے تھا کہ ان پر ایمان لاتے۔ الٹا ان سے کفر کیا۔

علماء کی عزت: علماء حق اس امت میں رسولان عظام کے وارث اور نائب ہیں۔ اس لئے کہ علماء کے علوم انبیاء کرام سے آئے ہیں۔ اس لئے ان کی عزت واحترام اس علم کی بدولت ضروری ہے۔ انبیاء کی وراثت علم اور کفار کی وراثت انبیاء کے نائبوں سے ٹھٹھہ مزاح۔ گویا وہ ابوجہل کے وارث ہیں۔

حکایت: ایک مرتبہ ابوجہل حضور کے پیچھے منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتار رہا تھا۔ کبھی منہ بگاڑتا۔ کبھی ناک چڑھاتا حضور ﷺ نے پیچھے دیکھ کر فرمایا (کن کذالک) پھر مرتے دم تک منہ ٹیڑھا ہی رہا سیدھا نہ ہوسکا۔ اے اللہ ہمیں اپنے محبوب بندوں کے طفیل اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِیْنَ

بے شک جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہے ان کیلئے جنت الفردوس میں مہمانی۔ ہمیشہ رہیں گے

فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

اس میں نہیں چاہیں گے اس میں تبدیلی۔

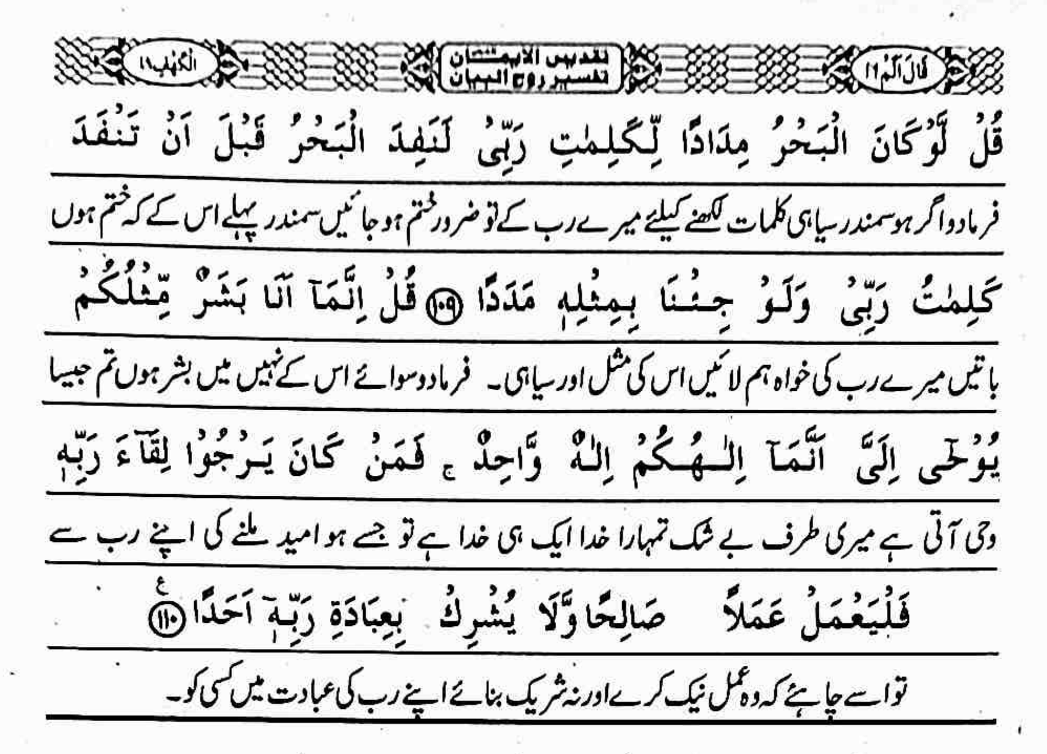
(آیت نمبر ١٠٧) بے شک جو ایمان لائے اور ایمان کے بعد نیک اعمال کئے جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کئے۔ ان کیلئے فردوس کے باغات ہیں۔ جس میں ہر قسم کے پھل ہیں۔ اس جنت الفردوس میں ان کیلئے مہمانی یہ ہے۔ کہ ہر قسم کے انہیں پھل دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ بھی ان کو نعمتیں دی جائیں گی۔

(آیت نمبر ١٠٨) **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ میں نے نیک لوگوں کیلئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا وہ صرف نیک لوگوں کیلئے مہمانی ہوگی۔ (ریاض الصالحین)

آگے فرمایا کہ وہ ہمیشہ کیلئے ان باغات میں رہیں گے اور کبھی بھی جگہ بدلنے کا نام تک نہ لیں گے کیونکہ انسان ایک ہی جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے پھر وہ تبدیلی چاہتا ہے لیکن جنت الفردوس والے کبھی بھی کسی اور جگہ منتقل ہونے کا خیال بھی دل میں نہیں لائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا محل اتنا عالی شان ہوگا۔ کہ دوسری طرف دھیان بھی نہیں جائے گا۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت الفردوس میں ہر آرزو پوری ہوگی پھر کسی اور جگہ جانے کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔

حدیث شریف: جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے خلاء جتنا فاصلہ ہے (ابن ماجہ)۔ جنت الفردوس ان سب سے اوپر ہے اور اس کے اوپر عرش معلّٰی ہے اور لقاء سے مراد رؤیت یعنی دیدار الٰہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس بلکہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات جمالیہ کی لذت کا سوال کرتے ہیں۔



قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

فرمادو اگر ہو سمندر سیاہی کلمات لکھنے کیلئے میرے رب کے تو ضرور ختم ہو جائیں سمندر پہلے اس کے کہ ختم ہوں

كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

باتیں میرے رب کی خواہ ہم لائیں اس کی مثل اور سیاہی۔ فرمادو سوائے اس کے نہیں میں بشر ہوں تم جیسا

يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ

وحی آتی ہے میری طرف بے شک تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے تو جسے ہو امید ملنے کی اپنے رب سے

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

تو اسے چاہئے کہ وہ عمل نیک کرے اور نہ شریک بنائے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

(آیت نمبر ۱۰۹) اے محبوب فرمادو۔ اگر سمندر کا پانی سیاہی ہو جائے۔

شان نزول : حیی بن اخطب یہودی نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارے قرآن میں ہے کہ جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر مل گئی اور دوسری جگہ ہے کہ تم بہت کم علم دیئے گئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ توراۃ خیر کثیر ہے جو ہمیں ملی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو تم ان یہودیوں کو بتاؤ کہ تمام سمندروں کا پانی سیاہی بنے۔ میرے رب تعالیٰ کے علوم وحکمت کے کلمات لکھنے کیلئے تو تمام دریاؤں سمندروں کا پانی ختم ہو جائے لیکن کلمات الٰہی کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ پانی کی انتہا ہے لیکن رب تعالیٰ کی حکمتیں اور کلمات غیر متناہی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔

آگے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کی مثل اور بھی کئی سو دریا و سمندر لے آئیں۔ پھر بھی کلمات ربانی ختم نہ ہوں۔

فائدہ : دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا کہ جملہ کائنات کو فنا ہے اور صفات الٰہی کو بقا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۰) اے محبوب فرمادیں کہ سوائے اس کے نہیں میں شکل وصورت میں تو تمہاری طرح ہوں ہم میں فرق یہ ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی میرے رب کی طرف سے بے شک تمہارا خدا ایک ہی ہے خدائی میں اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں۔ مجھے بشریت سے انکار نہیں۔ بشریت بنوآدم مسلمہ ہے خواہ نبی ہو یا ولی۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ سب اس لحاظ سے بھی برابر ہیں کہ خدا سب کا ایک ہے۔ فرق ہے تو فضیلت اور درجات میں۔ مومن

اور کافر۔ شکل وصورت میں ایک جیسے ہیں مگر درجے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایسے ہی نبی اور غیر نبی شکل وصورت میں ایک جیسے مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

آگے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات یعنی دیدار کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔

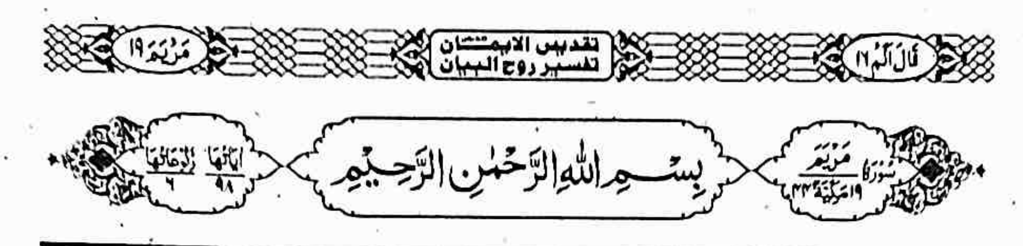
فائدہ: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیک عمل وہ ہے جس میں ریا کاری نہ ہو۔ ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیک عمل وہ ہے جو نبی ﷺ کی اتباع میں ہو۔ ظاہراً باطناً حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

آگے فرمایا کہ وہ اپنے رب حقیقی کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ **فائدہ**: الارشاد میں ہے کہ نہ وہ مشرکین مکہ کی طرح شرک جلی کرتا ہے اور نہ ریا کاروں کی طرح شرک خفی کرتا ہے۔

شان نزول: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو لوگوں کو خوش کرنے کیلئے عبادت کرتے ہیں۔ **فائدہ**: یاد رہے۔ ریا کار کی عبادت اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضرت جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میں عمل تو رضاء الٰہی کے لئے کرتا ہوں لیکن جب کوئی مجھے عبادت میں دیکھ لے تو میں خوش ہوتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی خوشی کا خیال ہو جائے تو اس عبادت کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ آپ کے اس ارشاد گرامی کی تصدیق اس مذکور آیت سے ہوئی۔ (کشاف)

فضائل سورۂ کہف: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرلیں اور روزانہ تلاوت کیں۔ وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔ (رواہ مسلم)۔ نسائی شریف میں ہے کہ اس سے مراد سورۂ کہف کی آخری دس آیات ہیں۔ انہیں پڑھنے والا دجال کے شر سے محفوظ رہے گا۔ **حدیث شریف**: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو سورۂ کہف اس طرح پڑھے گا۔ جس طرح اتری۔ تو وہ اس کے لئے نور ہوگا۔ (رواہ الدارمی، النسائی)۔ **حدیث شریف**: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھے گا۔ قیامت کے دن نور اس کے قدموں سے آسمانوں تک ہوگا۔ حاکم نے روایت کیا اور دو جمعوں کے درمیان کے تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ **حدیث شریف**: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو سورۂ کہف پڑھے گا۔ وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا اور جو سوتے وقت اس سورۃ کو پڑھے۔ فرشتے ساری رات اس کی بخشش کیلئے دعا کرتے ہیں۔ (دار قطنی)



كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ﴿٢﴾ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾

یہ ذکر ہے تیرے رب کی رحمت کا جو اپنے بندے زکریا پر کیا جب اس نے پکارا اپنے رب کو آہستہ آواز سے

(آیت نمبر ۱) كٓهٰيٰعٓصٓ یہ سورۃ کا نام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا مخفف ہے، مثلاً کاف سے مراد کریم یا کبیر ہے۔ ہاء سے ہادی یاء سے رحیم عین سے علیم یا عظیم، صاد سے صادق۔ کئی مفسرین نے فرمایا۔ کہ جب جبریل امین نے یہ کلمات پڑھے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں سمجھ گیا۔ جبریل امین نے پوچھا۔ کیسے۔ تو فرمایا۔ یہ میرے اور رب تعالیٰ کے درمیان بھید ہے۔

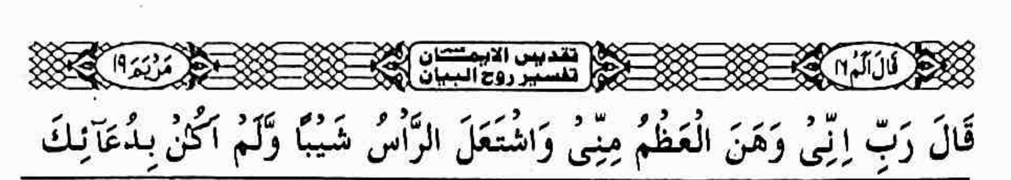
تین قسم کے علوم: (۱) وہ علوم جو خاصہ خداوندی ہیں۔ جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔ وہ ذات حق کی کنہہ اور اسماء وصفات کے حقائق۔ (۲) وہ اسرار ورموز جو صرف نبی پاک علیہ السلام کو بتائے کسی اور کو نہیں۔ ان میں یہ حرف مقطعات ہیں۔ (۳) ایسے علوم جن کے متعلق حضور ﷺ کو حکم دیا کہ امت کو بھی بتا دیں۔

(آیت نمبر ۲) یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔ یعنی انہیں علم سے اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور اپنے خاص بندوں میں شامل فرمایا۔ **فائدہ**: امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ **فائدہ**: کاشفی فرماتے ہیں کہ یہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے ہیں بیت المقدس کے علماء میں سردار تھے۔ آپ مسجد اقصیٰ میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

(آیت نمبر ۳) جب کہ پکارا اپنے رب کو آہستہ آواز سے۔

آہستہ دعا کی وجہ: بلند آواز سے بھی عرضی پیش کر سکتے تھے۔ آہستہ دعا میں ایک تو اخلاص زیادہ دوسرا آداب بھی ملحوظ رہتے ہیں۔ تیسرا ریاء سے بچ جاتا ہے چوتھا نزدیک والوں کو علم نہ ہو سکے۔ پانچواں عوامی ملامت سے بچنے کیلئے تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ اس عمر میں وہ بچہ مانگ رہے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۰ سال سے تجاوز کر گئی تھی۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک انبیاء واولیاء کی بعض خفی آوازیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے کراماً کاتبین بھی بے خبر ہوتے ہیں ان کی دعاؤں کو وہی جانتا ہے۔ جو علیم وخبیر ہے۔



قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ

کہا میرے رب بے شک کمزور ہوگئی ہڈی میری اور سفید ہوگیا سر بڑھاپے سے اور نہیں رہا تجھ سے مانگ کر

رَبِّ شَقِیًّا ۞ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ

میرے رب نامراد۔ اور بے شک مجھے ڈر ہے رشتہ داروں سے اپنے بعد اور ہے بیوی میری بانجھ تو عطا فرما مجھے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۞

اپنی طرف سے کوئی وارث

(آیت نمبر۴) زکریا علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوچکی ہیں چونکہ بدن کا قیام ہڈی پر ہے جب وہ کمزور ہو تو سارے بدن پر اثر پڑتا ہے۔

فائدہ :ہڈی سے مراد ایک ہڈی نہیں۔ اس سے مراد جنس ہے۔ یعنی جسم کی ہر ہڈی بڑھاپے کی وجہ سے کمزور پڑگئی ہے۔ آگے فرمایا کہ میرے سر کے بال بھی بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہوگئے اور اے میرے رب میں تجھ سے مانگ کر مایوس نہیں ہوا۔ بے شک ایک لمبی عمر ہوگئی۔ لیکن جب بھی مانگا میرے رب میں نے تجھ سے ہی مانگا اور تیرے فضل وکرم سے میری دعائیں قبول ہوئیں۔ سابقہ قبول شدہ دعاؤں کا تجھے وسیلہ دیتا ہوں اس سے پہلے بھی میں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے جب بھی میں نے عرض کیا۔ تو کبھی تیری رحمت سے ناامید نہیں ہوا۔ اب کیسے بے مراد ہونگا۔ یا اللہ جب میں طاقتور تھا۔ جیسے اس وقت تو میری ہر بات مان لیتا تھا۔ اب ضعیف اور کمزور ہوگیا ہوں تو مجھے اپنے لطف وکرم سے ناامید نہ فرما۔

(آیت نمبر۵) اے میرے رب مجھے مرنے کے بعد اپنے ہی رشتہ داروں کا ڈر ہے کہ کوئی جانشین غلط کار نہ آجائے کہ کچھ بنی اسرائیل میں شرارتی قسم کے لوگ ہیں وہ میرے بعد دین کو بدل ڈالیں گے۔ اگر انہیں جانشین بنایا تو وہ اس کا حق نہیں ادا کریں گے اور میری بیوی جس کا نام ایسا بنت فاقوذ ہے وہ بھی بانجھ ہوچکی ہے۔ یعنی وہ بچہ جننے کے لائق نہیں ہے ان کی عمر بھی اٹھانویں سال ہوچکی تھی لہذا میرے رب مجھے محض اپنے فضل وکرم سے لڑکا عطا فرما۔ صرف اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما۔ اسباب عادیہ کو عمل میں نہ لا اس لئے کہ میں اور میری بیوی بچہ جننے کے لائق نہیں عادتاً اس عمر میں بچہ نہیں ہوتا اور بچہ اس لئے عطا فرما کہ وہ دین حق کے اجراء کیلئے میرا وارث بنے۔

يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا

جو وارث بنے میرا اور خاندان یعقوب کا اور بنا اسے اے میرے رب پسندیدہ ۔ اے زکریا بے شک ہم

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧

خوشخبری دیتے ہیں لڑکے کی ۔ نام اس کا یحییٰ ہے نہیں کیا اس سے پہلے اس نام والا ۔

(آیت نمبر۶) وہ وارث بنے میرے دین اور نبوت کا ۔ اس لئے کہ انبیاء کرام کی وراثت مال نہیں ہوتا بلکہ علم ہوتا ہے ۔ **حدیث شریف** : اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ۔ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو بھی ہم مال و دولت چھوڑ جاتے ہیں ۔ وہ صدقہ ہے ۔ باغ فدک اسی لئے نہیں دیا گیا ۔ کہ نبی کی وراثت مال نہیں ہوتا ۔

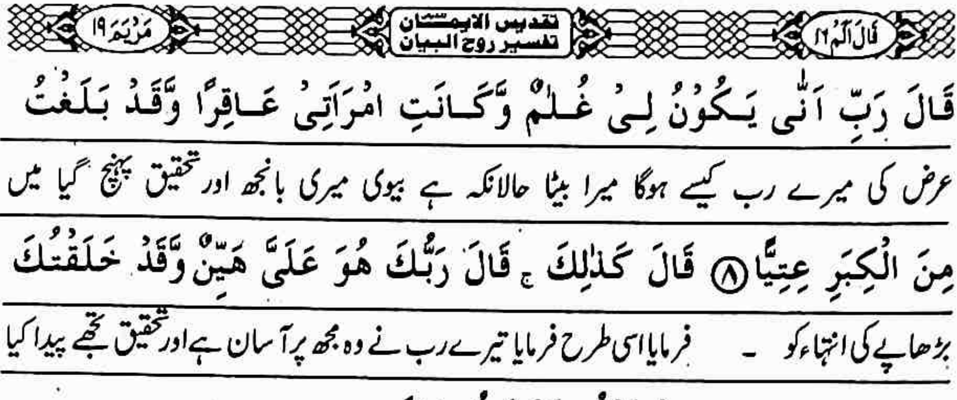
آگے فرمایا کہ وہ تمام اولاد یعقوب کا وارث بنے ۔ **فائدہ** : اس یعقوب سے مراد یعقوب بن اسحاق علیہم السلام نہیں ہیں ۔ بلکہ اس سے مراد امام کلبی اور مقاتل کے نزدیک یعقوب بن ماثان ہیں ۔ یہ یحییٰ علیہ السلام کے ننھیال سے ہیں ۔ آگے فرمایا کہ اے میرے رب اس میرے لڑکے کو اپنا خاص راضی بہ رضا بنا ۔ **دعا قبول کرانے کا طریقہ** یہ ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بیان کئے جائیں تو پھر دعا رد نہیں ہوگی ۔

دعا کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا تو بے شک اس کیلئے رحمت کے کئی دروازے کھل گئے ۔

نکتہ: دعا کی قبولیت کیلئے اپنے آپ کو کمتر ۔ عاجز انکساری کے اظہار سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ۔

فائدہ : کاملین کی نظر دین کی سر بلندی پر ہوتی ہے ، اسی لئے زکریا علیہ السلام نے عرض کی مجھے وہ بچہ عطا ہو جو میرے علم کا وارث ہو ۔ اور میری وفات کے بعد لوگوں کو اسی دین پر قائم رکھے ۔

(آیت نمبر۷) اے میرے زکریا بے شک ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں ۔ ایسے لڑکے کی جس کا نام نامی یحییٰ ہے ۔ نہیں بنایا ہم نے اس سے پہلے کوئی اس نام والا ۔ **فائدہ** : اس کا ایک معنی یہ ہے کہ یحییٰ نام والا لڑکا تیرے بیٹے سے پہلے کوئی نہیں ہوا ۔ زاد المسیر والا لکھتا ہے ۔ یہ نام اس وجہ سے فضیلت والا نہیں کہ اس نام کا پہلے کوئی نہیں ہوا ہو سکتا ہے تلاش کرنے سے مل جائے ۔ اس میں اصل وجہ فضیلت یہ ہے کہ اس کا نام یحییٰ اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے ۔ جیسے حضرت زینب کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود بلا واسطہ اپنے حبیب ﷺ سے کر دیا ۔ اب کسی کا اس پر اعتراض بھی نہ رہا ۔



قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

عرض کی میرے رب کیسے ہوگا میرا بیٹا حالانکہ ہے بیوی میری بانجھ اور تحقیق پہنچ گیا میں

مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ⑧ قَالَ کَذٰلِکَ ج قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ

بڑھاپے کی انتہاء کو ۔ فرمایا اسی طرح فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تحقیق تجھے پیدا کیا

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ⑨

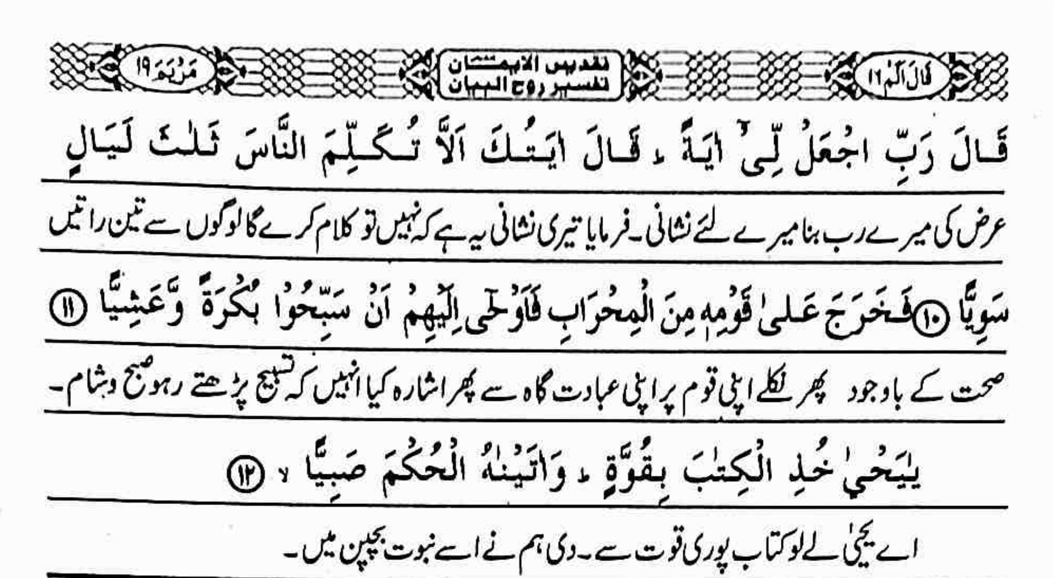
اس سے پہلے اور نہ تھا تو کچھ۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) **نام محمد سب سے اچھا لگتا ہے:** نام محمد بھی حضور ﷺ سے پہلے کسی کا نہیں ہوا۔ یہ نام بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کے دل میں ڈالا۔ لیکن اس نام میں اس سے بھی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام محمود سے اس نام محمد کو بھی احمد کو بھی نکالا۔

(آیت نمبر ۸) زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب کریم مجھے یہ بتایا جائے کہ میرا لڑکا کیسے ہوگا۔ جب کہ میں اور میری بیوی سو سال کے قریب ہو گئے۔ میری بیوی جوانی میں بچہ نہ جن سکی۔ اب تو وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے اور میں بھی سخت خشک ہو گیا ہوں۔ اور انتہائی بڑھاپے کی عمر میں پہنچ گیا ہوں۔

فائدہ :اس کلام میں تعجب بھی ہے لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف ہے کہ جوانی میں تو ہر کسی کو رب نے دیا ہے۔ اس عمر میں قادر قدیر کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے۔

(آیت نمبر ۹) فرشتے نے جو صاحبزادے کی خوشخبری لائے تھے مزید کہا کہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے آپ نے فرمایا کہ اس عمر میں بچے پیدا نہیں ہوتے لیکن آپ کا رب تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کہ یہ کام میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ قوت دینا یا نطفہ ٹھہرانا پھر بچہ پیدا کرنا یہ سب میرے لئے آسان ہے۔ اگرچہ عادتاً محال ہے اور اے میرے زکریا تو اپنی پیدائش پر غور کر کہ میں نے یحییٰ سے پہلے تجھے بنایا۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یا اس سے مراد جناب آدم علیہ السلام ہیں کہ ان سے پہلے کوئی انسان نہیں تھا تو جو عدم محض سے معرض وجود میں لا سکتا ہے۔ وہ بڑھاپے میں ضرور بچہ پیدا کر سکتا ہے صرف صفات کی تبدیلی کرنی پڑے گی۔



قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ

عرض کی میرے رب بنا میرے لئے نشانی۔فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہیں تو کلام کرے گا لوگوں سے تین راتیں

سَوِیًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ⑪

صحت کے باوجود پھر نکلے اپنی قوم پر اپنی عبادت گاہ سے پھر اشارہ کیا انہیں کہ تسبیح پڑھتے رہو صبح وشام۔

یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۙ ⑫

اے یحییٰ لے لو کتاب پوری قوت سے۔دی ہم نے اسے نبوت بچپن میں۔

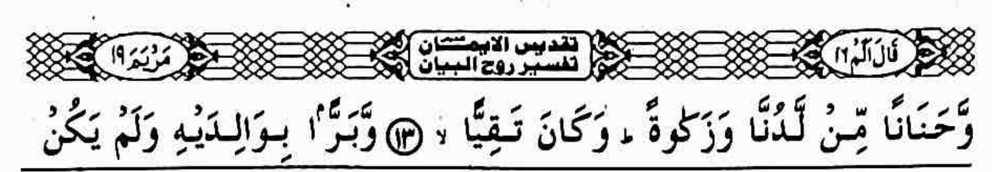
(آیت نمبر۱۰) پھر عرض کی اے میرے رب کریم۔میرے لئے کوئی نشانی ہو جائے کہ پتہ چلے کہ بچہ پیٹ میں چلا گیا تاکہ میں تیرے عطا کردہ انعام پر شکریہ ادا کروں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے زکریا علامت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے بات نہیں کر سکیں گے۔تین دن اور تین رات۔**فائدہ**: یہ مراد نہیں کہ آپ کی زبان مبارک بند ہو گی۔بلکہ تیسرے پارے میں بھی گذر چکا ہے کہ ہمہ وقت تسبیح پڑھتے رہیں گے۔

(آیت نمبر۱۱) آپ اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اپنے قیام گاہ سے یا عبادت گاہ سے۔آگے آپ کے چاہنے والے باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے تاکہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن آج آپ کا چہرہ مبارک متغیر تھا اور آپ خاموش تھے اور آپ نے انہیں اشارے سے فرمایا کہ تم صبح وشام یعنی ہمہ وقت تسبیح میں مشغول رہو۔

فائدہ: ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز فجر اور نماز عصر ہے۔گویا زکریا علیہ السلام نے اس شکرانے میں تین دن رات ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید ہی پڑھی۔

(آیت نمبر۱۲) ہم نے زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے کو بچہ عطا کر کے کہا۔جس کا نام یحییٰ ہم نے خود رکھا۔

فائدہ: زکریا علیہ السلام دعاؤں میں مشغول رہے۔یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ صاحبزادے کی پیدائش ہوئی پھر بڑے ہو کر انہوں نے مسجد اقصیٰ میں علماء کے ساتھ نشست وبرخاست کی۔ساتھ ہی وہ سخت ریاضت ومجاہدے میں لگ گئے۔یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔اے یحییٰ کتاب توراۃ کو لیجئے۔یعنی اسے پڑھیئے۔اس کو حفظ کریں اور اس پر عمل بھی کریں اور ہم نے انہیں حکمت بھی عطا فرمائی اس عمر میں کہ ابھی وہ بچے ہی تھے۔



وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ

اور نرمی والے اپنی طرف سے اور پاکیزگی والے۔اور تھے پرہیزگار۔اور خدمتگار اپنے ماں باپ کے اور نہ تھے

جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾

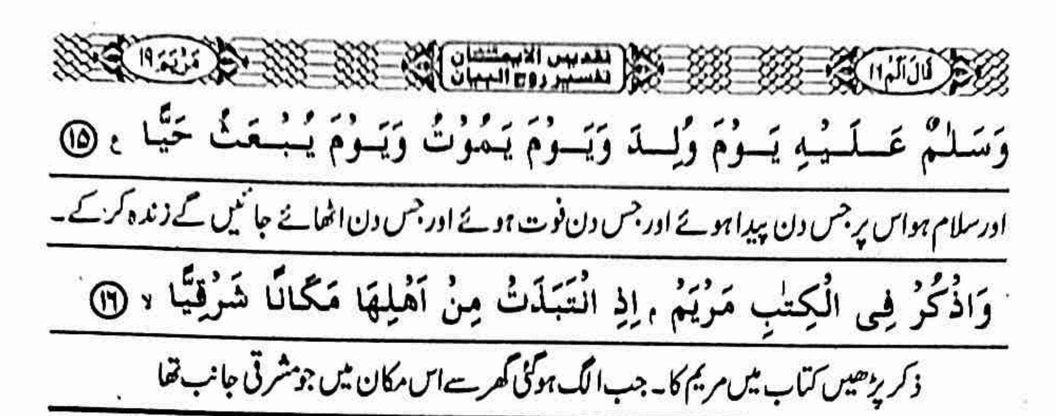
جابر نافرمان۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲) **فائدہ** :ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حکم سے مراد نبوت ہے۔اس لئے کہ انہیں سات سال کی عمر میں نبوت عطا کی ہوئی۔**فائدہ** :معلوم ہوا نبوت کیلئے چالیس سال عمر ہونا ضروری نہیں۔جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا۔

نکتہ:نبوت کو حکم سے اس لئے تعبیر کیا کہ ان کی بچپن سے ہی عقل پختہ اور مضبوط تھی۔اسی لئے وحی بھی بچپن سے ہی شروع ہوگئی۔بعض بزرگوں نے حکم سے حکمت اور فہم توراۃ اور فقہ فی الدین مراد لی ہے۔حکمت انسان کو بے وقوفی کی باتوں سے روکتی ہے۔**فائدہ** :اولیاء امت محمدیہ میں ایسے بے شمار اولیاء اور علماء ہوئے۔جو ماں کے پیٹ سے حافظ قران بن کر نکلے جیسے بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔کئی وہ ہیں ایک ہفتہ میں حافظ قرآن بنے اور بہت تھوڑی عمر میں سلوک کی منزلیں طے کیں۔

(آیت نمبر۱۳) ہم نے یحییٰ کو بہت بڑی نرمی شفقت ورحمت عطا کی۔یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کے دل میں رحمت اور والدین کیلئے شفقت ڈال دی۔زکوٰۃ بمعنی طہارت یعنی ہمہ وقت پاک اور گناہوں سے صاف یا انہیں صدقہ وزکوٰۃ دینے کی توفیق بخشی اور وہ بہت متقی اور مطیع تھے۔ہمہ وقت اطاعت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

(آیت نمبر۱۴) اور یحییٰ علیہ السلام اپنے ماں باپ کے بے حد خدمت گار اور عجز وانکساری کے ساتھ انہیں پیش آنے والے کہ نہ ماں باپ پر جبر کرنے والے نہ رب تعالیٰ کے نافرمان تھے۔بعض نے جبار کا معنی کیا ہے کہ جو لوگوں پر ظلم وتشدد کرے یا غیظ وغضب سے لوگوں کو قتل کرے (دہشت گردوں کی طرح) اور اپنے انجام سے بے خبر ہو۔بعض نے کہا کہ جبار وہ متکبر انسان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ مانے۔



وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

اور سلام ہو اس پر جس دن پیدا ہوئے اور جس دن فوت ہوئے اور جس دن اٹھائے جائیں گے زندہ کر کے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾

ذکر پڑھیں کتاب میں مریم کا۔ جب الگ ہوگئی گھر سے اس مکان میں جو مشرقی جانب تھا

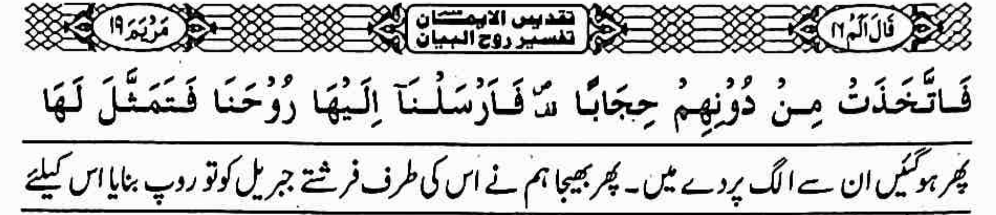
(آیت نمبر ۱۵) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر امن و سلامتی ہو جس دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے چونکہ بوقت پیدائش شیطان بچے کو ڈراتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان پر سلامتی بھیج کر انہیں شیطان سے محفوظ فرمالیا۔ کہ شیطان انہیں پریشان نہ کرے۔

آگے فرمایا جس دن وہ وفات پائیں اس دن بھی ان پر سلامتی کر کے انہیں امن و سلامتی سے نوازا اور پھر جب وہ بروز قیامت اپنی قبر سے زندہ ہو کر اٹھیں گے تو پھر انہیں قیامت کی ہولناکی اور عذاب نار سے سلامتی عطا کی۔

نکتہ: تین مواقع پر سلامتی دی۔ ولادت، وفات اور محشر کے تینوں مواقع سخت ہیں۔ اس لئے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک جہان کو چھوڑ کر دوسرے جہان میں آ جاتا ہے۔ اجنبیت کی وجہ سے روتا ہے۔ پھر جب مرتا ہے تو قبر اس سے زیادہ وحشتناک ہوتی ہے۔ پھر وہاں بھی سخت پریشان ہوتا ہے اس لئے کہ غیر مانوس جگہ پر آ گیا ہے۔ پھر محشر کا دن اس سے بھی زیادہ ہولناک ہے کہ پھر ایک نئے مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یحیٰی علیہ السلام کو تینوں مقامات پر امن و سلامتی کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔

(آیت نمبر ۱۶) اے محبوب اپنی کتاب میں جناب مریم کا ذکر کیجئے یعنی قرآن میں یا اسکی کسی سورت میں وہ مریم جو عمران کی بیٹی ہے۔

نکتہ: قرآن پاک میں کسی عورت کا نام سوائے بی بی مریم کے نہیں ہے: **وجہ نمبر ۱**: یہ کہ عیسائی کہتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور مریم اس کی بیوی ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ بیوی کا نام بالکل نہیں لیتے تھے تو عیسائیوں کو بتایا گیا کہ اگر مریم خدا کی بیوی ہوتی تو کبھی اس کا نام قرآن میں نہ لیا جاتا۔ **وجہ نمبر ۲**: اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ چودہ سو سال بعد ایک مرزا قادیانی ہوگا۔ جو اپنے آپ کو عیسیٰ مسیح کہے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جھوٹا ہے اس لئے کہ تیری ماں کا نام مریم نہیں ہے۔ اصلی عیسیٰ کی ماں کا نام مریم ہے۔



فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا

پھر ہوگئیں ان سے الگ پردے میں۔ پھر بھیجا ہم نے اس کی طرف فرشتے جبریل کو تو روپ بنایا اس کیلئے

بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

انسان تندرست کا۔

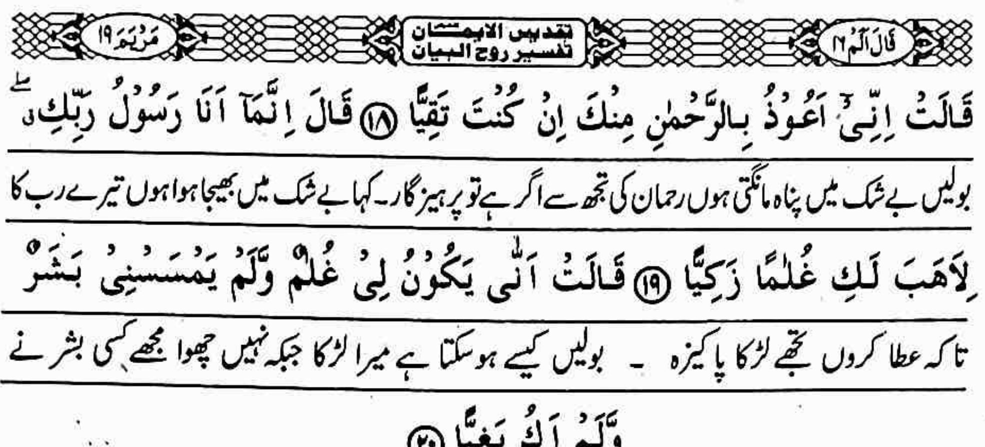
(بقیہ آیت نمبر ۱۶) وجہ نمبر ۳: یہ کہ وہ اتنی زیادہ عابدہ اور زاہدہ تھیں کہ وہ زہد وتقوے میں کئی مردوں سے آگے نکل گئیں۔ اس لئے وہ اس لائق تھیں کہ ان کا ذکر قرآن میں آئے۔ آگے فرمایا کہ جب بی بی مریم اپنی قوم سے الگ مسجد اقصیٰ کے شرقی جانب جا کر بیٹھیں۔ اسی لئے نصاریٰ مسجد اقصیٰ کے شرقی جانب کو قبلہ بناتے ہیں اور یہود غربی جانب کو۔ **فائدہ**: چونکہ آپ کی خالہ ایشا جو جناب زکریا علیہ السلام کی زوجہ ہیں ان کے گھر کی طرف چلی گئیں۔

(آیت نمبر ۱۷) اپنے گھر سے الگ ایک پردے میں ہوگئیں۔

حکایت: ایک دن سردی کے موسم میں نہانے کیلئے دھوپ والی جگہ پر ایک پردہ بنا کر غسل فرمایا۔ فارغ ہوکر باہر آ ہی رہی تھیں کہ اتنے میں ایک فرشتہ بہ شکل انسانی تشریف لایا۔ جو بالکل نوجوان، خوبصورت چہرہ گھنگریالے بالوں والا اس لئے فرمایا کہ ہم نے مریم کے پاس اپنا روحانی فرشتہ بھیجا یعنی جبریل علیہ السلام۔ بی بی مریم کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ہوکر تشریف لائے۔

فائدہ: جبریل علیہ السلام اس لئے بشری لباس میں آئے تا کہ بی بی مریم مانوس ہوکر ان سے بات کرسکیں کیونکہ وہ اگر اپنی اصل شکل میں آتے تو بی بی مریم انہیں نہ دیکھ سکتیں۔ اس لئے انسانی لباس میں آئے۔ اور جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا وہ سنا دیا اور چونکہ وہ بی بی مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کا روح ڈالنے تشریف لائے تھے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے۔ کہ روح سے مراد کلمۃ اللہ ہے۔ انہیں کلمۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے، اور روح اللہ بھی اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کن کے نور سے پیدا ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو عطا فرمایا اور روح اپنی طرف سے۔ اسی لئے انہیں روح اللہ کہا جاتا ہے۔



قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ

بولیں بے شک میں پناہ مانگتی ہوں رحمان کی تجھ سے اگر ہے تو پرہیزگار۔ کہا بے شک میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ

تاکہ عطا کروں تجھے لڑکا پاکیزہ ۔ بولیں کیسے ہوسکتا ہے میرا لڑکا جبکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے

وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾

اور نہ ہوں میں بدکار۔

(آیت نمبر۱۸) جب وہ نوری بی بی مریم کے پاس تشریف لایا تو اجنبی سمجھ کر اس سے پناہ مانگی اور فرمانے لگیں۔ اے نوجوان میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ چونکہ مائی صاحبہ یہ سمجھیں کہ کوئی انسان میرے سامنے آگیا ہے۔

فائدہ: صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ یہ بی بی صاحبہ کے کمال پرہیزگاری کی دلیل ہے کہ حسین وجمیل شکل وصورت دیکھنے کے باوجود اس پر فریفتہ ہونے کے بجائے پناہ مانگ رہی ہیں اور اسے بھی فرمارہی ہیں کہ اگر تو پرہیزگار ہے اور دل میں خوف خدا ہے تو چلا جا میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں تجھے خدا کا واسطہ میرے قریب نہ آ۔

(آیت نمبر۱۹) تو جناب جبریل نے فرمایا میں خود تو نہیں آیا میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ میں تجھے ایک بیٹا دوں۔ جو بالکل پاک صاف، نفسانی اور انسانی خرابیوں سے بالکل بری ہو (معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی کی پیدائش میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے نبی پیدائشی طور پر پاک پیدا ہوتا ہے)۔

شان محمدی: حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو جناب آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھے ایسے معلوم ہوا کہ مجھ سے ایک نور برآمد ہوا۔ جس کی وجہ سے میں نے شام کے محلات دیکھ لئے۔ (خصائص کبریٰ)

(آیت نمبر۲۰) بی بی مریم انتہائی تعجب میں کہنے لگیں۔ میرا لڑکا کیسے ہوگا۔ آپ کو قدرت خداوندی سے انکار تو نہیں تھا۔ البتہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے قریب بھی نہ گئی ہو۔ نکاح بھی نہ ہوا ہو اور لڑکا ہو جائے۔ اس لئے کہا کہ مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ اور کوئی مجھ میں برائی نہیں۔ پاک دامنی کا اظہار تو پہلے کر دیا۔ ایسے گندے فعل سے وہ سخت نفرت کرتی تھیں۔ یہ کام تو فاسقوں فاجروں کا ہے۔ میں تو ایسی نہیں ہوں۔ لڑکا کیسے ہوگا۔ **فائدہ**: مطلب یہ ہے کہ بچے کی پیدائش دو ہی طریقوں سے ہوتی ہے یا نکاح حلال یا فعل حرام سے۔ اس آیت میں دونوں کی نفی فرمادی۔

قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً

کہااسی طرح فرمایا تیرے رب نے یہ مجھ پرآسان ہے۔اور میں بنانا چاہتا ہوں نشانی لوگوں کیلئے اور رحمت

مِّنَّا ج وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

اپنی اور ہے یہ کام فیصلہ شدہ ۔ پھر وہ حاملہ ہوکر لے گئی اسے اس جگہ جو دور تھی۔

(آیت نمبر۲۱) جبریل نے کہا۔بات تو ایسے ہی ہے جیسے تم کہہ رہی ہو لیکن یہ فرمان تیرے رب کا ہے اور وہ فرماتا ہے یہ کام یعنی بغیر باپ بچہ پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔اس لئے کہ میں عادی اسباب یا وسیلوں وغیرہ کا محتاج نہیں ہوں۔ میں تو جسے تیرا بیٹا بنا رہا ہوں اسے کلمہ کن سے بناؤں گا اور میں اسے پیدا کر کے لوگوں کیلئے ایک قدرت کی عجیب نشانی بناؤں گا تا کہ لوگ یقین کریں کہ ہم بغیر باپ کے پیدا کر سکتے ہیں اور وہ ہماری قدرت کی بہت بڑی دلیل ہوگی اور یہ امر یعنی کام فیصلہ شدہ ہے۔ہم اس کے وقوع کا حکم دے چکے ہیں۔

فائدہ :بی بی مریم کا قصہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام تقدیر ہی سے ہے۔

(آیت نمبر۲۲) جبریل علیہ السلام کی باتوں سے آپ مطمئن ہو گئیں۔تو جبریل امین نے ان کے نزدیک ہو کر بی بی مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو وہ پھونک ہی بی بی مریم کے پیٹ میں چلی گئی۔اس طرح عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں حمل کی صورت میں چلے گئے۔**فائدہ** :اطبا اور فلاسفر حضرات کا جو اختلاف ہے اس میں وہ دراصل قدرت خداوندی کو نہیں دیکھتے۔ان کا خیال ہے کہ ہر بچہ دو پانیوں سے مل کر بنتا ہے۔ایک سے نہیں بن سکتا طب کا بھی یہی اصول ہے لیکن ہوسکتا ہے بی بی مریم کے اکیلے پانی میں ڈبل تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہو۔عام عورتوں کی طرح نہ ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ بی بی مریم جب گھر والوں سے الگ ہوئیں تو بچہ ان کے پیٹ میں تھا اور وہ ایسی جگہ میں تشریف لے گئیں جو گھر والوں سے دور تھا۔کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ بیت اللحم میں تشریف لے گئیں جو ایلیا سے چھ میل دور تھا۔**فائدہ** :معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو نفل ادا فرمائے۔

فائدہ :مروی ہے کہ جب وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو بی بی صاحبہ آدھی رات کے وقت اٹھ کر چلی گئیں تا کہ کسی کو اس مخفی راز کا علم نہ ہو۔چونکہ پیٹ سے تو کسی کو معلوم نہیں ہوا۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ

پھر لے آیا اسے دردزہ طرف تنے کھجور کے۔ کہا ہائے افسوس کہ میں مرگئی ہوتی پہلے اس سے اور ہو جاتی میں

نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

بھولی ہوئی۔ پھر آواز دی اسے نیچے سے کہ نہ غم کر تحقیق کردی تیرے رب نے تیرے نیچے نہر۔

(آیت نمبر ۲۳) جناب مریم کو دردزہ لے آیا کھجور کے خشک تنے کی طرف تا کہ بی بی اس کی اوٹ میں چھپ کر بچہ جنے اور بچے کی پیدائش کے وقت اور اس تکلیف کے وقت اس تنے کا سہارا لے لیا۔ اس لئے کہ اس وقت آپ کے پاس کوئی دایہ نہ تھی جو آپ کی مدد کرتی۔

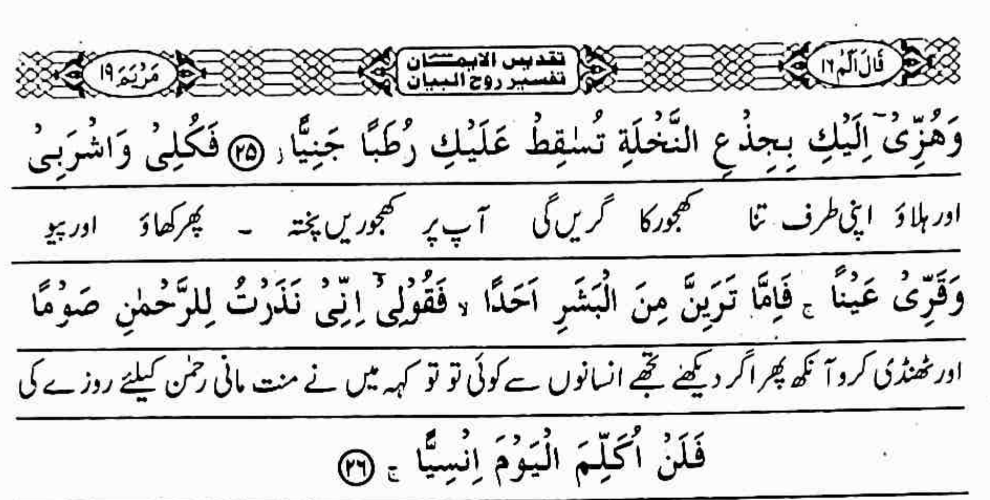
فائدہ: بی بی صاحبہ کے بیٹھتے ہی کھجور کا خشک تنا فوراً تر ہو گیا اور سرسبز ہو گیا اور نرم و نازک بھی ہو گیا۔

فائدہ: بچہ تو کہیں بھی پیدا ہو سکتا تھا لیکن کھجور کے خشک تنے کے پاس آتے ہی اس کا سبز اور پھلدار ہونا۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور بی مریم کی کرامت کا ظہور ہے تا کہ بی بی مریم اسے تناول فرمائیں۔ اس وقت فرمانے لگیں کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی۔ یہ بات انہوں نے لوگوں سے شرم کی وجہ سے کہی کہ شادی کے بغیر بچہ ہونے سے آپ نے ملامت کا خطرہ محسوس کر کے یہ کلمہ کہا۔

فائدہ: مائی صاحبہ جانتی تھیں کہ عنداللہ تو میں مجرم نہیں ہوں۔ لیکن لوگوں کی تہمتیں اور بہتان تراشی کا ڈر تھا اور مزید کہا کہ کاش میں معدوم ہو کر بھول بھلیاں ہوگئی ہوتی گوشہ گمنامی میں ہوتی میں عام لڑکی بھی نہیں بیت المقدس کے امام عمران کی بیٹی اور زکریا علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی کفالت میں رہی ہوں کس منہ سے لوگوں کے پاس جاؤں گی۔

(آیت نمبر ۲۴) بی بی مریم کی پرسوز گفتگو سن کر جبریل امین نے آواز دی۔ جہاں بیٹھی تھیں یا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اماجان غم نہ کھائیں۔ موت کی تمنا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاؤں کے نیچے چشمہ جاری فرما دیا۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبریل امین نے پر مارا تو جہاں مائی صاحبہ نے قدم مبارک رکھے ہوئے تھے، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے چشمہ جاری فرما دیا۔ **فائدہ**: ارباب حقیقت فرماتے ہیں دو مقاموں پر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا: ایک "الاتحزنی" کہہ کر۔ دوسرا "انی عبد اللہ الخ" کہہ کر۔



وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ

اور ہلاؤ اپنی طرف تنا کھجور کا گریں گی آپ پر کھجوریں پختہ ۔ پھر کھاؤ اور پیو

وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

اور ٹھنڈی کرو آنکھ پھر اگر دیکھے تجھے انسانوں سے کوئی تو تو کہہ میں نے منت مانی رحمٰن کیلئے روزے کی

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ ﴿٢٦﴾

تو ہرگز نہیں بولوں گی آج کسی آدمی سے۔

(آیت نمبر ۲۵) اور حرکت دیں اس کھجور کے تنے کو تو جتنی بار اسے حرکت دو گی۔ ہر بار آپ پر تروتازہ کھجوریں گریں گی۔ **فائدہ**: چونکہ مائی صاحبہ ابھی تک سخت حیرت میں تھیں کہ بغیر باپ بچہ کیسے پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تعجب دور کر دیا کہ جس کھجور کے تنے کا زمین سے تعلق کٹ جانے کے باوجود ہم کھجوریں لگا سکتے ہیں تو بغیر باپ بیٹا بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس سے مائی صاحبہ کو کافی تسکین حاصل ہوئی۔ یہ بھی مائی صاحبہ کی کرامت ہے (اس سے معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہیں)۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے مریم کھجوریں کھا اور چشمہ کا پانی پی۔

گھٹی کی ابتداء: بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی میٹھی شیء خصوصاً کھجور چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالنے کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔ اسے عربی میں تحنیک کہتے ہیں۔ **فائدہ**: بعض کا خیال ہے کہ وہ عجوہ کھجور تھی۔

حدیث شریف میں ہے بچہ پیدا ہو تو اسے تازہ کھجور کھلاؤ تا کہ سب سے پہلے اس کے پیٹ میں کھجور ہی جائے اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک چھوارہ ہی چبا کر کھلا دیا جائے (مسند الفردوس)۔ اس سے بہتر کوئی اور چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ وہی چیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مریم کو عطا فرماتا۔ آگے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے خوبصورت بچے سے آنکھ ٹھنڈی کریں یعنی دل خوش کریں اور اپنے دل سے غم و حزن دور کر دے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کا غم دور کرنے کیلئے کتنی نشانیاں ظاہر فرما دیں: (۱) چشمے کا جاری ہونا، (۲) خشک تنے کا سرسبز و پھلدار ہو کر کھجوریں گرانا، (۳) موسم کے بغیر تیری مرضی پر پھل دینا۔ یہ آپ کی کرامت ہو گی اور اکیلے میں دل گھبرائے تو بچے سے سکون حاصل کریں۔ ان کرامات کے باوجود بھی اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہو تو اسے کہہ دیں کہ میں نے منت کا آج روزہ رکھا ہے میں بول نہیں سکتی۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

پھر لائیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس اٹھائے ہوئے۔ بولے اے مریم تحقیق کی تو نے چیز بری۔ اے ہارون کی بہن

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۚۖ ﴿۲۸﴾

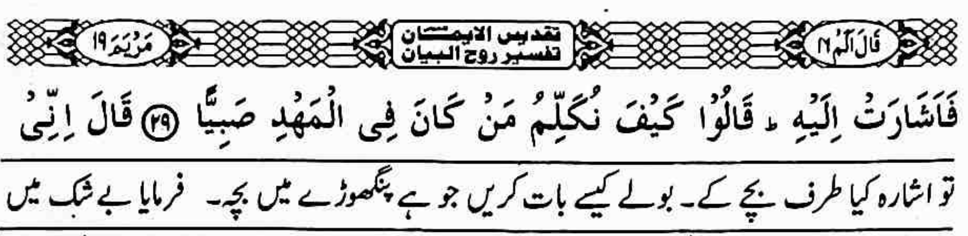
نہیں تھا تیرا باپ آدمی برا اور نہ تھی ماں تیری بدچلن۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) **فائدہ** :بنی اسرائیل میں جیسے کھانے کا روزہ ہوتا۔ ایسے ہی چپ کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے طفیل اس امت پر چپ کا روزہ نہیں رکھا۔ بلکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا تو جناب مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ آج میں بھولے سے بھی کلام نہیں کروں گی۔

(آیت نمبر ۲۷) بی بی مریم جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس تشریف لائیں۔ صاحبزادے سمیت مریم علیہا السلام کو دیکھ کر زکریا علیہ السلام سمیت سارا خاندان ہی از حد غمزدہ ہو گئے۔ شرمندگی لوگوں میں اور پریشانی گھر میں ہو گئی۔ زجر و توبیخ کرتے ہوئے سب نے کہا۔ اے مریم تو نے تو بہت ہی برا کام کیا ہے۔ ایسا برا جس کی کہیں مثال نہیں۔

(آیت نمبر ۲۸) اے ہارون کی بہن۔

فائدہ :ایک روایت کے مطابق جناب موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون مراد ہیں۔ ان کی اولاد سے جتنے مرد و عورت پیدا ہوتے رہے۔ وہ ان کے نام کے ساتھ مشہور ہوئے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ حضرت مریم اور حضرت ہارون کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے اور دوسری روایت میں حضرت مریم کے علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی تھے جو نہایت صالح تھے۔ ان کی طرف نسبت کی کہ اے مریم نہ تو تیرا باپ عمران برا آدمی تھا اور نہ ہی تمہاری امی جان بدکار عورت تھی۔ یعنی ماں باپ انتہائی نیک متقی اور پرہیزگار تھے۔ بی بی مریم خاموشی سے ان سب کی باتیں سنتی رہیں جب وہ سب لوگ خاموش ہو گئے۔



فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ

تو اشارہ کیا طرف بچے کے۔ بولے کیسے بات کریں جو ہے پنگھوڑے میں بچہ۔ فرمایا بے شک میں

عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ ﴿۳۰﴾

اللہ کا بندہ ہوں دی مجھے اس نے کتاب اور بنایا مجھے نبی۔

(آیت نمبر۲۹) تو بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم اسی سے پوچھ لو کہ قصہ کیا ہے یہ تمہیں بتادے گا۔ اور تمہاری باتوں کا جواب دے گا تو پھر وہ بولے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے کبھی شیر خوار بچہ بھی عقل مندوں کی طرح بات کر سکتا ہے چونکہ ابھی تک وہ اس بات کو نہیں سمجھ رہے تھے۔

(آیت نمبر۳۰) جناب عیسیٰ علیہ السلام فوراً بول پڑے اور فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ایک ہی جملے میں اپنی عبودیت کا اقرار اور نصاریٰ کا رد کیا اور بہتان باندھنے والوں کا بھی منہ بند کر دیا اور اپنی امی جان کو زنا کی تہمت سے بری کر دیا۔ کہ اب میری ماں کی طرف ہرگز برائی کی نسبت نہ کرنا۔

آگے فرمایا میرے اللہ نے مجھے کتاب بھی دی اور نبی بھی بنایا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت بچپن میں ہی عطا کر دی گئی۔ البتہ باقاعدہ تبلیغی سرگرمیاں بعد میں شروع کیں۔ اور یہودیوں سے بہت تکالیف اٹھائیں۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ نبوت کا ملنا چالیس سال کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی نبوت کا اعلان کر دیا۔ (اسی طرح اور بھی کئی انبیاء کرام علیہم السلام بچپن میں اپنی نبوت کا اعلان کیا۔)

پانچ انبیاء کو بچپن میں پانچ صفات ملیں:

(۱) یوسف علیہ السلام کو بچپن میں وحی۔ (۲) عیسیٰ علیہ السلام کی گہوارے میں گفتگو۔ (۳) سلیمان علیہ السلام کی معاملہ فہمی۔ (۴) یحییٰ علیہ السلام کی حکمت۔ (۵) اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں اللہ کے حضور سجدہ ریزی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو بچپن کے کمالات کی ہی کوئی انتہا نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت بچپن میں ملی۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ہر نبی کو دنیا میں آنے کے بعد نبوت ملی اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے۔ جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ (ترمذی شریف)



وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ص وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا صلے ﴿۳۱﴾

اور بنایا مجھے برکت والا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے حکم دیا نماز اور زکوٰۃ کا جب تک رہوں زندہ

وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ ز وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

اور خدمتگار اپنی ماں کا اور نہیں بنایا مجھے جابر بد بخت۔

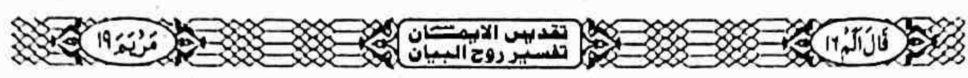
(آیت نمبر ۳۱) اور میرے رب کریم نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے۔ زکوٰۃ کا حکم عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے مالدار امتیو ں کیلئے ہو اور یہ اکثر یہ قاعدہ ہے کہ ڈائریکٹ خطاب تو انبیاء کرام کو ہوتا ہے اور حکم امت کیلئے ہوتا ہے تاکہ وہ حضرات امت کو احکام کی پابندی کرائیں۔ آگے فرمایا کہ نماز وزکوٰۃ کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ یعنی جب تک میں زندہ ہوں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سناتا رہوں گا۔ کہ وہ نماز بھی پڑھیں اور زکوٰۃ بھی ادا کریں۔

جاہل صوفی: بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم یا ہمارا (جاہل پیر) ایسے مرتبے پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ہمیں نماز روزے کی تکالیف معاف کردی گئی ہیں۔ وہ لوگ اس آیت پر غور کریں رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ زندگی کے آخری لمحے تک نماز ادا کرنی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ یعنی انسان جب تک زندہ ہے ظاہر احکام تکلیفیہ کبھی بھی اس سے ساقط نہیں ہوتے۔ لہذا کسی صوفی کا یہ کہنا کہ مجھے نماز روزہ معاف ہوگیا۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ کسی مسلمان پر نماز معاف نہیں جب تک ہوش حواس قائم ہیں۔ یا کوئی شرعی عذر ہو تو وہ الگ بات ہے۔ یعنی عقل نہ ہو۔ یا ایسا بیمار ہے کہ لیٹ کر بھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

(آیت نمبر ۳۲) اور مجھے حکم الٰہی ہے کہ میں ماں کا خدمت گار بنوں۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ والد کوئی نہیں۔ اگر والد ہوتا تو عبارت یوں ہوتی کہ میں والدین کا خدمت گار بنوں۔ آگے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے متکبر نہیں بنایا یعنی میں سرکشی کرنے والا نہیں ہوں۔ رب تعالیٰ نے مجھے نافرمان بھی نہیں بنایا۔ اس نے مجھے اپنے لطف وکرم سے اپنے خاص بندوں میں شامل فرمایا۔ شقی کا معنی بد بخت بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک بخت بنایا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بد بخت ہوتا ہے۔



وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى

اور سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن فوت ہونگا اور جس دن اٹھوں زندہ ہو کر۔ یہ ہیں عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

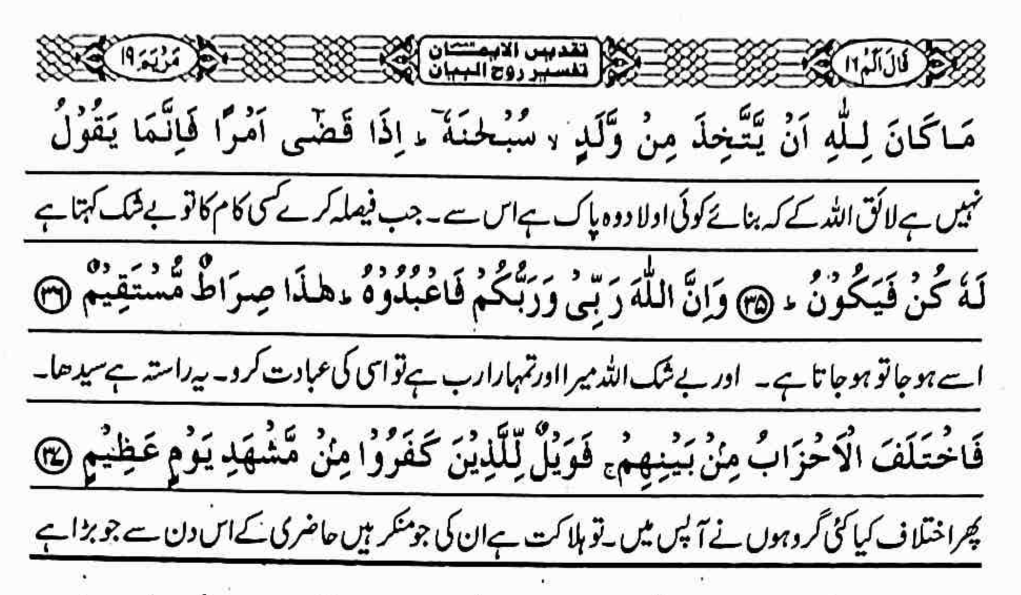
بیٹے مریم بات سچی ہے جس میں وہ شک کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۳) اور سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا کہ شیطن کے شر سے محفوظ رہا اور اس دن بھی مجھ پر سلام ہو جس دن میری وفات ہوگی کہ مجھ پر موت کی شدت نہیں ہوگی اور اس دن بھی مجھ پر سلام ہو جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یعنی قبر سے نکلتے ہی قیامت کی ہولنا کیوں سے بچالیا جائیگا۔ **فائدہ**: چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ نما کلام سن کر ساری قوم مطمئن ہوگئی اور مان لیا کہ بی بی مریم پاکدامن ہیں پھر وہ محفوظ ہوگئیں اور تمام شکوک وشبہات ختم کر دیے گئے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے نارمل وقت میں کلام فرمایا۔ (لیکن یہودی لعنتی پھر بھی نہیں مانتے۔ اور ان سے بڑا لعنتی مرزا قادیانی ہے۔ جو ان کے متعلق کئی طرح کے بکواسات کرتا ہے۔)

میلادنبوی: معلوم ہوا کہ جس دن عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں اور ان کی وفات ہو۔ اس دن اگر ان پر سلام ہو۔ تو کوئی حرج نہیں۔ تو امام الانبیاء کا میلا دو وفات کا دن ہی ایک ہے۔ یعنی پیدا ہوئے تو بھی سوموار تھا اور وفات والے دن بھی سوموار تھا۔ اس دن اگر خصوصیت سے ان پر سلام وصلوٰۃ پڑھا جائے تو کیا حرج ہے۔

فائدہ: بی بی مریم جب حاملہ ہوئیں اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی اور اعلان نبوت کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیس سال اور تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھالئے گئے۔ (مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ۳۴) یہ ہیں عیسیٰ بیٹے مریم جن کی یہاں صفات بیان ہوئیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفات عیسائی بیان کرتے ہیں وہ غلط ہیں کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام وہ عبداللہ ہیں ابن اللہ نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں۔ حق بات وہی ہے جو خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی جس میں عیسائی شک کرتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نصاریٰ کے عقیدے کی تردید فرمادی اور ان کے عقیدے کا بطلان ظاہر فرمایا۔



مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

نہیں ہے لائق اللہ کے کہ بنائے کوئی اولاد وہ پاک ہے اس سے۔ جب فیصلہ کرے کسی کام کا تو بے شک کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اسے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ یہ راستہ ہے سیدھا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

پھر اختلاف کیا کئی گروہوں نے آپس میں۔ تو ہلاکت ہے ان کی جو منکر ہیں حاضری کے اس دن سے جو بڑا ہے

(آیت نمبر ۳۵) نصاریٰ کے باطل عقیدے کو مزید واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہی نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے کیونکہ اولاد ماں باپ کا جزء ہوتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے لہذا اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے اس بہتان سے پاک ہے اس لئے کہ قدیم کی جنس ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی تو شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالے تو اس کو صرف لفظ کن فرماتا ہے تو وہ کام اسی وقت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کو امر کن سے پیدا فرمایا یعنی ہو جا تو وہ بغیر باپ ہو گئے اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جب حکم ہو جاتا ہے پھر اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر ۳۶) اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے لہذا اسی کی عبادت کرو یہاں پر جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بات ختم ہوتی ہے گویا یہ خلاصہ کلام ہے۔ آگے فرمایا کہ سیدھی راہ بھی یہی ہے اس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے والے غلط راہ پر چلے گئے ہیں۔

(آیت نمبر ۳۷) اس مسئلہ میں کئی جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا احزاب سے عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تین گروہ مراد ہیں۔ چنانچہ ان میں سطوریہ فرقہ کہتا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔ یعقوبیہ فرقہ کہتا ہے کہ وہ بذات خود خدا ہیں۔ جو آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور پھر واپس آسمان پر چلے گئے اور ان کا تیسرا فرقہ ملکانیہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی مانتے ہیں اور اس کا بندہ مانتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ہلاکت ہے کافروں کیلئے یعنی وہ کافر جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور حق بات سے اختلاف کرتے ہیں ان کے لئے بہت بڑے دن کی خرابی ہے کہ جب وہ حاضر ہوں گے۔ جس دن کا منظر بڑا سخت ہولناک ہے اس میں حساب وکتاب اور جزاء وسزا کا معاملہ بھی انتہائی سخت ہے مراد روز قیامت ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ، يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

انہیں سنائیں اور دکھائیں جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن ظالم آج گمراہی بڑی میں ہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ، وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

اور ڈرائیں انہیں اس دن سے جس میں حسرت ہوگی جب فیصلہ ہو جائیگا ہر کام کا۔ اور ابھی وہ غفلت میں ہیں

وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ع ﴿۴۰﴾

اور وہ نہیں ایمان لا رہے۔ بے شک ہم وارث ہیں زمین کے اور جو کچھ اس پر ہے اور طرف ہمارے ہی لوٹنا ہے

(آیت نمبر ۳۸) انہیں اچھی طرح سنا اور دکھا دیجئے۔ یا معنی ہے کتنا ہی دیکھیں اور سنیں گے کیونکہ بروز قیامت دیکھنے اور سننے کی قوت انتہائی تیز ہو جائیگی۔ اس لئے اس صیغے کو تعجب کے ساتھ تعبیر کیا۔ جس دن وہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ حساب و جزاء کیلئے تو وہ اچھی طرح سن بھی لیں گے اور دیکھ بھی لیں گے۔ خواہ دنیا میں وہ کتنے ہی اندھے بہرے ہوں گے کسی چیز کو عظیم سمجھنا اور اس کے سبب سے بے خبر ہونے کا نام تعجب ہے۔ آگے فرمایا کہ لیکن ظالم لوگ آج یعنی دنیا میں واضح گمراہی میں ہیں۔ حق کی طرف دیکھنے سننے سے غافل رہے۔ جبکہ دنیوی ہر قسم کے منافع حاصل کئے۔ لیکن آخرت کے معاملے میں اندھے بہرے بنے رہے۔

(آیت نمبر ۳۹) اے محبوب ان ظالموں کو ڈرائیں اس دن سے جس میں ان کے لئے حسرت اور ندامت ہوگی۔ بروں کو حسرت برائی کی وجہ سے اور نیکوں کو بھی نیکیوں کی کمی پر سخت افسوس ہو رہا ہوگا۔ خصوصاً اس وقت پر افسوس ہوگا جو یاد الٰہی کے بغیر گذرا ہوگا گویا ہر ایک اس وقت کف افسوس مل رہا ہوگا۔ جب اس کا فیصلہ ہو رہا ہوگا اور موت کو بھی مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائیگا۔ جنتی اور دوزخی سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اعلان ہوگا۔ اے جنتیو اب تم پر موت نہیں آئے گی اور اے دوزخیوں تم دوزخ میں ہی رہو گے تم بھی نہیں مرو گے۔ انہیں کوئی خبر نہیں کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ وہ غفلت میں ہیں۔

(آیت نمبر ۴۰) بے شک ہم زمین کے بھی وارث ہیں اور زمین کے مکینوں کے بھی وارث ہیں۔ مکینوں میں انسان اور غیر انسان ذوالعقول اور غیر ذوی العقول سبھی آتے ہیں۔ اکثریت ذوی العقول کی وجہ سے لفظ "مَن" لایا گیا ہے یا اس لئے کہ زیادہ فائدہ ذوالعقول نے اٹھایا آخرکار یہ سب ہمارا ہی ہوگا اور وارث ہم ہی ہونگے ہمارے سوا کوئی نہیں رہے گا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾

اور ذکر کیجئے کتاب میں ابراہیم کا بے شک وہ تھے صدیق نبی

(بقیہ آیت نمبر ۴۰) آگے فرمایا کہ انہوں نے حساب وکتاب اور جزاء یا سزا کیلئے لوٹ کر ہمارے ہاں ہی آنا ہے۔

رجوع : رجوع دو قسم ہے: (۱) رجوع بالقہر : جو دنیا سے محبت کرتے ہیں اور دنیا میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں زبردستی وہاں لایا جائے گا۔ حساب وکتاب ان کا سخت ہوگا۔ (۲) رجوع باللطف : یہ رجوع خاص کا ہے جو فنافی اللہ ہوئے نہ دنیا انہیں پسند آئی نہ اس سے دل لگا۔ ہمہ وقت دیدار الٰہی کے ہی مشتاق رہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ فنا وبقا میں اور رجوع الی اللہ کیلئے پوری کوشش کرے اور رب کے دیدار کا مشتاق رہے اس سے پہلے کہ اسے زبردستی دنیا سے لے جایا جائے۔

فائدہ :اس سے معلوم ہوا کہ رجوع الی اللہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر کمال اللہ تعالیٰ کی مدد اور کرم سے نصیب ہوتا ہے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ غلط خیالات اور وسوسے دل سے نکال دے۔

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب اپنی قوم کو قرآن میں سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے کہ تمام دینوں والے ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ کفار مکہ بھی اپنے ابراہیمی ہونے پر فخر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ان کو بتا دو کہ ابراہیم علیہ السلام تو توحید پرست تھے اور تم بت پرست ہو۔ اگر ابراہیمی بننے کا شوق ہے تو شرک کا گندا تصور ذہن سے ہٹا دو۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام تو سچے بھی بہت زیادہ اور نبی برحق تھے جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے والے تھے۔ اور وہ صدیقیت اور نبوۃ کے جامع تھے۔ ہر نبی صدیق ہوتا ہے۔ مگر ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

رسول اور نبی میں فرق: (۱) رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت لاتا ہے یا اپنے سے پہلے رسول کی شریعت میں کچھ نئے احکام جاری کرتا ہے۔ اور نبی اسی پہلے رسول کی شریعت من وعن کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔ (۲) رسول ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوسکتا ہے۔ خواہ پردہ میں ہو یا بلا پردہ اور نبی پر وحی صرف فرشتے کے ذریعے ہی آسکتی ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾

جب کہا اپنے باپ سے اے باپ کیوں تو پوجتا ہے اس کو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کام آئے تیرے کچھ

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

اے باپ بے شک تحقیق آیا میرے پاس علم جو نہیں آیا تیرے پاس پس پیچھے چل میرے میں دکھاؤں تجھے راہ سیدھی

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

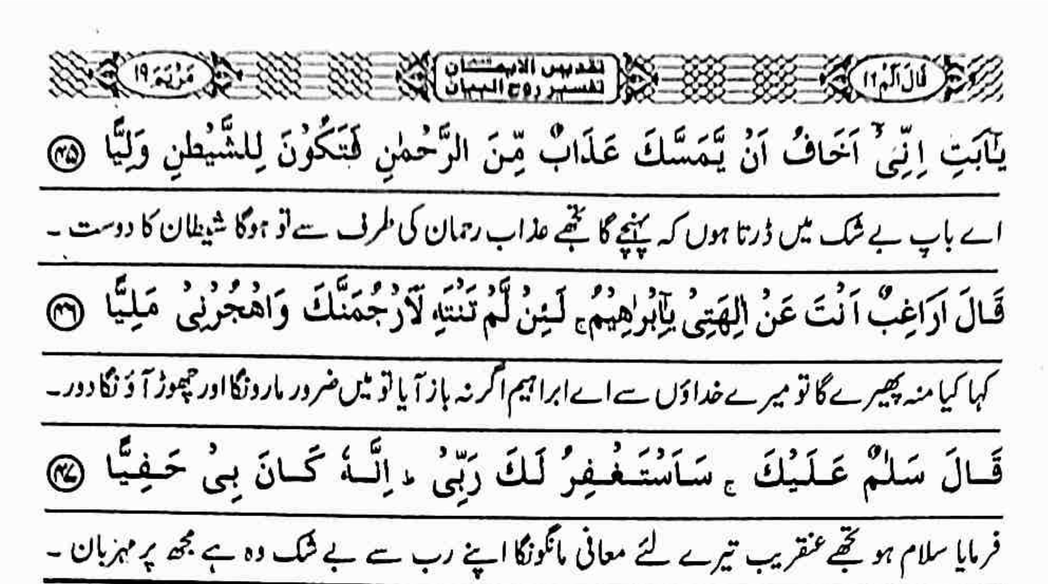
اے باپ نہ بندہ بن شیطان کا بے شک شیطان ہے رحمان کا نافرمان

(آیت نمبر۴۲) وہ وقت یاد کریں جب ابراہیم علیہ السلام نے ابا آزر سے کہا۔ یعنی بڑی نرمی سے سمجھانے کیلئے آسان لہجے میں فرمایا۔ ابا تو ان کی پوجا کیوں کرتا ہے جو نہ تیری بات سن سکتے ہیں۔ نہ تیری کوئی مدد کر سکتے ہیں یہ تو صرف مورتیاں ہیں جو نہ دیکھیں کہ کون آیا۔ نہ سنیں کہ کسی نے کیا کہا اور تمہارا کسی قسم کا وہ نفع نہیں کر سکتے۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا تو یہ تجھے بالکل نہیں بچا سکیں گے۔

(آیت نمبر۴۳) اے ابا تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میرے پاس جو علم بذریعہ وحی آیا ہے وہ وہ ہے جو تیرے پاس نہیں ہے لہٰذا انکار کے بجائے میری تابعداری کر میں تجھے وہ سیدھا راستہ دکھاؤنگا۔ جو تجھے انتہائی بلند مقام تک لے جائیگا اور پھر گمراہ نہیں ہوگا۔

نکتہ: جناب ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو جاہل نہیں کہا بلکہ فرمایا وہ علم تیرے پاس نہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس علم ہے بلکہ فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس علم آیا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی بڑی حکیمانہ تدبیر ہے۔ یعنی انتہائی لطف وکرم سے بات فرما رہے ہیں تاکہ وہ متاثر ہو کر بات مان جائے۔

(آیت نمبر۴۴) مزید فرمایا ابا تو شیطان کی پوجا نہ کر۔ یہ درحقیقت شیطان نے اپنی پرستش کرانے کا طریقہ اپنایا ہے۔ سامنے بتوں کو رکھ کر بڑے طریقے سے اپنی عبادت کراتا ہے۔ اور بے شک شیطان رب رحمان کا نافرمان ہے۔ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی تو آدمی کو مراتب سے گرا دیتی ہے اور زوال نعمت کا سبب بن جاتی ہے۔ شیطان اتنے بلند مرتبے پر پہنچا ہوا۔ رب کی نافرمانی سے ذلت کے گڑھے میں جا گرا۔ اور لعنت کا طوق گلے میں ڈال لیا۔



يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

اے باپ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ پہنچے گا تجھے عذاب رحمان کی طرف سے تو ہوگا شیطان کا دوست۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

کہا کیا منہ پھیرے گا تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم اگر نہ باز آیا تو میں ضرور ماروں گا اور چھوڑ آؤں گا دور۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

فرمایا سلام ہو تجھے عنقریب تیرے لئے معافی مانگوں گا اپنے رب سے بے شک وہ ہے مجھ پر مہربان۔

(آیت نمبر ۴۵) اے ابا مجھے اسی بات کا خوف ہے کہ اگر شیطان کی ہی تابعداری فرمانبرداری میں مر گئے اور رب تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب الٰہی تمہیں پہنچ گیا۔ پھر تو تم شیطان کے ساتھی بن گئے اور پھر طوق لعنت میں گرفتار ہو جاؤ گے چونکہ آزر ابراہیم علیہ السلام کی ہر ہر بات پر شیطان کی طرح حجت بازی کرتا تھا۔

(آیت نمبر ۴۶) تو آزر ابراہیم علیہ السلام کے ارشادات کے سامنے لاجواب ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت آموز باتیں سننے کے باوجود بجائے نصائح کو قبول کرنے کے الٹا وہ دشمنی پر اتر آیا اور کہا کہ اے ابراہیم تم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آؤ گے یا نہیں۔ **فائدہ** :یعنی ہمارے معبودوں کو تم خود مانتے نہیں اور دوسروں کو بھی یہ ترغیب دے رہے ہو۔ ہمارے ان معبودوں کو نہ ماننے والا سمجھدار آدمی نہیں ہو سکتا (کتنے خوبصورت بنا سجا کر رکھے ہوئے ہیں) اب ان کی برائی بیان کرنے سے باز آ جاؤ۔ اگر ہمیں تم روکنے سے باز نہ آئے تو یاد رکھنا میں تمہیں سنگسار کرا دوں گا۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جائے یا تم ایک عرصہ دراز تک مجھ سے دور ہو جاؤ گے یعنی یہ وطن ہی چھوڑ جاؤ گے یا پھر مجھے تم روکنے سے باز آ جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۴۷) جناب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اب کسی نصیحت کو قبول نہیں کرے گا تو آپ نے اسے الوداعی سلام کہتے ہوئے فرمایا تجھے سلام ہے۔ یہ دعائیہ سلام نہیں بلکہ برائی کے مقابلے میں نیکی کے قبیل سے ہے۔

مسئلہ :بار بار سمجھانے سے جب کوئی نصیحت قبول نہ کرے تو پھر اس سے الگ ہو جانا چاہیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے گویا یوں فرما دیا کہ اب مجھے یقین ہو گیا کہ تجھے کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی۔ لہذا ہمارا اکٹھا رہنا تو مشکل ہے۔ البتہ میں اپنے رب تعالیٰ سے تیری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ

اور الگ ہوتا ہوں تم سے اور جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا اور میں پوجوں گا اپنے رب کو قریب ہے کہ نہیں ہوں گا

بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ

میں اپنے رب کی بندگی سے بدبخت۔ پھر جب علیحدہ ہوگئے ان سے اور جن کو پوجتے تھے اللہ کے سوا

وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾

ہم نے عطا کئے ان کو اسحاق اور یعقوب سب کو ہم نے بنایا نبی۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) اے رب میرے ابا کو توبہ کی توفیق دیکر اس کو ہدایت دے کہ وہ گمراہوں سے ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ کافر سے ایمان کی امید ہو تو اس کے لئے استغفار جائز ہے۔ ہاں اس کے کفر پر مرنے کا یقین ہو تو پھر اس کیلئے استغفار سے منع کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایک وقت تک دعائیں مانگیں۔ جب تک آپ کو آزر کے ایمان قبول کرنے کی امید تھی۔ جب دیکھا کہ پکا ہی اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس کیلئے دعا مانگنے سے بری (الگ) ہوگئے۔ آگے فرمایا کہ بے شک میرے رب کا مجھ پر لطف و کرم ہے۔

(آیت نمبر ۴۸) اور تم سب بت پرستوں سے اور تمہارے جھوٹے خداؤں سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم پر میری نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بہرحال میں اپنے رب وحدہ لاشریک کی عبادت کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کریم سے مانگنے میں ناامید نہیں رہوں گا۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام نے لفظ ''عسی'' استعمال کیا ہے اس میں عاجزی اور تواضع کے طور پر ادب کو ملحوظ رکھا ہے اور ہمیں بھی سمجھا دیا کہ بلند و بالا ذات کے سامنے اپنی عجز و انکساری ہی لازم کرو۔

(آیت نمبر ۴۹) ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ارض مقدس یا شام کی طرف تشریف لے گئے۔ آگے فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بابل شہر چھوڑا اور سب رشتہ داروں سے علیحدہ ہوگئے تو پھر ہم نے انہیں اسحاق علیہ السلام اور پھر اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام جیسے خوبصورت صاحبزادے عطا فرمائے۔ اگرچہ پہلے صاحبزادہ اسماعیل علیہ السلام تھے لیکن وہ آپ کی دوسری بیوی جناب ہاجرہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے اور ان کا تعلق سرزمین مکہ سے ہوا اور اس وقت بات شام کی ہو رہی ہے تو شام میں آباد ہونے والے ابوالانبیاء اسحاق علیہ السلام ہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ وَاذْكُرْ

اور عطا کی ہم نے انہیں رحمت اپنی اور بنائی ہم نے ان کے لئے تعریف سچی بلند (دائمی)۔اور ذکر کریں

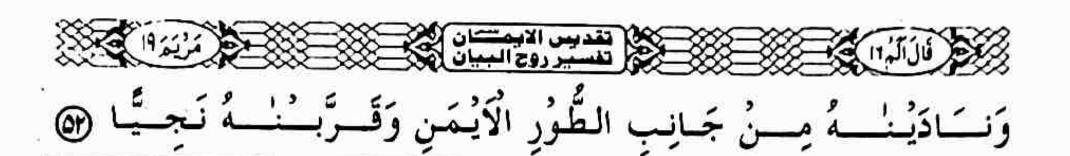
فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۚ إِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾

کتاب میں موسیٰ کا بے شک وہ چنے ہوئے اور تھے رسول و نبی۔

(بقیہ آیت نمبر۴۹) اس لئے ان کا ذکر کیا۔ جناب اسماعیل علیہ السلام کا الگ ذکر ہوا کیونکہ وہ بہت بڑی فضیلت والے نبی ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔

(آیت نمبر۵۰) اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا اور ہم نے انہیں سچائی والی زبان دی اور بلند شان والا بنایا یعنی لوگ ہمیشہ انکا ذکر اچھی تعریف کے ساتھ کریں گے۔ **فائدہ**: جناب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے پچھلے لوگوں میں صدق زبان والا بنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کا ذکر یہود ونصاریٰ بھی بڑے احترام سے کرتے ہیں۔ مسلمانوں کیلئے نماز میں درود کے اندر سپیشل ابراہیم علیہ السلام کا نام حضور نے رکھا تاکہ قیامت تک کیلئے یہ ذکر جاری وساری رہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ خوش خلقی کے ساتھ ہر ایک سے گفتگو کریں۔ اس طریق سے آپ کو ابرار کے مراتب حاصل ہونگے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ میں اخلاق حسن والوں کو عرش کے نیچے بٹھاؤں گا اور خطیر القدس میں ٹھہراؤں گا اور اسے خصوصی قرب بھی عطا فرماؤں گا (معجم للطبرانی)۔ **سبق**: جو بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہجرت کرتا ہے اور اپنے محبوبوں کی مفارقت برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہتر اور عظیم بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اس کیلئے دنیا و آخرت کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کی سب مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔

(آیت نمبر۵۱) اے میرے محبوب اب قرآن سے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں کہ بے شک موسیٰ علیہ السلام بڑے مخلص بندے تھے کہ وہ ماسوی اللہ کی میل کچیل سے بالکل صاف تھے۔ مخلص اور صدیق تقریباً ہم معنی لفظ ہیں۔ یعنی وہ جو غیریت سے پاک ہو۔ ویسے تو ہر نبی مخلص ہی ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک مخصوص ٹائیٹل دیا ہے۔ لیکن بعض انبیاء کو بعض پر افضل بنایا۔ **حدیث شریف**: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جسے چالیس روز تک خلوص کی دولت مل گئی اس کے دل سے حکمت کے چشمے نکل کر زبان پر ابلنے لگتے ہیں۔ (بحار الانوار)



وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾

اور ہم نے آواز دی اسے اس جانب سے جو طور سے داہنی طرف ہے اور قریب کیا اپنے راز کہنے کو۔

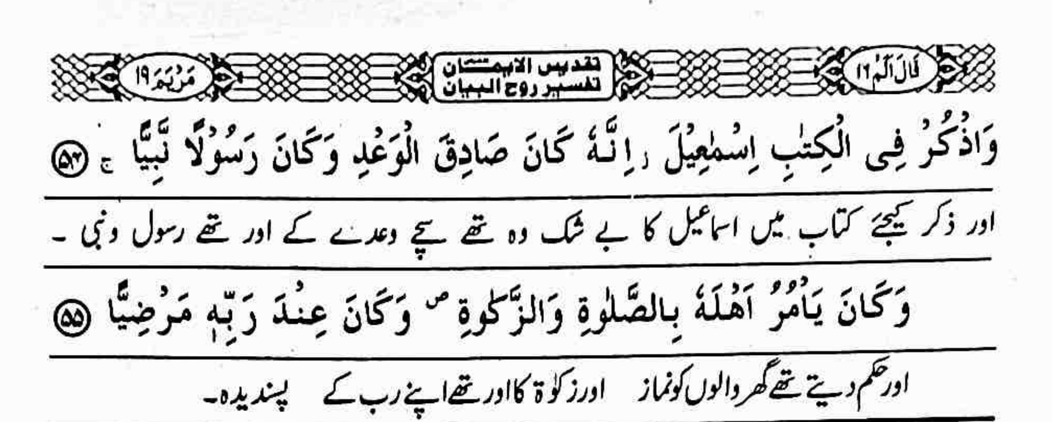
وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

اور ہم نے بخشی اسے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبوت۔

(بقیہ آیت نمبر۵۱) **فائدہ** :حقیقت یہی ہے کہ عبادت صرف مخلص لوگوں کی قبول ہوتی ہے۔ **حدیث قدسی**: اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اخلاص میرے اور میرے بندے کے درمیان ایسا راز ہے۔ جس میں کسی مقرب فرشتے کو نہ نبی مرسل کو کوئی گنجائش دم زدنی ہے (مدارج السالکین)۔ آگے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اور شان والے نبی بھی ہوئے۔

(آیت نمبر۵۲) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو طور کے دائیں جانب میں پکارا۔ **فائدہ** :طور مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ اس کا دائیں جانب مبارک ہے جو جانب یمن ہے اور پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام متمثل ہو کر سنی گئی۔ آگے فرمایا کہ ہم نے فرشتہ کے بغیر ہمکلام ہونے کا شرف بخشا۔ اس حال میں کہ وہ میرے ساتھ گفتگو کرنے والے تھے۔ نجیا یعنی راز والی باتیں کرنے والے کو کہتے ہیں۔ **فائدہ** : جلالین میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر کی طرف جارہے تھے تو پہاڑ پر آگ لینے گئے تو ایک درخت سے آواز آئی۔ وہ آواز موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔

(آیت نمبر۵۳) اور ہم نے اپنی خاص رحمت سے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی جناب ہارون کو نبی بنایا۔ ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی استدعا پر ان کا وزیر اور ان کا مددگار بنایا۔ اگرچہ ہارون موسیٰ علیہما السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ **فائدہ** :اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کسبی چیز نہیں بلکہ یہ وہبی ہے۔ یہ عطیہ الٰہی ہے۔ جسے وہ چاہے نبی بنائے۔ جسے چاہے رسول بنائے۔ یہ اس کے اپنے فضل و کرم پر ہے۔ (مرزائی جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ محنت کر کے نبی بن سکتا ہے وہ سراسر غلط ہے)۔ (چونکہ مرزا صاحب پہلے سکول سے ماریں کھاتے رہے۔ پھر ڈاکیا بنے ڈاکخانے میں کام کیا۔ پھر چند رسالے صرف عربی کے پڑھے تو مولوی بنے پھر انگریز کے ہتھے چڑھے انہوں نے مہربانی کر کے انہیں نبی بنادیا۔ تاکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں رسوا ہو)۔ انگریز نے ایک تیر سے دو شکار کر لئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا جائے۔ تاکہ آپس میں ہی لڑتے رہیں۔ دوسرا یہ کہ بدصورت آدمی کو نبی بنادیا۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ پہلے نبی بھی ایسے ہی ہوں گے۔



وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ ﴿۵۴﴾

اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کا بے شک وہ تھے سچے وعدے کے اور تھے رسول ونبی ۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور حکم دیتے تھے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا اور تھے اپنے رب کے پسندیدہ۔

(بقیہ آیت نمبر۵۳) **محتاج الیہ نبی**: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے حضور علیہ السلام کی شان کو کوئی نہیں پہنچتا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح موسیٰ علیہ السلام بے شک بڑے اونچے درجے والے نبی ہیں کہ آپ کی شفاعت سے حضرت ہارون نبی بنے۔ لیکن بروز قیامت تمام انبیاء ومرسلین ہمارے حضور ﷺ کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میری شفاعت کے منتظر ہونگے حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔ یا اللہ ہمیں بھی حضور ﷺ کی شفاعت نصیب فرما۔

(آیت نمبر۵۴) اے محبوب جناب اسماعیل علیہ السلام کا ذکر قرآن میں اپنی قوم کو سنایئے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اسحاق علیہ السلام سے الگ بیان کریں۔ اس لئے کہ یہ ہمارے حضور پاک ﷺ کے جداعلیٰ ہیں اور باکمال نبی ہوئے ہیں۔ بے شک وہ اپنے وعدے کو سچا کر کے دکھانے والے تھے۔ رب سے جو وعدہ کیا وہ بھی اور جو لوگوں سے وعدے کئے وہ بھی پورے کئے۔ اس صفت میں آپ بہت مشہور تھے۔

حکایت: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام نے اگر کسی سے ملنے کا وعدہ کر لیا پھر خواہ سال بھر وہیں انتظار کرنا پڑے۔ وہاں سے ہلتے نہیں تھے اور ان کے صادق الوعد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ والد ماجد سے صبر کا وعدہ کیا تو اسے پورا کر دکھایا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی سے وعدہ کرے۔ اس کی نیت میں تھا کہ وہ پورا کرے گا لیکن کسی مجبوری سے پورا نہ ہو سکا۔ تو گناہ گار نہ ہوگا۔ (ابوداؤد) (وعدے کے بارے میں مزید تفصیلات درکار ہوں تو فیوض الرحمان میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر۵۵) اور وہ اپنے اہل وعیال اور اقارب کو اور اپنی قوم کے لوگوں کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ یہی حکم ہمارے پیارے آقا ﷺ کو بھی دیا گیا کہ آپ گھر والوں کو نماز کا حکم دیں کیونکہ ان کی اصلاح ہوگئی تو باقی لوگ بھی ان کے طریقے پر چلیں گے۔ وہ نماز کا بھی حکم دیتے اور زکوٰۃ کا بھی۔ یعنی بدنی اور مالی دونوں عبادتیں کرنے کا حکم دیتے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور ذکر کریں کتاب میں ادریس کا بے شک وہ تھے صدیق نبی — اور اٹھایا ہم نے اسے جگہ بلند پر

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) **چھ انمول موتی:** (۱) بہت زیادہ سونے والا دل کی نرمی سے محروم ہے۔ (۲) بہت زیادہ کھانے والا تہجد سے محروم۔ (۳) ظالم کی صحبت سے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی۔ (۴) جھوٹ اور غیبت سے خاتمہ خراب ہو سکتا ہے۔ (۵) عوام میں مکس رہنے سے لذت عبادت نصیب نہیں ہوتی۔ (٦) جو لوگوں کو راضی کرنے میں لگا رہے وہ رضاء الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

(آیت نمبر ٥٦) اے محبوب قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔

فائدہ: ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے پردادا تھے اور ان کے پردادا شیث علیہ السلام تھے جو کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل ایجادات کیں: (۱) ماپنے۔ (۲) تولنے کے اسباب۔ (۳) ہتھیار کی ایجاد۔ (۴) جہاد فی سبیل اللہ۔ (۵) قلم سے لکھنا۔ (٦) علم حساب۔ (۷) نجوم کائن۔ (۸) کپڑے بنانا۔ (۱۰) کپڑوں کو سینا۔ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ آگے فرمایا کہ بے شک وہ صدیق نبی تھے۔ یعنی بہت زیادہ سچ بولنے والے۔

(آیت نمبر ۵۷) اور ہم نے انہیں بلند مکان کی طرف اٹھایا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ فلک چہارم پر جلوہ افروز ہیں۔

آپ دنیوی زندگی کے ساتھ آج بھی زندہ ہیں: آپ کے آسمان پر چلے جانے یا جنت میں چلے جانے کے کئی واقعات تفاسیر میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ قصہ مشہور ہے کہ آپ ایک فرشتے کے ذریعے جنت میں جا پہنچے۔ اس فرشتے نے جب واپسی کے متعلق کہا تو انہوں نے فرمایا۔ اب میں یہیں رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیدیا کہ ٹھیک ہے انہیں اب یہیں رہنے دو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ قیامت تک زندہ رہنے والی شخصیات میں پہلے نمبر آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات انہیں عطا فرمائے۔ انہیں بلند مقام پر اٹھانے کا ایک تو مطلب یہی ہے۔ کہ جنت جو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اللہ تعالیٰ انہیں وہاں مقام عطا کر دیا۔ جہاں باقی لوگ قیامت کے دن جائیں گے اور وہ بہت پہلے پہنچ گئے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

وہی لوگ ہیں کہ انعام کیا اللہ نے ان پر نبیوں میں سے جو اولاد ہیں آدم کی اور ان میں سے جنہیں سوار کیا ساتھ

نُوْحٍ ۫ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا

نوح کے اور اولاد ابراہیم اور یعقوب سے ہیں اور ان سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چنا ہم نے۔ جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا السجدة ﴿٥٨﴾

پڑھی جائیں ان پر آیتیں رحمان کی تو گر جاتے ہیں سجدہ میں روتے ہوئے

(آیت نمبر ۵۸) یہی بزرگ یعنی جن انبیاء کرام کا ذکر اس سورت میں بیان ہوا یہ وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے دینی اور دنیوی انعامات ہوئے۔ صوری اور معنوی عطیات سے نوازے گئے۔ سب اولاد آدم تھے اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار تھے اس سے مراد ادریس علیہ السلام کی اولاد ہے اور کچھ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے اور کچھ وہ جو اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے جیسے موسیٰ، ہارون، زکریا و یحییٰ علیہم السلام۔ مذکورہ تمام انبیاء وہی ہیں۔ جنہیں ہم نے ہدایت دی اور انہیں برگزیدہ بنایا۔ نبوۃ و کرامت عطا کی۔ جب ان انبیاء کرام علیہم السلام پر آیات رحمٰن کی تلاوت کی جاتی۔ جن میں ترغیب و ترہیب ہوتی تو اسی وقت سجدہ میں گر جاتے۔ اس حال میں کہ وہ رو رہے ہوتے تھے۔ یعنی پہلے جتنے بھی انبیاء کرام گذرے۔ جن میں سے کئی مال و دولت والے بھی ہوئے جاہ حشم والے بھی ہوئے۔ شرف ونسب میں بھی اشرف واعلیٰ تھے۔ ہر لحاظ سے باکمال تھے لیکن جب وہ آیات الٰہی سن لیتے تو پھر وہ سجدے میں گر کر خوب روتے تھے۔ جبکہ وہ گناہوں سے معصوم تھے (تو ان انسانوں کو جو گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں اپنے گناہوں پر بے حد رونا چاہئے)۔

حدیث شریف میں ہے۔ قرآن پڑھو تو آنسو بھی بہاؤ۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بناؤ (ابن ماجہ) یعنی اگر تمہاری آنکھیں نہیں روتیں تو اپنے دلوں کو رلاؤ اور قرآن سنتے ہوئے تم سے حزن وملال کا اظہار ہو۔ اس لئے کہ قرآن حزن وملال والوں پر نازل ہوا۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ جیسے دوست کا کلام شوق کو ابھارتا ہے جب آتش شوق دل کی گہرائیوں میں روشن ہوتی ہے تو آنکھیں خود بخود آنسو بہاتی ہیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر پیچھے آئے ان کے بعد ناخلف ضائع کی انہوں نے نماز اور پیچھے چلے خواہشات کے عنقریب جا پڑیں گے غی دوزخ میں

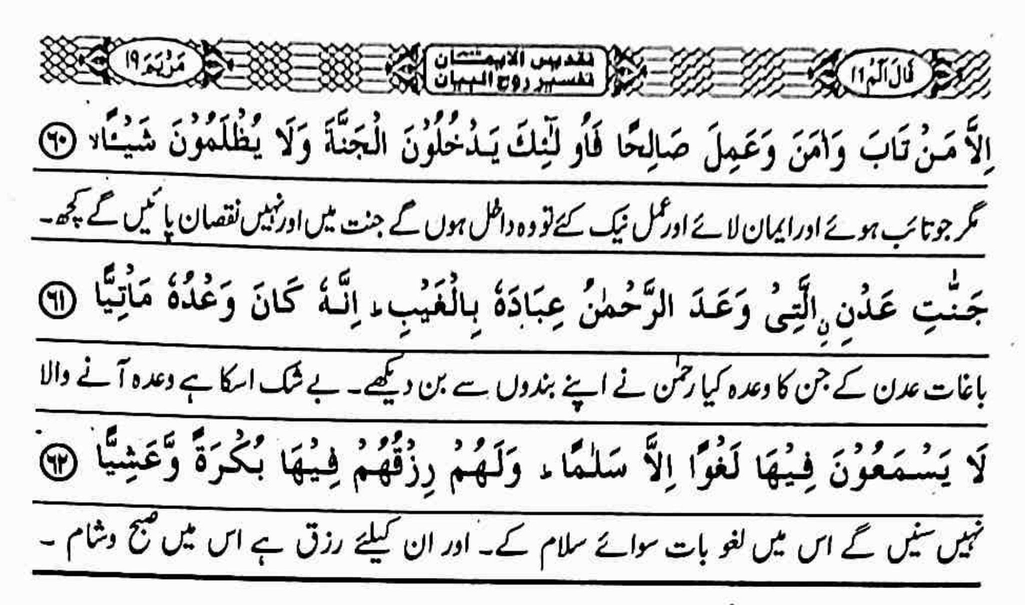
(آیت نمبر ۵۸) **فائدہ**: علماء فرماتے ہیں کہ مناسب ہے کہ اس آیت کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔ ترجمہ۔ اے اللہ مجھے ان بندوں میں شامل فرما جن پر تیرا انعام ہوا اور ہدایت یافتہ ہیں۔ تیرے لئے سجدہ کرتے اور تیری آیات کو پڑھ کر روتے ہیں۔ مجھے ان رونے والوں اور ڈرنے والوں میں بنا۔

(آیت نمبر ۵۹) مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پیچھے (یعنی ان کی اولاد وغیرہ میں) ایسے لوگ آئے جو یہود ونصاریٰ یا مجوس وغیرہ بنے۔ یعنی باپ دادا کے عقائد واعمال کو چھوڑا اور خواہشات وشہوات کے پیچھے لگ گئے۔

حدیث شریف: ہر نبی کے تربیت یافتہ صحابی یا حواری کہلائے جو اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں پر عمل کرتے اور ان کے فرمودات کے مطابق عقیدہ رکھتے۔ آگے پھر ان کی نسلوں میں ایسے ناخلف لوگ آگئے جو کہتے کچھ اور کرتے کچھ تھے۔ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے اور خود اس کے خلاف کرتے تم میں سے جو بھی ہاتھ۔ یا زبان یا دل سے ان کے ساتھ جہاد کرلے وہ مومن ہے۔ اس کے علاوہ ایمان کسی کام کا نہ ہوگا تو ان ناخلفوں کے کرتوت یہ تھے کہ وہ نماز کو ضائع کرتے۔ پہلے تو پڑھتے ہی نہ تھے اور پڑھتے تو بے وقت یا نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر جھوٹ غیبت وغیرہ کرکے نماز کا ثواب ضائع کردیتے یا نماز بے خشوع وخضوع ہوتی اور وہ خواہشات کے پیچھے پڑ گئے ہر قسم کے گناہوں میں وہ منہمک ہوگئے۔ (رواہ مسلم) (جیسے آج کل کے اکثر سید کہلانے والے) سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں وہ بڑی بلڈنگیں بنانے والے اور اعلیٰ سواریوں اور اعلیٰ لباس پہننے والے۔ دین کو چھوڑ کر دنیا جمع کرنے والے۔

دنیا کی مذمت: داؤد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ یہ دنیا مردار ہے جس پر چند کتے جمع ہوتے ہیں کہ ہر ایک مردار کو اپنی طرف کھینچتا ہے اے لوگو کیا تم کتا ہونا گوارہ کرو گے اور داؤد (علیہ السلام) یاد رکھو اچھا کھانا، نرم لباس اور عام لوگوں میں شہرت والی چیزیں نہ رکھنا۔ کیونکہ ان چیزوں میں اور جنت میں کوئی جوڑ نہیں۔

آگے فرمایا کہ جو لوگ نمازیں ضائع کریں اور خواہشات کے پیچھے پڑیں وہ عنقریب غيی میں پڑیں گے۔ غيی جہنم کی ایک وادی ہے جس میں زانی، شرابی اور سود خور اور ماں باپ کے نافرمان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم سے بچائے۔ آمین



اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور عمل نیک کیے تو وہ داخل ہوں گے جنت میں اور نہیں نقصان پائیں گے کچھ۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

باغات عدن کے جن کا وعدہ کیا رحمٰن نے اپنے بندوں سے بن دیکھے۔ بے شک اسکا ہے وعدہ آنے والا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

نہیں سنیں گے اس میں لغو بات سوائے سلام کے۔ اور ان کیلئے رزق ہے اس میں صبح وشام۔

(آیت نمبر۶۰) مگر وہ شخص غیی میں نہیں جائے گا جس نے شرک اور گناہوں سے توبہ کی اور یمان لایا۔ ندامت کے بعد اچھے اچھے اعمال کئے ایسے لوگ یعنی توبہ کرنے والے اور نیک عملوں والے جنت میں جائیں گے یہ رب تعالیٰ کا ان سے پختہ وعدہ ہے اور انہیں ان نیک اعمال کا بدلہ ملنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔

(آیت نمبر۶۱) وہ عدن کے باغات ہیں جنت کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک خاص جنت کا نام جنت عدن ہے۔ جیسے رمضان مہینوں میں ایک خاص مہینہ ہے۔ یاد رہے جنت الفردوس اور جنۃ العدن اصل میں مقربین کے قیام گاہیں ہیں جس کا اللہ رحمٰن نے اپنے خاص بندوں سے وعدہ فرما رکھا ہے۔ یہ سودا بغیر دیکھے ہوا ہے۔ اور اس کو رحمت کے ساتھ مشتق کر کے اشارہ فرمادیا کہ وعدہ اور ایفائے عہد محض فضل وکرم پر ہے۔ عباد کو اپنی طرف منسوب کیا۔ تا کہ معلوم ہو کہ وہ لوگ عبودیت میں مخلص ہیں اور جو خالص اس کے بندے ہیں ان کیلئے ہی جنت عدن ہے۔ بے شک یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں سے کیا یعنی اس وعدے کو ضرور پورا کیا جائیگا۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۶۲) اس میں کوئی فضول باتیں نہیں سنیں گے۔ جنتی لوگ نہ فضول کلام کریں گے نہ سنیں گے۔ جیسے دنیا میں لوگ فضول باتیں کرتے ہیں۔ لہذا اس دنیا میں بھی فضول گفتگو سے پرہیز لازمی ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ فرشتوں سے لفظ سلام سنیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام دیں گے اور ان کے لئے اس جنت میں صبح وشام رزق ہوگا۔ یعنی ہمیشہ اور ہمہ وقت کیونکہ جنت میں تو صبح وشام کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جہاں ہمہ وقت نور ہی نور ہوگا۔ یہاں صبح وشام کا لفظ عرب کے محاورے کے طور پر بولا گیا ہے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ

یہ جنت جس کا ہم نے وارث بنایا اپنے بندوں کو جو تھے پرہیزگار۔ اور نہیں اترتے ہم مگر حکم

رَبِّكَ ج لَهٗ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ج وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ج ﴿٦٤﴾

خدا سے اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو پیچھے ہے اور جو درمیان اس کے اور نہیں ہے رب تیرا بھولنے والا۔

(آیت نمبر٦٣) یہ وہ جنت ہے جس کا ابھی بیان ہوا اور تم نے سن لیا اب اس میں داخل ہونے والوں کا بیان ہے کہ ہم وارث بنائیں گے اس جنت کا (یعنی جنت پکی پکی دے دیں گے) ان کو جو خالص ہمارے بندے ہوں گے اور جو متقی اور پرہیزگار ہوں گے۔ یعنی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے والے اور ہماری اطاعت کرنے والے اور ہم انہیں اس اطاعت وتقوے کے سبب جنت کا وارث بنادیں گے جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے۔ ایسے ہی جنت میں بھی تصرف کا حق حاصل ہوگا۔

فائدہ : وراثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہاں نہ فسخ ہو نہ رجوع ہو سکے نہ ابطال نہ اسقاط نہ شفعہ ایک معنی یہ بھی ہے وہ مکانات کفار کو ملتے۔ اگر ایمان لے آتے اور اطاعت کرتے پھر تو ان کو جنت میں وہ جگہ ملتی لیکن انہوں نے کفر کر کے جہنم میں ٹھکانہ بنایا۔ لہذا ان محلات کے مالک بطور وراثت اہل ایمان ہو جائیں گے۔

فائدہ : جنت چونکہ اعمال کا بدلہ ہے اس لئے جتنے اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے اتنے ہی منازل و مراتب بھی زیادہ ہوں گے۔ جیسے کہ **حدیث شریف** میں ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا بلال جنت میں تم میرے آگے آگے کیسے چل رہے تھے۔ کون سا ایسا عمل کرتے ہو عرض کی کہ جب بھی وضو کرتا ہوں ساتھ ہی دو رکعت نماز نفل پڑھ لیتا ہوں تو فرمایا انہی کی برکت ہے۔ (صحیح بخاری)

(آیت نمبر٦٤) ہم خود بخود نہیں اترتے مگر آپ کے رب کریم کے حکم سے زمین پر اترتے ہیں۔

شان نزول : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سے کفار اور مشرکین نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کئے تو فرمایا کہ ان کے متعلق تمہیں کل جواب دیں گے لیکن پندرہ یا سترہ دن تک کوئی وحی نہ آئی اس پر کفار و مشرکین نے طرح طرح سے افواہیں اڑائیں کہ محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا وغیرہ پھر جب جبریل تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا جبریل بہت دنوں کے بعد آئے ہو تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ میں عبد مامور ہوں جب حکم ہوتا ہے تو حاضر ہو جاتا ہوں جب حکم نہیں ہوتا تو میں رک جاتا ہوں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ

رب آسمانوں اور زمین کا ہے اور جو ان کے درمیان ہے پس اسی کی پوجا کرو اور جمے رہو اس کی عبادت پر۔ کیا

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝٦٥ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝٦٦

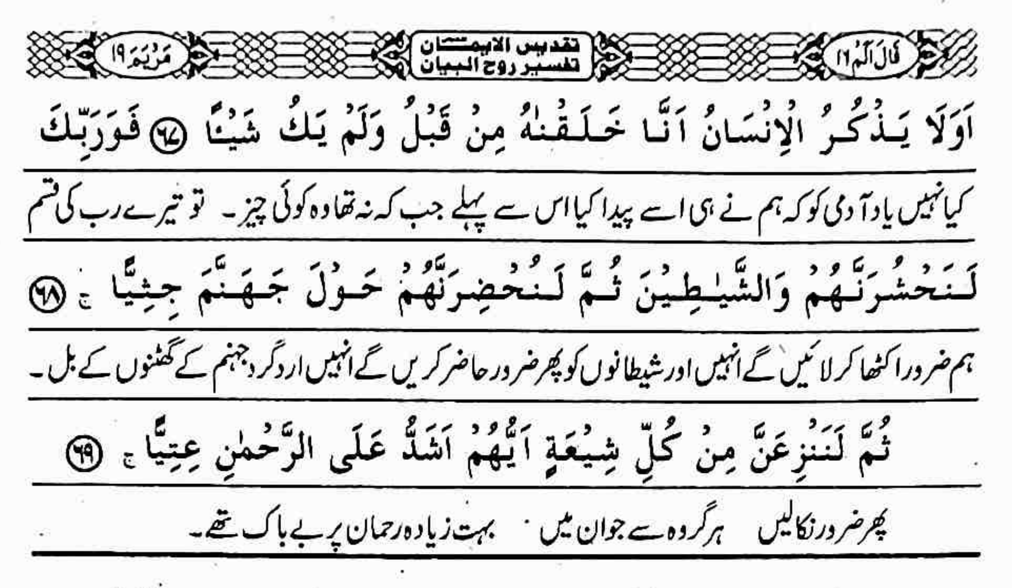
تم جانتے وہ اس کا کوئی اور نام۔ اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر جاؤں گا تو عنقریب نکالا جاؤں گا زندہ کر کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۴) تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ اسی کیلئے خاص ہے جو ہمارے سامنے ہے جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے یعنی تقدیر ازلی ابدی کا وہی مالک ہے اور آپ کا رب بھولا نہیں۔ یعنی آپ کے ہر حال سے آگاہ ہے وحی کی تاخیر ہونے میں مصلحت تھی کفار کا گمان غلط ہے۔ (یہ بات وحی کا رکنا ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے)۔

(آیت نمبر ۶۵) اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمانوں کا مالک ہے اور جو اس کے درمیان مخلوق آباد ہے وہ بھی اسی کی ہے اس لئے اسی کی عبادت میں ثابت قدم رہیں اور اس کی عبادت میں جو جو تکلیفیں اور مشقتیں آئیں انہیں برداشت کریں۔ کفار کے بکواسات پر دھیان نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا نگاہ بان و نگران ہے کیا کسی کے لائق ہے کہ وہ کسی کا نام اللہ رکھے۔ مشرکین نے بتوں کے ہزاروں نام رکھے مگر کسی بت کا نام اللہ نہیں رکھا۔ کاشفی فرماتے ہیں کہ اللہ کی شان ہے کہ کسی مشرک کو بت کا نام اللہ رکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ فرعون نے بھی رب کہلوایا مگر اللہ کہلوانے کی جرات نہیں کی۔ مسیلمہ کذاب نے اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھوایا مگر اللہ نہیں کہلوایا۔

ایک گستاخ بادشاہ نے سرکشی سے اپنا نام اللہ رکھوایا۔ مگر ذلت اور رسوائی سے مرا۔ پیٹ سے آنتیں جگر اور تلی دبر کے راستے باہر آ گئیں اور اسی وقت مر گیا اللہ کے علاوہ بھی جنہوں نے صفاتی نام کہلوائے وہ بھی ذلت کے ساتھ مرے خواہ فرعون ہو یا مسیلمہ کذاب ہو۔ **مسئلہ**: اللہ تعالیٰ کے اسماء مخصوص سے کوئی اسم رکھوانا مکروہ ہے۔ (البتہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ عبد لگائیں تو اس سے بے شمار برکات حاصل کریں۔ جیسے عبداللہ یا عبدالرحمٰن وغیرہ۔

(آیت نمبر ۶۶) قیامت کا منکر انسان کہتا ہے۔ **فائدہ**: یعنی ابی ابن خلف نے پرانی ہڈی اٹھا کر کہا کہ محمد کا خیال ہے کہ جب ہم اس ہڈی کی طرح ہوں گے تو پھر اٹھیں گے کیا میں جب مر کر چورا ہو جاؤں گا تو پھر جلد قبر سے زندہ کر کے زمین سے باہر نکالا جاؤں گا چونکہ منکر قیامت کو اٹھنا محال سمجھ رہا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین نہیں آ رہا ہے۔



اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ

کیا نہیں یاد آدمی کو کہ ہم نے ہی اسے پیدا کیا اس سے پہلے جب کہ نہ تھا وہ کوئی چیز۔ تو تیرے رب کی قسم

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ﴿۶۸﴾

ہم ضرور اکٹھا کر لائیں گے انہیں اور شیطانوں کو پھر ضرور حاضر کریں گے انہیں اردگرد جہنم کے گھٹنوں کے بل۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ﴿۶۹﴾

پھر ضرور نکالیں ہر گروہ سے جوان میں بہت زیادہ رحمان پر بے باک تھے۔

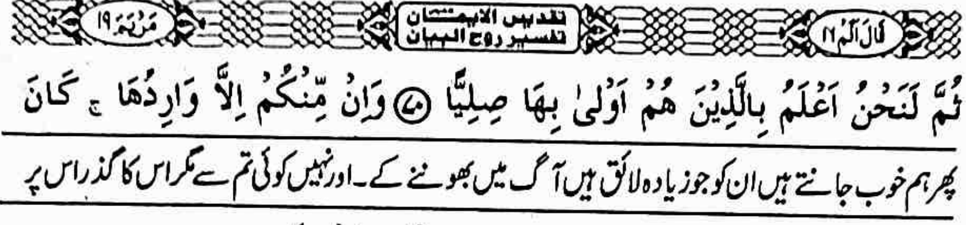
(آیت نمبر ۶۷) کیا انسان غور و فکر نہیں کرتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا فرمایا جبکہ وہ پہلے کوئی شیء نہ تھا۔ عدم محض تھا۔ لہذا اسے یقین ہونا چاہیے کہ جو ذات عدم محض کو کسی مادہ کے بغیر پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس چیز کا مادہ متفرق ہونے کے بعد تو بطریق اولیٰ کر سکتا ہے۔

فائدہ :اس آیت سے قیاس کا ثبوت ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی تخلیق پر ہی قیاس کر کے دوبارہ زندہ کرنے کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا کہ ابتدائی تخلیق مجھ پر مشکل نہیں ہوئی تو اعادہ مجھ پر کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔

فائدہ : محققین فرماتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی ایسی مختصر اور جامع کوئی اور دلیل نہیں ہو سکتی۔

(آیت نمبر ۶۸) قسم ہے تیرے پروردگار کی۔ ہم قبروں سے نکال کر ان کو ضرور اکٹھا کریں گے اور ان منکروں کے ساتھ ساتھ شیطانوں کو بھی۔ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا اس لئے کہ ہر کافر کو اس کے کافر بنانے اور اس پر قائم رکھنے والے شیطان کے ساتھ ایک ہی بیڑی میں جکڑے ہوئے لائے جائیں گے۔ پھر انہیں گھٹنوں کے بل جہنم کے اردگرد حاضر کریں گے۔ یعنی وہ کھڑے ہونے کی سکت نہیں رکھیں گے گھٹنے کے بل پڑے ہوں گے۔ (یہ ان کی ذلت کا بیان ہے کہ انتہائی ذلیل کر کے لائے جائیں گے)۔

(آیت نمبر ۶۹) پھر ضرور ہم نکالیں گے ہر فرقے اور گروہ سے جو دنیا میں گمراہ ہو کر پھیلے اور سرکشی کرتے تھے یعنی مجرموں میں بھی جو بہت ہی زیادہ سرکش ہوئے انہیں پہلے ہی نکال کر پوچھیں گے کہ تم میں سے کون تھا جو رحمٰن پر بھی زیادہ سرکش تھا لہذا جو بڑا سرکش ہوگا اس کو سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائیگا۔



ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ

پھر ہم خوب جانتے ہیں ان کو جو زیادہ لائق ہیں آگ میں بھوننے کے۔ اور نہیں کوئی تم سے مگر اس کا گذر اس پر

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ج ﴿۷۱﴾

ہوگا ہے اوپر تیرے رب کے لازماً فیصلہ شدہ بات

(بقیہ آیت نمبر ۶۹) **فائدہ**: تفسیر کبیر میں ہے کہ سب سے پہلے عذاب عظیم کیلئے اسے چنا جائیگا جو دنیا میں سب سے بڑا ظالم سرکش ہوگا کیونکہ اس کے ڈر سے بہت لوگ گمراہ ہوں گے اور گمراہ کنندہ کا عذاب سخت تر ہوگا بہ نسبت اس کے جو اس کی تابعداری میں گمراہ ہوگا۔

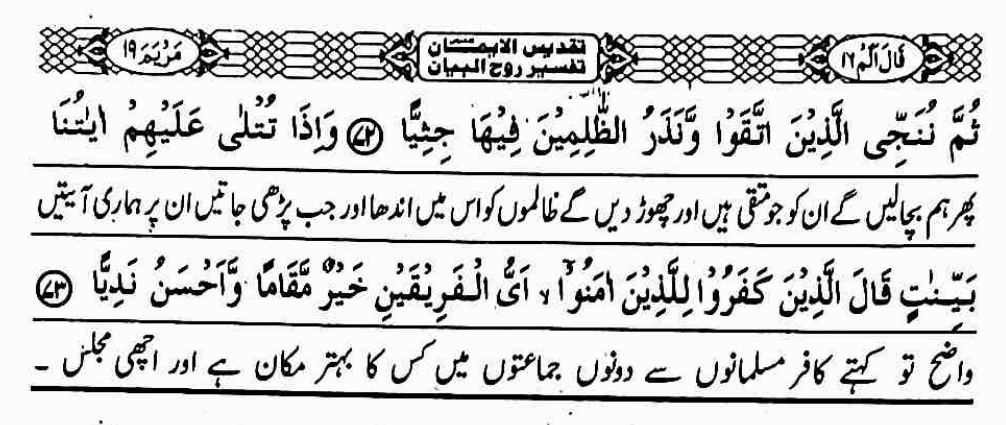
(آیت نمبر ۷۰) پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں اس بات کو کہ سب سے پہلے جہنم مین داخل ہونے کا مستحق کون ہے اس سے مراد وہی بڑے کافر ہیں جن کا ابھی پیچھے بیان ہوا۔ (جنہوں نے جبراً لوگوں کو اسلام سے پھرایا)۔

فائدہ: قیامت کے دن پہلے مرحلے میں قبروں سے اٹھنا ہوگا۔ پھر چھانٹی ہوگی پھر منکروں کی بارگاہ الٰہی میں حاضری اور پھر عذاب کیلئے انتخاب اور اس کے بعد عام کفار کا داخلہ ہوگا۔

(آیت نمبر ۷۱) اور نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس میں داخل ہوگا اور یہ جہنم میں داخل ہونا یا اس پر سے گذرنے کا معاملہ حتمی ہے یعنی اس کا وقوع لازمی ہے کہ یہ ہر حال میں ہو کر رہے گا۔ **فائدہ**: جہنم پر وارد ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں بھی عذاب ہوگا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر ایک کا گذر جہنم پر سے ہوگا۔ البتہ جو جہنم کے لائق ہوگا۔ وہ خود بخود جہنم میں گر جائیگا۔ اور جنتی انتہائی تیزی کے ساتھ اوپر سے گذر جائیگا۔

پل صراط: عبداللہ بن مسعود، حسن بصری اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ورود سے مراد پل صراط پر سے گذرنا ہے اور وہ پل صراط جہنم پر ہے اور جنت میں جانے کیلئے اس پل صراط کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ لہذا وہاں سے ہر ایک کو گذرنا ہے۔ ایک سوال ضرور ذہن میں آتا ہے کہ جہنمی جہنم کے اوپر جائیں یا نیچے جائیں ان کا تو حق بنتا ہے جنتیوں کو وہاں سے کیوں گذارا جائیگا؟

جواب نمبر ۱: یہ ہے کہ جہنم کے باہر سے ہی جنت میں جاتے تو وہ لذت و سرور نہ ملتا جو جہنم کے اوپر سے گذر کر مل سکتا تھا۔ (۲) جب مومن صالح جہنم سے صحیح سلامت نکل جائیں گے تو کفار کی بڑی رسوائی ہوگی اور افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے ان کی بات مان لی ہوتی اور آج اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔



ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا

پھر ہم بچالیں گے ان کو جو متقی ہیں اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس میں اندھا اور جب پڑھی جاتیں ان پر ہماری آیتیں

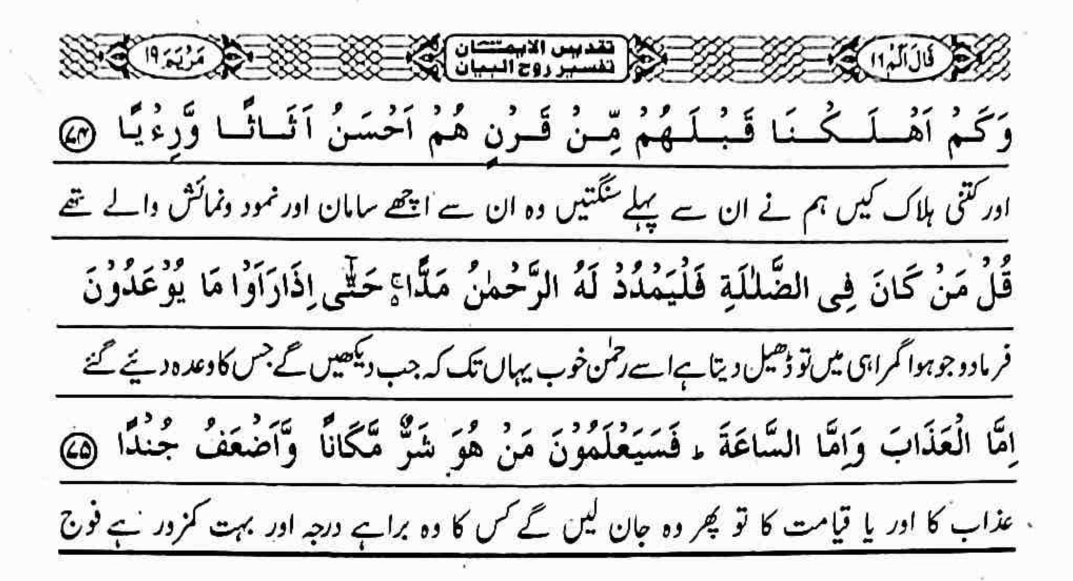
بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾

واضح تو کہتے کافر مسلمانوں سے دونوں جماعتوں میں کس کا بہتر مکان ہے اور اچھی مجلس ۔

(آیت نمبر ۷۲) پھر ہم متقی لوگوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو جو گناہوں پر گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے انہیں جہنم میں اوندھا چھوڑ دیں گے یعنی گھٹنوں کے بل پڑا رہے گا۔

مذہب :(۱) معتزلہ کہتے ہیں جو جہنم میں گیا وہ نکل نہیں سکے گا۔(۲) مرجئہ کہتے ہیں مومن ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔(۳) اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بعض مومن گناہوں کی سزا بھگتنے کیلئے جہنم میں جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں نکال دے گا۔ آیت ہذا سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب مومن دوزخ پر سے گذرے گا تو دوزخ کہے گی کہ اے مومن جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور سے میری نار بجھ رہی ہے۔(احیاء العلوم ومشکوٰۃ)

(آیت نمبر ۷۳) اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو کافر (نضر بن حارث) جیسے غریب مسلمانوں سے کہنے لگے۔ دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کافروں) میں کون بہتر لوگ ہیں ٹھکانے کے لحاظ سے یعنی وہ اپنی بڑھائی بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہمارے محلات بہترین ہیں اور ہمیں معیشت کے سب اسباب حاصل ہیں اور ہماری مجلسیں اجتماع کے لحاظ سے اعلیٰ ہیں۔ یعنی ہماری مجلس میں اعلیٰ عہدوں والے قریش کے بڑے بڑے لیڈر موجود ہیں اور حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگے کہ ان کی مجلس میں تو سب غریب ضعیف اور غلام ہوتے ہیں۔ اگر تمہارا مذہب حق ہوتا تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا کیونکہ مالک اپنے دوستوں کو ذلت میں مبتلا نہیں دیکھتا اور دشمنوں کو عیش وعشرت نہیں دیتا ان کا مقصد ان باتوں سے یہ تھا کہ یہ غریب لوگ ایسی باتوں سے دین حق چھوڑ دینگے۔



وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾

اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں وہ ان سے اچھے سامان اور نمود ونمائش والے تھے

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

فرمادو جو ہوا گمراہی میں تو ڈھیل دیتا ہے اسے رحمٰن خوب یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جس کا وعدہ دیئے گئے

اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾

عذاب کا اور یا قیامت کا تو پھر وہ جان لیں گے کس کا وہ برا ہے درجہ اور بہت کمزور ہے فوج

(آیت نمبر ۷۴) ان کی گفتگو کے جواب میں فرمایا اے قریش مکہ کتنے ہی مال دولت اور مکانوں والوں کو ہم نے عذاب میں تباہ وبرباد کیا اگر یہ دنیوی ساز وسامان بزرگی کا سبب ہوتے تو وہ لوگ کیوں تباہ وبرباد ہوئے۔ قوم عاد قوم ثمود فرعون ہامان اور قارون جیسے ذلت کے عذاب میں گرفتار نہ ہوتے۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں کہ سابقہ کفار کا سارا ساز وسامان مال واسباب اور اجتماع تم سے بہت زیادہ تھا۔ لیکن جب عذاب آیا تو پھر کسی چیز نے انہیں نہیں بچایا ان کا سامان بھی کفار مکہ سے زیادہ تھا اور آرائش والے بھی تھے۔ مگر عذاب کے وقت کوئی چیز انہیں کام نہ آئی۔ حتیٰ کہ جن بتوں کو پوجتے تھے وہ بھی ذرہ بھر کام نہ آئے۔

(آیت نمبر ۷۵) اے محبوب ان مال ومنال پر فخر کرنے والوں سے فرمادو جو کوئی گمراہی میں یعنی جہالت میں ڈوبا ہوا ہے اور اپنے انجام سے بھی غافل ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دیتا ہے لمبی عمر دے کر مہلت دیتا ہے مال وتمکین اور تصرفات دنیویہ دے کر آزماتا ہے تاکہ بروز قیامت یہ لوگ عذر نہ پیش کرسکیں کہ اگر ہمیں کچھ مہلت ملی ہوتی تو شاید ہم گمراہی سے بچ جاتے حالانکہ انہیں بڑی بڑی لمبی عمریں ملیں لیکن ان کے گناہوں پر اصرار نے انہیں ایمان کی طرف نہیں آنے دیا ورنہ کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے گناہ چھوڑے تو انہیں ایمان بھی نصیب ہوگیا۔

فائدہ: معلوم ہوا۔ گناہوں سے کفر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور کفر جہاں ہوگا۔ وہاں ایمان نہیں آئیگا۔ الاماشاء اللہ

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

اور بڑھائے گا اللہ جنہوں نے ہدایت پائی ان کی ہدایت کو۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

نزدیک تیرے رب کے ثواب اور بہتر انجام کے لحاظ سے

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) یہاں تک کہ جب وہ چیز دیکھ لیں گے کہ جس کا دنیا میں وہ وعدہ دیئے گئے یا جس سے ڈرائے گئے اس سے مراد یا تو دنیوی عذاب ہے۔ جیسے بدر وغیرہ میں مسلمانوں نے انہیں قتل اور قید کیا۔ یا اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے جو کہ انتہائی سخت ہوگا۔ اس کا جب وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔

فائدہ :امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں دنیوی عذاب نہ بھی ہو آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ آگے فرمایا کہ عنقریب وہ جان لیں گے کہ دونوں گروہوں میں سے کسی کا حال بدتر ہے۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ دونوں گروہوں میں سے کن کے ٹھکانے بدترین ہیں۔ اور کس کے بہترین۔ کس کا لشکر کمزور ہے اور کس کا لشکر طاقتور ہے۔

(آیت نمبر ۷۶) اللہ تعالیٰ مومنین کے ایمان اور عمل صالح یقین ورشد میں مزید اضافہ فرماتا ہے جیسے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے اور سب سے بہتر چیز وہ نیک اعمال ہیں جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں اور ان کا ثواب تیرے رب کے پاس ہے۔ ثواب کا معنی بدلہ اور وہ جزاء ہے جس سے فائدہ ہمیشہ ملتا رہے گا اور وہ انجام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے اس لئے کہ اس میں رضاء الٰہی بھی ہے اور نعمت بھی دائمی ہے اور کفار کے جتنے مفاخر ہیں وہ فانی ہیں جو آخرت میں سخت ذلیل وخوار ہونگے مومن دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور اسے حمایت الٰہی بھی حاصل ہے اور آخرت میں ثواب بھی پائے گا۔

باقیات صالحات: ہر وہ نیک عمل جو آخرت میں فائدہ دے وہی باقیات صالحات ہیں۔ حدیث شریف: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاالہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" اور "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" کہنے سے گناہ اس طرح گرتے ہیں جیسے سردیوں میں درختوں کے پتے معمولی ہوا سے گرتے ہیں۔ اے ابوالدرداء ان کلمات کو بہت پڑھا کرو۔ یہی باقیات صالحات ہیں۔ (رواہ احمد)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾

کیا تو نے دیکھا اسے جس نے انکار کیا ہماری آیتوں سے اور کہتا ہے میں دیا جاؤں گا ضرور مال اور اولاد۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ

کیا جھانک آیا غیب کو یا بنا آیا پاس رحمٰن کے کوئی وعدہ۔ ہرگز نہیں جلد ہم لکھ رہے ہیں جو وہ کہتے ہے

وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾

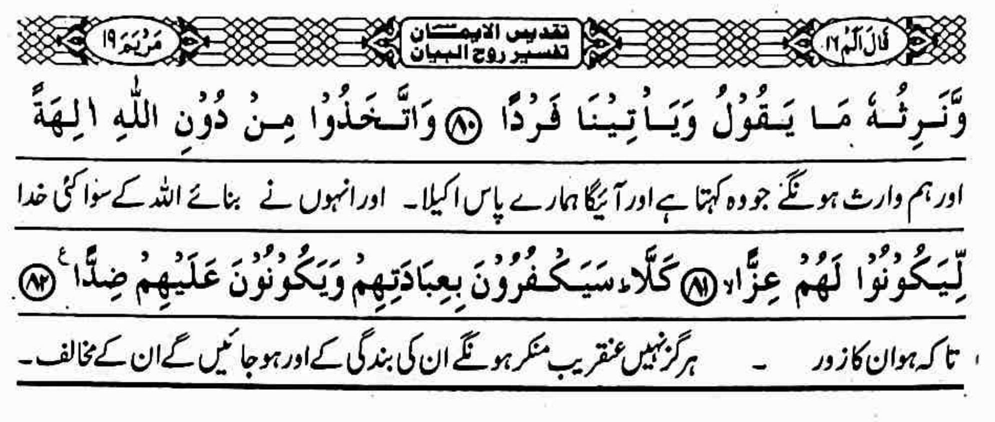
اور خوب لمبا کریں گے اس کا عذاب۔

(آیت نمبر ۷۷) بطور تعجب فرمایا کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا۔

شانِ نزول : یہ آیت کریمہ عاص بن وائل کے حق میں نازل ہوئی کہ جس نے قیامت کے بارے میں مزاح کیا اس نے حباب بن الارت کا قرضہ دینا تھا۔ مانگنے پر اس نے کہا تو اپنے نبی کا انکار کر تو میں تجھے قرضہ واپس دے دونگا تو صحابی رسول ﷺ نے فرمایا یہ کام تو میں قیامت تک نہیں کرونگا تو اس نے کہا اچھا پھر قیامت کے دن ہی آ کر لے لینا۔ یہ میرا مال اور اولاد بہت ہے جو میں دیا گیا ہوں یہ بات اس نے بطور مزاح کے کہی۔

(آیت نمبر ۷۸) اے محبوب اس پر تعجب ہی ہے کیسی غلط گفتگو اور بے جا جرات کر رہا ہے کیا وہ غیب جاننے لگ گیا یہ تو خاصہ خداوندی ہے۔ یہ جو قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ قیامت کے دن مال اولاد دیا جاؤنگا کیا رب رحمٰن کے ساتھ اس کا کوئی معاہدہ ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے دو چیزیں ملی ہوں یا علم غیب یا عالم الغیب ذات سے معاہدہ۔ حالانکہ انہیں ان میں سے کچھ نہیں ملا۔ **فائدہ** : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ یہاں عہد سے مراد کلمہ شہادت یا عمل صالح ہے جس پر ثواب کا پختہ وعدہ ہے۔

(آیت نمبر ۷۹) ہرگز ایسا نہیں ہے جو کچھ اس نے کہا ہے وہ سراسر غلط ہے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھ رہے ہیں۔ اس کے جھوٹ اور استہزاء کا انجام اسے پتہ چل جائے گا۔ جب ہم اسے بری سزا دیں گے مال و اولاد کی جگہ بہت لمبا چوڑا عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے اور جو وہ ہمارے خالص بندوں سے ہنسی مزاح کر رہا ہے۔ ہماری ڈھیل دینے سے وہ ایسی باتیں کر کے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔



وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

اور ہم وارث ہونگے جو وہ کہتا ہے اور آئیگا ہمارے پاس اکیلا۔ اور انہوں نے بنائے اللہ کے سوا کئی خدا

لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

تا کہ ہوان کا زور ۔ ہرگز نہیں عنقریب منکر ہونگے ان کی بندگی کے اور ہو جائیں گے ان کے مخالف۔

(آیت نمبر۸۰) وہ جو مال واولاد کی امید میں ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اس کو تباہ کر کے اس کے مال ومنال کے وارث ہونگے۔ پھر ہم وارث کسی اور کو بنائیں گے اور اس کے بدلے میں اسے سخت ترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔

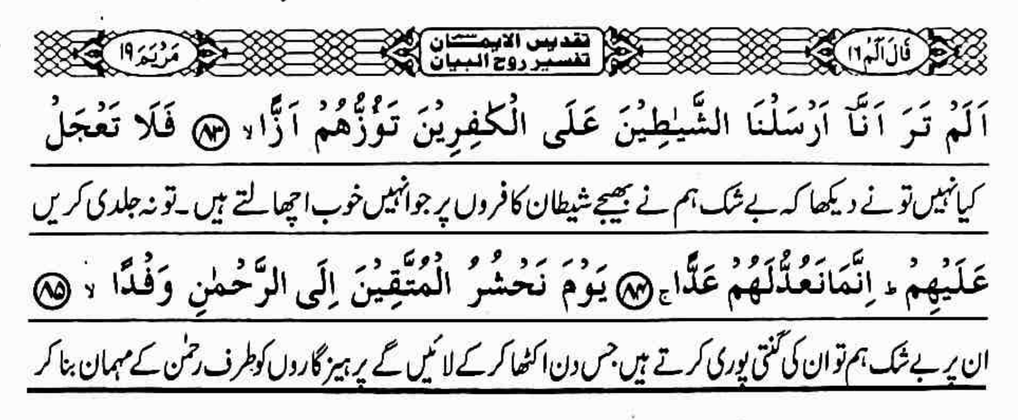
فائدہ :اس آیت میں اسے تنبیہ کی جارہی ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یہ محض اس کا اپنا گمان ہے اس کے مرتے ہی سب کچھ اس سے چھن جائیگا اور یہ مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہو جائیگا یہی اس کی سزا ہے اور قیامت کے دن وہ ہمارے پاس اکیلا ہی آئیگا۔ اس کے ساتھ نہ مال ہوگا نہ اولاد۔ سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر ہمارے پاس تنہا ہی آئیگا۔

(آیت نمبر۸۱) ان مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا تا کہ وہ بت ان کی عزت یا قوت کا موجب بن جائیں یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اپنا زور لگا کر یا سفارش کر کے عذاب سے بچالیں گے۔

فائدہ :ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اے عزت مانگنے والے عزت ذلت میں نہیں ملے گی کیونکہ تو عزت مخلوق سے مانگ رہا ہے۔ مخلوق خود عاجز ہے۔ عزت چاہئے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ جس کے پاس ساری عزت ہے۔ اس کا کثرت سے ذکر کر اس کی رضا کا طالب بن۔ کیونکہ ہر چیز اسی کے در سے ملتی ہے اس کے در کا طالب بن کر عزت چاہے گا تو عزت بھی ملے گی جنت بھی ملے گی۔ اس نے عزت دی انبیاء کرام علیہم السلام کو یا ان کے غلاموں کو۔

(آیت نمبر۸۲) ہرگز ایسا نہیں ہے یعنی ان کا خیال بالکل غلط ہے یہ مشرکین عنقریب جب اپنا برا انجام دیکھیں گے تو وہ بتوں کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے۔ جس وقت انہیں معلوم ہو جائیگا کہ بت تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ ان بتوں کے دشمن بن جائینگے جب کہ دنیا میں ان سے بے حد محبت کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہئے۔

فائدہ :جلالین میں ہے کہ باطل معبود بھی ان مشرکوں کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں قوت گویائی دے گا تو وہ کہیں گے یا اللہ ان ہمارے پوجنے والوں کو سخت عذاب میں مبتلا فرما۔



(آیت نمبر ۸۳) کیا تو نے دیکھا نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو ان کافروں پر مسلط کیا کہ وہ شیطان انہیں گناہوں پر خوب وسوسے ڈال کر ابھارتے ہیں اور گناہوں کو خوبصورتی کے ساتھ سنوار کر ان پر پیش کرتے ہیں۔

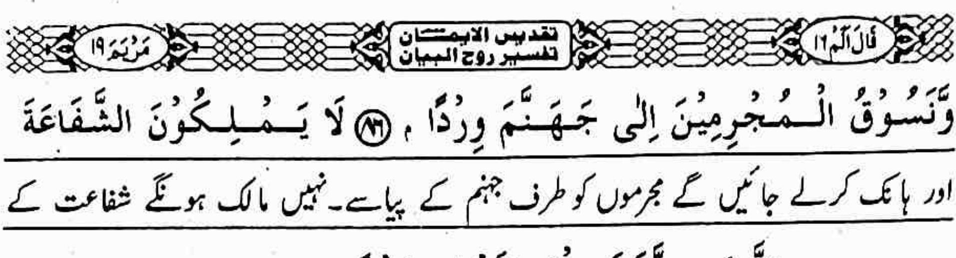
فائدہ: یہاں پر ان کے گناہوں میں انہماک اور سرکشی اور عناد میں افراط پر تعجب دلایا گیا اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے جو گناہ اور سرکشی اور کفر ہو رہا ہے یہ سب کچھ شیطان ان سے کرا رہے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۴) انہیں بددعا دینے میں جلدی نہ کیجئے اگرچہ ان کے گناہوں اور غلط کاریوں کا یہی تقاضا ہے کہ وہ تباہ و برباد ہوں تاکہ مسلمانوں کو ان کے شروں سے نجات ملے اور ان کے فسادات سے محفوظ ہوں جائیں بے شک ہم نے ان کی زندگی کے ایام گنے ہوئے ہیں دن تو دن ہم نے تو ان کے سانس بھی اچھی طرح گن رکھے ہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ آیت پڑھ کر بہت روتے تھے اور فرماتے کہ آخری سانس پر ہماری روح پرواز کرے گی پھر تمام گھر والوں سے جدا ہو جائیں گے پھر ہم بالآخر قبر میں داخل ہو جائیں گے۔ابن سماک فرماتے ہیں کہ جس کی زندگی کے لمحات ہی چند ہوں وہ کسی کی مدد کیا لے۔جو جلد ختم ہو جائیں گے۔ان پر کوئی کیا فخر کرے۔کیا خوب اس اعرابی نے کہا اس زندگی پر کیا خوشی کہ جس کے دن ہی گنتی کے ہوں۔اس بدن کی کیا سلامتی کی امید کہ جس کے پیچھے آفات و بلیات ہوں۔

(آیت نمبر ۸۵) اے محبوب اپنی امت کو وہ دن بھی یاد دلائیں کہ جس دن متقی اور مطیع لوگ گروہ در گروہ اپنے رب رحمٰن کی بارگاہ کی طرف چلیں گے جیسے بادشاہوں سے انعام و اکرام لینے والے ٹولیاں بنا کر آتے ہیں۔

فائدہ: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ قسم بہ خدا متقی لوگ پیدل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہیں جائیں گے بلکہ ایسی سواریوں پر ہونگے جن کی زینیں سونے کی ہوں گی اور شان و شوکت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔نہ وہاں اکتائیں گے۔نہ وہاں سے نکلنا ہوگا۔



وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ

اور ہانک کرلے جائیں گے مجرموں کو طرف جہنم کے پیاسے۔ نہیں مالک ہونگے شفاعت کے

اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۘ ﴿۸۷﴾

مگر جس کا ہوا پاس رحمٰن کے کوئی قرار۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۵) **مشتاقان رحمن** : ممشاد دینوری پر حالت نزع طاری ہوئی۔ ایک درویش ان کیلئے جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگا آپ نے فرمایا بندۂ خدا تیس سال سے جنت اپنے حور وقصور کے ساتھ میرے سامنے پیش ہورہی ہے میں نے آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا میں تو قرب خاص میں بھیجا جارہا ہوں۔ لہذا بروز قیامت معلوم ہوگا کہ جنت کے چاہنے والے کون ہیں اور رحمٰن کو چاہنے والے کون ہیں۔

(آیت نمبر ۸۶) اور ہم مجرموں کو پیدل ہی جانوروں کی طرح ہانک کرلے جائیں گے جو کہ بھوکے پیاسے ہونگے جہنم کے پاس جب پیاسے اور پیدل آئیں گے جیسے کوئی سخت پیاسا پانی کی طرف جاتا ہے یا وہ دھکیل کر لائے جائیں گے۔ **فائدہ**: جو اپنے اوقات ضائع کر کے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ انہیں کیا قدر ہے کہ دنیا کا ایک ایک لمحہ کتنا قیمتی ہے۔ جس نے اپنی زندگی کی قدر نہیں کی اور اپنے ماہ اور سال یوں ہی ضائع کر گیا اور اپنی عمر گناہوں میں گنوادی۔ اس کا یہی حال ہونا چاہئے جو قیامت کو ہوگا۔ عقل مند اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا۔

(آیت نمبر ۸۷) کفار جن سے امید لگا رہے ہیں، شفاعت کا انہیں کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ مگر صرف وہی شفاعت کرے گا۔ جسے رحمٰن کی طرف سے اجازت ہوگی یعنی کوئی بندہ خواہ کتنے بڑے مرتبے والا ہو وہ مجرموں کی شفاعت کرنے کا مختار نہیں ہوگا۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اذن دے دیا۔

عہد نامہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ پاک سے فرمایا کہ تم ہر روز اللہ تعالیٰ سے عہد کیوں نہیں کر لیتے؟ انہوں نے پوچھا وہ کیسے آپ نے فرمایا۔ صبح وشام عہد نامہ پڑھ لیا کرو۔ یہ ایک خاص مہر ہے۔ اسے عرش کے نیچے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بروز قیامت منادی اعلان کریگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد ہے۔ جب وہ آئیں گے تو انہیں حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (رواہ حاکم) (یہ عہد نامہ فیوض الرحمٰن میں دیکھا جا سکتا ہے)۔ (اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝٨٨ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۝٨٩ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

اور کہتے ہیں بنائی رحمٰن نے اولاد ۔ تحقیق لائے تم چیز بہت بھاری۔ جس سے قریب ہے کہ آسمان

يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝٩٠ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝٩١

پھٹ جائیں اور شق ہو جائے زمین اور گر جائیں پہاڑ لڑھک کر۔ کہ وہ بتاتے ہیں رحمٰن کی اولاد۔

(آیت نمبر۸۸) یہود ونصاری یا مشرکین عرب کہتے کہ خدا کی اولاد ہے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔(معاذ اللہ)

(آیت نمبر۸۹) اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا البتہ تحقیق تم نے بہت ہی بڑی عجیب وغریب بات کر دی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ثابت کرنا بہت ہی بری بات ہے۔ اس سے زیادہ بری بات اس کا شریک بنانا ہے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تم نے نہایت قبیح اور بے ادبی والا کلمہ بولا جو اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ثابت کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۹۰) یہ بات بہت زیادہ بھاری ہے۔ اتنی بھاری ہے۔ کہ اس کی وجہ سے قریب کہ ایسی بے ادبی سے آسمان بھی پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر جائے زمین بھی یہ بات سن کر پھٹ جائے اور پہاڑ بھی گر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ **عجیبہ**: مروی ہے کہ زمین کے تمام درخت اعلیٰ پھل دیتے تھے لیکن مشرکوں کی یہ بات سن کر اس زمین پر سیم وتھور پیدا ہوا۔ بعض درختوں پر کانٹے اگ گئے۔ آگے فرمایا کہ قریب ہے کہ پہاڑ بھی یہ بات سن کر گر پڑیں۔ یعنی کفار کا یہ کلمہ اس قدر ہولناک ہے کہ کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کے سننے کی ہمت نہیں۔ یہ بات سن کر غضب الٰہی سے سب کچھ ٹوٹ پھوٹ جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ حلم اور بردباری سے فضل وکرم نہ کرتا تو سب جہان تباہ ہو جاتا۔

(آیت نمبر۹۱) ان مشرکین کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کو منسوب کرتے ہیں۔ کوئی یہود کی طرح عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا ہے کوئی نصاریٰ کی طرح حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہہ رہے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو ابناء اللہ یعنی خدا کے بیٹے کہہ رہے ہیں۔ اپنی جہالت سے جو ان کے منہ میں آیا وہی کہہ دیتے ہیں۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور نہیں مناسب رحمان کیلئے کہ بنائے اولاد۔ نہیں ہیں سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ ﴿٩٤﴾

مگر آئیں گے رحمٰن کے پاس بندے ہوکر۔ تحقیق شمار کیا ان کو اور گن رکھا ہے گننا۔

(آیت نمبر۹۲) رحمٰن کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اپنے لئے اولاد بنائے۔ اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کیلئے محال بالذات ہے۔ اس لئے کہ اولاد والد کا حصہ ہوتی ہے۔ یہ ترکیب کی علامت ہے اور ترکیب کیلئے اجزاء ضروری ہیں اور مرکب اپنی جزوں کا محتاج ہوتا ہے تو جو محتاج ہو وہ الہٰ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نہ اولاد ہے نہ اس کی شان کے لائق ہے۔ کہ وہ اپنے لئے اولاد بنائے۔ کیونکہ اولاد تو اسے چاہئے۔ جسے موت کا ڈر ہو۔ تا کہ بعد میں اس کا نام رہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

(آیت نمبر۹۳) نہیں ہے کوئی آسمانوں اور زمینوں میں نہ فرشتے نہ جن نہ انسان مگر وہ اللہ تعالیٰ رحمٰن کے پاس آئیں گے غلام بن کر۔ یعنی انتہائی عاجز بن کر اور اس کے بندے بن کر۔

فائدہ: عیون میں ہے کہ بروز قیامت تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع اور خضوع کے ساتھ عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے حاضر ہوں گے خواہ فرشتے یا انبیاء یا اولیاء جیسے غلام اپنے مالکوں کے ہاں حاضر ہوتے ہیں۔ جب انبیاء و اولیاء کا یہ حال ہے تو ماوشما کس کھاتے میں ہونگے۔

فائدہ: ابوبکر وراق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کیلئے عبودیت، انکساری، عجز و نیاز کے اظہار سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب چاہتا ہے وہ عاجزی اور انکساری کو لازم کرلے۔

(آیت نمبر۹۴) البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شمار میں رکھا ہوا ہے کوئی چیز اس کے احاطے اور شمار سے باہر نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اگر چہ اشیاء کی گنتی بے انتہاء ہے لیکن سب اس کے گھیرے کے اندر اندر ہیں۔ سب کی گنتی کو اس ذات نے شمار کر رکھا ہے۔ ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء اور موت و حیات سب کو وہ جانتا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور سب آئیں گے اس کے پاس بروز قیامت اکیلے اکیلے۔ بے شک جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

عنقریب کرے گا ان کیلئے رحمٰن محبت۔

(آیت نمبر ۹۵) سب کے سب اللہ تعالیٰ کے پاس اکیلے اکیلے آئیں گے۔ یعنی نہ کسی کے پاس مال ہوگا نہ اولاد ہوگی۔ **حدیث قدسی:** میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنی آدم نے میری طرف جھوٹ کی نسبت کی حالانکہ یہ اس کیلئے مناسب نہیں تھا اور دوسرا یہ کہ اس نے مجھے گالی بھی دی اور یہ بھی اس کیلئے مناسب نہیں تھا۔ مجھے جھٹلایا یوں ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں دوبارہ زندہ نہیں کرونگا۔ حالانکہ میں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا۔ کہ میں ضرور زندہ کر کے اٹھاؤنگا۔ لیکن پھر بھی بنی آدم کہتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا میرے لئے پہلی مرتبہ سے زیادہ آسان ہے (بخاری)۔ اس لئے کہ دوسری مرتبہ ڈھانچہ ہے۔ مجھے اس میں صرف روح ڈالنا ہے۔ پہلی مرتبہ میں تو وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اس کو حسین صورت عطا فرمائی۔ (۲) یہ فرمایا کہ بنی آدم نے مجھے گالی دی۔ وہ یہ کہ اس نے میری طرف اولاد کی نسبت کی اور یہ میرے لئے گال کے برابر ہے۔ اس لئے کہ وہ میرے لئے اجزاء ثابت کر رہا ہے کہ میں ان اجزاء کا محتاج ہوں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ میں نقص اور عیب ثابت کیا گیا ہے چونکہ کسی کو گال دینا اس میں عیب نکالنے کے مترادف ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۹۶) بے شک وہ مومن جو نیک اعمال کرتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اپنی محبت پیدا فرما دے گا۔ جنہیں نہ کسی سبب کی ضرورت ہوگی۔ نہ کسی رشتہ داری کی۔ نہ کسی کی دوستی کا دم بھرنے کی۔ بس اس کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت ہونی چاہئے۔

شان نزول: یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت کہ جب مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ کفار کا غلبہ تھا۔ مسلمان پریشان تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جلد اسلام کو غلبہ اور قوت حاصل ہوگی۔ اور تمہارے اعزاز واکرام میں بہت بڑا اضافہ ہوگا۔ (۲) بروز قیامت اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کا اظہار فرمائے گا۔ جن کا ایمان کامل اور عمل صالح ہوگا ان کی عزت افزائی کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ یوں محبت فرمائے گا۔ کہ تمام اہل ایمان کو اپنا دیدار نصیب فرمائے گا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ

پس سوائے اس کے نہیں آسان کیا ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر تا کہ خوشی سنائیں پرہیز گاروں کو۔

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ

اور ڈرائیں اس سے قوم جھگڑالو کو۔ اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں کیا دیکھیں ان سے

مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ع ﴿٩٨﴾

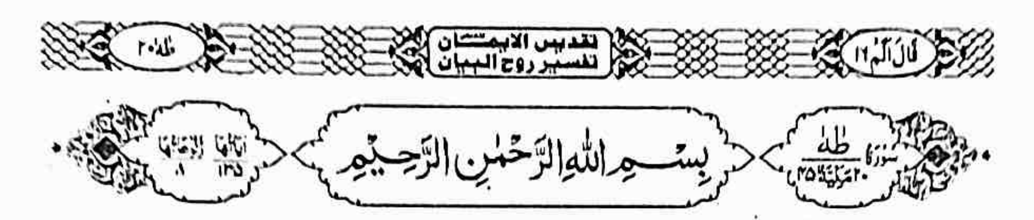
کوئی چیز یا سنی ہے ان کی کوئی بھنک۔

(آیت نمبر ۹۷) سوائے اس کے نہیں ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ آپ کی زبان پر وہ اس طرح کہ اسے آپ کی بولی کے مطابق اتارا تا کہ آپ ان لوگوں کو خوش خبری سنائیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں جو اللہ کے حکموں پر پابندی سے عمل کرتے اور گناہوں سے بچتے ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ اس جھگڑالو قوم کو اس قرآن کے ذریعے ڈرائیں جو ایمان بھی نہیں لاتے۔ شراب کے رسیا اور عناد اور سرکشی کرتے ہیں اور سخت جھگڑالو ہیں۔

متقی لوگ: ا۔ جو شرک سے بچتے ہیں۔ ۲۔ اطاعت الٰہی کر کے گناہوں سے بچتے ہیں۔ ۳۔ ہر ماسوی اللہ سے بچتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۸) کتنے ہی گروہ اور جماعتیں ہم نے ہلاک اور تباہ کر دیں جو ان اہل مکہ کی طرح بڑے سرکش اور جھگڑالو تھے انہوں نے بھی انبیاء کرام کے ساتھ جھگڑے کیے۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام نے انہیں عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے سرکشی بھی کی اور آیات الٰہی کا انکار بھی کیا۔ جس کی وجہ سے وہ تباہ ہوئے تو کیا تمہیں ان میں سے کوئی نظر آتا محسوس ہوتا ہے۔ یا ان میں سے کسی کی کوئی معمولی سے بھی آواز کہیں سنتے ہو چونکہ ہم نے انہیں جڑ سے ہی اکھیڑ کر بالکل انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اب ان کا نام و نشان تک دنیا میں نہیں رہا اب نہ وہ کہیں نظر آتے ہیں نہ ان کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں تباہ ہوئے۔

اس سورۃ کا اختتام : ۲۲ فروری ۲۰۱۶ء بروز سوموار بوقت نماز صبح



طٰهٰ ① مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ② اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ③

نہیں اتارا ہم نے آپ پر قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ہاں یہ نصیحت ہے اس کیلئے جو ڈرے

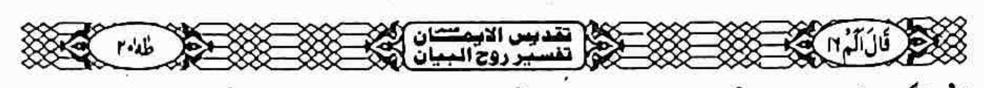
(آیت نمبر۱) طٰہٰ حروف مقطعات سے ہے۔اس میں کئی اقوال ہیں (جو فیوض الرحمٰن میں دیکھے جا سکتے ہیں)

حدیث شریف: بے شک اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ اور یاسین کی سورتوں کو زمین وآسمان کو بنانے سے دو ہزار سال پہلے خود پڑھا تو ملائکہ نے سن کر کہا قابل صد مبارک ہوں گے وہ پیٹ جوان سورتوں کو اٹھائیں گے۔امت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبارک ہو جن پر یہ نازل ہوں گی وہ زبانیں بھی مبارک ہیں جو انہیں تلاوت کریں گی۔ (طبرانی وصاحب الفردوس)

(آیت نمبر۲) اے محبوب آپ کفار کے کفر پر بہت زیادہ افسوس کر کے مشقت نہ اٹھائیں اس لئے کہ آپ کی ذمہ داری صرف میرا پیغام ان تک پہنچانا ہے۔وہ کام آپ نے پورا کر دیا۔لہذا ان پر زیادہ زور لگانے اور ان کے نہ ماننے کی وجہ سے افسوس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فائدہ :دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بہت زیادہ عبادت وریاضت سے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے ہیں۔جس سے آپ کو سخت مشقت ہوتی ہے۔لہذا فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف ومشقت میں پڑ جائیں کہ آرام بھی نہ کر سکیں۔

(آیت نمبر۳) قرآن مجید آپ کو مشقت میں ڈالنے کیلئے نازل نہیں کیا۔یہ تو ہم نے اس لئے اتارا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہے۔اس کیلئے اس میں نصیحت ہے اور ذکر کیلئے اتارا کہ اس کے ذریعے ہمیں یاد کرنے والا یاد کرے اور نصیحت حاصل کرنے والا اس سے نصیحت حاصل کرے اور آخرت کا خوف رکھنے والے کیلئے بھی اس میں سبق ہے کیونکہ صحیح فائدہ قرآن سے وہی اٹھائے گا۔جس میں خوف ہوگا۔



تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝٤ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝٥

اس کا اترنا اس سے ہے جس نے بنایا زمین اور اونچے آسمان کو۔ بڑا مہربان عرش پر اپنی شان کے مطابق استوی کیا۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝٦

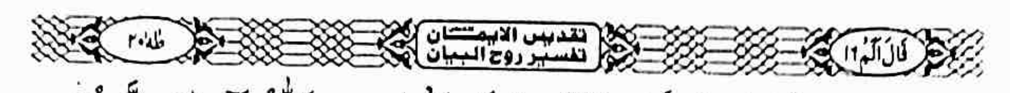
اسی کا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں اور جو ان کے درمیان ہے اور جو نیچے زمین کے۔

(آیت نمبر۴) اس قرآن کا نزول اس ذات کی طرف سے ہے کہ جس نے عدم سے وجود کی طرف سب کو نکالا۔ زمین کے ساتھ بلند آسمانوں کو بنایا۔ اگرچہ ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں وہی لے کے آیا۔ لیکن یہاں صرف آسمان اور زمین کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ تخلیق کا عظیم شاہکار ہے اور دوسرا یہ کہ سارے عالم کا قوام ان سے ہی ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آسمان اتنے بلند ہیں تو ان کو بنانے والی ذات کتنی بلند و بالا ہوگی۔

(آیت نمبر۵) اس ذات کا نام نامی اسم گرامی اللہ تعالیٰ کی طرح رحمان بھی ذاتی نام ہے۔ جو عرش کے بھی بلند تر ہے وہ عرش جسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔ **فائدہ**: عرش بادشاہوں کے تخت کو کہتے ہیں جس پر وہ بیٹھتے ہیں۔ لیکن جب عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد استیلاء یعنی ملکیت ہے۔ یہاں لازم کہہ کے ملزوم مراد لیا گیا۔ ہم نے یہ معنی اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے اٹھنے سے پاک ہے۔ "استوی علی العرش" چونکہ قرآن مجید کی متشابہہ آیات میں سے ہے۔ اسکی حقیقی تاویل تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کی تاویل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے جو متشابہہ کی تاویل کرے وہ گمراہ ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس استوئ کی حقیقت کو خود ہی جانتا ہے۔

فائدہ: ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے کیونکہ وہ قدیم ہے۔ بس اس سے آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دو متشابہہ آیات کا مطلب پوچھا تو آپ نے اسے درے لگوائے (اس بارے میں مزید تفصیلات فیض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر٦) اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ ہوا یا بادل یا پرندے وغیرہ۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کسی اور کا کچھ نہیں۔ نہ شراکت کے لحاظ سے نہ مستقل طور پر۔ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔ اس کا مالک بھی وہی ہے۔ جس طرح سدرہ سے اوپر کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسی طرح عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک اور اس کے نیچے کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ تحت الثریٰ زمین کے نیچے یعنی جوں جوں نیچے جاؤ۔ مٹی اور پانی ہی ہے۔ جس کی مسافت پانچ سو سال کی راہ ہے۔



وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط

اور اگر او نچے آواز سے بات کرے پس بے شک وہ جانتا ہے چھپی اور مخفی چیز کو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞

اسی کے نام ہیں اچھے۔

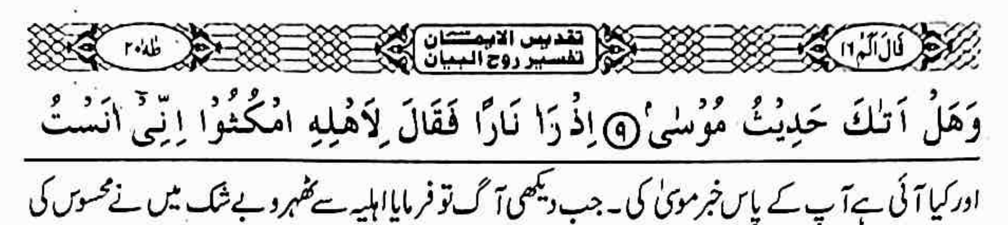
(آیت نمبر ۷) اگر تم اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند کرو اللہ تعالیٰ تمہارے سر و اعلان سب سے واقف ہے اس لئے کہ بے شک وہ جس طرح ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح پوشیدہ سے پوشیدہ بات کو بھی جانتا ہے۔ یعنی اس کا علم ہر وقت اور ہر زمان کیلئے برابر ہے۔ کوئی کسی بات کو کتنا ہی چھپائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے بلکہ جو چیز دل پر کھٹکے یا وہم وخیال میں آئے بلکہ آئندہ جو باتیں ذہن میں آنے والی ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی جانتا ہے۔

ذکر بالجهر: اس آیت میں بظاہر ذکر بالجہر کی نفی پر دلیل دی جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ذکر خفی کو سن لیتا ہے تو پھر اونچے ذکر کی کیا ضرورت ہے لیکن یہ ان کا وہم ہے۔ ذکر بالجہر کے خلاف یہ آیت نہیں ہے۔ ذکر بالجہر پر قرآن وحدیث میں دلائل موجود ہیں۔ (فیوض الرحمٰن یا میری ہی تصنیف برکات ذکر میں چالیس احادیث ذکر جہر پر دیکھ لیں)۔ ذکر جہر اللہ تعالیٰ کو سنانے کیلئے نہیں۔ بلکہ اپنے دل کو سکون دینے کیلئے ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ۸) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ادراک سے بالاتر ہے ازل سے موجود ہے۔ اسی کلمہ "لاالہ الا اللہ" پر پوری کائنات قائم ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو ہمہ وقت "لاالـــہ الا اللہ" کا ورد کرتا ہے اور بلند آواز سے یہ ورد کرتا ہے ایک لمحہ کیلئے بھی اس ورد کو نہیں چھوڑتا۔ نہ وہ سانس لیتا ہے جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیگا کہ صور پھونکیں جب وہ پھونکیں گے تو وہ فرشتہ فوت ہو جائیگا اور ورد ختم ہو جائیگا۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا رکن اعلیٰ اور اس کے وجود کا دوام ذکر الٰہی پر مبنی ہے جب یہ ذکر ختم تو کائنات بھی ختم ہو جائیگی ایک اور **حدیث شریف** میں ہے کہ زمین پر جب تک اللہ اللہ ہوگا تو قیامت قائم نہیں ہوگی۔ آگے فرمایا کہ اس کے نام بہت اچھے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سارے نام بہت اعلیٰ ہیں۔

فائدہ: اسماء حسنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ہر اسم میں تقدیس، تحمید اور تعظیم کا معنی موجود ہے۔



وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ

اور کیا آئی ہے آپ کے پاس خبر موسیٰ کی۔ جب دیکھی آگ تو فرمایا اہلیہ سے ٹھہرو بے شک میں نے محسوس کی

نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

آگ شاید میں لاؤں اس سے چنگاری یا پاؤں اوپر آگ کے راستہ (بتانے والا)

(بقیہ آیت نمبر ۸) **اسماء مبارکہ کی تعداد:** مشہور ننانوے ہیں۔ امام رازی نے چار ہزار نام لکھے ہیں تین ہزار کو صرف انبیاء کرام جانتے ہیں اور ایک ہزار عام مؤمنین کو معلوم ہیں ان میں سے ننانویں ناموں کا جو ورد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری شریف)

(آیت نمبر ۹) کیا تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی ہے اب ہم بذریعہ وحی آپ کو بتا رہے ہیں یعنی یہ واقعہ آپ قوم کو سنا دیں جو ہم آپ کو ابھی سنا رہے ہیں۔ آگے ایک عجیب واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا آرہا ہے۔ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کس طرح ملی۔

(آیت نمبر ۱۰) جب موسیٰ علیہ السلام نے طور پر آگ دیکھی۔

حکایت: موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آٹھ یا دس سال رہے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح بھی کیا۔ پھر آپ کو والدہ ماجدہ سے ملنے کا خیال آیا تو آپ بال بچے سمیت مصر کی طرف چل پڑے۔ طور کے پاس طوی کی جانب سے گذر رہے تھے کہ پہاڑ پر آگ نظر آئی۔ سردی کا موسم تھا سخت برف باری ہو رہی ہے۔ رات کا وقت تھا۔ آپ نے سمجھا شاید چرواہوں نے پہاڑ پر کوئی آگ جلائی ہے۔ وہاں سے تھوڑی سی آگ لے آؤں تاکہ گرم ہوں۔ تو آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم ٹھہرو میں نے آگ محسوس کی ہے تاکہ میں وہاں سے آگ کی چنگاری لاؤں اور ہم گرم بھی ہوں گے۔ اور راستے کے متعلق بھی معلومات حاصل کرلوں گا۔

فائدہ: اتفاق سے جسے موسیٰ علیہ السلام نار سمجھے وہ حقیقت میں نور تھا تو گھر والوں سے فرمایا کہ میں آگ بھی لے آؤنگا۔ یا وہاں پر کوئی راہ جاننے والا مل گیا تو اس سے راستہ کے بارے میں بھی معلوم کرلیں گے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے خوف سے سیدھے راہ کو چھوڑ کر جنگل کے راستہ پر مصر کی طرف جارہے تھے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝١١ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

پھر جب آئے اس جگہ تو آواز آئی اے موسیٰ۔ بے شک میں تیرا رب ہوں پس اتار دے اپنے جوتے بے شک

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٢ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝١٣

آپ وادی پاک طویٰ میں ہیں۔ اور میں نے آپ کو چن لیا غور سے سن جو وحی ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ١١) جب موسیٰ علیہ السلام آگ والی جگہ پر پہنچے۔

درخت کا نظارہ: دیکھا تو وہاں ایک سبز درخت ہے جو روشنی میں گھرا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سخت حیرانی میں ہو گئے خدایا کہ یہ کیا راز ہے کہ آگ کا کام درخت کو جلانا ہے۔ ابھی اسی حیرانی کے عالم میں تھے کہ فرشتوں کی تسبیحات کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ پھر ایک عظیم نور نظر آیا۔ جس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس نور ذاتی کی تجلی نے آپ کے اندر کو صاف کر دیا اور آپ کو توجہ وجدانی نصیب ہوئی۔ اس وقت آواز آئی۔

(آیت نمبر ١٢) اے میرے موسیٰ بے شک میں ہی تیرا رب ہوں اپنے پاؤں سے جوتے اتار دیجئے یعنی مال اولاد کا جن کو لیکر آپ مصر جا رہے ہیں اس کا خیال چھوڑ دیئے بے شک آپ اس وقت پاک وادی میں آ گئے (معلوم ہوا رب سے ہم کلام ہوتے وقت یعنی نماز کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں) تو موسیٰ علیہ السلام نے جوتے اتار کر پیچھے پھینک دیئے۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ جو لوگ مسجد میں جوتے پہن کر جاتے ہیں۔ وہ قرآنی حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ اور جو خانہ کعبہ میں جوتے پہن کر طواف کرتے ہیں یا نماز پڑھتے ہیں وہ بھی اس حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ١٣) آواز آئی اے میرے موسیٰ میں نے تجھے نبوت و رسالت کیلئے منتخب کر لیا ہے۔ لہٰذا اب سنئے وہ بات جو میری طرف سے تمہیں وحی کی جاتی ہے یعنی اب گھر کا خیال چھوڑیں تمہارے گھر والوں اور مال کی حفاظت میں کروں گا میرا دین تم لوگوں تک پہنچا دو۔ اور نبوت و رسالت کا حق ادا کرو۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کو صراط مستقیم کی طرف راہ دکھاؤ۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں وہ اللہ ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر میں میری بندگی کرو اور قائم کریں نماز میری یاد کیلئے ۔

اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْہَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾

بے شک قیامت آنے والی ہے قریب ہے کہ میں نے اسے چھپایا تا کہ بدلہ دوں ہر جان کو جو اس نے کوشش کی

فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْہَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِہَا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

تو ضرور نہ روکے تجھے اس سے جو نہیں ایمان لایا اس پر اور پیچھے چلا خواہش کے پھر ہلاک ہوا۔

(آیت نمبر۱۴) بے شک اللہ میں ہی ہوں۔ میرے سوا اور کوئی الہٰ نہیں ہے۔ لہٰذا عبادت بھی میرا ہی حق ہے۔

فائدہ : چونکہ اصول فروع پر مقدم ہوتے ہیں توحید کا عقیدہ اصول میں سے ہے اور عبادات فروع ہیں۔ اس لئے پہلے مسئلہ توحید بیان کیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ہی عبادت کے لائق ہوں لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔ اور پھر عبادت میں اعلیٰ چیز نماز ہے۔ عام حالات میں میرا ذکر کرو اور نماز کے وقت میں نماز قائم کرو۔ تا کہ زبان، جنان اور ارکان سے اللہ کا ذکر ہو اور نماز بھی یادِ الٰہی کا نام ہے یا نماز تمام ذکر و اذکار کا مجموعہ ہے۔

(آیت نمبر۱۵) اللہ تعالیٰ نے عبادات کو اور خاص کر نماز کو اس لئے لازم کیا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ اور اس میں سب سے پہلے نماز کے متعلق پوچھ ہوگی۔ اس کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور قائم ہوگی۔ اس کا وقوع یقینی ہے۔ آگے فرمایا کہ میں نے ابھی اسے مخلوق سے چھپا رکھا ہے تا کہ لوگوں کو ہر وقت اس کے آنے کا کھٹکا لگا رہے۔ **فائدہ** : اس میں بندوں کو خوف دلانا مقصود ہے اور ذات حق تعالیٰ کی عزت وعظمت کا اظہار ہے۔ آگے فرمایا کہ قیامت کا دن اس لئے رکھا ہے تا کہ اس دن کیلئے محنت و کوشش کرنے والوں کو اس کا بدلہ دیا جائے نیکی کا بدلہ نیک اور برائی کا بدلہ سزا ہو اور تا کہ گناہگار اور فرمانبردار کا بھی پتہ چل جائے۔

(آیت نمبر۱۶) تو نہ روکے تجھے کوئی اس کا ذکر کرنے سے وہ شخص جو اس قیامت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ یعنی کوئی کافر تجھے قیامت کا ذکر کرنے سے نہ روکے۔ اس لئے کہ قیامت کے ذکر سے روکنے والا اصل میں اپنی خواہشات کا غلام ہے۔ خواہشات پر چلتا ہے۔ اس کا مقصد سراسر نفس کی طرف جھکاؤ ہے۔ جس پر کوئی عقلی نقلی دلیل بھی اس کے پاس نہیں ہے۔ ایسے شخص کو موت یا قیامت کا ذکر تکلیف پہنچاتا ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۞ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ

اور کیا ہے تیرے ہاتھ میں اے موسیٰ۔ فرمایا یہ میری لاٹھی ہے۔ تکیہ لگاتا ہوں اس پر اور پتے جھاڑتا ہوں

بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۞

اس سے اوپر اپنے ریوڑ کے میرے اس میں کام ہیں اور بھی۔

(بقیہ آیت نمبر١٦) لہٰذا وہ تباہ و برباد ہی ہوگا۔ اس لئے کہ جو بندہ قیامت اور اس کے دردناک عذاب کے بچنے میں غفلت کرتا ہے۔ وہ لازمی طور پر تباہ و برباد ہوتا ہے۔ **فائدہ**: ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام براہ راست خود موسیٰ علیہ السلام سے فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام نے خود سنی۔

(آیت نمبر١٧) موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس میں پہنچ کر حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اپنا جوتا باہر رکھا تو مانوس کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ اگر مطلق کہا جاتا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے تو ہوسکتا ہے آپ پریشان ہوجاتے کہ کس ہاتھ کے بارے میں پوچھا گیا۔

فائدہ: معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام وحی سے پہلے بھی برکت والی چیز کو دائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔

(آیت نمبر١٨) عرض کی یہ میری لاٹھی ہے۔ میں راستے میں تھک کر اس پر سہارا لے لیتا ہوں اور اپنے ریوڑ بھیڑ بکریوں کیلئے درختوں پر سے پتے جھاڑ لیتا ہوں تاکہ اسے بھیڑ بکریاں کھالیں اور اس لاٹھی سے میرے اور بھی بہت سارے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

عصا کا تعارف اور مقاصد: عصا مبارک دو شاخہ تھی۔ ایک شاخ آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ کسی اونچی ٹہنی کو نیچے موڑنا ہوتا نیچے موڑ لیتے۔ جہاں زمین پر گاڑتے وہاں سے پانی نکل آتا۔ جو پھل چاہتے وہ اس سے مل جاتا۔ کنویں سے پانی نکال لیتے۔ (٣) رسی کا کام دے دیتا۔ (٤) رات کے وقت روشن ہوجاتا۔ (٥) دشمن اس کے سامنے نہ ٹھہر سکتا۔ (٦) کوئی درندہ اس کے سامنے نہ آتا۔ (٧) کوئی کیڑے مکوڑے سانپ اس کے نزدیک نہیں آتے۔ (٨) سائے کا بھی کام دیتا۔ (٩) اکیلے میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر میں باتیں بھی کرتا۔ (١٠) کھانے پینے کی اشیاء بھی اس کے ساتھ لٹکاتے۔ لمبائی بارہ ہاتھ تھی۔ موروں کے درخت کا تھا اکثر روایات کے مطابق وہ جنت سے آیا تھا۔ آدم علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ (والله اعلم بالصواب)



قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا

فرمایا ڈال دیں اسے اے موسیٰ۔ پس ڈال دیا اس کو تو اسی وقت وہ سانپ ہوگیا دوڑتا ہوا۔ فرمایا پکڑ اس کو

وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑

اور نہ ڈر۔ اب ہم اس کو لوٹا کر شکل پہلی پر کر دیں گے۔

(آیت نمبر ۱۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی لاٹھی نیچے پھینک دیں تا کہ اس کا آپ حال دیکھ لیں یہ وہ کرشمہ دکھائے گا جسے آپ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ نہ سنا ہوگا۔ نہ دل میں خیال بھی گذرا ہوگا۔

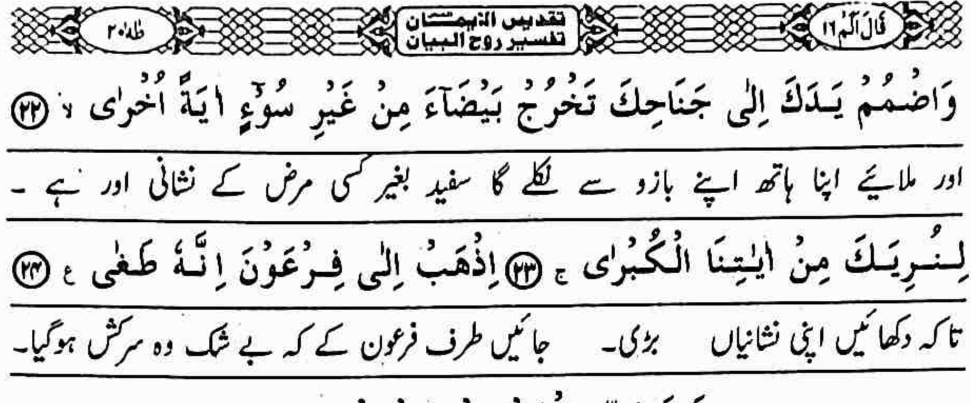
فائدہ: لاٹھی تو پہلے بھی اپنے اندر بہت کمال رکھتی تھی۔ اب تو مزید بھی اس کے کمالات میں اضافہ ہوگیا۔

(آیت نمبر ۲۰) موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو نیچے پھینک دیا جوں ہی زمین پر پھینکا تو اس سے عجیب وغریب آواز آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ بن گیا جو ہر طرف دوڑنے لگا۔ پہلے وہ چھوٹا سانپ تھا۔ پھر وہ اژدھا بن گیا۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لاٹھی کے سانپ بننے سے معلوم ہوا کہ اکسیر ڈالنے سے تانبہ بھی سونا بن جاتا ہے اور جبریل کا بشری لباس میں آنا بھی محال نہیں ہے۔ یہ سب قدرت کے نظارے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت چونکہ موسیٰ علیہ السلام سانپ کی ہیبت ناک شکل دیکھ کر ڈر گئے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ غار حرا میں جبریل امین کو دیکھ کر گھبرا گئے لیکن جب تمکنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ کر نہ گھبرائے یہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام پر وقت آتا ہے تو فرمان الٰہی ہوا اس سانپ کو پکڑو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کو ہاتھ لگایا تو سانپ پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ آپ کا مبارک ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے یہ کیفیت دکھائی تا کہ کہیں فرعون کے پاس جب یہ لاٹھی سانپ بنے۔ تو سانپ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا نہ جائیں۔ وہ خوف پہلے ہی نکال دیا۔



وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾

اور ملایئے اپنا ہاتھ اپنے بازو سے نکلے گا سفید بغیر کسی مرض کے نشانی اور ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾

تاکہ دکھائیں اپنی نشانیاں بڑی۔ جائیں طرف فرعون کے کہ بے شک وہ سرکش ہوگیا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾

عرض کی میرے رب کھول دیں میرا سینہ۔

(آیت نمبر۲۲) اپنا دایاں ہاتھ اپنے پہلو یا بغل میں رکھ کر نکالیں۔ جب آپ باہر نکالیں گے تو سفید ہو کر روشن ہو جائیگا لیکن سفید ہونا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں جیسے برص کی بیماری سے ہوتا ہے وہ قابل نفرت ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب بغل سے ہاتھ نکالتے تو سورج کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ یہ دوسری نشانی اور تمہارا معجزہ ہوگا۔ **فائدہ**: اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کو بعد میں اور بھی معجزات دیئے گئے۔ لیکن سر دست یہ دو اہم معجزے موسیٰ علیہ السلام کو دے کر فرعون کی طرف بھیجا گیا۔

(آیت نمبر۲۳) عصا کو سانپ بنانا اور ہاتھ کو روشن کر کے دکھانا یہ ہماری بڑی بڑی نشانیوں میں سے ہیں کل نو نشانیاں ہیں ان میں دو یہ ہیں جن کا ابھی بیان ہوا۔ باقی معجزات بعد دیئے گئے۔

(آیت نمبر۲۴) اے میرے موسیٰ فرعون کے پاس جائیں اور اسے میری طرف بلائیں اور میرے عذاب سے ڈرائیں۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ دونوں معجزات دکھائیں۔ اس لئے کہ وہ بہت سرکش ہو چکا ہے اور وہ بندہ بننے کے بجائے رب ہونے کا دعویدار بن بیٹھا ہے اور اپنے آپ کو اس نے اعلیٰ خدا سمجھ لیا اور اصلی خدا کا ہی اس نے انکار کر دیا ہے۔ بلکہ اصلی خدا کے ماننے والوں کو وہ سزا دیتا تھا۔

عصا دینے میں حکمت یہ تھی۔ چوں کہ فرعون گدھا مزاج تھا اس لئے اسے سیدھا کرنے کیلئے عصا کا معجزہ ہی مناسب تھا۔

(آیت نمبر۲۵) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھ پر بہت بڑا بوجھ پڑ گیا ہے کہ میں اکیلا اور فرعون اور اس کا بہت بڑا لشکر ہے۔ لہٰذا میرے رب جہاں یہ مہربانی کی۔ ساتھ ہی میرا سینہ بھی کھول دے تاکہ دشمنوں کی مخالفت اور جہالت سے دل تنگ نہ ہو جائے اور فرعون کی شان و شوکت سے مرعوب نہ ہو جائے۔

وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۠ ﴿٢٨﴾

اور آسان فرمائیں میرا کام۔ اور کھول دیں گرہ میری زبان کی۔ کہ وہ سمجھیں میری بات

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ ﴿٣٠﴾

اور کردے میرا وزیر میرے گھر والوں سے ہارون جو میرا بھائی ہے۔

(آیت نمبر ٢٦) اور اس میرے دینی کام میں آسانی پیدا فرما یعنی ایسے اسباب پیدا فرما کہ میں انہیں آسانی سے بات سمجھا سکوں اور تمام موانع دور فرما۔ اگرچہ فرعون جیسے سرکش کو کفر سے ہٹانے والا کام بہت مشکل ہے۔ لیکن جب تو آسان فرمائے تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی۔

(آیت نمبر ٢٧) اور میری زبان پر جو لکنت کی گانٹھ ہے وہ کھول دے۔ **فائدہ**: زبان کا ہی تو انسان اور حیوان میں فرق ہے۔ زبان تو دونوں کی ہے۔ مگر انسان زبان سے بول سکتا ہے۔ اور اپنی بات کسی کو سنا سکتا ہے۔

لکنت کی وجہ: فرعون کو ایک دفعہ شک پڑ گیا کہ یہ وہی بچہ ہے جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی۔ بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ وہ نہیں ہے۔ فرعون نے کہا میں چیک کرونگا۔ چنانچہ اس نے انگارہ اور موتی رکھا کہ موتی اٹھایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ وہی بچہ ہے لہذا قتل کرادیں۔ موسیٰ علیہ السلام موتی اٹھانے لگے تھے کہ جبریل نے ہاتھ انگارے پر رکھ دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ منہ میں ڈال دیا۔ جس سے زبان پر لکنت آ گئی اس لئے عرض کی کہ میری لکنت دور ہو جائے۔

(آیت نمبر ٢٨) تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔ کیونکہ زبان کا اصل مقصد ہی یہی ہے۔ کہ انسان اپنی بات دوسرے کو سمجھا سکے۔

(آیت نمبر ٢٩) اور کرم یہ کہ میرے ساتھ ایک میرا وزیر بنایئے جو امور نبوت میں میرا معاون ہو اور اس کے تعاون سے میرا کام مزید آسان ہو جائے اور وہ میرے ہی خاندان سے ہو۔ **فائدہ**: اہل انسان کے وہ خاص لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

(آیت نمبر ٣٠) میرے گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادیا جائے جس کی وجہ سے میری کمر مضبوط ہوگی یا میری قوت میں اضافہ ہوگا اور اسے میری رسالت کے معاملات میں میرا شریک کردیا جائے۔ **فائدہ**: معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون کی نبوت کا انتخاب تو پہلے کا تھا اس کا باقاعدہ اعلان موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناممکن امور میں بھی انبیاء کی دعا قبول ہو جاتی ہے)۔ **نکتہ**: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا معاون کسی کو تو بنانا ہی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ عظیم عہدہ اپنے بھائی کے لئے مانگ لیا۔ اور فوراً اللہ تعالیٰ نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی آرزو کو پورا کردیا۔ اور جناب ہارون کو نبوت عطا فرمادی۔

اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۙ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۙ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ

مضبوط ہو اس سے میری کمر۔ اور شریک کر اسے میرے کام میں۔ تا کہ ہم تیری تسبیح کہیں بہت زیادہ اور تجھے یاد بھی کریں

كَثِیْرًا ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾

بہت زیادہ۔ بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ فرمایا تحقیق تجھے دی گئی آپ کی مانگ اے موسیٰ

(آیت نمبر ۳۱) مذکورہ تینوں دعاؤں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں اتنی ہمت عطا فرما کہ ہم کثرت سے تیری تسبیح پڑھ سکیں۔ اور تیرے احکام کفار تک پہنچا سکیں۔ **فائدہ**: تعاون کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دشمن پر رعب پڑے گا اور ہم خیر و صلاح کو دشمن کے سامنے کثرت سے ظاہر کریں گے۔

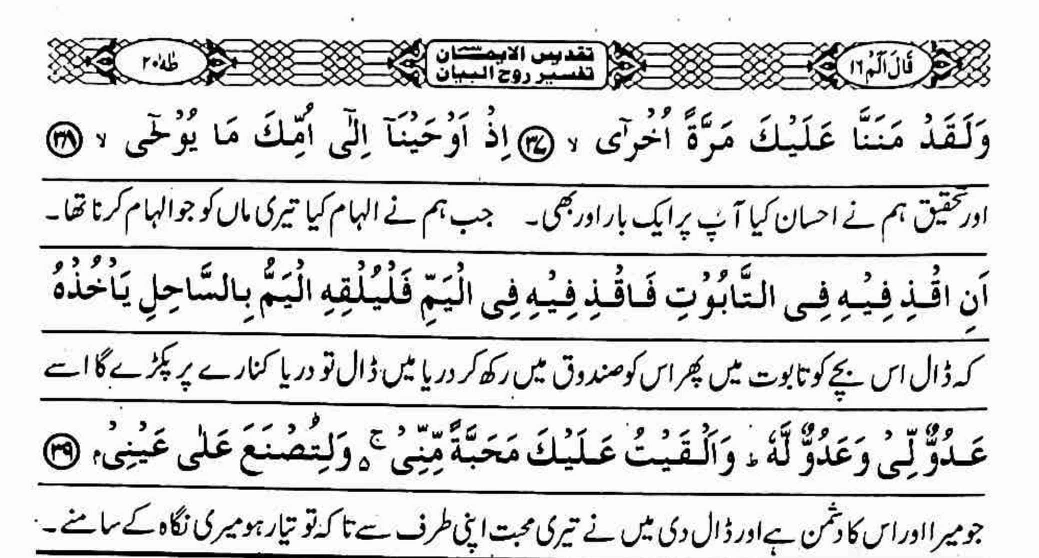
(آیت نمبر ۳۲) میرے بھائی کو میرا شریک کرتا کہ ہم ملکر کفار کے مقابلے میں بات بھی کر سکیں گے اور بہت زیادہ بات بھی کریں گے۔

(آیت نمبر ۳۳) تا کہ ہم مل کر کثرت سے تیری تسبیح بھی پڑھیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نیک آدمی کے ساتھ ایک دوسرے پر رفاقت کا اچھا اثر پڑتا ہے اور عبادات میں ایک دوسرے کی مدد ہو جاتی ہے اور سلوک کی راہیں آسانی کے ساتھ طے ہو جاتی ہیں۔ اور اے اللہ تو ہمارے احوال کو بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ تعاون میں ایک اہم مصلحت ہے اور میرے بھائی ہارون کی وزارت بھی میرے سپرد کردہ امور میں بہتر ثابت ہوگی کیونکہ وہ بڑے بھی ہیں اور دوسرا ان کی زبان میں فصاحت بھی زیادہ ہے۔ ہم مل کر تیرا ذکر بھی کریں گے اور لوگوں کو دین کی تعلیم بھی آسانی سے دے سکیں گے۔

(آیت نمبر ۳۴) اور ہم مل کر تیرا بہت زیادہ ذکر کریں گے۔ ذکر کثیر وہ ہوتا ہے۔ جس میں پورا دھیان ہو اور اس میں اخلاص ہو۔ پوری توجہ سے ہو۔ ذکر کرنے میں خوف اور امید ہو۔ آنکھوں سے آنسو بہہ پڑیں۔ اگر پوری توجہ یا اخلاص نہ ہو تو وہ ذکر کثیر نہیں بلکہ ذکر قلیل ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) یعنی اے اللہ ہم ہر وقت تیرے سامنے ہیں تجھ سے کبھی چھپ نہیں سکتے۔ یا معنی ہے تیری مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ ہمیں اور کسی کے پرواہ نہیں ہوگی۔ یا اے اللہ تو ہمارا تمام احوال کو دیکھ رہا ہے۔

(آیت نمبر ۳۶) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے موسیٰ آپ کے سوال کے مطابق آپ کو دے دیا گیا۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے نیک خوبیوں والا وزیر عطا فرما دیتا ہے۔ جیسے سلیمان علیہ السلام کو آصف بن برخیا جیسا وزیر عطا کیا۔ (تفسیر کبیر امام رازی)۔ یعنی جو جو آپ نے مانگا۔ وہ وہ ہم نے عطا فرما دیا۔



وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾

اور تحقیق ہم نے احسان کیا آپ پر ایک بار اور بھی۔ جب ہم نے الہام کیا تیری ماں کو جو الہام کرنا تھا۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ

کہ ڈال اس بچے کو تابوت میں پھر اس کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال تو دریا کنارے پر پکڑے گا اسے

عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿٣٩﴾

جو میرا اور اس کا دشمن ہے اور ڈال دی میں نے تیری محبت اپنی طرف سے تاکہ تو تیار ہو میری نگاہ کے سامنے۔

(بقیہ آیت نمبر ٣٦) **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ میرے دو وزیر زمین میں اور دو آسمانوں میں۔ زمین والے وزیر ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں اور آسمانوں میں ایک وزیر جبریل دوسرے کا نام میکائیل ہے۔

(آیت نمبر ٣٧) البتہ تحقیق ہم نے اے موسیٰ علیہ السلام اور بھی احسان کیا یعنی بہترین انعامات وکرامات سے نوازا۔ حالانکہ آپ نے ان کے متعلق سوال بھی نہیں کیا۔ ہمارا محض آپ پر فضل واحسان ہوا۔

(آیت نمبر ٣٨) جب ہم نے آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف الہام کیا کیونکہ وحی صرف نبی کی طرف ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ وحی بمعنی الہام ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کو الہام کیا۔ **فائدہ**: چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ کے سامنے دو خطرے تھے۔ ایک قتل دوم دریا میں ڈالنا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ انہیں تابوت میں رکھ دیں۔ (یعنی کاریگر سے ایک لکڑی کا صندوق بنوائیں اور جب فرعونیوں کے آنے کا ڈر ہو تو۔

(آیت نمبر ٣٩) اے ام موسیٰ جب فرعونیوں کے آنے کا خطرہ محسوس کریں کہ وہ آکر تیرے بیٹے کو قتل کریں گے تو موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر اسے دریا میں ڈال دیں۔ اس سے مراد دریائے نیل ہے۔

فائدہ: اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو ظاہر کرنا تھا۔ **فائدہ**: موسیٰ علیہ السلام کی ابتداء اور انتہاء دریا سے نجات پانا ہے۔ آگے فرمایا پھر دریا کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ صندوق کو ساحل کی طرف لے جائے تاکہ اسے وہ پکڑے جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ اور مجھے قدرت حاصل ہے کہ میں اس کی پرورش بھی اسی کے گھر میں کروں اور اس کے شر سے بھی بچاؤں۔

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

جب چلی تیری بہن پھر کہا کیا بتاؤں تمہیں وہ لوگ جو اس بچہ کی پرورش کریں۔ پھر اوٹایا ہم تجھے طرف

اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

تیری ماں کے تا کہ ٹھنڈی ہو اس کی آنکھ اور نہ غم کرے۔ اور اے میرے موسیٰ یاد کر جب تو نے قتل کیا ایک جان کو

فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۟ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ

پھر نجات دی ہم نے تجھے غم سے اور تجھے خوب جانچا۔ پھر تو ٹھہرا کئی سال مدین والوں میں

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

پھر آیا ایک مقررہ وعدے پر اے موسیٰ

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) وہ اس طرح کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی محبت اس کے دل میں ڈال دوں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے اس کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی بلکہ سب لوگوں کے دلوں میں ایسی محبت ڈالی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا آپ کے دیدار کا مشتاق رہتا اور سارا خاندان ہی فرعون کا آپ پر فریفتہ تھا۔

آگے فرمایا کہ تا کہ وہ آپ کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئے اور میں ہی آپ کا حافظ و ناصر ہوں۔

(آیت نمبر ۴۰) آپ کی بہن مریم چلتے چلتے کر فرعون کے گھر جا پہنچی وہاں یہ ماجرا دیکھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے۔ فرعون کے گھرانے والے ایسی عورت کی تلاش میں تھے۔ جس کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں تو یہ دیکھ کر اس نے کہا کیا میں تمہیں ایسی عورت کے بارے میں بتاؤں جس کا دودھ ہر بچہ پی لیتا ہے۔ جب وہ اس کو دودھ پلائے گی تو مجھے یقین ہے کہ یہ بچہ اس عورت کا دودھ قبول کر لے گا تو فرعون نے کہا۔ جاؤ جلدی سے اس کو لے آؤ جوں ہی آ کر آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلانا چاہا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ یوں ہم نے آپ کو ماں کے پاس واپس لوٹا دیا۔ اس لئے کہ تمہاری والدہ سے ہمارا وعدہ تھا کہ آپ کو والدہ کے پاس لوٹائیں گے وہ پورا کر دیا۔ یہ اس لئے کیا تا کہ وہ اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے یعنی وہ آپ کے دیدار سے خوش ہو اور ہم نے آپ کی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ موسیٰ کے دریا میں جانے کا غم نہ کر۔ ہم تیرے بیٹے کو تیری گود میں واپس لے آئیں گے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ ﴿٤٢﴾

اور میں نے چن لیا تجھے خاص اپنے لئے۔ جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں

(بقیہ آیت نمبر۴۰) اور اے میرے موسیٰ وہ وقت بھی یاد کرو جب آپ نے ایک جان (قبطی) کو قتل کیا۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ پھر ہم نے آپ کو غم سے نجات دی کیونکہ فرعون نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا تھا اور آپ خوف زدہ تھے یا ناحق قتل کی وجہ سے غمزدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو اس غم سے نجات عطا کی اور مدین کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ جہاں ہر قسم کے غم واندوہ سے آزاد ہو گئے اور ہم نے محنت ومشقت میں خوب آزمایا۔ پھر تم مدین میں کئی سال تک ٹھہرے اور شعیب علیہ السلام کی بکریاں دس سال تک چرائیں پھر انہوں نے اپنی صاحبزادی صفورا کا آپ سے نکاح کر دیا۔ پھر تم ایک اندازے کے مطابق اے موسیٰ کوہ طور کی وادی مقدس میں آئے وہ اندازا ہم نے خود مقرر کر رکھا تھا۔

(آیت نمبر۴۱) اور اے میرے موسیٰ میں نے تجھے اپنی ذات کیلئے چن لیا۔ یعنی میں نے رسالت اور ہمکلامی کا تجھے شرف بخشا۔ جیسے بادشاہ کسی کو اپنا خاص قرب عطا کر کے بڑے بڑے عہدے اس کے سپرد کر دے۔ اصطنعت کا لفظ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کوئی کسی کی عظمت کے تحت اس پر احسان کر کے اسے اپنا مقرب بنائے۔

(آیت نمبر۴۲) اے میرے موسیٰ تم اپنے بھائی ہارون کو اپنے ساتھ ملا کر جاؤ اور میرے عطا کردہ معجزات بھی لے جاؤ اور فرعون کو یہ معجزات دکھا کر میری طرف دعوت دو کہ وہ میرا حکم مان لے۔ **فائدہ** :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نو معجزات تھے۔ جن کا ذکر پیچھے بیان ہو گیا۔ آگے فرمایا کہ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا یعنی ہمہ وقت دل وزبان سے میرے ذکر میں مشغول رہنا۔ اس لئے کہ میرا ذکر تمام مقاصد حاصل کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام مکمل نہیں ہوتا۔ **فائدہ** :چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تھی کہ ہم دونوں بھائی تیرا کثرت سے ذکر کریں گے تو ان کو یاد دلایا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے بعد شوق الٰہی میں ایسے محو ہوئے کہ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ میں نے پہاڑ کے قریب بال بچوں کو چھوڑا ہے تو اہل وعیال چند دن انتظار کے بعد واپس مدین میں چلے گئے اور موسیٰ علیہ السلام سیدھے مصر میں اپنے بھائی سے مل کر دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ کافی عرصہ گذرنے کے بعد شعیب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ وہ نہ مانا اور دریا میں غرق ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام تیہہ کے مقام پر اپنی قوم کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ پھر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے بال بچوں کو وہیں بھیج دیا۔ **فائدہ** :بندے کو چاہئے کہ وہ امور آخرت کی طرف بھرپور توجہ دے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

جاؤ دونوں طرف فرعون کے کہ وہ سرکش ہوگیا۔ پھر کہو اسے بات نرم شاید نصیحت پکڑے یا ڈرے

(آیت نمبر ۴۳) دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ۔ اور اسے سمجھاؤ۔

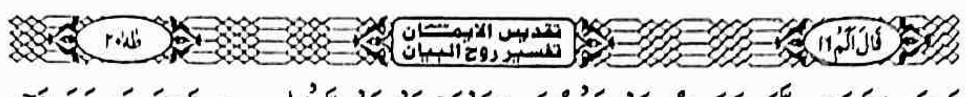
فائدہ : فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا۔ فرعون عجمی لفظ ہے۔ اس کی گمراہی اور سرکشی کی وجہ سے اسے فرعون کہا گیا بلکہ ہر سرکش کو فرعون کہا جاتا ہے تو فرمایا۔ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ یعنی گناہوں میں حد سے نکل گیا ہے۔ اور وہ خدا بن بیٹھا ہے لہذا تم اسے اس کے دعوے میں جھوٹا ثابت کرو۔

فائدہ : یہی حکم ہر مسلمان کیلئے ہے کہ جواب بھی ایسا دعویٰ کرے جس کا وہ اہل نہیں۔ اسے جھوٹا ثابت کر کے حق کو واضح کیا جائے۔ (جیسے مرزا قادیانی کے لغویات کا جواب پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ اور اسے جھوٹا ثابت کیا۔

(آیت نمبر ۴۴) دونوں جب فرعون سے بات کرو تو نرم لہجہ میں جس میں ترشی یا سختی نہ ہو یا مراد ہے کہ اسے دین کی آسان باتیں بتانا۔ تا کہ وہ جلد صحیح راہ پر آ جائے۔

فائدہ : چونکہ موسیٰ علیہ السلام سخت غصے والے بھی تھے جب غصے میں ہوتے تو آپ کے بال مبارک بھی کھڑے ہو جاتے اور سر مبارک سے ٹوپی اوپر اٹھ جاتی کئی دفعہ آگ کے شعلے نکل آتے اس لئے فرمایا کہ فرعون سے بات غصے میں نہیں بلکہ نرمی کے ساتھ کرنا۔ **حدیث شریف** : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ **نکتہ**: چونکہ فرعون بڑا جابر ظالم تھا اور سرکش بھی۔ اگر اس کے مقابلے میں سختی سے بات کی جاتی تو اس کی سرکشی اور زیادہ بڑھ جاتی اور وہ آپ کو تکلیف وایذاء پہنچاتا اور مزید گمراہ ہو جاتا۔ نرمی کے ساتھ گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا عذاب سے ڈر جائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے جب تقریر فرمائی۔ اسے جنت اور اس کی نعمتوں کا تعارف کرایا تو وہ ایمان لانے پر کچھ آمادہ ہوگیا۔ لیکن ہامان خبیث نے اسے شیطان کی طرح ورغلا لیا کہ موسیٰ تجھ سے بادشاہی لیکر مصر پر بنی اسرائیل کو قابض کرنا چاہتا ہے۔ اور اسے کہا کہ تم بادشاہی سے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ عزت وقار نہیں رہے گا وغیرہ لہذا اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ **فائدہ** : یہ بات تو اللہ تعالیٰ کے بھی علم میں تھی کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ صرف اس پر اتمام حجت کر دی تا کہ بروز قیامت یہ نہ کہے کہ مجھے علم نہیں تھا۔



قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ

بولے ہمارے رب بے شک ہمیں ڈر ہے کہ وہ زیادتی کرے گا ہم پر یا کہ سرکشی کریگا۔فرمایا نہ ڈرو

اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا۔

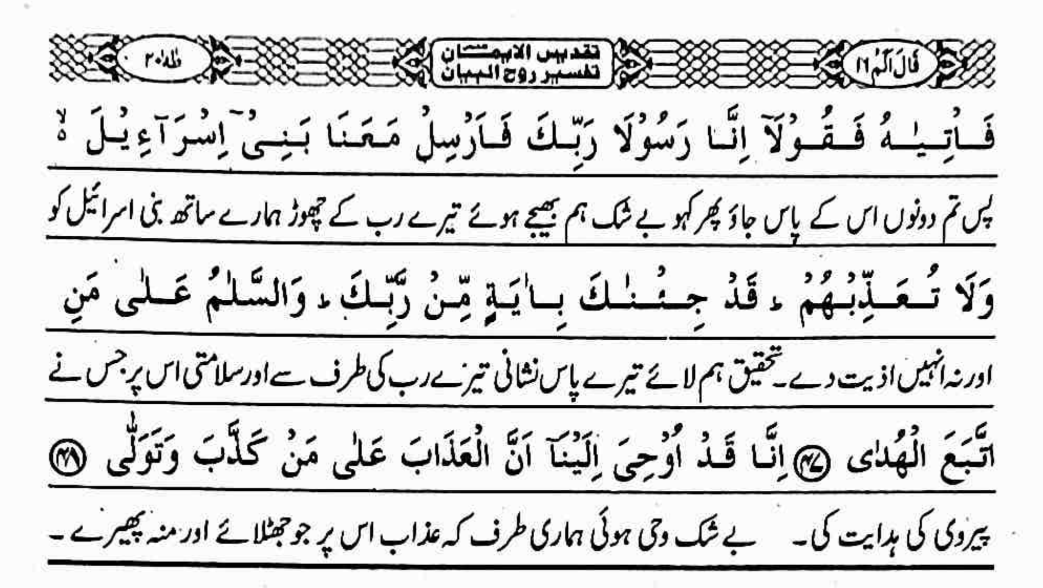
(آیت نمبر ۴۵) دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہمیں خطرہ ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا کیونکہ وہ بڑا ظالم ہے۔اور وہ بہت بڑا سرکش ہے۔

دونوں بھائیوں کی ملاقات: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام طور سے مصر کی جانب چلے تو ہارون علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ مدین کے راستے پر جا کر اپنے بھائی موسیٰ کا استقبال کرو۔جب دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھائی کو جدا ہونے سے اب تک کے تمام احوال سنائے اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا ہے تو جناب ہارون علیہ السلام نے بتایا کہ فرعون تو اس وقت اس قدر سرکش ہوگیا ہے کہ معمولی بات پر ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا ہے کسی کو قتل اور کسی کو صولی کسی کو پھانسی لگا دیتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں بھائیوں نے عرض کی ہمیں ڈر ہے کہ ہوسکتا ہے۔کہ وہ ہماری بات سننے سے پہلے ہی وہ ہم پر ہی سرکشی نہ کردے۔

(آیت نمبر ۴۶) تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم کسی قسم کا دل میں اس کا ڈر نہ رکھو۔**فائدہ** : کسی چیز سے خوف ہونا انسانی طبعی امر ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حفاظت اور نصرت کا وعدہ دیا اور تسلی دے کر فرمایا کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔میں تمام باتیں سنوں اور دیکھوں گا اور ہر قسم کا شر تم سے دور کروں گا۔جسے اللہ تعالیٰ کی ایسی معیت نصیب ہوتی ہے۔اللہ ہر جبار اور سرکش سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

فائدہ :موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کا ڈر نہیں تھا۔انہیں ڈر صرف اس بات کا تھا۔کہ کہیں ہماری بات سننے سے پہلے ہی وہ ہمیں قتل نہ کرائے۔کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا ایک آدمی قتل کیا تھا۔اس کے قصاص میں وہ انہیں قتل نہ کرادے۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی۔کہ گھبرائیں نہیں۔میں تمہارے ساتھ ہی ہوں۔

ع: جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون۔



فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ پھر کہو بے شک ہم بھیجے ہوئے تیرے رب کے چھوڑ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ

اور نہ انہیں اذیت دے۔ تحقیق ہم لائے تیرے پاس نشانی تیرے رب کی طرف سے اور سلامتی اس پر جس نے

اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ﴿٤٧﴾ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٤٨﴾

پیروی کی ہدایت کی۔ بے شک وحی ہوئی ہماری طرف کہ عذاب اس پر جو جھٹلائے اور منہ پھیرے۔

(آیت نمبر ۴۷) پھر دونوں بھائی فرعون کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ بے شک ہم دونوں تیرے پاس رب کے حکم سے آئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کا حکم سنائیں۔

فائدہ: شرع میں رسول اسے کہتے ہیں جو لوگوں تک تبلیغ احکام کیلئے مبعوث ہو۔ خواہ وہ فرشتہ ہو یا انسان۔ البتہ نبی صرف پیغمبر کو کہا جاتا ہے تو انہوں نے فرعون سے کہا ایک تو ایمان لے آ دوسرا نہ صرف گھر کے کام کرواتا بلکہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو کیونکہ یہ پیغمبر یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اپنے ملک بیت المقدس جانا چاہتے ہیں۔ **فائدہ**: فرعون بنی اسرائیل سے وہ انہیں طرح طرح کے عذاب دیتا تھا اس لئے اسے کہا کہ تو انہیں عذاب نہ دے اور فرمایا کہ ہم تیرے پاس یہی دو باتیں لے کر آئے ہیں۔ (۱) ایک اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانا اور (۲) دوسرا بنی اسرائیل کو آزاد کرانا۔ اسے یہ بھی باور کرایا کہ ہم تیرے پاس خالی ہاتھ نہیں آئے۔ بلکہ تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں چونکہ رسالت کیلئے معجزے کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی جو ہم نے دعویٰ کیا تھا اس کی دلیل بھی ہمارے پاس ہے۔ فرعون کے پاس جاتے وقت فرمایا سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ (کفار کیلئے یہی اسلام ہے)۔

(آیت نمبر ۴۸) اور ہمیں یہ وحی کی گئی کہ بے شک عذاب اس کیلئے ہے کہ جس نے جھٹلایا یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور اس سے روگردانی کر کے کفر کیا۔ یہاں وعید سنانے میں نرمی کی۔ یہ نہیں کہا کہ تجھ پر عذاب ہے بلکہ فرمایا کہ جو بھی آیات الٰہی کو جھٹلائے اور حق سے روگردانی کرے۔ اس کیلئے عذاب ہے۔

خوش نصیب بادشاہ: حبشہ کا نجاشی ہے۔ حضور ﷺ کا نام سنتے ہی سر تسلیم خم کر دیا اور ابدی زندگی پا گیا۔ اور اپنی آخرت سنوار لی۔



قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

کہا تو کون ہے رب تمہارا اے موسیٰ۔ فرمایا ہمارا رب جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر ہدایت کی۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ

کہا کیا حال ہوا سنگتوں پہلیوں کا فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔

لَا يَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

نہ بہکا میرا رب اور نہ بھولا۔

(آیت نمبر۴۹) جب دونوں حضرات نے فرعون کو حکم الٰہی سنایا تو اس نے کہا اگر رسول ہو تو تمہارا رب کون ہے۔ یہ کلمہ اس نے بڑے غرور اور تکبر سے کہا یا تعجب کے طور پر کہا کہ مصر میں تو اکیلا میں ہی رب ہوں کیا میرے سوا بھی کوئی اور رب ہے۔ (اصل بات سمجھ گیا تھا۔ صرف عوام کو الو بنا رہا تھا۔)

(آیت نمبر۵۰) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے مخلوق بنائی اور سب مخلوق کو اپنی اپنی شکل و صورت عطا کی جو ان کے لائق تھی۔ پھر ان کی راہبری بھی کی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے۔ روح اور عقل کے حساب سے۔

(آیت نمبر۵۱) جب موسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ تقریر فرمائی جس کا مجمع کے دل پر اثر ہوا تو فرعون کو خوف ہوا کہ یہ لوگ مسلمان نہ ہو جائیں۔ فوراً پینترا بدل کر کہا۔ پہلے لوگوں کا کیا بنا۔ یعنی قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح وغیرہ کا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ان کا حال سنایا تھا کہ سابقہ قوموں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو ان پر عذاب آیا۔

(آیت نمبر۵۲) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی قوموں کا اصل علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ مجھے سابقہ قوموں کی سٹوریاں سنانے کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ نہ اس بات کا تعلق نبوت و رسالت کے ساتھ ہے اور میں ان قوموں کے حالات اتنے ہی جانتا ہوں جتنا مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا اور یہ تمام علوم لوح محفوظ میں ہیں یا اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ جو نہ بہکا ہے اور نہ بھولا ہے۔ اس سوال سے اس کا مقصد موسیٰ علیہ السلام کو دوسری باتوں میں لگانا چاہتا تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا لوگوں پر اچھا خاصہ اثر ہو رہا تھا۔ اس لئے فرعون نے دوسرا پینترا بدلا۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ

جس نے بنائی تمہارے لئے زمین بچھونا اور بنائے تمہارے لئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ

پھر نکالے ہم نے اس سے جوڑے پودوں کے کئی طرح سے ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے جانوروں کو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ؏ ﴿۵۴﴾

بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے۔

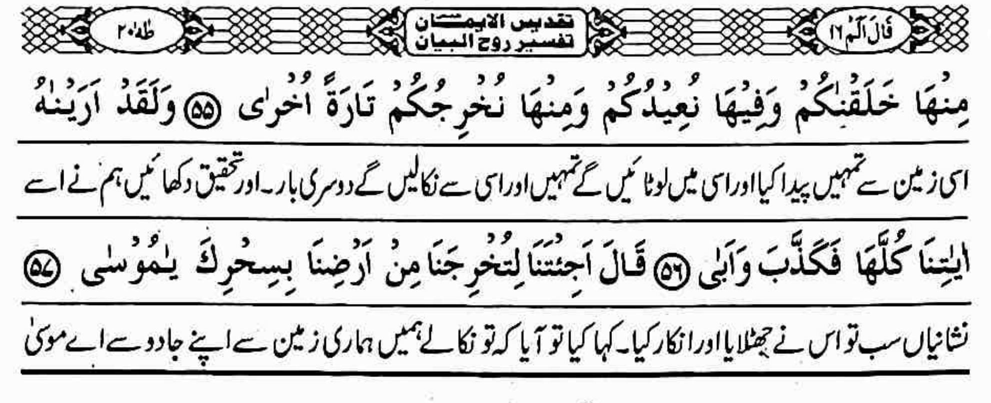
(آیت نمبر ۵۳) موسیٰ علیہ السلام نے پھر بدستور اللہ تعالیٰ کی شانیں بیان کرنا شروع کر دیں اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ یعنی اس پر بیٹھو۔ اٹھو۔ لیٹو۔ گھر بناؤ اور تمہارے لئے اس میں راستے نکالے۔ جن پر تم عموماً چلتے ہو تا کہ تم آسانی سے اپنے منازل مقصودہ تک پہنچو اور منافع حاصل کرو۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یا بادل سے پانی یعنی بارش اتاری۔ جس سے مختلف قسم کے جوڑے نکالے جو بھی چیز دوسری چیز سے ملتی جلتی ہو۔ اسے جوڑے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ چیزیں جو غذا کے طور پر استعمال میں آتی ہیں۔ جس سے انسان وحیوان نشو نما پاتے ہیں اور وہ انگوریاں جو مختلف ہیں اپنے انواع واقسام میں۔

(آیت نمبر ۵۴) ہم نے زمین میں جو جو اشیاء پیدا کی ہیں۔ قسم بہ قسم انگوریاں زمین سے نکالی ہیں وہ کھاؤ۔ کسی کا پھل کھانے کے لائق کسی کا چھلکا۔ کسی کا گودا۔ انہیں تم بھی کھاؤ اور گھاس وغیرہ اپنے جانوروں کو بھی اس مین چراؤ۔ یعنی اونٹ، گائیں اور بھیڑ بکریاں وغیرہ ان کو کھلاؤ۔ تمہیں ان سے ہر طرح کا نفع اٹھانے کی اجازت ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک ان اشیاء میں (جن کا ابھی بیان ہوا)۔ ان میں نشانیاں ہیں اور یہ واضح دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صنعت ووحدت اور عظیم قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ صرف عقل مندوں کے لئے ہیں۔

فائدہ: عقل والوں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسی آیات سے وہی نفع حاصل کرتے ہیں۔



مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ

اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے تمہیں اور اسی سے نکالیں گے دوسری بار۔ اور تحقیق دکھائیں ہم نے اسے

اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

نشانیاں سب تو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ کہا کیا تو آیا کہ تو نکالے ہمیں ہماری زمین سے اپنے جادو سے اے موسیٰ

(آیت نمبر ۵۵) اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا۔

فائدہ: اس سے مراد وہ مٹھی بھر مٹی ہے جو عزرائیل علیہ السلام روئے زمین سے اٹھا کر لائے۔ اس سے آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی پیدائش ہوئی اور ان سے آگے جملہ بنی آدم نطفے سے پیدا ہوئے اور مرنے کے بعد دوبارہ اسی زمین میں دفن کریں گے اور لوٹائیں گے۔ جہاں سے تمہارا خمیر لیا گیا اور بروز قیامت تمام اجزاء جمع کرنے کے بعد اس زمین سے دوبارہ زندہ کر کے نکالیں گے۔ یعنی جہاں وہ زمین میں ہوں گے وہاں سے ہی نکالیں۔

دنیا کے ساتھ پیار کی وجہ: یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انسان کو اس دنیا سے پیار کیوں ہے۔ فرمایا اس لئے کہ اسی زمین کی مٹی سے بنایا گویا یہ اس کی ماں ہے پھر اسی میں زندگی گذاری۔ اسی سے اس کا رزق نکالا۔ اسی میں زندہ رہا۔ مر کر اسی زمین میں گیا۔ جنت بھی اسی زمین پر رہ کر حاصل کی۔ یہ دنیا اس کی سعادت کی مبداء ہے۔ یہی صلحاء کی گذرگاہ ہے۔ جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اس سے پیار ہے۔

(آیت نمبر ۵۶) اور البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے فرعون کو کئی نشانیاں دکھائیں۔ جیسے عصا کا سانپ بننا۔ ہاتھ کا روشن ہونا وغیرہ واضح دلیل کے طور پر یہ معجزات فرعون کو دکھائے۔ لیکن اس بدبخت نے ان آیات کو جھٹلایا اور اسے جادو سمجھ لیا۔ اپنی سرکشی اور عناد سے انکار کر دیا۔

(آیت نمبر ۵۷) اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہم پر جادو کر کے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) تو چند سال ہم سے دور رہا۔ اب تو کچھ ایسے امور لے کر آ گیا ہے جو سراسر جادو ہیں۔ اس کے ذریعے تم ہم پر غلبہ پانا چاہتے ہو اور ہمیں مصر سے نکال کر بنی اسرائیل کو اس ملک پر قابض کرنا چاہتے ہو۔ تاکہ وہ یہاں بادشاہی کریں۔ **فائدہ**: یہ تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔ وہ حق ہے اور یہ بھی اسے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ جو کچھ جادوگردن نے بتایا تھا۔ وہ ہو جائیگا یعنی ملک چھن جائیگا۔ اب یہ ملک زیادہ دیر اس کے پاس نہیں رہے گا۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

تو ہم بھی لائیں گے تیرے سامنے جادو ایسا ہی تو ٹھہرالو ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ نہ خلاف کریں اس سے ہم

وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ

اور نہ تو جگہ ہو ہموار۔ فرمایا تم سے وعدہ ہے جس دن میلہ ہو

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

اور یہ کہ اکٹھے ہو جائیں لوگ دن چڑھے۔

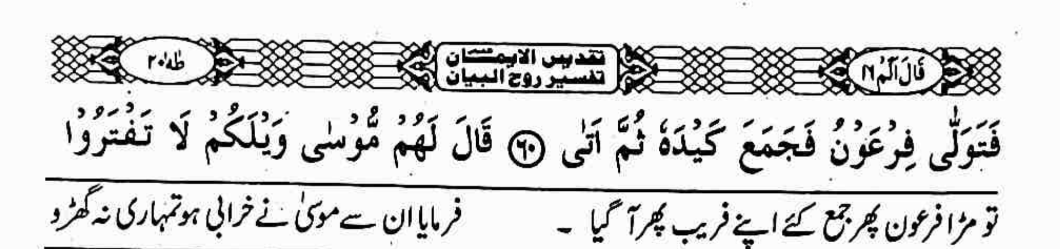
(بقیہ آیت نمبر ۵۷) **فائدہ** فرعون کا یہ کہنا کہ تم ہمیں ملک سے نکالنا چاہتے ہو۔ محض قبطیوں کو فریب دینے اور انہیں اکسانے کیلئے کہا۔ تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مشن کے خلاف ہو جائیں اور میرے ساتھ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ (ورنہ وہ جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسے صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے آئے ہیں)۔

(آیت نمبر ۵۸) فرعون نے کہا۔ ہم بھی موسیٰ علیہ السلام کے جادو جیسا جادو کر کے دکھائیں گے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے۔ وہ جادو ہے۔ لہذا اے موسیٰ اب تم اپنے اور ہمارے درمیان مقابلے کیلئے وقت کا معاہدہ کرو۔ تاکہ تمہارے جادو کا پول کھل جائے اور جو بھی وقت مقرر ہو جائے۔ پھر اس کی خلاف ورزی نہ تم کرو نہ ہم اور مسافت کے لحاظ سے بھی وہ جگہ درمیان میں ہو۔ یا ہر لحاظ ے برابر ہو۔ تاکہ ہر جگہ سے لوگ بہ آسانی آ جائیں۔

(آیت نمبر ۵۹) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے تمہارے وعدے کا بہتر دن تمہاری زیب و زینت کا یعنی تمہاری عید کا دن ہے۔ اس دن لوگ خود بخود ہی دور دراز سے آ جائیں گے اور مشاہدہ کر لیں گے۔

فائدہ: مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی کثرت ہوتا کہ لوگ معجزہ کے غلبہ سے متاثر ہو کر ایمان لائیں۔ آگے فرمایا کہ دو پہر کے وقت لوگوں کو اکٹھا کیا جائے تاکہ دیکھنے میں انہیں کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

دن میں اوقات کے نام: صبح صادق، پھر فجر، پھر صباح، پھر طلوع، پھر شروق، غداۃ، بکرہ، ضحیٰ اس کے بعد ضحوہ اس کے بعد ہجیرہ۔ پھر زوال پھر ظہیرہ پھر روح پھر مسا پھر عصر پھر اصیل پھر غروب پھر شفق پھر عشاء۔ یہ سارے دن کے نام ہیں۔ ان کی تعداد انیس ہے۔ اسی طرح رات کے بھی کئی حصوں کے کئی نام ہیں۔



فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

تو مڑا فرعون پھر جمع کئے اپنے فریب پھر آ گیا ۔ فرمایا ان سے موسیٰ نے خرابی ہو تمہاری نہ گھڑو

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

اوپر اللہ کے جھوٹ ورنہ وہ ہلاک کردے گا تمہیں عذاب سے اور تحقیق نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

پھر اختلاف کیا انہوں نے اپنے کام کا آپس میں اور چھپ کر مشورہ کیا۔

(آیت نمبر ٦٠) پھر فرعون مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور جادوگر اکٹھے کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے تمام مکر و فریب اکٹھے کئے ۔ موسیٰ علیہ السلام کو نیچا دکھانے کیلئے کوئی ایسا چکر نہیں ۔ جو اس نے نہیں چلایا پھر وہ اپنے وعدہ والی جگہ پر اپنے تمام مکر و فریب کے ساتھ آیا۔ یعنی ہزاروں جادوگروں کے ساتھ آیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور انہیں نیچا دکھائیں ۔ (یعنی ایسا جادو کریں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ جائیں)۔

(آیت نمبر ٦١) جادوگروں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم پر افسوس ہے۔ یا یہ جملہ بددعائیہ ہے کہ تم تباہ ہو جاؤ یعنی انہیں ترغیب دلائی کہ نبی کا مقابلہ تو تباہی کا باعث ہے۔ گویا انہیں جھڑک کر فرمایا کہ اس کام سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ گھڑو کہ تم اپنے جادو کو بھی معجزے کی طرح ظاہر کرو۔ یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان باطل معبودوں کو شریک نہ کرو ورنہ عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ جو تمہیں تباہ و برباد کر کے تمہاری جڑ کاٹ دے گا اور یہ بات یاد رکھو وہ ذلیل و خوار ہوا جس نے بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا۔

(آیت نمبر ٦٢) تو وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر اختلاف میں پڑ گئے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ گفتگو نے ان پر اثر کیا اور مشورہ کرتے کرتے آپس میں الجھ گئے اور انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں غالباً وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کا مقابلہ ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اس لئے اس میں جھگڑ پڑے اور پھر اپنے مشورے کو موسیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ رکھا تا کہ آپ مطلع ہو کر رکاوٹ نہ کریں۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

بولے بے شک یہ دونوں جادوگر چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ج

اور لے جائیں تمہارے مذہب کو جواچھا ہے۔ تو پکا کر لو اپنے فریب کو پھر آجاؤ پرا باندھ کر

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

اور تحقیق کامیاب ہے آج جو غالب رہا۔

(آیت نمبر٦٣) بالآخرانہوں نے انعام ملنے کی لالچ میں فرعون والی بات کہی کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔ یہ تمہیں تمہاری زمین مصر سے نکالنا چاہتے ہیں۔ یعنی تم پر غلبہ پاکر اپنے جادو کے ذریعے سے نکالیں گے اور بنی اسرائیل کو یہاں آباد کریں گے اور تمہارا مذہب جو بہت اعلیٰ ہے اس کو لے جائیں گے یعنی ختم کردیں گے۔ کیونکہ جب ان کا غلبہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ تمہارا مذہب تو خود ہی مٹ جائیگا پھران کا مذہب چلے گا اور فرعون کہتا تھا کہ مجھے خوف اس بات کا ہے کہ موسیٰ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا جادوکووہ مذہب نہیں جانتے تھے۔ جادوکووہ ایک فن جانتے تھے۔

فائدہ : بحرالعلوم میں ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کوافضل اس لئے کہا کہ وہ مذہب ان کی خواہشات کے مطابق تھا اس لئے اس پر مسرور تھے جیسے قرآن مجید میں فرمایا ہر گروہ اپنے مذہب پر خوش ہے۔

(آیت نمبر٦٤) اپنے سارے مکر کرلو۔ یعنی تمہیں یقین ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جادوگر ہیں اور پھر تم یہ بھی سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر تم کسی ایک تدبیر پر جم جاؤ اور ان کے مقابلہ کیلئے پورا زور لگاؤ پھر تم اکٹھے ہو کر وعدہ والی جگہ پر جمع ہو کر آجاؤ تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر تمہارا رعب اور ہیبت طاری ہو جائے۔ تمہارا مقصد تو تب پورا ہوگا تو فرعون کے کہنے پر اتنی مخلوق جمع ہوئی کہ جہاں تماشا دکھانے والے جادوگر ستر ہزار تھے وہاں تماشہ دیکھنے والوں کی تعداد کتنی ہوگی۔ فرعون نے اعلان عام کرایا کہ جو موسیٰ علیہ السلام کو شکست دیکر خود کامیاب ہو جائے۔ ہمارے ہاں اسے بلند مرتبہ ملے گا اور بے حساب انعام بھی ملے گا آج پوری ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ۔



قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

بولے اے موسیٰ یا تو تم ڈالو اور یا یہ کہ ہوں ہم پہلے جو ڈالیں۔ فرمایا بلکہ تمہی پہلے ڈالو

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾

تو اسی وقت ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کی طرف خیال سے ان کے جادو کے زور سے دوڑتے معلوم ہوئے۔

(آیت نمبر ٦٥) اب جادوگر جب میدان میں نکلنے لگے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دعوت دی کہ آپ اپنا عمل پہلے کریں گے یا ہمیں اجازت دیں گے۔ کہ پہل کر دیں۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جادوگروں نے تیس ہزار ڈنڈے اور رسیاں میدان میں ڈالنے سے پہلے ان پر تارامیرا کا تیل لگا دیا تا کہ دھوپ میں چلتے پھرتے نظر آئیں۔ تا کہ معلوم ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اگر لاٹھی سے سانپ بنا سکتے ہیں۔ تو ہم بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔ تو ہزاروں سانپوں کی موجودگی موسیٰ علیہ السلام کا ایک سانپ کیا کرے گا۔

ادب موسیٰ: جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے ادبا عرض کیا پہلے آپ اپنا عصا زمین پر ڈالیں گے یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے۔

پیغمبر خدا کے ادب کا صلہ: اس میں اشارہ ہے کہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو ادب سے مقدم کیا تو اس اعزاز دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے صدقے انہیں ایمان کی دولت عطا فرما دی۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جو دیکھا تو وہ نور ایمان سے دیکھا۔ اسی لئے انہیں حقیقی طور پر ایمان بھی نصیب ہوا۔ ان کا ایمان تقلیدی نہیں تھا بلکہ ان کا ایمان تحقیقی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی یہی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ جو میری طرف ایک بالشت بھر بھی قریب ہوتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ (ریاض الصالحین)

(آیت نمبر ٦٦) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ڈالو۔ **فائدہ** : یہ ادب گویا اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے دل میں ڈالا کہ تم یوں کہو اور موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ انہیں اجازت دیں کہ وہ پہلے اپنے ڈنڈے رسیاں ڈال لیں۔ تا کہ حق و باطل میں امتیاز ہو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پہلے عصا ڈال دیتے تو لوگ خوف سے بھاگ جاتے تو سارا مقصد فوت ہو جاتا تو جوں ہی انہوں نے ڈنڈے رسیاں زمین پر ڈالیں تو یوں خیال ہوا کہ یہ ڈنڈے رسیاں دوڑ رہے ہیں۔ جادو کے اثر سے حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے ڈنڈے رسیوں میں تیل لگایا ہوا تھا۔ سورج کی تپش میں یوں محسوس ہو رہا تھا۔ یا لوگوں کی آنکھوں پر ایسا اثر کیا کہ یوں معلوم ہو رہا تھا۔ کہ گویا وہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿٦٨﴾

تو محسوس کر کے اپنے جی میں ڈرے موسیٰ علیہ السلام۔ ہم نے کہا نہ ڈریئے بے شک آپ ہی غالب رہیں گے۔

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا

اور ڈالئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے نگل جائے گا جو انہوں نے بنایا۔ بے شک جو انہوں نے بنایا

كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿٦٩﴾

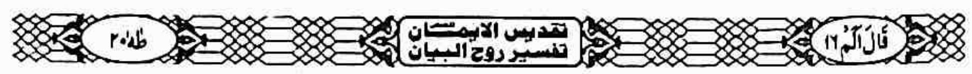
وہ فریب ہے جادو گر کا۔ اور نہیں کامیاب ہوتا جادو گر خواہ کہیں سے آئے۔

(آیت نمبر ٦٧) جب موسیٰ علیہ السلام نے اچانک ڈنڈے اور رسیوں کو دیکھا کہ وہ سانپ بن گئے تو آپ کو خوف محسوس ہوا۔ بشری تقاضے کے تحت محسوس کیا کہ اتنے سارے سانپوں کے سامنے ایک سانپ کیا کرے گا۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قلبی خوف نہیں تھا۔ یہ تو نفسانی یا خیالی خوف تھا جو شخص فرعون جیسے ظالم سے نہیں ڈرا۔ سانپوں سے کیسے ڈر سکتا ہے۔ علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو خوف ہوا کہ جادو گروں نے نبی کا مقابلہ کر کے قہر الٰہی کو دعوت دی ہے تو موسیٰ علیہ السلام اس قہر الٰہی سے ڈرے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے خوف کا ذکر ہے۔ لیکن اس کی علت اور سبب کا کوئی ذکر نہیں۔

(آیت نمبر ٦٨) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ خوف نہ کریں جو آپ کے دل میں خیال آیا ہے۔ اسے دل سے نکال دیں۔ بے شک غالب آپ ہی آئیں گے کیونکہ ہم جو آپ کے ساتھ ہیں پھر ڈر کیا ہے۔ جادو گروں کا سہارا اسباب پر ہے اور آپ کا سہارا میری ذات پر۔ لہٰذا کامیاب آپ ہی ہیں۔ آپ میرے ہاں بڑے مرتبہ والے ہیں۔ میرے رسول اور کلیم ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کافر بھی ہو اور نبی کے مقابلے میں کامیاب بھی ہو جائے۔

(آیت نمبر ٦٩) آپ ہاتھ میں جو بھی ہے۔ اسے زمین پر ڈال دیں۔ یہ عصا باقی لاٹھیوں کی طرح نہیں ہے جوں ہی آپ نے عصا نیچے ڈالی تو وہ اژدھا بن گیا اور جادو گروں کی رسیاں اور ڈنڈے سب نگل گیا۔ سوائے اس کے نہیں جادو گروں نے جو کیا وہ ان کا ایک مکروہ حیلہ تھا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جادو گر کہیں بھی ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ کہیں سے آئے اور جس طرح کا بھی جادو دکھائے۔



فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ﴿٧٠﴾

پھر گرائے گئے جادوگر سجدے میں بولے ہم ایمان لائے ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔

(بقیہ آیت نمبر ٦٩) کامیابی دو قسم ہے: (١) دنیوی: یعنی دنیا میں راحت وسرور، بقا، غناء، عزت لیکن صرف دنیا کی فلاح کا انجام خسران ہے۔ (٢) اخروی کامیابی اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں اور جنت اور دیدار الٰہی ہے یہ اصل کامیابی ہے۔

جادو کرنا کفر ہے حاکم وقت کو چاہئے کہ جادوگر کو فی الفور قتل کردے۔ **فائدہ**: شرح المقاصد میں ہے کہ شریر قسم کا نفس مخصوص اعمال کر کے خارق العادۃ کاموں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا نام جادو ہے۔ جوں ہی جادو آتا ہے۔ ایمان اندر سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے جادوگر کو قتل کیا جائے تا کہ وہ کسی کا نقصان نہ کر سکے۔

معجزے اور کرامت میں اور جادو میں فرق ہے: (١) معجزہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے اور کرامت ولی اللہ سے صادر ہوتے ہیں لیکن ہر وقت صادر ہونا ضروری نہیں۔ (٢) جادو زمانہ اور مکان کے ساتھ خاص ہے، لیکن معجزے اور کرامت کو زمان ومکان کی ضرورت نہیں۔ (٣) جادو کئی قسم کے شرائط کا محتاج ہے۔ معجزہ اور کرامت کسی شرط کا محتاج نہیں۔ (٤) جادو کا معارضہ ہوسکتا ہے معجزہ اور کرامت کا تعارض نہیں۔ (٥) جادو کی مثل لائی جا سکتی ہے مگر معجزہ اور کرامت کی مثل نہیں۔ (٦) جادوگر فسق وفجور کا مرتکب ہوتا ہے اور ظاہر باطن میں پلید ہوتا۔ مگر صاحبان معجزہ وکرامت پاک وصاف رہتے ہیں۔ اور ہر وقت عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول ہوتے ہیں۔

جادو کی اقسام: (١) طلسم، (٢) نیرنج۔ (٣) رقیہ۔ (٤) الحلق طیرات۔ (٥) شعبدہ وغیرہ۔

(آیت نمبر ٧٠) جب موسیٰ علیہ السلام کی عصا نے سانپ بن کر جادوگروں کے ڈنڈوں اور رسیوں کو نگل لیا تو جادوگروں کو یقین ہوگیا کہ یہ جادو نہیں اور موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں۔ یقیناً یہ اللہ کے نبی ہیں کیونکہ ایک جادو دوسرے جادو پر اثر انداز ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ لہذا فوراً وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئے۔ اور اسی وقت وہ ایمان لے آئے۔ **فائدہ**: یہ بھی مروی ہے جادوگروں میں جو سب سے بڑا تھا۔ اس نے باقی جادوگروں سے کہا کہ ہمیں اپنا غلطی پر ہونا تسلیم کر لینا چاہئے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ برحق ہے۔ جس ذات نے انہیں نبی بنا کر بھیجا۔ اب ہمیں فوراً اس کو مان جانا چاہئے۔ فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک گئے تو انہوں نے سجدہ میں گر کر کہا کہ ہم حضرت ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے۔ **فائدہ**: موسیٰ علیہ السلام کا رب اس لئے کہا کہ

قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ

فرعون بولا کیا تم ایمان لائے اس پر اس سے پہلے کہ میں اجازت دوں تمہیں بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے

عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمۡ

سکھایا تمہیں جادو۔ تو میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹ جانب سے اور ضرور تمہیں سولی دونگا

فِىۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى ﴿۷۱﴾

کھجور کے ٹنڈ پر اور تم ضرور جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیرپا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷٠) **فائدہ** : چونکہ فرعون بے ایمان بھی اپنے آپ کو رب کہلواتا تھا۔ اس لئے انہوں نے واضح کر کے کہا کہ ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اگر صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام ہوتا پھر بھی شک ہوتا کہ مراد فرعون ہے کیونکہ بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون نے کی تھی۔ اس لئے دونوں کا نام لیا اور اس وجہ سے بھی کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے داعی بن کر آئے ہوئے ہیں۔

(آیت نمبر ۷۱) جادوگروں کے ایمان لانے سے تو فرعون جل بھن گیا انہیں جھڑک کر کہا کیا تم موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے۔ مجھ سے اجازت لئے بغیر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ اجازت مانگتے تو وہ اجازت دے دیتا۔ بلکہ وہ خبیث تو کبھی بھی کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اسے تکلیف یہ تھی کہ انہیں بلایا میں نے اور کلمہ موسیٰ کا پڑھتے ہیں۔ **فائدہ** : جادوگروں کی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ہار اصل میں فرعون کی ذلت اور رسوائی تھی۔ لیکن ذلیل ذلیل ہی ہوتا ہے۔ جادوگروں کے ایمان نے اس کی ذلت میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ اب اس ذلت کو چھپانے کیلئے وہ جادوگروں کو ہی برا بھلا کہنے لگا کہ یہ تمہاری سازش تھی۔ بے شک یہ موسیٰ ہی تمہارے فن میں بڑا ہے۔ جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ اب تم اس کے موافق ہو گئے۔ یا یہ تمہاری ملی بھگت ہے۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں وہ کہنے لگا کہ تم مل کر ملک چھیننا چاہتے ہو۔ یہ بات فرعون نے اس لئے کی تا کہ اس کی رسوائی چھپ جائے مزید لوگ باغی ہو کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ ان جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے دیکھا بھی ایک دوسرے کو آج ہی ہے اور اس نے یہ جملہ اس لئے کہا اور کوئی ایمان لانا چاہے تو پہلے مجھ سے اجازت حاصل کرے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ

بولے ہرگز نہیں تجھے ترجیح دیں گے اس پر جو آ گئے ہمارے پاس واضح دلائل اور قسم اس ذات کی جس نے

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿۷۲﴾

ہمیں پیدا کیا تو کر گذر جو تو کرنے والا ہے۔ سوائے اس نہیں تو جو کر سکتا ہے وہ اس دنیا میں ہی ہے

(بقیہ آیت نمبر ۷۱) اب وہ سب لوگوں کے سامنے انہیں ڈرانے دھمکانے لگا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں برعکس کاٹ ڈالوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کی ٹانگ۔ مزید ان پر ہیبت طاری کرنے کیلئے کہا کہ میں ضرور تمہیں سولی پر بھی چڑھاؤں گا اور کھجور کے تنوں پر لٹکا کر قتل کروں گا تا کہ سب لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں۔ **فائدہ**: یہ ڈرانا دھمکانا محض اپنی ڈکٹیٹر شپ کو قائم رکھنے کیلئے تھا اور آگے کہا کہ تم ضرور یہ جان لو گے کہ ہم میں کون سخت عذاب دیتا ہے اور کس کی شاہی ہمیشہ باقی ہے۔ **فائدہ**: یہ بات اگرچہ سب کو معلوم تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کب کسی کو عذاب دینے والے ہیں۔ سخت سزائیں دینے میں تو فرعون ہی مشہور تھا۔ یہ سولی پر لٹکانے کا عذاب بھی سب سے پہلے فرعون نے ہی شروع کیا۔ **فائدہ**: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو دنیوی عذاب سے ڈرایا۔ اس لئے کہ وہ اپنے آخرت کے عذاب سے بالکل بے خبر تھا۔ اس لئے اس نے اپنے عذاب کو ہی اشد کہا۔

فائدہ: تعجب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کا استاد کہہ دیا۔ لیکن سزا دینے کا نام تک نہیں لیا۔ اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو میری طرف ڈال دیا تو پھر میری بھی خیر نہیں۔ جس طرح وہ سب کو نگل گیا اس طرح مجھے بھی نگل جائے گا۔

(آیت نمبر ۷۲) فرعون کے اتنی سخت سزا کی جادوگروں نے کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ اس کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے فرمایا کر لے جو تو نے کرنا ہے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے نشے اور جذبہ حقانی سے ایسے مست ہوئے اور ان کے دل لطف و کرم کے انوار سے ایسے منور ہو چکے تھے کہ انہوں نے فرعون کی کسی دھمکی پر توجہ نہ دی۔ بلکہ انہوں نے کہا او فرعون یاد رکھ ہم جو ایمان لا چکے ہیں۔ اب ہم تجھے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ دیکھنے کے بعد اب کیا شبہ باقی رہ گیا ہے۔ کہ تو ہرگز رب نہیں۔ رب وہی ہے۔ جو جناب موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَلَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ

بے شک ہم ایمان لائے اپنے رب پر کہ بخش دے ہمارے گناہ اور جو تو نے ہمیں مجبور کیا اس جادو پر۔

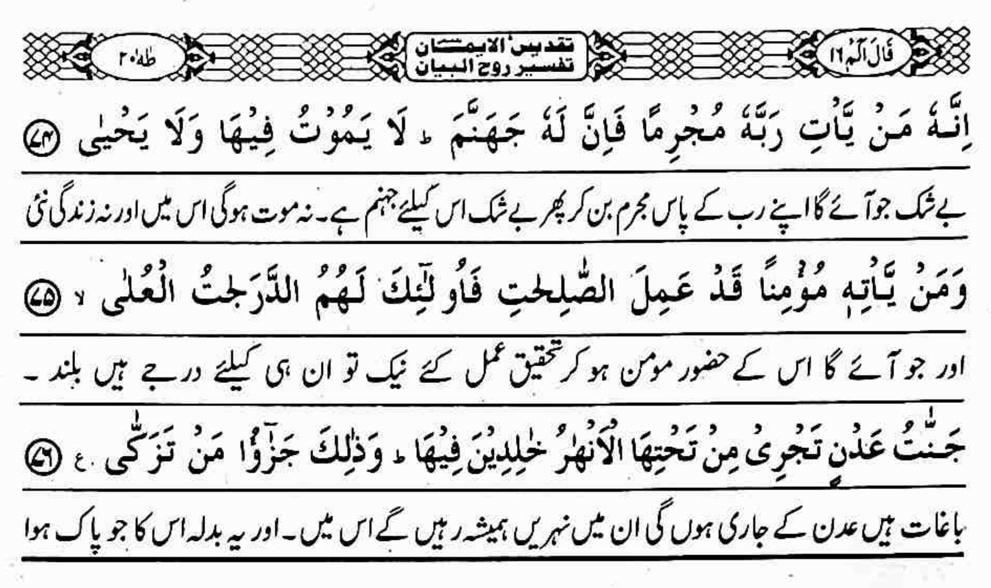
وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا۔

(بقیہ آیت نمبر۷۲) **فائدہ**: انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کوحق پر جانا اوران کی حقانیت کوعین الیقین سے دیکھا کہ ان کا سانپ ہماری جادوکو ہڑپ کر گیا۔اب موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا کیا شک وشبہ رہ گیا ہے۔

روحانی علاج: بزرگ فرماتے ہیں جورب سے لولگالیتا ہے۔دنیا کے مصائب وآلام کی اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رہتی اور پھر جنہیں یہ یقین ہوجائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔انہیں مصائب وآلام کی کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔آگے فرمایا۔قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا فرمایا۔اب ہم تجھے اس ذات پر ترجیح نہیں دے سکتے۔یا یہ کہا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے ہمیں فطرت اسلام پر پیدا فرمایا۔اب تیرا جو جی چاہے تو کر گذر۔خواہ سولی دے یا ہاتھ پاؤں کاٹ ہمیں تیری کسی پھبکی کا کوئی ڈرنہیں۔تیری سزا کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہی ہے۔اس کے بعد تو تو کچھ نہیں کرسکتا۔لیکن یہ یادرکھنا۔تیرے ساتھ مرنے کے بعد وہ ہوگا جو تو سوچ بھی نہیں سکتا۔

(آیت نمبر۷۳) بے شک اپنے رب کریم پر ہم ایمان لے آئے ہیں تا کہ وہ ہمارے سابقہ گناہ معاف فرمائے۔جو جو ہم سے کفر وگناہ ہوئے۔یا اب جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے کا گناہ کیا۔یا جو پہلے جادو وغیرہ کئے۔سب معاف فرمائے اور آخرت میں مواخذہ نہ فرمائے۔اور جس جادو کے عمل پر اب تو نے مجبور کیا۔ہم مذکورہ تمام گناہوں پر اب نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور مغفرت کے طالب ہیں کیونکہ بالذات خیر وبھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور جزاوسزا کا بھی وہی مالک ہے۔یہ تمام فیصلے بروز قیامت کردیئے جائیں گے۔**فائدہ**: تاویلات میں ہے کہ انہوں نے فرعون کو بتایا کہ جو کچھ ہماری کامیابی کی توقع پر تو ہمیں دینا چاہتا تھا۔اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا بہتر ثواب عطا فرمائے گا اور تو بھی یادرکھ اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت اور دائمی ہوگا۔ہماری سزا کے بعد بالآخر موت آجائے گی۔اوراس کے بعد عالی شان زندگی مل جائے۔اور تجھ پر دنیا آخرت میں لعنت تیری سزا جہنم میں ہوگی پھر اس کے بعد موت نہیں سزا ہی سزا رہے گی۔



اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾

بے شک جو آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم بن کر پھر بے شک اس کیلئے جہنم ہے۔ نہ موت ہوگی اس میں اور نہ زندگی نئی

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ ﴿٧٥﴾

اور جو آئے گا اس کے حضور مومن ہو کر تحقیق عمل کئے نیک تو ان ہی کیلئے درجے ہیں بلند۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع

باغات ہیں عدن کے جاری ہوں گی ان میں نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ اور یہ بدلہ اس کا جو پاک ہوا

(آیت نمبر۷۴) بے شک شان یہ ہے کہ جو بھی مجرم ہو کر رب تبارک وتعالیٰ کے پاس آئیگا۔ گناہوں میں لتھڑا ہوا اور کفر کی حالت میں مرے گا۔ پس بے شک اس کے لئے جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ جہاں کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔ یہ بھی ابقی کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب دائمی ہے اور اسی طرح وہاں جانے والا زندگی بھی ایسی پائے گا جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہوگی۔

(آیت نمبر۷۵) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ایمان کے ساتھ آئیگا۔ یعنی اس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بھی ایمان ہوگا۔ اور اس کے تمام احکام ومعجزات پر بھی ایمان ہوگا۔ جیسے ہم جادوگروں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی معجزہ دیکھا اور ایمان لے آئے اور اس کے ساتھ ان نے نیک اعمال بھی کئے ہوں۔ جو شرع کے مطابق ہوں اور نقلاً عقلاً درست ہوں۔ اس قسم کے مومن اور نیک اعمال والے۔ جنت کے بہت اعلیٰ اور بلند مراتب پر ہوں گے۔ **فائدہ:** جنت میں داخلہ ایمان کی وجہ سے ہوگا۔ اور درجات کی ترقی اعمال کے حساب سے ہوگی۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ صرف مومن میں اور مومن جمع عمل صالح میں بڑا فرق ہے کیونکہ اعمال صالحہ جتنے زیادہ ہونگے۔ درجات اتنے ہی بلند ہوں گے اور جو عمل صالح سے تہی دامن ہوگا۔ وہ درجات عالیہ سے محروم ہوگا۔ خواہ وہ جنت میں ہی ہوگا۔

(آیت نمبر۷۶) وہ بلند درجات کی جگہ جنت عدن ہے۔ جس میں ہمیشہ نہریں جاری ہوں گی۔ جو جنت کے محلات کے نیچے سے گذریں گی جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ ثواب اور بلند درجات بدلہ ہے۔ اس کا جو انہوں نے دنیا میں اپنا تزکیہ کیا۔ یعنی اپنا ظاہر وباطن پاک رکھا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ

اور تحقیق وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے کہ لے چلو میرے بندے پھر نکالو ان کیلئے راہ دریا میں

يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

خشک نہ ڈریں فرعون کے آنے سے اور نہ خطرہ کریں۔ پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکر سمیت

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾

تو ڈھانپ لیا انہیں دریا میں جیسا بھی ڈھانپا ان کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۶) **اجراور جزاء میں فرق**: اجر کا لفظ صرف نفع کیلئے استعمال ہوتا ہے اور جزاء نفع ونقصان دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کفر و معاصی کے گرد وغبار سے پاک ہو کر ایمان واعمال صالحہ سے سرشار ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے اجر پاتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ بلند درجات والوں کو نچلے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح ہم آسمان پر چمکتے ستارے دیکھتے ہیں۔ (تاریخ دمشق) خوش قسمت تھے وہ لوگ یعنی جادوگر جو صبح کے وقت کافر تھے شام سے پہلے شہید ہو کر ابرار لوگوں میں شامل ہو گئے۔

(آیت نمبر ۷۷) اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے پیارے موسیٰ اب بہت ہو چکا۔ بیس سال کا زمانہ گذر گیا۔ فرعون نے سرکشی میں حد کر دی۔ اب یہی فیصلہ ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو رات ورات لے کر مصر سے چلے جائیں۔ دن کو اس لئے نہیں کہ فرعون کے چیلے تمہیں دیکھ کر وہ آڑے آ جائیں گے اور جب بحر قلزم پر پہنچ جاؤ تو بنی اسرائیل کیلئے دریا میں خشک راستہ نکالو اور اے میرے موسیٰ ڈر نہ کھانا کہ دشمن تم تک پہنچ جائیگا۔ اب تم امن میں آ گئے ہو۔ اور نہ ہی غرق ہونے سے خوف زدہ ہونا۔ یعنی تمہیں دونوں جگہ امن مل گیا۔

(آیت نمبر ۷۸) چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر چلے تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد اسی ہزار کے قریب تھی یہ رات بھر چلتے رہے۔ صبح کے وقت فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل تو ہمارے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں تو فرعون انہیں پکڑنے کیلئے سات لاکھ فوجی ساتھ لیکر چل پڑا کہ بنی اسرائیلیوں کو پکڑ کر واپس لائیں گے۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے نزدیک آ گئے۔ بنی اسرائیل انہیں دیکھ کر گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور اپنی لاٹھی دریا پر ماری تو اسی وقت دریا میں بارہ رستے بن گئے۔



وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ راہ دکھائی

(بقیہ آیت نمبر ۷۸) سائیڈوں پر پانی برف کی طرح جم گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بمع اپنی قوم کے صحیح سلامت دریا کو عبور کر گئے۔ لیکن جب فرعون دریا کے درمیان پہنچا تو دریائے قلزم آپس میں مل گیا پورے کا پورا لشکر پانی میں ایسے گھرا جیسے کوئی چیز چاروں طرف سے ڈھانپ لیتی ہے۔ یعنی دریا کی سخت موجوں نے انہیں اپنے اندر ڈھانپ لیا اور سارا لشکر دریائے قلزم میں غرق ہو گیا۔

(آیت نمبر ۷۹) فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ یعنی انہیں ایسی راہ پر چلا دیا کہ جو انہیں نقصان اور خسران کی طرف لے گیا۔ دنیا میں ذلت ملی کہ وہ کفر کی حالت میں دنیا کے عذاب میں مبتلا ہو کر مرے۔ آگے جا کر آخرت کے دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے اور وہ قوم کو سیدھی راہ نہ چلا سکا۔ یعنی ان کی ایسے راستے کی راہنمائی نہ کی جس سے وہ دینی دنیوی اور اخروی منافع حاصل کر سکتے۔ ع: ہم تو ڈوبے صنم تمہیں بھی لے ڈوبے

فائدہ: سب سے بہتر راہ ایمان و توحید کی ہے۔ جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کرام گامزن رہے۔ جس کی وجہ سے مومن ایک مضبوط قلعے میں ہو جاتا ہے۔ جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے کہ اس پر کوئی ظالم دشمن حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ نہ دنیا میں اسے کوئی نقصان ہوتا ہے نہ آخرت میں۔

حضرت انس اور حجاج: حجاج ظالم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کو بری طرح قتل کروں گا۔ انہوں نے فرمایا میرا عقیدہ ہوتا کہ تو حکم الٰہی کے بغیر قتل کر سکتا ہے تو میں تیری عبادت کرتا۔ حجاج نے کہا وہ کیسے تو جناب انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی دعا سکھائی ہے جو اسے صبح پڑھے اسے شام تک کوئی پرواہ نہیں ہے وہ میں نے آج صبح پڑھی ہے حجاج نے کہا وہ مجھے بھی بتاؤ تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ وہ تجھ ظالم کو ہرگز نہیں بتاؤں گا بعد میں آپ نے کسی کو بتا دی وہ ہے: "بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَافِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ"۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

اے بنی اسرائیل تحقیق ہم نے تمہیں نجات دی تمہارے دشمن سے اور وعدہ دیا تمہیں جانب داہنی طور کی

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا

اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ جو پاک چیز ہم نے تمہیں دی اور نہ زیادتی کرو

فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾

اس میں ورنہ اتر پڑے گا تم پر میرا غضب۔ اور جس پر اترا میرا غضب پس تحقیق وہ گر گیا۔

(آیت نمبر۸۰) اے بنی اسرائیل تحقیق ہم نے تمہیں تمہارے دشمن فرعون اور فرعونیوں سے نجات دی۔ جو تمہارے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور تم سے ہر طرح کی خدمتیں لیتے اور مشقتوں میں تمہیں ڈالتے تھے اور پھر ہم نے تمہیں دریا میں غرق ہونے سے بھی بچایا۔ اس کے بعد ہم نے تم سے یعنی تمہارے نبی علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ تم ہمارے ساتھ کلام کرنے اور توراۃ لینے کیلئے ہمارے پاس طور کے دائیں جانب آؤ۔

فائدہ :اگرچہ ظاہراً وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ لیکن بنی اسرائیل کو وعدے میں شامل اس لئے کیا کہ اس توراۃ سے ان کو نفع پہنچنے والا تھا اور یہ متبوع کے ساتھ ہی تھے۔ پھر ہم نے تم پر یہ انعام کیا کہ من یعنی ترنجبین اور سلویٰ یعنی بھنے ہوئے پرندے تم پر اتارے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر خاص انعام تھا۔

(آیت نمبر۸۱) ہم نے انہیں کہا کہ یہ ہماری نعمتیں اور حلال لذیذ اشیاء کھاؤ۔

فائدہ :امام راغب فرماتے ہیں۔ طیب سے مراد وہ چیز جس سے حواس اور نفس لذت حاصل کرے اور وہ حلال کھانے جو شریعت نے ہمارے کھانے کیلئے مقرر فرمائے۔

یہ لذیذ کھانے کھاؤ لیکن شرعی حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ اور ناشکری بھی نہ کرو۔ مستحق لوگوں کے حقوق ادا کرو انہیں محروم نہ کرو۔ ذخیرہ بنا کر نہ رکھنا۔ ورنہ تم پر غضب الٰہی اتر آئے گا۔ یعنی تم پر میرا عذاب لازم ہو جائے گا اور یہ بھی یاد رکھو۔ جس پر میرا غضب اترا وہ تباہ برباد ہو گیا۔ یعنی ہلاکت کے گڑھے میں وہ گر گیا۔ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا اور ذلیل و رسوا ہو گیا۔ لہٰذا جادوگر توبہ کر کے عزت پا گئے۔ اور فرعون ہمیشہ کیلئے ذلت و رسوائی پا گیا۔ اور لعنت کا مستحق ہو گیا۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

اور میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیا پھر ہدایت پر رہا

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۸۳﴾

اور کیسی جلدی کی آپ نے اپنی قوم سے اے موسیٰ

(آیت نمبر ۸۲) اور بے شک میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں۔ ان کو جو توبہ کر لیتے ہیں۔ یعنی کفر و شرک سے یا گناہوں سے تائب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر وہ ایمان بھی لائے اور نیک عمل بھی کرے تو پھر وہ ہدایت والا ہے۔ یا وہ ہمیشہ اسی ہدایت پر قائم دائم رہا۔ اور اسی ایمان پر اسے موت آئی۔ اس کے لئے بخشش ہی بخشش ہے۔

عوام کی توبہ : ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے۔ خواص کی توبہ لغزش اور غفلت سے۔ اکابر کی توبہ: غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے۔

توبہ کی شرائط : (۱) دل سے نادم (پشیمان) ہونا۔ (۲) زبان سے توبہ و استغفار کرنا۔ (۳) آئندہ کیلئے اس کے قریب نہ جانے کا عزم بالجزم کرنا۔ **حدیث شریف** میں ہے زبان سے توبہ استغفار بھی کرنا اور گناہوں سے باز نہ آنا یہ تو مذاق اڑانے والے کی طرح ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے مزاح کرنے کے مترادف ہے)۔

(آیت نمبر ۸۳) اے موسیٰ (علیہ السلام) کس چیز نے آپ کو جلدی کرائی۔ اپنی قوم سے آگے آگے چلے آئے۔

فائدہ : کاشفی فرماتے ہیں۔ فرعونیوں کی تباہی کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے قوم نے عرض کی کہ ہمارے لئے کوئی شرعی اور اسلامی احکام ہوں تا کہ ہم ان پر عمل کریں تو آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں طور پر جاتا ہوں اور تمہارے لئے کتاب لاتا ہوں۔ قوم نے کہا ہمیں بھی لے چلیں ہم بھی اللہ کا کلام سنیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ستر آدمی چن لئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا اور پھر طور کی طرف چلے گئے۔ شوق ملاقات میں آپ اس قدر تیز چلے کہ پچھلوں کا آپ کو کوئی خیال ہی نہ رہا۔ جب طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا سبب بنا کہ آپ اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر جلدی میں میرے پاس آ گئے۔

ازالہ وھم : یہ سوال ایسے ہی ہے جیسے فرمایا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ ایسے سوال کو انبساطی کہا جاتا (معلوم ہوا جانتے ہوئے سوال کرنا لاعلمی کی دلیل نہیں)۔

قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾

عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے رب کہ تو راضی ہو جا۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا بے شک ہم نے فتنہ میں ڈالا تیری قوم کو تیرے بعد۔ اور گمراہ کیا ان کو سامری نے۔

(آیت نمبر ۸۴) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ وہ میرے پیچھے آرہے ہیں۔ ابھی پیچھے وہ بھی پہنچ جائیں گے۔ میں نے جو تیرے پاس پہنچنے میں جلدی کی تو صرف اس لئے کہ اے میرے رب تو راضی ہو جا۔

فائدہ: جب سیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر جلدی ہی کرنا چاہئے۔ ایسی جگہ سستی اچھی نہیں۔ دین کے معاملے میں جلدی کی جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اپنے رب سے بخشش مانگنے کی طرف دوڑو۔ یعنی جلدی کرو۔

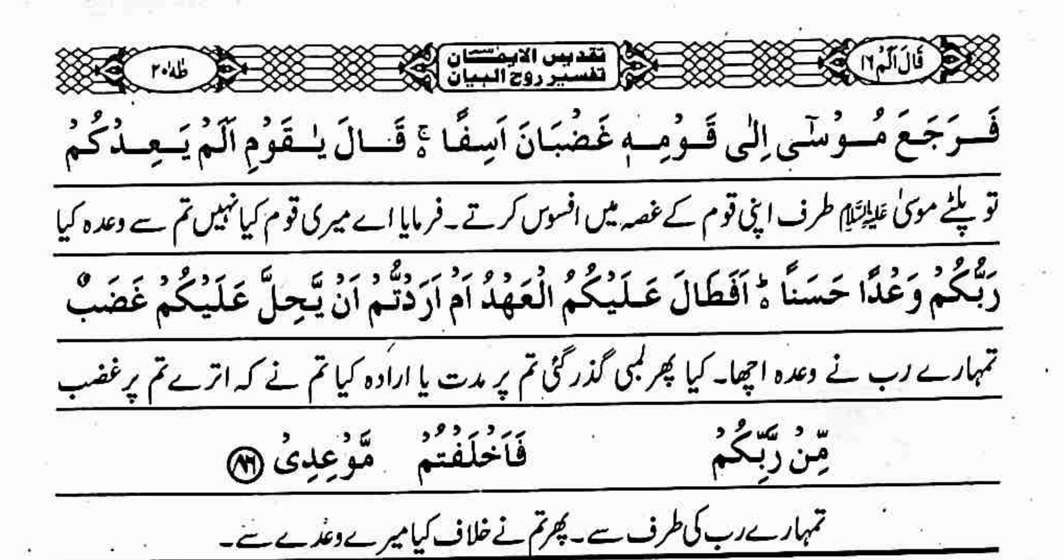
سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ صرف رضاء الٰہی کا طالب ہو کسی قسم کی نفسانیت کا خیال دل میں نہ لائے۔

(آیت نمبر ۸۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ایمان کے بارے میں آزمایا تو وہ ایک بچھڑا بنا کر اسے پوجنے لگ گئے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملات میں آزمائش ہی آزمائش ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے پھر جوان کے قریب پھر جوان کے قریب ہیں۔

بنی اسرائیل کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے تشریف جانے کے بعد چالیس دنوں کا حساب یوں کیا۔ کہ بیس دنوں کو ڈبل کیا رات دن سے اور چالیس دن سمجھ کر یہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ختم ہو گیا ہے۔ ابھی تک واپسی کے آثار بھی کوئی نظر نہیں آرہے۔ ادھر ان دنوں میں سامری زرگر نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا اور اس میں جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں کی مٹی اس میں ڈالی۔ تو وہ بچھڑا بولنے لگ گیا تو سامری خبیث نے لوگوں سے کہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکی وہ وہاں تلاش کر رہے ہیں اور خدا اس بچھڑے میں آگیا ہے (معاذ اللہ)۔ اس طرح اس نے قوم کو بچھڑے کی پوجا میں لگا دیا۔

سامری خبیث: بنی اسرائیل کے بڑے خاندان کا تھا۔ سامرہ اس کا قبیلہ تھا۔ گائے پرست قوم میں سے تھا۔ منافق بن کر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتا تھا۔ اس لئے اس کے اپنے خاندانی مذہب میں قوم کو بھی لگا دیا۔



فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ

تو پلٹے موسیٰ علیہ السلام طرف اپنی قوم کے غصہ میں افسوس کرتے۔ فرمایا اے میری قوم کیا نہیں تم سے وعدہ کیا

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

تمہارے رب نے وعدہ اچھا۔ کیا پھر لمبی گذر گئی تم پر مدت یا ارادہ کیا تم نے کہ اترے تم پر غضب

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

تمہارے رب کی طرف سے۔ پھر تم نے خلاف کیا میرے وعدے سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۵) **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہی ہے کہ سامری بنی اسرائیل کا ہی ایک فرد تھا۔ یہ بھی اس سال پیدا ہوا جس سال فرعون نے بچوں کو ذبح کرنا تھا۔ اس کی ماں نے اسے ایک جزیرے میں جنا اور یہ بچ نکلا۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو اس نے دیکھا کہ لوگ فرعونیوں سے ادھار لایا ہوا سونا پھینک رہے ہیں تو اس نے وہ سارا اکٹھا کر کے ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اس کی پرستش پر لگا دیا۔

(آیت نمبر ۸۶) موسیٰ علیہ السلام جب لوٹ کر قوم کے پاس آئے وہ تختیاں بھی ساتھ لے کر آئے جن پر توراۃ لکھی تھی تو آپ انتہائی غصے میں تھے اور اس بات کا افسوس کرتے تھے۔ کہ میں نے قوم کو سبق کیا دیا اور اب وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے آپ کو سخت غم لاحق ہوا۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور قوم کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کے ارد گرد دف بجا رہے ہیں۔ اور رقص کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا۔ یعنی اس کا وعدہ تھا کہ تمہیں توراۃ عطا کروں گا جس میں نور ہدایت ہے اور یہ وہ وعدہ ہے کہ اس سے اچھا کوئی وعدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اسے "وعدا حسنا" کہا تو کیا کوئی زمانہ لمبا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے غلطی کا شکار ہو گئے۔ یا تمہارا یہ ارادہ ہو گیا کہ لازم ہو جائے۔ یعنی آ جائے تم پر غضب الٰہی عذاب کی شکل میں اور سخت سے سخت انتقام اترے تمہارے رب کی طرف سے جو تمہارے جملہ امور کا مالک ہے۔

فائدہ: اور پرستش جس کی تم کر رہے ہو۔ وہ غبی اور بے وقوف ہونے میں ضرب المثل ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم نے میرے وعدے کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے کہ تمہارا میرے ساتھ وعدہ تھا کہ تم میری واپسی تک میرے کہنے پر قائم رہو گے تم نے تو میرے جدا ہوتے ہی وعدے کو بھلا دیا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ

بولے نہیں خلاف کیا آپ کے وعدے سے اپنے اختیار سے لیکن اٹھوائے گئے ہم بوجھ جو گہنے تھے فرعونی قوم کے

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ

ہم نے تو انہیں پھینک دیا تو لے لیا سامری نے۔ پھر نکال لایا ان کیلئے بچھڑا بے جان جسم کو

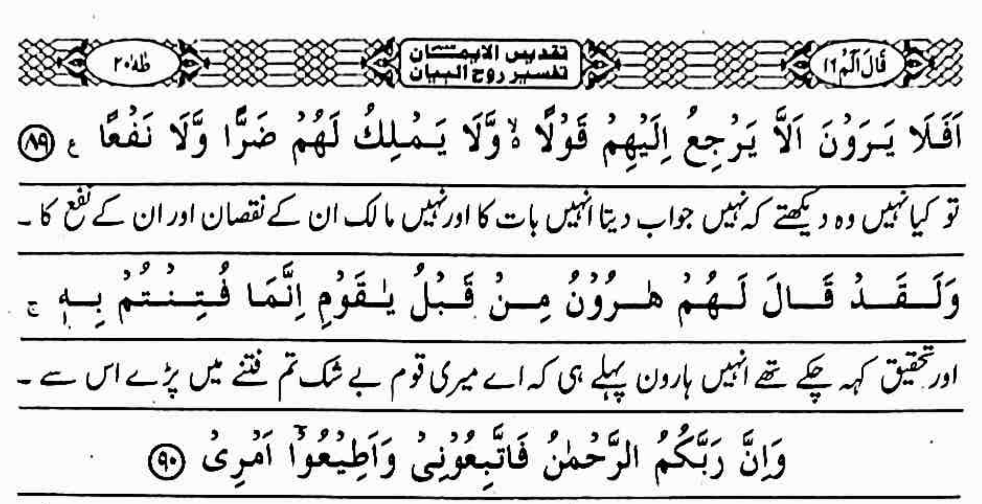
خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

آواز گائے کی طرح بولے یہ تمہارا خدا اور خدا ہے موسیٰ کا وہ بھول گئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۶) اس لئے تم اس کے خلاف کر کے سخت خطا کار ہوئے یا تمہارا یہی ارادہ ہوا کہ تم پر غضب الٰہی لازم ہو جائے اس لئے کہ تم نے جان بوجھ کر اس غلط کام کا ارتکاب کیا۔

(آیت نمبر ۸۷) تو انہوں نے کہا۔ ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ یہ سامری کی فریب کاری اور دھوکہ سازی سے ایسا ہوا۔ انسان جب آزمائش میں مبتلاء ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مغلوب ہو کر غلطی کا ارتکاب کر لیتا ہے تو بنی اسرائیل نے بتایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم پر قبطیوں کے زیورات کا بوجھ تھا۔ یعنی مصر سے نکلتے وقت ہم نے قبطیوں سے ادھار زیورات لئے کہ ہم شادی پر جا رہے ہیں۔ جب ہم دریا عبور کر آئے۔ اب واپسی کا کوئی چانس نہ تھا تو ہم نے ان تمام زیورات کو پھینک دیا تا کہ کافروں کی چیز استعمال کرنے سے بچ جائیں تو سامری نے اسے اٹھا کر آگ میں ڈال دیا اور اس کا بچھڑا بنا دیا۔

(آیت نمبر ۸۸) سامری نے سارا سونا پگھلا کر اس کا ایک بچھڑا بنایا اور اس میں جبریل امین کی گھوڑی کے قدموں سے لگنے والی مٹی اس میں ڈال دی۔ ظاہراً تو وہ ایک جسم ہی تھا۔ جس میں کوئی خون گوشت یا روح وغیرہ نہ تھا۔ لیکن جبریل امین کی برکت وکرامت تھی کہ بچھڑا بولنے لگا تو بنی اسرائیل نے اسے خدا سمجھ لیا اور اسے سجدے کرنے لگ گئے۔ سامری اور اس کے ساتھی باقی لوگوں سے کہنے لگے کہ یہ بچھڑا تمہارا بھی خدا ہے اور موسیٰ کا بھی خدا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اتنے دن ہوئے واپس نہیں آئے غالباً وہ بھول گئے۔ وہ اسے طور پر تلاش کر رہے ہیں اور خدا (معاذ اللہ) یہاں ہمارے پاس آ گیا ہے۔



اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

تو کیا نہیں وہ دیکھتے کہ نہیں جواب دیتا انہیں بات کا اور نہیں مالک ان کے نقصان اور ان کے نفع کا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ

اور تحقیق کہہ چکے تھے انہیں ہارون پہلے ہی کہ اے میری قوم بے شک تم فتنے میں پڑے اس سے۔

وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾

اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے تو میرے پیچھے آؤ اور میری بات مانو۔

(بقیہ آیت نمبر ۸۸) **فائدہ**: یہ بھی ایک آزمائش تھی اگرچہ ہر چیز میں تاثیر من جانب اللہ ہوتی ہے۔ لیکن یہاں امتحان تھا تاکہ کچے اور پکے مومنوں میں امتیاز ہو جائے تو چھ لاکھ میں صرف ۱۲ ہزار اپنے صحیح عقیدے پر قائم رہے۔ وہ بھی جناب ہارون علیہ السلام کے سمجھانے سے باز رہے۔

(آیت نمبر ۸۹) اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا۔ یا دیکھتے نہیں کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ تو یہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ معبود ہے حالانکہ نہ انہیں نفع دیتا ہے۔ نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے یعنی انہوں نے ایک عاجز چیز کو خدا سمجھ لیا۔ **فائدہ**: موسیٰ علیہ السلام کا غضب اللہ تعالیٰ کیلئے تھا۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ اپنی ذات کیلئے کبھی کسی پر غضبناک نہ ہوتے (شمائل محمدیہ)۔ **فائدہ**: بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ ان کے ناراض ہونے سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے اور ان کی خوشی سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے یعنی ان بندگان خدا کا غضب غضب الٰہی کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ صفات خداوندی کے مظہر ہوتے ہیں اس لئے ان کے غضب میں اور عام لوگوں کے غضب میں فرق ہے۔ **سبق**: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ انبیاء عظام و اولیاء کرام کے طریقے کو اپنائے۔ جب کسی میں برائی دیکھے تو اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ کرے۔ اپنی ذات کیلئے کسی پر غصہ نہ کرے۔

(آیت نمبر ۹۰) اور البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے واپس تشریف لانے سے پہلے ہی نصیحت فرمائی تھی اور لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا کہ اے میری قوم تم اس بچھڑے کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو بلکہ گمراہی کے گڑھے میں گر گئے ہو۔ واپس آ جاؤ۔ بچھڑا تمہارا رب نہیں۔ بلکہ تمہارا رب رحمان ہے جو عبادت کا مستحق ہے وہ تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ اپنی غلطی کی ابھی سے توبہ کر لو کیونکہ وہی تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ

بولے ہرگز نہیں ہٹیں گے اس پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ کر ہمارے پاس موسیٰ آئیں۔ فرمایا اے ہارون

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾

کس چیز نے تجھے روکا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ کیوں نہ میرے پیچھے آئے کیا میرے حکم کی تم نے نافرمانی کی

(بقیہ آیت نمبر۹۰) اے میری قوم میری پیروی کرو۔ میرے حکم کی فرمانبرداری کرو۔ اور اس بچھڑے کی پوجا چھوڑ دو۔ **فائدہ:** جناب ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی نیابت کا حق ادا کیا۔ نہ تقیہ کیا۔ نہ قوم کا ڈر دل میں رکھا۔ برملا سمجھایا۔ اور انہیں اس قدر سمجھایا کہ جب تک انہوں نے قتل کی دھمکی نہ دی۔

(آیت نمبر۹۱) تو بنی اسرائیل نے حضرت ہارون سے کہا ہم اس بچھڑے کی پرستش پر جمع رہیں گے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہوا تھا کہ ایک بہت بڑے ظالم جابر سے جان چھوٹی تھی۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کا ہی مقابلہ کیا اور کہہ دیا ہم اس بچھڑے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یعنی اصل خدا کو چھوڑ دیں گے۔ مگر اس نقلی کو نہیں چھوڑیں گے (خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے)۔

آگے کہا کہ ہم اس وقت تک اس بچھڑے کو پوجیں گے جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں تو حضرت ہارون نے جب دیکھا کہ یہ میری بات نہیں مانتے تو آپ نے اپنے ماننے والوں کو جن کی تعداد بارہ ہزار تھی علیحدہ کر لیا اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

(آیت نمبر۹۲) جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لے آئے اور قوم کا بگڑا ہوا حال دیکھا تو غصے کی حالت میں فرمایا۔ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ بچھڑے کی پرستش کر کے سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر بچھڑے کو پوجنے لگ گئے ہیں۔ تو تم نے انہیں کیوں نہ منع کیا کہ وہ اس برے عمل سے باز آجائیں۔

(آیت نمبر۹۳) مزید فرمایا کہ میرے بھائی جب تم نے دیکھا کہ وہ مکمل گمراہی میں پڑ گئے تو تم نے کیوں نہ میری تابعداری کی کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا یہ فعل غضب خداوندی کا موجب ہے۔ یہ بھی تمہیں معلوم تھا کہ ان کا یہ عمل کفر ہے۔ کفار سے جنگ کرنا فرض ہے۔ ہاں اگر تمہیں ان کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ تو کم از کم مجھے تو آکر مطلع کر دیتے۔ میں فوراً واپس آجاتا اور انہیں راہ پر لے آتا کیا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی اور حکم الٰہی کو بھی مدنظر نہ رکھا۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ

عرض کی اے ماں جائے نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ میرے سر کو۔ بے شک میں ڈرا اس سے کہ آپ کہیں گے

فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

تو نے تفرقہ ڈال دیا درمیان بنی اسرائیل کے اور نہ انتظار کیا میری بات کا۔ فرمایا کیا حال ہے تیرا اے سامری

(آیت نمبر ۹۴) تو جناب ہارون علیہ السلام نے فرمایا۔ اے میری ماں جائے گویا ماں کے واسطے سے ندا دی کیونکہ ماں کی رحمت بہ نسبت باپ کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ماں کا جب نام لیا جائے تو بیٹے کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ بھائی میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑ۔ پتہ تھا کہ ماں کا نام لوں گا تو موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

فائدہ: چونکہ موسیٰ علیہ السلام سخت غصے میں تھے۔ قوم کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئے تو جناب ہارون علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائی صاحب میں ان سے جنگ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن مجھے ڈر یہ تھا کہ جب دو جماعتیں لڑیں گی تو ظاہر ہے جمعیت دو فرقوں میں بٹ جاتی۔ پھر آپ نے یہ کہنا تھا کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور پھر ان کا ملانا بھی بہت مشکل ہو جاتا پھر آپ کہتے کہ تم نے میرے حکم کی حفاظت بھی نہ کی۔ گویا یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت تھی اور معقول عذر انسان کی غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ **فائدہ**: تو بہ عذر ہے لیکن ہر عذر تو بہ نہیں۔

(آیت نمبر ۹۵) حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد سرچشمہ شرارت سامری خبیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس خبطی کو فرمایا او سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ اس غلط کاری سے تیرا کیا مطلب تھا۔ کون سی بات نے تجھے اس کام پر ابھارا۔ یہ گفتگو اس لئے کی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے اس کی شرارت کا اور فتنہ وفساد اور مکر و فریب کا علم ہو جائے بلکہ وہ اپنی غلطی کا خود اعتراف کرے۔ پھر اسے سزا دی جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس سے زیادتی ہوئی اور پھر اسے ایسی سزا دی جائے کہ آئندہ نسلوں میں بھی ایسے جرم کا کوئی نام نہ لے۔

ساری خرابی کی جڑ مال ہے: نہ سونا ہوتا، نہ بچھڑا بنتا نہ اس کی پوجا ہوتی۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے کہ لوگوں کے دل مالوں میں ہوتے ہیں اس لئے مال آسمانوں پر رکھو۔ تاکہ تمہارے دل آسمانوں کی طرف متوجہ رہیں۔ یعنی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو۔ تاکہ وہ آسمانوں میں ثواب بن کر جائے پھر وہ دائمی اور باقی رہے گا۔ دنیا میں رہا تو یوں ہی ختم ہو جائیگا۔ یا تمہیں غلط کاریوں کی طرف لگائے گا۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

کہا میں نے دیکھا جو انہوں نے نہیں دیکھا اس کو تو بھر لی ایک مٹھی اس نشان سے جو فرشتے کا تھا پھر پھینکا اسے

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا

اور یہی اچھا لگا میرے دل کو۔ فرمایا چلا جا بیشک تیری سزا دنیا میں یہ ہے کہ تو کہے گا نہ

مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

چھوئے کوئی اور بے شک تیرے لئے وعدہ کا وقت ہے ہرگز نہیں اس کے خلاف ہوگا اور دیکھ طرف اپنے اس خدا کے

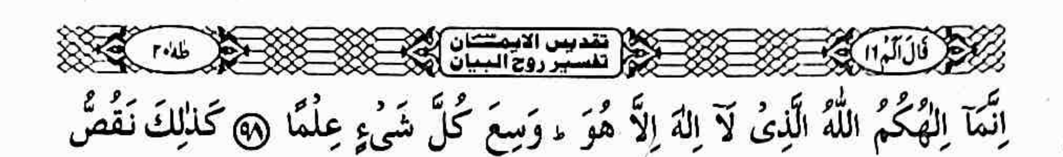
الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

جس پر بیٹھا رہا چوپڑ مار کر۔ ضرور اسے جلاؤں گا پھر بہاؤں گا اسے دریا میں ریزہ ریزہ کر کے۔

(آیت نمبر ۹۶) تو سامری نے جواباً عرض کیا کہ میں نے جو دیکھا وہ دوسرے نہیں دیکھ سکے۔ سامری نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام جس گھوڑی پر ہیں وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے۔ نیچے سے سبزا اگ آتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ فرس الحیاۃ ہے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس مٹی کو اٹھا لوں۔ اسے یہ تو پتہ نہ تھا کہ یہ جبریل ہیں لیکن اس نے صرف یہ دیکھا کہ جانور عام نہیں۔ اس کے قدموں کی مٹی اٹھائی اور بچھڑے کے اندر ڈال دی تو وہ بولنے لگ گیا۔

فائدہ: العرائس میں ہے کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے ہی سنا تھا کہ قدسیوں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ بے جان چیز میں جان ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے سامری نے قدسی فرشتے کی سواری کے قدموں کی مٹی اٹھا کر بچھڑے میں ڈالی اور وہ بولنے لگ گیا (اگر وہ کرامت کی حد تک رہنے دیتے پھر تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن انہوں نے اسے خدائی کا مرتبہ دیکر بہت بڑا ظلم کیا)۔ سامری نے کہا اسی طرح میرے نفس نے سنوار کر مجھے ابھارا۔ یعنی ایک قبیح شیء کو حسین شکل میں کر دکھایا۔ صرف یہ میرے نفس امارہ کی شرارت تھی کہ اس نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا اور میں نے ایسا کر دیا۔ اس میں اور کوئی بات نہیں ہے نہ کوئی سبب ہے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ اسے قتل نہ کریں۔ اس لئے کہ اس میں سخاوت کی عادت ہے۔ جو مجھے پسند ہے اور سخی کو زندگی زیادہ دیتا ہوں لہذا اسے کوئی اور سزا دے دیں۔

(آیت نمبر ۹۷) تو موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا کہ میں تو تجھے قتل کرتا لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے قتل سے منع فرمایا۔ اب تو میرے پاس سے دور چلا جا۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ تو مرتے دم تک کہے گا مجھے نہ چھونا مجھے نہ چھونا۔



اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ

بے شک تمہارا خدا اللہ ہے وہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ گھیرے ہے ہر چیز کو اس کا علم۔ اسی طرح ہم بتاتے ہیں

عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾

آپ کو خبریں ان کی جو پہلے ہوئے۔ اور تحقیق دیا ہم نے آپ کو اپنی طرف سے ایک ذکر۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) سامری کی سزا یہ ہوئی کہ اس کے بدن میں سخت تکلیف رکھ دی گئی۔ ہمہ وقت چیختا چلاتا کوئی دوسرا آدمی قریب آتا تو اسے بھی وہ تکلیف ہو جاتی اور اس کی تکلیف میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ لہٰذا کوئی بھی اس کے قریب آتا تو یہ دور سے ہی کہتا۔ میرے قریب نہ آنا۔ نہ مجھے ہاتھ لگانا۔ ورنہ تم بھی اسی تکلیف میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ اب اس کا لوگوں سے ملنا جلنا بولنا اٹھنا بیٹھنا، سب ختم ہو گیا اور خرید و فروخت جیسے تمام معاملات سے محروم ہو گیا۔ لوگوں سے دور جنگلوں میں جانوروں وحشیوں کے ساتھ زندگی گذارتا تھا۔ آگے فرمایا کہ اب تیرے لئے آخرت کے عذاب کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے خلاف نہیں کرے گا اور ضرور پورا کرے گا۔ جو دنیا کی سزا سے بھی سخت سزا ہے۔ اب تو اپنے خیالی خدا کو دیکھ جس پر تو چوپھڑ مار کر بیٹھا رہا۔ جس کی عبادت میں لگا تار مشغول رہا۔ اب میں اس کو ضرور بہ ضرور آگ میں جلاؤں گا۔ **فائدہ**: اس میں تردید ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بچھڑے میں باقاعدہ حیات آ گئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو جلانے کے بجائے اسے ذبح کیا جاتا۔ اسے جلا کر خاک نہ بنا دیا جاتا اور فرمایا کہ ہم اس کی خاک کو برادہ بنا کر ذرہ ذرہ کر کے اڑائیں گے اور باقی دریا میں بہا دیں گے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایک بت ہی تھا اور کچھ نہیں۔

(آیت نمبر ۹۸) سوائے اس کے نہیں تمہارا معبود جو عبادت کے لائق ہے۔ وہ اللہ ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کا علم ما کان وما یکون کو محیط ہے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت اس لئے بتائی تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا مستحق تو وہی ہو سکتا ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہو اور بچھڑا یا بت تو محض جماد ہیں۔ جن میں حیات ہی نہیں۔ جنہیں اپنی بھی خبر نہیں اور اگر حیات ہو بھی تو بچھڑا تو غبی قسم کے جانوروں میں سے ہے۔ اس کی پوجا تو وہی کرے گا۔ جو اس سے بھی بڑا غبی یعنی پرلے درجے کا بے وقوف ہو۔ جیسے انڈیا میں گائے کی پوجا کرنے والے بے شمار بے وقوف ہیں۔ اور اس کا پیشاب پینا کار ثواب سمجھتے ہیں۔)

(آیت نمبر ۹۹) اے محبوب اسی طرح ہم تمہیں سابقہ خبروں میں سے ایک قصہ سنا رہے ہیں۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ۔ (نبا وہ خبر ہوتی ہے جس سے سننے والے کو فائدہ حاصل ہو) اور وہ جھوٹ سے خالی ہو۔ جیسے خبر متواتر۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ

جو منہ پھیرے گا اس سے پس بے شک اٹھائے گا بروز قیامت بوجھ ہمیشہ رہیں گے اس میں

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿١٠١﴾

اور بہت برا ہوگا ان کا بروز قیامت وہ بوجھ

(بقیہ آیت نمبر۹۹) یعنی اے محبوب ہم آپ کو گذشتہ امتوں کے بعض واقعات بتا رہے ہیں۔جن سے حالات معلوم کرنے کا موقع ملے گا۔علم کی توقیر میں اضافہ ہوگا۔امت کی راہبری ہوگی اور انہیں نصیحت حاصل ہوگی۔

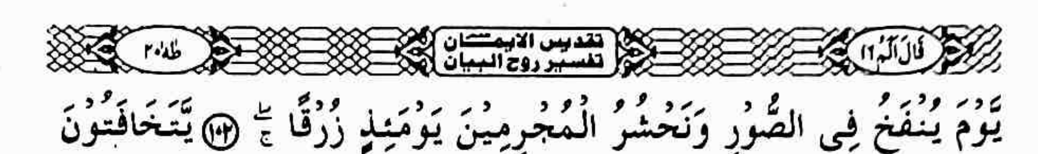
آگے فرمایا۔اور تحقیق ہم نے آپ کو اپنی طرف سے ذکر یعنی شان والی کتاب عطا کی۔جس میں اس قسم کے واقعات ہیں اور ایسی خبریں ہیں۔جن سے غور وفکر کر کے عبرت حاصل کی جائے۔

قرآن کا نام ذکر رکھنے کی وجہ: (۱) یہ وہ لقب ہے جس میں ان امور کا بیان ہے جن کی مومن کو ہمہ وقت ضرورت ہے۔(۲) اس میں نعم الٰہیہ کی کئی انواع کا بیان ہے۔جن سے انسان کو موعظت نصیب ہوتی ہے۔(۳) اس میں حضور ﷺ اور آپ کے غلاموں کا بیان ہے۔اس میں امت محمدیہ کی شرافت کا اظہار ہے۔

(آیت نمبر۱۰۰) جس نے اس عظیم الشان ذکر سے منہ پھیرا۔یعنی اسے پڑھا۔نہ عمل کیا۔نہ اس سے عبرت حاصل کی۔اور پکا منکر ہوا۔تو بے شک وہ منکر قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ سر پر اٹھائے گا۔کفر اور گناہوں کو وزر۔اس لئے کہا کہ جیسے بوجھ اٹھانے والا اپنے بوجھ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔اسی طرح کفر ومعاصی والا بھی سخت تکلیف محسوس کرے گا۔

(آیت نمبر۱۰۱) وہ تکلیف میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور ان کیلئے یہ قیامت کے دن میں بوجھ اٹھانا بہت برا ہوگا۔

فائدہ: ذکر ایمانی ویقینی بندے کو اعراض عن الدنیا۔اور اقبال الی الآخرۃ کا وارث بناتا ہے۔



يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ

جس دن پھونکا جائیگا صور میں اور ہم اٹھائیں گے مجرموں کو اس دن نیلی آنکھوں والا۔ چپکے چپکے کہیں گے

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾

آپس میں نہیں ٹھہرے تم مگر دس راتیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۱) **فائدہ**: ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے۔ ذاکر مذکور میں اپنے ذکر کو ایسا فنا کردے کہ اس کے اپنے نفس و وجود کا نام و نشان نہ رہے۔ **فائدہ**: توحید افضل العبادات ہے اور ذکر الٰہی اقرب القربات ہے۔ ہر عبادت کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا۔ لیکن ذکر کیلئے کوئی وقت کی قید نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۲) جس دن صور میں پھونکا جائے گا جو اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے اور ہم لوگوں کو قبروں سے نکال کر اکٹھا کریں گے جو دنیا میں جرائم اور معاصی میں منہمک رہے۔ ان کا حال بہت برا ہوگا۔

فائدہ: صور پھونکنے کا ذکر اس لئے کیا تا کہ اس کی ہیبت اور ہولناکی ذہنوں میں رہے تو فرمایا کہ جب ہم قبروں سے نکالیں گے تو آنکھوں کا رنگ بہت برا ہوگا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ آنکھیں اس وقت نیلی ہونگی۔ حدیث شریف میں بھی ایسے ہی ہے۔

فائدہ: مفردات میں امام راغب فرماتے ہیں کہ مجرم آنکھوں سے اندھے ہوں گے کہ ان میں نور نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۰۳) آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہونگے۔ یعنی خوف حساب اور ذلت کی وجہ سے سینے بند ہوں گے۔ ان پر ضعف (کمزوری) غالب ہوگی۔ آواز بالکل بند ہوگی۔ اس لئے آہستہ آہستہ باتیں کریں گے کہ ہم دنیا میں تو نہیں ٹھہرے یا قبر میں نہیں رہے مگر دس گھڑیاں۔ کیونکہ آرام کی گھڑیاں جلد گذر جاتی ہیں۔ جلالین میں ہے کہ اس سے ان کی مراد دو نفخوں کے درمیان والی مدت ہے۔ یہ تو تقریباً چالیس سال کا زمانہ ہے اس مدت میں عذاب بھی موقوف ہو جائیگا۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

ہم خوب جانتے ہیں جو کہیں گے جبکہ کہے گا ان کا بہتر رائے دینے والا نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

اور پوچھتے ہیں آپ سے پہاڑوں کے بارے پس کہہ دو اڑا دے گا میرا رب ریزہ ریزہ کرکے۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

پھر چھوڑ دے گا زمین کو چٹیل میدان۔

(آیت نمبر۱۰۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں علم ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اور ان کے ٹھہرنے کی مدت کیا ہے۔ جب ان میں پختہ رائے والے کہیں گے۔ یعنی قوم کے برگزیدہ لوگ کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن۔ چونکہ ہول اور خوف میں وہ بھی حواس باختہ ہوں گے۔ تو وہ بھی اتنی بڑی مدت کو ایک ہی دن سے تعبیر کریں گے۔ (دراصل آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک دن سے بھی کم نظر آئے گی)۔ **سبق**: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی خواہشات وشہوات میں وقت ضائع نہ کرے۔ یہ دنیا کی عیش چند روز ہے لیکن نتیجہ خطرناک ہوگا۔ اگر یوں وقت ضائع کردیا۔

(آیت نمبر۱۰۵) اے محبوب آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

سوال یا تو لاعلمی دور کرنے کیلئے یا مخالف کو خاموش کرانے کیلئے یا پوچھے ہوئے سے پہچان کرانے کیلئے۔ یا مخاطب کو معلوم ہے تو اس سے مطلع ہونے کیلئے سوال کیا جاتا ہے۔ جبل کا معنی پہاڑ ہے۔ دنیا میں کل پہاڑ چھ ہزار چھ سو تہتر ہیں جو بڑے ہیں چھوٹی پہاڑیوں کی تعداد اس میں داخل نہیں ہے۔ لہذا اے محبوب انہیں بتادیں۔ میرا رب کریم اپنی قدرت کاملہ سے ان سب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردے گا۔ قاموس میں ہے کہ انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اڑتی غبار کی طرح کردے گا۔ اللہ تعالیٰ اس جہان کی تمام اشیاء کا مٹ جانا مقدر فرما چکا ہے۔ پھر جب سب کچھ مٹ جائیگا تو انہیں بھی مٹایا جائیگا یہ پہاڑ وغیرہ بھی باقی اشیاء کے ساتھ بیک وقت مٹ جائیں گے۔

(آیت نمبر۱۰۶) پھر اللہ تعالیٰ زمین کو چٹیل میدان کی طرح کردے گا۔ یعنی سب کچھ ملیا میٹ ہوجائیگا۔ ایسے معلوم ہوگا کہ جیسے اس کی تمام اجزاء ہر طرف سے گویا برابر ہوگئے ہیں۔ جیسے کوئی کسی چیز کو غیر معتبر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ اور اس پہلی زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائیگا۔

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ

نہ دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ اونچ نیچ۔ اس دن پیچھے چلیں گے پکارنے والے کے نہیں کجی ہوگی اسے

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اور پست ہوں گی آوازیں رحمٰن کے حضور تو نہیں تو سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔

(آیت نمبر ۱۰۷) اس وقت کی زمین میں نہیں دیکھے گا تو اس میں نہ ٹیڑھا پن نہ اونچ نیچ۔ زمین ایک سرے سے دوسرے سرے تک بالکل برابر ہو جائے گی۔ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گے۔

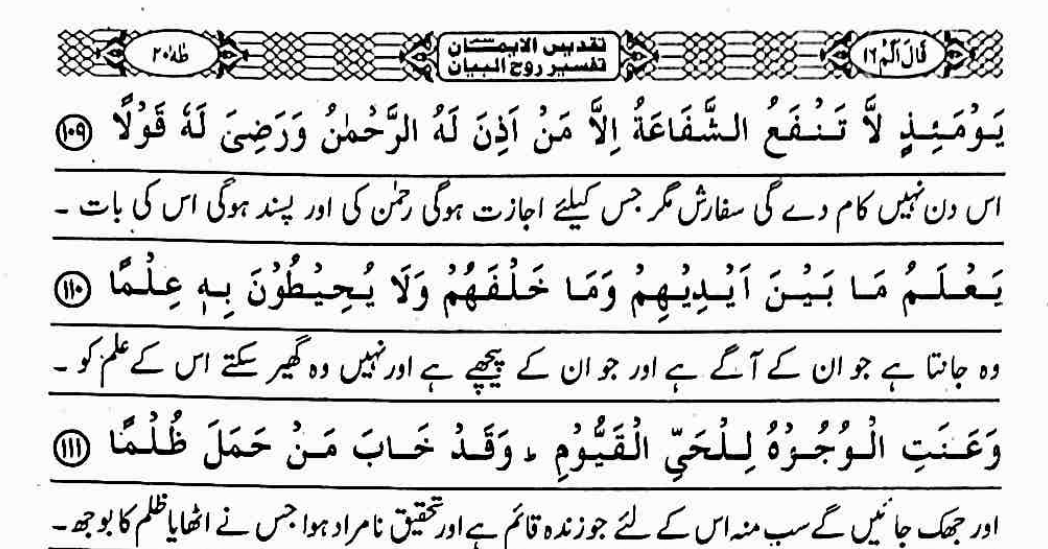
فائدہ: یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جسے رویت حاصل ہو۔ وہ دیکھ لے گا۔ پوری روئے زمین برابر ہوگی۔ اونچائی نیچائی کا کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔

(آیت نمبر ۱۰۸) اس دن یعنی جس دن پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اس دن لوگ بلانے والے کے پیچھے چلیں گے جو انہیں محشر و موقف کی طرف لے جائیگا۔ اس سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں جو نفخہ ثانیہ کے بعد صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اس طرح آواز دیں گے۔ اے بوسیدہ ہڈیو۔ اے متفرق جوڑو۔ اے گوشت کے ٹکڑو۔ اٹھو اور رب رحمٰن کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ۔

فائدہ: اس آواز پر لوگ ہر طرف سے اٹھ کر چل پڑیں گے۔ پھر کوئی اس آواز پر ادھر ادھر نہیں جائیگا۔ بلکہ وہ سیدھا اس طرف چلے گا۔ جدھر سے آواز آ رہا ہوگا اور ہیبت ربانی سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔ اور نہیں سنو گے تم مگر ہلکی سی آواز۔

الدرۃ الفاخرہ میں محشر کا نقشہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب اسرافیل صور میں پھونکیں گے تو پہاڑ اڑ جائیں گے۔ دنیا کی تمام نہریں اور دریا آپس میں مل جائیں گے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہوگا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ زمین و آسمان متغیر ہو جائیں گے۔ تمام جہانوں کا ہر فرد موت کے منہ میں چلا جائیگا۔ الخ۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا۔ وہ صخر بیت المقدس پر پھر صور میں پھونکیں گے تو اس صور کے سوراخوں سے تمام ارواح نکل کر اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گے وہ سب پوری زمین پر پھیل جائیں گے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ حق کی اتباع کرے کیونکہ حق کے سوا سب باطل ہے۔



يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

اس دن نہیں کام دے گی سفارش مگر جس کیلئے اجازت ہوگی رحمٰن کی اور پسند ہوگی اس کی بات ۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور نہیں وہ گھیر سکتے اس کے علم کو ۔

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اور جھک جائیں گے سب منہ اس کے لئے جو زندہ قائم ہے اور تحقیق نامراد ہوا جس نے اٹھایا ظلم کا بوجھ ۔

(آیت نمبر ١٠٩) اس ہیبت ناک دن میں کسی کی سفارش فائدہ نہیں دے گی۔ سوائے اس کے جسے رحمٰن کی طرف اجازت ہوگی کہ وہ کس کے لئے شفاعت کرے (یعنی نہ ہر آدمی شفاعت کرے نہ ہر ایک کیلئے شفاعت کی اجازت ہوگی) وہی شفاعت کرے گا۔ جس کی بات کہنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

(آیت نمبر ١١٠) اللہ تعالیٰ ان کے گذرے حالات کو بھی جانتا ہے اور آنے والوں کے حالات کو بھی جانتا ہے۔

فائدہ کاشفی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیوی امور کو اور اخروی امور کو جانتا ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(آیت نمبر ١١١) اور جھک جائیں گے حی وقیوم کے سامنے سب چہرے۔ یہاں سے چہرہ مراد ہے خواہ مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ یا یہاں الف لام عہدی ہے۔ اس سے صرف گناہ گاروں کے چہرے مراد ہیں چونکہ ہر طرح سے عاجز ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ حی وقیوم ذات کے سامنے وہ اپنے چہرے اوپر نہیں اٹھا سکیں گے۔

فائدہ :تمام عالم کا حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا کرشمہ ہے۔ اگر جہاں کا ہر فرد حسن یوسفی کا آئینہ دار ہو جائے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کے آگے کچھ بھی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حسن و جمال سے پردہ ہٹا دے تو ساری دنیا کا حسن و جمال اس کے سامنے جھک جائے۔ **فائدہ** :ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم تلاش کرنا ہو تو ان صورتوں میں تلاش کرو: (١) سورہ بقرہ، (٢) آل عمران، (٣) طہٰ۔

فائدہ :روایت کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ تینوں آیات "لا الہ الا ھو الحی القیوم" ہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو کرے کام نیک اور وہ مومن ہو تو نہیں ڈرے گا زیادتی سے اور نہ نقصان سے ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱۱) آگے فرمایا کہ وہ گھاٹے میں رہا جس نے اپنے سر پر ظلم اٹھایا۔ یعنی شرک کیا اور مرتے دم تک توبہ نہیں کی۔ آگے فرمایا۔ کہ وہ شخص خائب وخاسر رہا۔ جس نے ظلم یعنی شرک کیا۔ اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ دنیا میں بھی وہ ذلیل وخوار ہوگا۔ اور آخرت میں ہمیشہ کیلئے جہنم کا عذاب ہوگا۔

(آیت نمبر۱۱۲) اور جو بھی نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔ ایمان کی شرط عبادات کے صحیح اور مقبول حسنات کی وجہ سے ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں۔ اس ایمان اور نیک عمل والے کو اس بات کا کوئی ڈر نہیں ہوگا کہ شاید ثواب نہ ملے یا قدر واستحقاق سے کم ملے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

فائدہ : کاشفی لکھتے ہیں کہ اس دن مومن اپنے اوپر زیادتی ہونے سے نہیں ڈرے گا۔ جس طرح بڑا مجرم گناہ گار ڈرے گا یعنی مومن کی نیکیوں میں کمی نہیں ہوگی نہ برائیوں میں زیادتی ہوگی۔

سبق : اعمال صالحہ پر التزام جس طرح ضروری ہے۔ اسی طرح برائیوں سے بچنا بھی لازم ہے۔ اس لئے کہ بروز قیامت ہر شخص کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اور نیک اعمال سے ہی اچھا انجام پائے گا۔

فائدہ : سب سے اعلیٰ اعمال فرائض کی ادائیگی اور حرام چیزوں سے پرہیز ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں خواہشات نفسانی کی اتباع کی ایک علامت یہ ہے کہ نفلی عبادت زیادہ ہو اور فرائض میں سستی ہو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ عام پیروں کو دیکھا گیا ہے کہ نفلی کاموں میں زور دیں گے (تسبیح ہاتھ میں ہر وقت یارہویں شریف باقاعدگی سے میلاد کو فرض سمجھتے ہیں) اوراد ووظائف کثرت سے لیکن فرائض پہلے تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھیں بھی تو بڑی سستی سے اور لاپرواہی سے۔ ایسے لوگ اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے وصول الی اللہ سے محروم ہیں۔

مرشد کامل کی ضرورت : نیک اعمال سے بندہ عابد ضرور ہو جاتا ہے لیکن معرفت الٰہیہ اور بلند ترین مقامات تک رسائی کیلئے مرشد کامل کی از حد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ان کا حصول ناممکن ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مشائخ نے بڑے بڑے اولیاء مقربین اور ابرار کی صحبت کیلئے دور دور تک سفر کئے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے اتارا اس قرآن کو عربی میں اور طرح طرح سے اس میں وعدے دیئے کہ شاید وہ ڈریں

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ

یا پیدا ہو ان کے دل میں کوئی سوچ۔ تو سب سے بلند اللہ جو بادشاہ ہے سچا اور نہ جلدی کریں قرآن میں

مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اس سے پہلے کہ ختم ہو آپ پر وحی اس کی۔ اور کہو اے میرے رب زیادہ دے مجھے علم۔

(آیت نمبر ۱۱۳) اسی طرح ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا۔ جس طرح ہم نے سابقہ آیات نازل فرمائیں۔ جن میں قیامت کی ہولنا کیوں کا بیان ہے اور وعیدیں بیان کی گئیں اور یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا تا کہ عرب کے لوگ اس کے معجزے کو جانیں اور انہیں یقین ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ جیسے ہم نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر کتابیں اور صحیفے ان کی ہی زبان میں نازل فرمائے۔ ایسے ہی ہم نے قرآن آپ کی لغت عرب میں اتارا۔ اور اس قرآن میں بعض وعیدیں بار بار بیان فرمائیں۔ جیسے طوفان کا بیان رجفہ، صیحہ، خسف اور مسخ وغیرہ کو۔ **فائدہ**: تاویلات میں ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کو ان مختلف سزاؤں سے ڈرایا۔ جن میں سابقہ قومیں مبتلا ہوئیں اور پھر بار بار انہیں دہرایا تا کہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور شاید وہ کفر سے اور گناہوں سے بچ جائیں۔ یا ان میں فکر پیدا ہو۔ یعنی قرآن مجید اتارنے کا مقصد یہ ہے تا کہ پہلے لوگوں کے حالات اور ان کی بربادی کے احوال خود پڑھ کر یا سن کر یہ لوگ اپنی آخرت سنوار لیں اور متقی اور پرہیز گار بن جائیں۔ اور پھر جنت کے حق دار بن جائیں۔

(آیت نمبر ۱۱۴) اللہ تعالیٰ کا مرتبہ اعلیٰ و بالا ہے کیونکہ وہی مؤثر واجب لذاتہ ہے۔ باقی کل کائنات ممکن ہے۔ واجب اور ممکن میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ اسی کا حکم نافذ ہے۔ اسی سے امید اور اسی کا خوف بھی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کی سلطنت برحق ہے۔

آگے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام سے قرآن اخذ کرنے میں جلدی نہ کریں جب تک کہ وہ وحی آپ تک پوری نہ کر دیں۔ یعنی جبریل امین تلاوت کر رہے ہوں تو آپ صرف اسے سنیں۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

اور البتہ تحقیق ہم نے وعدہ لیا آدم سے اس سے پہلے تو وہ بھول گیا اور نہیں پایا ہم نے اس کا اس میں ارادہ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱۴) **شان نزول** : جبریل علیہ السلام جب وحی حضور ﷺ کے سامنے پڑھتے تو حضور ﷺ جلدی جلدی اس کو دہراتے تاکہ یاد ہو جائے اور کوئی حرف رہ نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جب تک جبریل تلاوت پوری نہ کرلیں آپ نہ پڑھیں۔یعنی آپ اس کو حاصل کرنے میں جلدی نہ کریں۔ جب وہ پڑھ لیں۔ پھر آپ پڑھیں اور ساتھ ساتھ یہ دعا بھی پڑھیں کہ اے میرے رب میرے علم میں اور اس کے ادراک میں اضافہ فرما اور اس کلام کے انوار میں سے نور عطا فرما اور اس کے احکام کے مطابق چلا۔

فائدہ :بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اس علم سے مراد قرآن کا علم ہے کہ جوں جوں قرآن کا نزول ہوتا۔آپ کے علم میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس کے بعد یہ کلمات بھی ادا فرماتے:"اللھم زدنی ایمانا ویقینا" کہ اے اللہ میرے ایمان اور یقین میں بھی اضافہ فرما۔

نکتہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں اضافہ خضر علیہ السلام کے ذریعے کیا اور اپنے محبوب کو بن مانگے دیا اور کسی غیر کا انہیں محتاج نہیں بنایا اور اتنا علم دیا کہ اگلوں پچھلوں کا علم سکھا دیا اور جو نہیں جانتے تھے وہ سب سکھا دیا۔(وعلمك مالم تكن تعلم)

(آیت نمبر۱۱۵) اور البتہ تحقیق ہم نے آدم علیہ السلام سے وعدہ لیا یعنی ان کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ درخت سے کھانا تو درکنار اس کے قریب بھی نہ جانا۔ یہ ہم نے انہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا لیکن وہ بھول گئے۔یعنی وعدہ وفا نہ کر سکے۔

فائدہ :اللہ تعالیٰ نے جس خطا کی مذمت فرمائی ہے وہ ہے جو جان بوجھ کر ہو اور جس خطا میں نسیان کا عذر ہو وہ معاف ہے جیسا کہ ایک **حدیث شریف** میں ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اٹھا دیا (اخرجہ مسلم)۔اس لئے آدم علیہ السلام کی اس خطا کو پھسلنے سے تعبیر کیا کہ شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ ہم نے آدم کا ارادہ اس میں نہیں پایا۔ جیسے کوئی آدمی پھسل جاتا ہے تو اس پھسلنے میں اس کی اپنی مرضی نہیں ہوتی۔ پھسلنا کہتے ہی اسی کو ہیں۔ کہ جس میں پھسلنے والے کی اپنی مرضی نہیں ہوتی۔

فائدہ :یہاں مقام غور ہے کہ اتنے بلند مراتب والا ہونے کے باوجود آدم علیہ السلام پر وار کر کے شیطان کامیاب ہو گیا پھر ہماری کیا حیثیت ہے یاد رہے نسیان کا سب سے بڑا سبب گناہ ہے۔ گناہ نہ کرو نسیان نہیں ہوگا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ تو ہم نے بتادیا

يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

اے آدم بے شک یہ دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا تو کہیں نکلوا نہ دے تمہیں جنت سے پھر تم مشقت میں پڑو۔

(آیت نمبر ۱۱۶) اے محبوب وہ وقت یاد کریں۔ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو۔

آدم کو سجدہ کرانے کی کئی وجوہات ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انہیں اسماء کا علم دیا گیا۔ ملائکہ کے پاس یہ علم نہ تھا۔ جب آدم علیہ السلام نے انہیں وہ اسماء بتائے تو ان کی علمی برتری کا تقاضا ہوا کہ فرشتے انہیں سجدہ کریں تو تمام فرشتوں نے جناب آدم کو سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنانے کا فرشتوں کے سامنے ذکر کیا تو فرشتوں نے جو کلام کی اس میں ایک اعتراض کا پہلو نکلتا تھا۔ جب آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے اسماء کا علم اور خلافت کی استعداد رکھی تو فرمایا کہ اے فرشتو یہ علم میں تم سے افضل ہو گیا، تم نے اعتراض کر کے اس کی توہین کی ہے۔ لہذا اب استغفار بھی کرو اور اس کے کفارہ میں اس کے آگے سجدہ بھی کرو تو تمام فرشتوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور حکم الٰہی کے مطابق سر تسلیم خم کیا اور آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ بھی کیا۔ مگر شیطان اس اعتراض پر ڈٹ گیا۔

(آیت نمبر ۱۱۷) تو ہم نے آدم علیہ السلام کو بطور نصیحت بتا دیا تھا کہ اے آدم یہ ذلیل جس نے آپ کی توہین کی ہے یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ اس نے آپ پر انعامات دیکھ کر حسد کیا۔ معلوم ہوا حاسد دشمن ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جس سے حسد کرتا ہے۔ اسے زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہمہ وقت اس کی بدحالی کا خواہاں رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو علم آدم علیہ السلام کے پاس تھا۔ وہ اس کو نہیں دیا گیا۔ اسے اس کی بھی تکلیف تھی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ آدم مٹی اور پانی سے اور وہ خبیث آگ سے بنا۔ ان دونوں کی آپس میں دشمنی ابدی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خبردار کیا کہ یہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا۔ کہ اگر تم جنت سے نکل گئے تو تم رنج و مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے یعنی زمین پر جا کر طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِيۡهَا وَلَا تَعۡرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظۡمَؤُا فِيۡهَا

بے شک تجھے نہ بھوک ہوگی جنت میں اور نہ ننگے ہوگے۔ اور بے شک تمہیں نہ پیاس ہوگی اس میں

وَلَا تَضۡحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسۡوَسَ اِلَيۡهِ الشَّيۡطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ

اور نہ دھوپ۔ پھر وسوسہ دیکر اسے شیطان نے کہا اے آدم کیا بتاؤں تجھے درخت ہمیشہ زندہ رکھنے والا

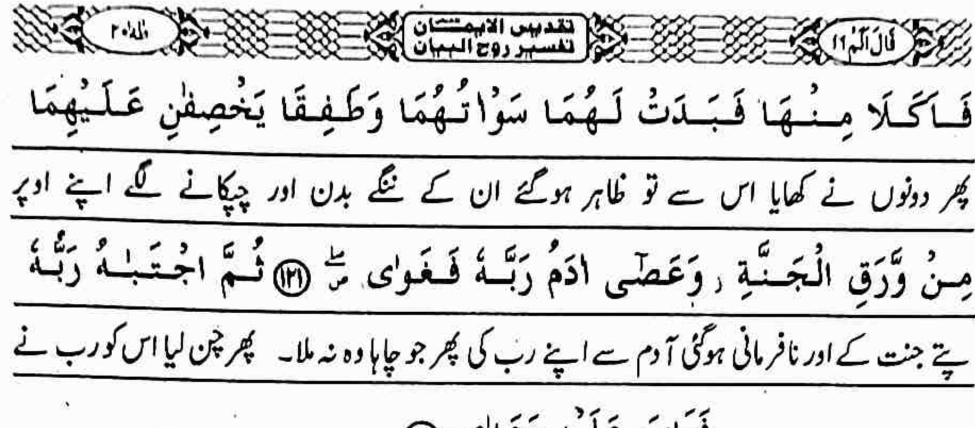
وَمُلۡكٍ لَّا يَبۡلٰى ﴿۱۲۰﴾

اور بادشاہی نہ پرانی ہونے والی۔

(آیت نمبر ۱۱۸) اب تو تم جنت میں رہو یہاں بھوک وغیرہ نہیں ہر طرح کی نعمتیں ہمہ وقت حاضر ہونگی اور نہ ہی آپ کپڑوں کے بغیر رہیں گے۔ اعلیٰ لباس اور اعلیٰ کھانے ہر وقت موجود ہیں بغیر مشقت کے ملیں گے۔

(آیت نمبر ۱۱۹) کیونکہ وہاں اعلیٰ قسم کے چشمے ہمہ وقت جاری ہیں۔ وہاں پیاس کا کیا کام اور نہ وہاں دھوپ ہوگی جب سورج ہی نہیں ہوگا تو دھوپ کہاں ہوگی (چونکہ عرب میں دھوپ اور گرمی اور پیاس اور صاف پانی کی کمی۔ آج سے سو دو سو سال پہلے تک یہی حال تھا۔ خصوصاً جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اس وقت سب سے زیادہ تکلیف دہ چیزیں یہی تھیں۔ اس لئے ان کو بتایا جا رہا ہے کہ پانی کی فراوانی ہوگی دھوپ اور پیاس نہیں ہوگی وغیرہ)۔

(آیت نمبر ۱۲۰) پس شیطان کا وسوسہ جناب آدم علیہ السلام تک پہنچایا۔ شیطان خبیث نے پہلے ان آدم وحوا کو یہ باور کرایا کہ تم ایک دن مر جاؤ گے یعنی سامنے کہا یا یہ وسوسہ ان کے دل میں ڈالا۔ تو آدم وحوا اس بات سے از حد غمزدہ ہوئے جب اس نے دیکھا کہ پہلا تیر کام کر گیا۔ اب وہ بوڑھے انسان کی شکل میں ان کے سامنے آ کر مغموم شکل بنا کر کہنے لگا تم موت سے پریشان ہو تو میرے پاس اس کا علاج ہے پوچھا کون سا علاج۔ کہنے لگا کہ اے آدم تجھے وہ درخت بتاؤں جو اسے کھا لیتا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اسے موت نہیں آتی پہلے تو وہ فرشتہ بن جاتا ہے ورنہ وہ اسی حالت میں رہتا ہے اور ایسی بادشاہی مل جاتی ہے کہ وہ کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے تو شیطان انہیں پکڑ کر اسی درخت کے پاس لے گیا۔ جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ (درخت دیکھ سوچ میں پڑ گئے۔ کاش فرشتوں سے مشورہ کر لیتے)۔ کئی دن تک آپ سوچتے رہے۔ اور ان دنوں میں جناب حوا نے اس سے کھا بھی لیا۔ اور جناب آدم علیہ السلام سے کہا آپ بھی کھالیں۔ میں نے کھایا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔



فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

پھر دونوں نے کھایا اس سے تو ظاہر ہوگئے ان کے ننگے بدن اور چپکانے لگے اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

پتے جنت کے اور نافرمانی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی پھر جو چاہا وہ نہ ملا۔ پھر چن لیا اس کو رب نے

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝۱۲۲

تو رجوع کیا اس پر اور اپنے قرب کی راہ دی۔

(آیت نمبر۱۲۱) تو دونوں نے اس درخت سے کچھ کھایا ہی تھا کہ ان سے جنتی لباس اتار لئے گئے ان کے بدن ننگے ہوگئے۔ اس وجہ سے ان دونوں کو بڑی شرم وحیا محسوس ہوئی۔ **حدیث شریف:** ابی بن کعب روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور ستر کھل گیا تو شرم کے مارے بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہاں بھاگتے ہو۔ عرض کی یا اللہ تجھ سے شرم آتی ہے۔ اب دونوں بیوی خاوند درختوں کے پتے اتار کر بدن پر چپکانے لگے تو فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) سے حکم الٰہی میں خلاف ورزی ہوگئی اور شیطان کے دھوکے میں آگئے۔ (معالم التنزیل)

انبیاء علیہم السلام کی عصمت: اہل سنت کے نزدیک مسلمہ ہے وہ صغائر اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔ معمولی لغزش جو ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حق سے نکل کر باطل کی طرف چلے گئے (معاذ اللہ) البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کر لیا۔ یا افضل سے مفضول کے درجے میں آگئے۔

(آیت نمبر۱۲۲) اس لغزش کے بعد اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو پھر اپنے لئے چن لیا۔ یعنی توبہ کی توفیق دی اور پھر اپنا قرب عطا فرمایا پھر جب بیوی خاوند دونوں نے "ربنا ظلمنا انفسنا" کہہ کر اقرار کر لیا تو دونوں کی توبہ منظور کر لی گئی اور قرب بھی عطا ہوا اور ان کی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف راہنمائی فرمائی۔

عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کیلئے جو لفظ غوی وغیرہ کہے وہ مالک ہے جو چاہے کہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو جو چاہے کہے۔ لیکن اس کے نوکروں غلاموں کا حق نہیں کہ وہ لفظ جو باپ نے کہے وہی نوکر بھی کہے۔ یا بندہ اپنے متعلق کہے کہ میں تو نالائق ہوں اس کا نوکر بھی لوگوں کو بتائے کہ ہمارے مالک تو نالائق آدمی ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو یہ کہا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ

فرمایا اتر جاؤ اس سے سب بعض تم میں بعض کا دشمن ہے۔ پھر اگر تمہاری طرف آئے میری طرف سے ہدایت

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی پھر نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت۔

(بقیہ آیت نمبر۱۲۲) جیسے آدم علیہ السلام نے فرمایا اے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو کوئی کہنا شروع کر دے کہ وہ معاذ اللہ ظالم تھے۔ ان باتوں کے کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ جن باتوں سے نبی کی توہین ہوتی ہو۔

توبہ قبول کیسے ہوئی: اس پر بہت روایات ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دعا کے کچھ ایسے کلمات تھے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دل میں القاء فرمائے۔ آپ نے وہ پڑھے تو ان کی توبہ منظور ہوگئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے اپنی بخشش کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو انہیں کیسے جانتا ہے جبکہ ابھی میں نے اسے پیدا ہی نہیں کیا تو عرض کی اے اللہ میرا پتلا تیار ہونے کے بعد جب تو نے مجھ میں روح ڈالی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا عرش کے پائے پر لکھا تھا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں جان گیا کہ جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ یقیناً وہ تجھے سب سے زیادہ پیارا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہاں اے آدم یقیناً وہ مجھے سب سے پیارا ہے۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی نہ بناتا۔ (بیہقی)

(آیت نمبر۱۲۳) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تم زمین پر چلے جاؤ۔ بظاہر یہ خطاب بطور عتاب نظر آتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ عتاب نہیں۔ آگے فرمایا۔ کہ بعض تمہارا بعض کا دشمن ہے۔ تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی۔ جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیوی معاملات کیا دینی معاملات میں بھی جنگ وجدال جاری ہے۔ یا مراد ہے۔ کہ تیری اور شیطان کی ہمیشہ جاری رہے گی۔ بعض نے لکھا کہ جنت سے سانپ نیولا وغیرہ کو جناب آدم وحوا کے ساتھ زمین پر اتار کر فرمایا۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ آگے فرمایا تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت یعنی وقتاً فوقتاً کتاب اور رسول آئیں گے جس کے ذریعے ہدایت ملے گی تو جس نے ہدایت کی پیروی کی یعنی کتاب پر ایمان لایا اور رسول کی تصدیق کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدبخت ہوگا۔ یعنی اخروی عذاب میں مبتلا نہ ہوگا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے پھر بے شک اس کی زندگی تنگ ہوگی اور ہم اٹھائیں گے اسے بروز قیامت

اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

اندھا۔ کہے گا میرے رب کیوں اٹھایا مجھے اندھا حالانکہ تحقیق میں تھا انکھیارا ۔ فرمائے گا یوں ہی

اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں تو تو نے انہیں بھلا دیا ایسے ہی آج کوئی میری خبر نہ لے گا

(آیت نمبر ۱۲۴) اور جس نے میری ذکر (ہدایت سے) روگردانی کی تو بے شک وہ معاشی طور پر تنگ دست ہی رہے گا کیونکہ ذکر مفتاح القلوب ہے۔ اس سے منہ پھیر لینا تو اپنے لئے در فیض کو بند کرنا ہے اور پھر اس روگردانی کرنے والے کا حشر یہ ہوگا کہ وہ بروز قیامت اندھا اٹھے گا اور دوسری جگہ فرمایا: اندھا۔ بہرا گونگا اٹھے گا۔

فائدہ :مولا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا، وہ آخرت میں بھی نہیں پہچانے گا۔

(آیت نمبر ۱۲۵) وہ کہے گا میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں کیا۔ حالانکہ میری دنیا میں تو آنکھیں درست صحیح وسلامت تھیں۔ دنیوی سارے کاروبار دیکھ کے کیا کرتا تھا تو یہ آج کیا ہوا کہ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

(آیت نمبر ۱۲۶) تو نے بھی تو ایسا ہی کیا تھا۔ تیرے پاس میری آیات آئیں۔ آیات سے مراد یا تو قرآنی آیات یا قدرت خداوندی پر دلالت کرنے والی نشانیاں جو میری وحدانیت پر واضح دلیلیں تھیں تو تو نے انہیں دیکھا تک نہیں یا دیکھ کر ایسے بھلا دیا جیسے تو نے نہیں دیکھا تو اسی طرح آج ہم نے بھی تجھے اندھا کر کے چھوڑ دیا۔ جیسے تو نے ہماری آیات کو پس پشت چھوڑ دیا۔

فائدہ :یہ اندھا پن کچھ وقت کیلئے ہوگا پھر اپنی سزا اور اعمالنامہ سب اسے نظر آنے لگ جائے گا تاکہ اسے عذاب دکھایا جائے۔ کیونکہ عذاب ہونا الگ سزا ہے۔ دیکھ کر دہشت زدہ ہونا یہ الگ سزا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

اور یوں ہی اسے بدلہ دیتے ہیں جو حد سے بڑھے اور نہ ایمان لائے آیات ربانی پر اور عذاب قیامت کا سخت تر

وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ

اور دیر پا ہے۔ تو کیا نہیں ہدایت ہوئی انہیں کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے کئی سنگتیں جو چلتے پھرتے تھے

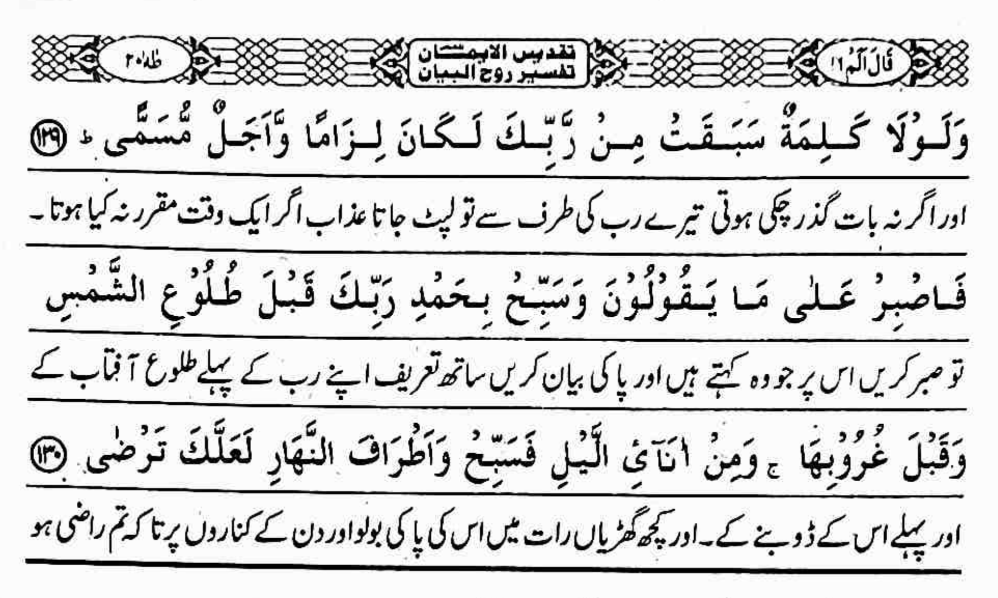
فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ع ﴿١٢٨﴾

اپنے گھروں میں۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں عقل مندون کیلئے

(آیت نمبر ۱۲۷) اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اسے جو اس قسم کے اعمال کرے اور ہماری مقرر کردہ حد سے تجاوز کرے اور وہ آیات خداوندی یعنی قرآنی آیات یا رسولوں کے معجزات پر ایمان نہیں رکھتا۔ بلکہ ان کی تکذیب کی اور ان سے روگردانی کی۔ تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ آخرت کا عذاب دنیا کی تکالیف سے زیادہ سخت بھی ہے اور دائمی بھی یعنی ہمیشہ رہنے والا جو ایک لحہ کیلئے بھی بند نہیں ہوگا۔ لہذا جو چاہتا ہے کہ اسے بخشش اور ثواب ملے تو وہ دنیا میں اطاعت الٰہی کرے۔ کفر وشرک نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز کرے۔ تا کہ کامیاب ہو۔

(آیت نمبر ۱۲۸) اے محبوب کیا یہ اہل مکہ غافل ہیں۔ انہیں سبق نہیں ملا کہ ہم نے پہلے زمانے میں کتنے ہی انسانوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ وبرباد کیا وہ بھی اسی زمین پر ان کی ہی طرح گھروں میں پر امن تھے۔ چلتے پھرتے تھے۔ جیسے اصحاب حجر، قوم ثمود، قوم لوط کی بستیاں اور یہ اہل مکہ جب شام کی طرف جاتے ہیں تو یہ ان بستیوں کے پاس سے ہی گذرتے ہیں۔ ان کی تباہی اور بربادی کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہدایت حاصل کرنے کیلئے یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے جلد تر ہدایت مل جاتی ہے۔ ان کو چاہئے کہ سابقہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔ آگے فرمایا کہ ان کی ہلاکت میں واضح نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے۔

فائدہ: عقل مند وہی لوگ ہیں جو آخرت کی فکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نیک اعمال کرتے ہیں۔



وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ؕ ﴿۱۲۹﴾

اور اگر نہ بات گذر چکی ہوتی تیرے رب کی طرف سے تو لپٹ جاتا عذاب اگر ایک وقت مقرر نہ کیا ہوتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

تو صبر کریں اس پر جو وہ کہتے ہیں اور پاکی بیان کریں ساتھ تعریف اپنے رب کے پہلے طلوع آفتاب کے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

اور پہلے اس کے ڈوبنے کے۔ اور کچھ گھڑیاں رات میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر تاکہ تم راضی ہو

(آیت نمبر ۱۲۹) اور اگر تیرے رب کا کلمہ سبقت نہ کر گیا ہوتا۔

فائدہ: اس کلمہ سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ سے کیا ہے کہ آپ کی امت پر جلد عذاب نہیں آئے گا۔ اس امت سے مراد امت دعوت (کفار) ہے اور تاخیر عذاب میں اس کی حکمت کا یہی تقاضا تھا۔ حکم الٰہی کے مطابق فرشتوں نے لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ حضور ﷺ کی امت پر پہلی امتوں کی طرح ہلاکت نہیں آئے گی۔ عذاب مؤخر کر دیا گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کفار کی نسلوں سے مسلمان پیدا ہوں گے (حضور ﷺ کے طفیل ہی ہم بھی عذاب سے بچتے جا رہے ہیں)۔

تو آگے فرمایا کہ اگر یہ وعدہ والا کلمہ نہ ہوتا تو ان کے کرتوتوں کی سزا ان کو چمٹ گئی ہوتی۔ یعنی کبھی کے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہوتے۔ جیسے پہلی امتوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ ان کی موت کا بھی ایک وقت مقرر ہے یا ان کے لئے بھی عذاب کا وقت مقرر ہے۔ **فائدہ**: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی ترغیب دی ہے۔ اس میں بندوں کا ہی فائدہ ہے کہ دنیا آخرت میں اس کا فضل و کرم حاصل کریں۔ **حدیث قدسی** میں ہے کہ میرے بندے اول سے آخر تک جن وانس سمیت ایک متقی دل والے کی طرح ہو جائیں تب بھی میرے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ (اخرجہ امام مسلم فی صحیحہ)

(آیت نمبر ۱۳۰) اے محبوب صبر کریں اس پر جو وہ کہتے ہیں۔ یعنی اگرچہ آپ کی وجہ سے عذاب کو موخر کر دیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انہیں بالکل ہی عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ انہیں صرف چند دن مہلت دی ہے۔ اتنا تک آپ صبر کریں۔ ان کے کلمات کفریہ جو جو بک رہے ہیں۔ ان پر انہیں ہر حال میں عذاب ہوتا ہے اور آپ تسبیح

کہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ یعنی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت وصبر کی توفیق دی۔ طلوع آفتاب سے پہلے یعنی صبح کی نماز کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے یعنی بعد نماز عصر۔ **حدیث شریف** میں ہے۔طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے ذکر وفکر میں مصروف ہونا اولاد اسماعیل کے اسی غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔آگے فرمایا کہ رات کی بعض ساعات میں تسبیح پڑھیں یعنی نماز مغرب اور عشاء ادا کریں۔

فائدہ :ان مذکورہ اوقات کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے کیونکہ ان اوقات میں دل کی خاصی طمانیت ہوتی ہے اور نفس آرام کی طرف مائل ہوتا ہے۔

آگے فرمایا کہ دن کی دونوں طرفوں میں بھی تسبیح پڑھیں۔اس سے فجر اور عصر مراد ہے کہ یہ دن کے دونوں طرف آتی ہیں۔جلالین میں ہے قبل غروب سے مراد عصر اور اطراف النہار سے مراد نماز ظہر ہے۔سورہ ہود کے آخر میں بھی پانچوں نمازوں کے اوقات کا بیان اور اس کی تشریح گذر گئی ہے۔

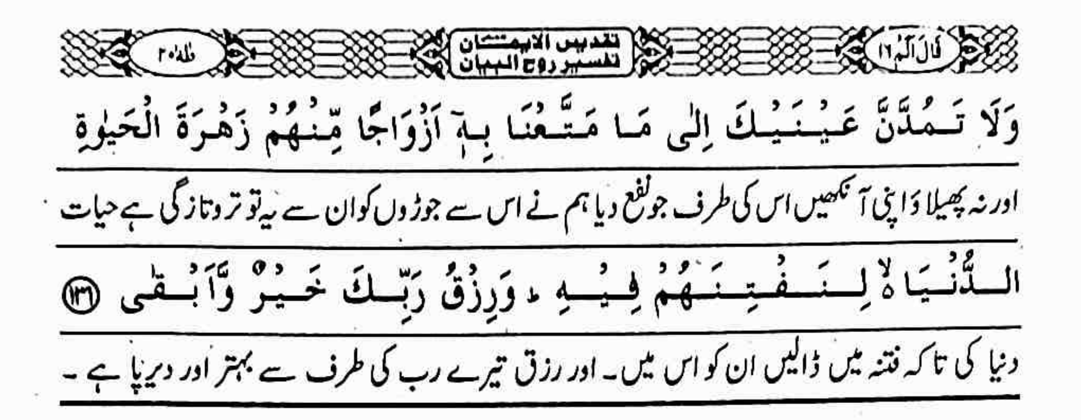
آگے فرمایا کہ ان مذکورہ اوقات میں نماز پڑھیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر خوش اور راضی ہو جائیں یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ مرتبہ دے جس سے آپ راضی ہو جائیں۔

فائدہ :کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ خوش نودی سے مراد امت کی کرامت ہے۔یعنی وہ سب سے اعلیٰ چیز جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو عطا فرمائی وہ امت کی شفاعت ہے۔اس کی دلیل "یعطیك ربك فترضی" ہے۔یعنی رب تبارک وتعالیٰ آپ کو اتنا دے گا۔کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

فضائل نماز: نماز غم اور الم ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔حضور ﷺ کو جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ نماز شروع فرمادیتے۔اسی طرح نماز سے جان مال میں برکت آجاتی ہے۔

فائدہ :مذکورہ آیت میں گویا پانچوں نمازوں کا بیان آگیا ہے۔

حدیث شریف: حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو (متفق علیہ)۔اگر تمہیں ہمت ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے والی اور غروب آفتاب سے پہلے والی نماز فجر اور نماز عصر کی نمازوں سے مغلوب نہ ہو جانا اور ایک **حدیث شریف** میں فرمایا کہ یہ دونوں نمازیں منافق پر بھاری ہیں لیکن ان کو اگر ان نمازوں کے ثواب کا پتہ چل جائے تو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آئیں (مشکوٰۃ شریف)۔(مزید فضائل نماز فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔



وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ

اور نہ پھیلاؤ اپنی آنکھیں اس کی طرف جو نفع دیا ہم نے اس سے جوڑوں کو ان سے یہ تو تروتازگی ہے حیات

ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

دنیا کی تاکہ فتنہ میں ڈالیں ان کو اس میں۔ اور رزق تیرے رب کی طرف سے بہتر اور دیرپا ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۱) تیری آنکھیں پوری رغبت ومیلان سے نہ دیکھیں۔ کفار کے مال ودولت کی طرف

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مدالعین کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے مرتبہ اور مال ودولت دیکھ کر دل میں اس کی تمنا کرنا کہ مجھے بھی یہ چیز ملے۔ اگرچہ یہ آرزو کرنا شرعاً منع نہیں ہے کیونکہ ایسے خیالات آنا انسانی بس میں نہیں۔ ان سے بچنا مشکل ہے۔ البتہ اسکو ہی دل میں جمالینا۔ یا دنیوی نقش نگار پر ہی نگاہیں لگا رکھنا۔ جیسے کوئی اپنے محبوب کو ہر وقت دیکھتا ہے کہ کسی اور طرف دھیان ہی نہ کرے یہ بہت برا ہے۔ اس سے شرع نے منع کیا۔ اس لئے فرمایا کہ ہم نے جو بھی کسی کو دنیوی ساز وسامان دیا۔ جس سے وہ نفع اٹھارہے ہیں۔ اس کی طرف مت کوئی دیکھے۔ ہم نے ان کیلئے چند دن کیلئے نفع کا سبب بنایا۔ یعنی کافروں کو جوڑے دیئے مختلف اقسام کے یہ سب دنیا کی زیب وزینت ہے نقش ونگار اور رونق ہے۔ یہ سب ہم نے ان کی آزمائش کیلئے انہیں دیا ہے۔ اگر وہ ہماری مرضی کے خلاف استعمال کریں گے تو وہ عذاب کے مستحق ہونگے۔ بلکہ وہ مال ان کے لئے وبال بن جائیگا۔

فائدہ: امتحان کے بعد پاس ہونے والے کو انعام دیا جاتا ہے اور ناکام کی ذلت ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ظاہراً تو بڑی سرسبز وشاداب منظر اور میٹھی ہے۔ دیکھنے والوں کا دل لبھاتی ہے (ریاض الصالحین) لیکن یہ بات یاد رکھو یہ مال تمہارا نہیں۔ اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اب وہ تمہیں دیکھتا ہے کہ تم اس میں کیا کرتے ہو۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ اپنے سے برتر کو نہ دیکھو۔ بلکہ اپنے سے مالی لحاظ سے کمتر کو دیکھا کرو۔ (متفق علیہ)

آگے فرمایا کہ تیرے رب کا دیا ہوا رزق جو تمہارے لئے ذخیرۂ آخرت بنایا ہے وہ تمہارے لئے بہتر بھی ہے اور ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والا بھی ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ

حکم دیں اپنے گھر والوں کونماز کا اور ثابت رہ اس پر۔ نہیں مانگتے ہم تجھ سے روزی ہم رزق دیں گے تمہیں۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا۔ اور بولے کیوں نہ لائے ہمارے پاس نشانی اپنے رب کی طرف سے۔

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

کیانہیں آیاان کے پاس بیان جو پہلے صحیفوں میں ہے۔

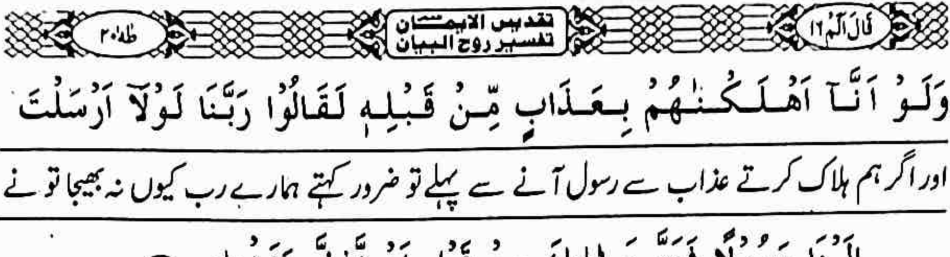
(آیت نمبر۱۳۲) اپنی اہل بیت کونماز کیلئے حکم دیں اور بتائیں کہ معاشی معاملات سے نہ گھبرائیں اور نہ دولت مندوں کے مال کی طرف للچائی نظروں سے نہ دیکھیں۔

فائدہ : اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ سیدتنا فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر روزانہ تشریف لے جاکر فرماتے "الصلوة یا اهل البیت رسول"۔ نماز کا وقت ہوگیا کئی ماہ تک یہی طریقہ رہا۔

صبر کی تمام اقسام سے اصطبار زیادہ سخت ہے کیونکہ اصطبار مصیبتوں کی کثرت پر صبر کرنے کو کہتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ ہم آپ سے رزق کمانا نہیں چاہتے کہ آپ اہل وعیال کیلئے رزق جمع کرنے لگ جائیں۔ انہیں اور تمہیں ہم روزی دیں گے۔ آپ صرف میری عبادت کریں۔ سب کی روزی کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اچھا انجام یعنی جنت پرہیزگاروں کیلئے ہے۔ ایسا انجام دنیاداروں کا نہیں ہوگا۔ **فائدہ**: حضرت وہب نے فرمایا تمام حاجات پوری ہونے کیلئے نماز سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے گھر میں کوئی تکلیف یا پریشانی آتی تو آپ نماز کا حکم فرماتے تھے اور یہ نسخہ ہر زمانے کے مسلمانوں نے آزمایا اور نہایت کھرا پایا۔

(آیت نمبر۱۳۳) کفار مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ ہمارے مطالبہ پر اپنے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ تاکہ ہمیں یقین ہوجائے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ہمارا اعتماد ہے۔ انہیں لے آئیں اور وہ آپ کی نبوت کی گواہی دے دیں تو ہم مان جائیں گے کہ واقعی آپ نبی ہیں تو جواباً فرمایا گیا کہ کیا جو کچھ پہلے صحیفوں میں جو تصدیقیں میرے نبی کے متعلق آئی ہیں۔ کیا وہ تمہارے لئے کافی نہیں ہیں؟



وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ

اور اگر ہم ہلاک کرتے عذاب سے رسول آنے سے پہلے تو ضرور کہتے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا تو نے

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

ہماری طرف رسول کہ چلتے تیری آیات پر اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۳۳) کیا وہ ماننے کیلئے کافی نہیں ہیں؟ وہ ان ہی انبیاء کی تصدیقیں ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ ان کے پاس قرآن جوام الآیات ہے اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔ جو تمام کتب کا خلاصہ ہے۔ تمام حقیقت کا شاہد ہے جس میں تمام امتوں کی خبریں ہیں اب اس سے بڑی اور کون سی آیت ہوگی اور لانے والے بھی نبی امی ہیں۔ جنہوں نے نہ سابقہ امتوں کو دیکھا۔ نہ ان کی خبریں کسی انسان سے سنیں جو واضح ان کا معجزہ ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۴) اور اگر ہم انہیں دنیا میں اس واضح معجزہ سے پہلے ہی عذاب بھیج کر تباہ وہلاک کردیتے تو پھر انہوں نے بطور حجت کے کہنا تھا کہ اے ہمارے پروردگار کیوں نہ بھیجا آپ نے ہماری طرف کوئی رسول۔ یعنی بروز قیامت وہ یہ عذر پیش کرتے کہ اگر دنیا میں ہمارے ہاں کوئی رسول آتا اور کوئی کتاب لے کر آتا تو ہم تیری نازل کردہ آیات کی پیروی کرتے۔ اس سے پہلے کہ ہم دنیا میں ہی گمراہی اور قتل وقید کے عذاب میں ذلیل وخوار ہوتے۔ جیسے کہ ان سے بدر میں ہوا اور پھر بروز قیامت بھی آخرت کے عذاب جہنم میں گرفتار ہو کر رسوا نہ ہوتے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس رسول اور کتاب بھیج دی تو ان کے تمام عذر ختم ہو جائیں گے اور اپنے خلاف خود ہی گواہی دیں گے۔ کہ ہاں ہم نے ہی ڈرانے والوں کی تکذیب کی جب وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نہیں نازل کی۔

فائدہ: یہ بات بھی یاد رہے کہ رسولان عظام بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لئے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو بھیجا تاکہ قیامت کے دن کوئی یہ عذر نہ کرے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول تشریف لاتے ہم جہنم میں نہ جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک دو نہیں بلکہ لاکھ سے اوپر کئی ہزار انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

فرمادو سب منتظر ہیں تم بھی انتظار کرو پھر عنقریب جان لیں گے کون ہیں صراط مستقیم والے

وَمَنِ اهْتَدٰى ع ﴿۱۳۵﴾

اور کس نے ہدایت پائی ہے۔

(آیت نمبر ۱۳۵) اے میرے محبوب اس سرکش قوم کو فرمادو۔ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے۔ یعنی تم ہماری شکست کا انتظار کررہے ہو اور ہم تمہارے عذاب کا انتظار کررہے ہیں۔

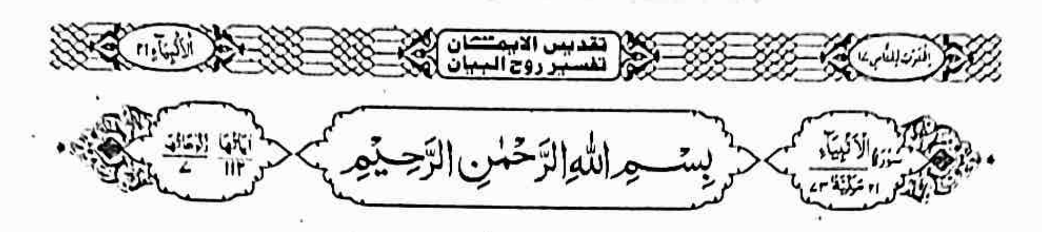
فائدہ: تفسیر کبیر میں ہے کہ ہم تم دونوں انتظار کررہے ہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ یعنی موت سے پہلے جہاد اور ظہور دولت وقوت کا یا موت کے بعد ثواب وعقاب کا۔ یا اس کا انتظار کررہے ہیں کہ حق والے انعام واکرام کا اور باطل والے اہانت حق کے ظہور کا۔

شان نزول: مشرکین کہا کرتے تھے کہ ابھی ایمان نہ لاؤ انتظار کرو کہ محمد ﷺ حوادث کا شکار ہو جائیں گے اور ہماری خلاصی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انتظار کرو۔ جب حکم الٰہی آئیگا تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ صراط مستقیم والا اور ہدایت یافتہ کون ہے اور گمراہ کون ہے۔ ثواب کا حق دار کون ہے۔ اور عذاب کا حق دار کون ہے۔

تین شخص عذر کریں گے:

زمانہ فترت والا کہے گا میرے پاس کوئی نہیں آیا اس لئے میں ایمان نہیں لایا۔ بے عقل کہے گا میرا عقل نہ تھا اس لئے میں ایمان کیسے لاتا۔ بچہ کہے گا مجھے خبر ہی نہ تھی تینوں کا اسی وقت امتحان ہوگا ان میں سے جو امتحان میں پاس ہوگا وہ جنت میں چلا جائیگا۔

اختتام: مورخہ ۶ مارچ ۲۰۱۶ء بروز اتوار بعد نماز عصر



اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

لوگوں کا حساب نزدیک ہے اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ②

نہیں آتی کوئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نئی مگر اسے سنتے ہیں کھیلتے ہوئے

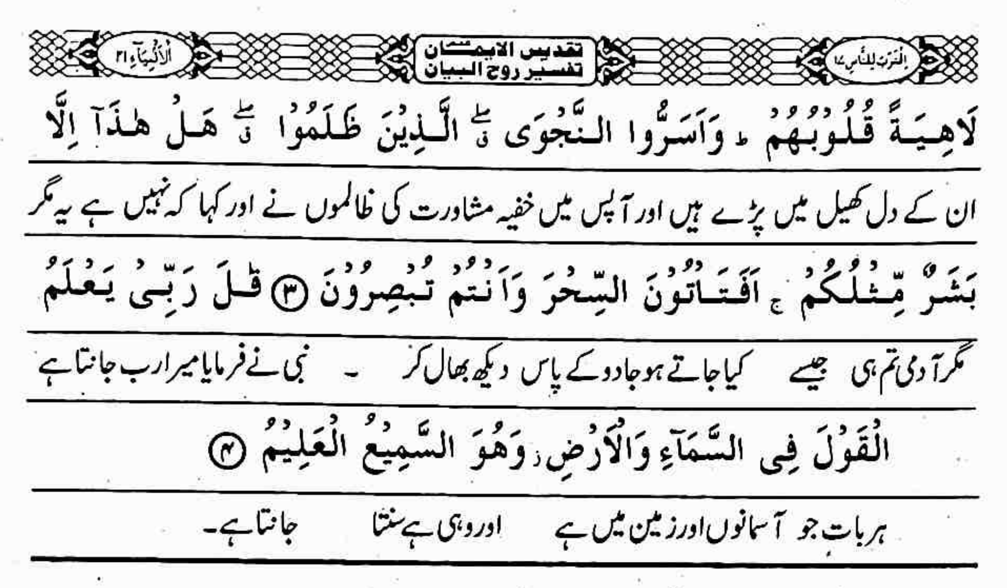
(آیت نمبرا) یعنی لوگوں کے محاسبے کا وقت قریب آ گیا۔ چونکہ روز قیامت کو یوم حساب بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان کھیل تماشہ میں مشغول ہے۔ حالانکہ اس کے حساب کا وقت بہت قریب آ رہا ہے۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا دنیا زیادہ گذر گئی۔ اب تو اتنی ہی رہ گئی۔ جتنا وقت عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے خاص وقت کو چھپا دیا ہے۔ جیسے موت کے وقت کو چھپا دیا۔ اس میں بھی مصلحت ہے۔

فائدہ: مراد یہ ہے کہ ان مشرکین مکہ کے محاسبے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے اس لئے کہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کا حساب شروع ہو جاتا ہے تو مشرکین بھی اپنی غفلت میں پڑے ہوئے۔ ایمان اور آیات سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ انہیں قیامت کے حساب و کتاب کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔

فائدہ: عرائس البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو اس آیت میں تنبیہ کی اور ڈرایا ہے۔

(آیت نمبر۲) جب بھی ان کفار مکہ کیلئے ان کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت کی بات اترتی ہے۔ جو اس کے حکمت اور تقاضے کے مطابق ہوتی ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں تو پہلے تو وہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ اگر دھیان کر بھی لیں تو اس کو غور سے سنتے ہی نہیں۔ اور اگر یہ کفار کلام الٰہی کو سنتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

فائدہ: یعنی کفار مکہ کے ہاں جب بھی کوئی نیا حکم قرآنی آتا تو وہ اسے سن کر اس پر ٹھٹھا مخول کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ نہایت درجہ کی غفلت میں تھے۔ چاہیے تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کرتے تا کہ ان کا انجام بہ خیر ہوتا۔ لیکن انہوں نے کھیل تماشے میں اپنا سارا وقت ضائع کر دیا۔



لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖۗ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ هَلْ هٰذَآ اِلَّا

ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور آپس میں خفیہ مشاورت کی ظالموں نے اور کہا کہ نہیں ہے یہ مگر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ

مگر آدمی تم ہی جیسے کیا جاتے ہو جادو کے پاس دیکھ بھال کر ۔ نبی نے فرمایا میرا رب جانتا ہے

الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴

ہر بات جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی ہے سنتا جانتا ہے۔

(آیت نمبر۳) ان کے دل ہی کھیل تماشے میں لگے ہوئے ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ قلب لاہی وہ ہوتا ہے جو دنیا کے کاموں میں مشغول اور آخرت کے معاملے میں غافل ہو۔ لعب کو پہلے اور لہو کو بعد میں ذکر کر کے تنبیہ کر دی کہ کفار کو غفلت نے حق سے کوسوں دور رکھا ہے اور وہ جو بھی ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ یہ اسی لہو کا نتیجہ ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ تا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں۔ اس پر مسلمان مطلع نہ ہو جائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ سرگوشیاں وہی کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ جنہوں نے شرک اور بڑے بڑے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور دوسرا ظلم یہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف چھپ کر باتیں کرتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ نہیں ہیں۔ مگر ایک بشر تمہاری طرح جیسا تمہارا گوشت پوست ایسا اس کا۔ جیسے تم کھاتے پیتے ہو۔ ایسے ہی وہ بھی۔ اس لئے وہ دعوی رسالت کیسے کر سکتے ہیں۔ مزید کہا کیا تم جادوگر کے پاس آتے ہو۔ اس حال میں کہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا ہر کام جادو سے ہے۔ **فائدہ**: (۱) کفار نے یہ بات نبی کی عظمت گھٹانے کیلئے کی۔ (۲) ان کا عقیدہ تھا کہ رسول فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی انسان رسول نہیں ہو سکتا اور معجزہ کو وہ جادو کہتے تھے۔ اس سے مقصد نبی کی عظمت کو گھٹانا تھا۔

(آیت نمبر۴) جب حضور ﷺ پر کفار کے پوشیدہ اقوال واحوال اور سرگوشیاں وحی کے ذریعہ واضح ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو جانتا ہے خواہ وہ پوشیدہ ہے یا کھلی خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ تو جب وہ اتنے وسیع علم والا ہے تو پھر تمہاری یہ سرگوشیاں کہاں چھپی رہ سکتی ہیں اس لئے کہ وہ سب سننے جاننے والا ہے یعنی وہ جب تمہاری چھپی باتیں بھی جانتا ہے تو تمہارے کرتوت کیسے اس سے چھپ سکتے ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ

بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں بلکہ ان کی گھڑی ہوئی چیزیں ہے بلکہ یہ شاعر ہیں۔ تو ہمارے پاس لائیں نشانی

كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ

جیسے بھیجے گئے تھے اگلے نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے ہلاک کیا

اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝۶

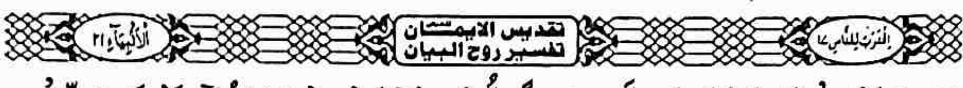
تو کیا یہ ایمان لائیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر۴) **حدیث شریف :** حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ اپنی حاجتوں کو دل میں پوشیدہ رکھ کر اللہ سے مدد چاہو اس لئے کہ نعمت والے پر حسد کیا جاتا ہے۔ (طبرانی والبیہقی)

(آیت نمبر۵) اللہ تعالیٰ کفار کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ بے ایمان صرف میرے محبوب کی گستاخی نہیں کرتے کہ کبھی بشر اور کبھی جادوگر کہتے ہیں بلکہ یہ تو قرآن کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ یہ پریشان خوابیں ہیں یعنی جیسے بندہ خواب دیکھتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی (معاذ اللہ) آگے کہتے ہیں بلکہ (محمد ﷺ) نے قرآنی مضامین خود تیار کئے ہیں اس لئے ان کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے۔ جیسے شاعر لوگ بھی جو خیال میں آئے کہہ دیتے ہیں جسے لوگ حقیقت سمجھ لیتے ہیں معاذ اللہ۔ اسی طرح قرآن بھی ہے۔

فائدہ : اہل عرب شعر کو جھوٹ سے تعبیر کرتے ہیں اور شاعر کو جھوٹا کہتے تھے ان کا مقولہ تھا کہ جو جتنا بڑا جھوٹا ہو اس کا اتنا شعر اچھا ہے معاذ اللہ حضور ﷺ کو بھی وہ ایسا سمجھتے تھے۔ کفار مکہ کہتے تھے اگر محمد ﷺ ایسے نہیں جیسے ہم کہتے ہیں اور اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسے ان کا دعویٰ ہے تو پھر کوئی بڑی ساری آیت لے آئیں جیسے کہ پہلے رسول لے کر آئے تھے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کا روشن ہونا۔ لاٹھی کا سانپ بننا۔ مردے زندہ ہونا وغیرہ ایسی آیات آپ بھی دکھائیں تا کہ دیکھ کر ہم بھی ایمان لے آئیں۔

(آیت نمبر۶) جن انبیاء کے معجزات کا کفار مکہ ذکر کر رہے ہیں کہ پہلے انبیاء کرام کے معجزات کی طرح یہ نبی بھی معجزہ لے آئیں تو ہم ایمان لے آئیں گے تو کیا ان کو انہوں نے مان لیا جن کے پاس وہ معجزات آئے۔ یعنی ان سے پہلے والے کفار بھی معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ انہوں نے کہا ایمان لانا ہے؟



وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تھے پوچھو علم والوں سے

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞٧

اگر ہو تم نہیں جانتے

(بقیہ آیت نمبر٦) تب ہی تو ہم نے انہیں تباہ کیا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزہ مانگتے جب انبیاء کرام علیہم السلام ان کی مرضی کے مطابق انہیں معجزات دکھادیتے تو وہ اسے جادو کہہ کر منکر ہو جاتے اور تباہ وہلاک ہو جاتے اس لئے فرمایا کہ کیا پہلے زمانے کے کفار اپنے مطالبے کے مطابق معجزے دیکھ کر وہ ایمان لے آئے تھے؟ اسی لئے ان پر عذاب آتا تھا۔ **فائدہ**: گویا معجزے کا مطالبہ کرنا اپنی ہلاکت کا سامان بنانا ہے۔

امت پر شفقت: اسی لئے کفار کے ہر مطالبے پر معجزہ نہیں دیکھایا گیا یہ امت پر رحمت وشفقت تھی کہ اگر ان کے حسب منشاء معجزہ دکھایا جاتا۔ اور وہ ایمان نہ لاتے تو پھر ان کے انکار کرنے پر عذاب کا ڈر تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت پر تباہ کرنے والا عذاب نہیں آئے گا۔

(آیت نمبر٧) اے محبوب نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر وہ مردوں کی ہی جنس سے ہوتے رہے ہم شریعت واحکام کے متعلق فرشتوں کے ذریعے ان پر وحی بھیجتے تھے۔ اسی طرح ہم نے آپ پر بھی وحی بھیجی۔ اس میں کون سی تعجب والی بات ہے۔

فائدہ: ان کفار کو کیا ہو گیا پہلے نبیوں کو مانتے ہیں۔ آپ کو نہیں مانتے ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ آپ کی طرف غلط غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔ اے کفار مکہ اگر تم ان باتوں کو نہیں جانتے کہ نبی کیا ہوتا ہے یا وحی کیا ہوتی ہے تو ایسا کرو۔ اہل ذکر سے پوچھ لو۔ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں یعنی اگر تم جاہل ہو تو اہل کتاب سے ہی پوچھ لو جو سابقہ انبیاء عظام علیہم السلام کے حالات کو جانتے تھے۔ ان سے پوچھو گے تو تمہارے شبہات دور ہو جائیں گے۔

مسئلہ: معلوم ہوا اکثریتی لوگوں کی خبر یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ **فائدہ**: یہ جملہ اس لئے فرمایا گیا کہ چونکہ مشرکین مکہ خود تو جاہل تھے انہوں نے حضور ﷺ کی دشمنی کیلئے اہل کتاب سے ساز باز رکھی ہوئی تھی۔ آئے دن حضور ﷺ کے بارے میں ان سے مشورے وغیرہ لیتے رہتے تھے۔ اہل کتاب سے انہوں نے سنا ہوا تھا کہ ہمارے انبیاء علیہم السلام کے فلاں فلاں معجزے تھے اس لئے انہیں کہا گیا کہ اگر تمہیں مذکورہ باتوں کا علم نہیں تو یہود کے علماء سے پوچھ لو۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾

اور نہیں بنایا ہم نے انہیں خالی جسم کہ نہ کھائیں کھانا اور نہیں تھے کہ ہمیشہ رہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾

پھر ہم نے سچا کر دیا وعدہ پھر نجات دی انہیں اور جن کو چاہا اور ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر۷) اہل کتاب تمہیں بتائیں گے کہ پہلے رسول بھی بشر تھے۔ ان پر بھی وحی آتی تھی اگر چہ ان یہودیوں کو ہمارے نبی پاک ﷺ کی نبوت پر اعتراض ہے۔ **فائدہ**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو علوم کے اصول وفروع پر اتنی وسعت کیسے ملی تو فرمایا یہی آیت پڑھ کر اس لئے کہ اہل علم سے سوال علوم پر حاوی کر دیتا ہے۔ میں ہر عالم سے مسائل پوچھتا رہا تو عالم ہو گیا۔

(آیت نمبر۸) ہم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے جو نہ کھائیں اور نہ پئیں بلکہ وہ طبعی طور پر باقی لوگوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ تا کہ جسم میں طاقت برقرار رہے۔

آگے فرمایا کہ نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہے۔ اس لئے کہ اس دنیا میں جو بھی آیا اس پر ایک دن فنا (موت) ضرور آئی خواہ وہ نبی ہو یا غیر۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو انسانی جسم دیئے۔ طبعًا وہ غذا کھاتے تھے ان پر موت آئی اور وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہی نظام قدرت ہے۔

(آیت نمبر۹) پھر ہم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی کر کے ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور جو لوگ منکر تھے انہیں ہلاک کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اور جن جن کو ہم نے چاہا انہیں عذاب سے نجات بخشی یعنی انہیں دنیا میں باقی رکھا۔ جن کو باقی رکھنے میں حکمت کا تقاضا تھا۔ جن کے ایمان لانے یا ان کی اولاد سے ایمان کی توقع تھی انہیں بچا لیا۔ جیسے عرب والوں پر عذاب نہ بھیجنے میں یہی حکمت الٰہی کارفرما تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ کہ ان کی نسلوں سے بڑے بڑے ایمان دار پیدا ہوں گے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴿١٠﴾

تحقیق ہم نے اتاری تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارا ذکر ہے کیا نہیں تم سمجھتے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾

اور کتنی ہی تباہ کیں ہم نے بستیاں جو تھیں ظالم اور پیدا کی ہم نے ان کے بعد قوم اور۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾

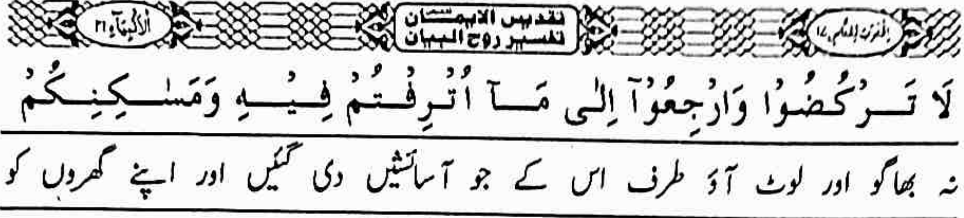
تو جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب اس وقت وہ اس سے بھاگنے لگے۔

(آیت نمبر۱۰) البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب نازل فرمائی۔ جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور اس عظیم الشان کتاب میں اچھے اچھے تمہیں وعدے دیئے گئے تا کہ تم نیک اعمال کی طرف رغبت کرو اور کچھ اس میں وعیدیں بھی ہیں تا کہ تم عذاب سے ڈرو۔ یہ کتاب نہ جادو ہے نہ اس میں شعر ہیں نہ پریشان خیالات ہیں جیسا کہ تمہارا خیال ہے اور نہ اس کتاب کو نبی پاک نے خود گھڑا ہے کیا تم اس میں غور وفکر نہیں کیا۔ اور تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ایسی کتاب کو گھڑی کسی انسان کے بس میں ہے ہی نہیں کہ وہ ایسی لاجواب کتاب لاسکے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں حفاظ کرام کی شرافت و بزرگی کا بھی بیان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کے حفاظ میری امت کے اشراف ہیں۔ اس سے رسمی حافظ مراد نہیں بلکہ جو ہمیشہ پڑھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ **حدیث شریف**: قرآن کثرت سے پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے خاصے لوگ ہیں۔ (ابن ماجہ)

(آیت نمبر۱۱) اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یعنی آبادیوں کو برباد کر دیا۔ کہ اس میں رہنے والے ظالم تھے۔ اس لئے کہ ایک تو وہ مشرک تھے اور دوسرا یہ کہ انہوں نے آیات خداوندی کا انکار کیا اس وجہ سے انہیں ہلاک کیا۔ اور ان کی ہلاکت کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا فرمایا۔ جن کا اے قریشیو نہ تمہارے نسب سے تعلق نہ تمہارے دین سے۔

(آیت نمبر۱۲) جب انہوں نے ہمارے عذاب کو اچھی طرح دیکھ لیا کہ اب عذاب سامنے آرہا ہے اور سمجھ لیا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ یہ ہمارا خاتمہ کر دے گا۔ اس وقت وہ اپنی آبادیوں سے نکل کر اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے ہوئے بھاگنے لگے۔ تاکہ عذاب سے بچ جائیں۔



لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ

نہ بھاگو اور لوٹ آؤ طرف اس کے جو آسائشیں دی گئیں اور اپنے گھروں کو

لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

تا کہ تم پوچھے جاؤ ۔ بولے ہائے افسوس بے شک ہم تھے ظالم۔

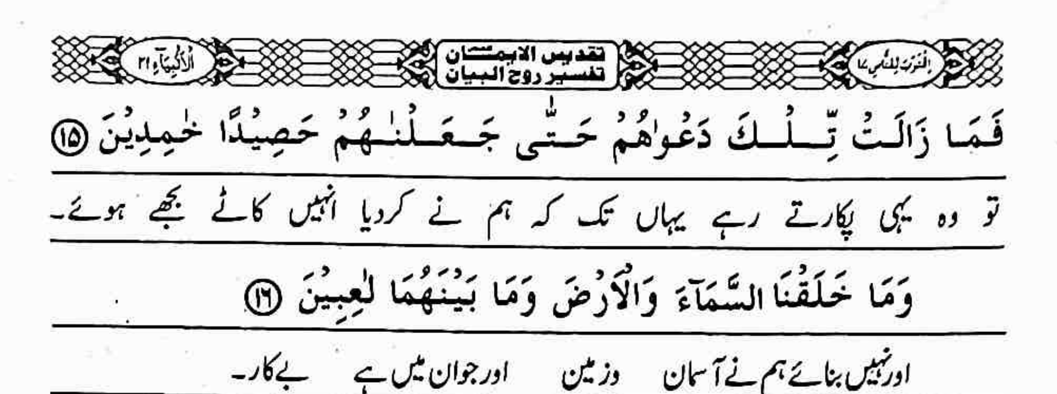
(بقیہ آیت نمبر ۱۲) انہیں زبان حال سے یا فرشتے نے آواز دیکر کہا۔ اب مت دوڑو۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ واپس آ جاؤ اپنے مال و دولت اور عیش و عشرت کے پاس اب تک کفر اور بغاوت کرتے رہے ہو۔ نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کی ناشکری کرتے رہے اب بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ اب عذاب سے منہ پھیر کر کہیں نہ جاؤ۔ اپنے ان گھروں کی طرف لوٹ آؤ جن پر بڑے فخر کیا کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۳) جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھ لیا اور یقین ہو گیا کہ یہ عذاب الٰہی ہے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید اب بھاگنے میں ہی نجات ہے اور یہ بھی انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب بچ نہیں سکتے تو اس وقت کہا ہائے افسوس ہم پر۔ واقعی ہم ظالم تھے اور اس عذاب کے مستحق تھے۔ یعنی ساتھ ساتھ ظلم کا اعتراف بھی کر رہے تھے اور عذاب سے بچنے کیلئے کارروائی بھی کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت تو بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ (اس وقت کا اقرار کیا فائدہ دیتا)۔

(آیت نمبر ۱۴) اپنے ظلم کے اقرار کا کلمہ ان کے منہ سے نکلتا ہی رہا اور اپنے گناہوں پر افسوس کرتے ہی رہے اور اس وقت تک اپنی آواز سے (يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ) کا کلمہ کہتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں بھوسہ کی طرح کچل دیا۔ جیسے گھاس کٹنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

فائدہ :معلوم ہوا ظلم سے آبادیاں جلد ہی برباد ہو جاتی ہیں۔ ایک **حدیث** میں ہے کہ بروز قیامت ظلم تاریکیاں لاتا ہے۔ اسی لئے بڑے سے بڑے جرم کو ظلم کہا گیا۔ کہ ظلمت کا معنی تاریکی ہے۔

نبی موسیٰ بن میثان: یہ واقع یمن کی ایک بستی میں پیش آیا۔ جو کہ شام کے قریب ایک حجازی بستی تھی۔ جہاں موسیٰ بن میثان نبی ان لوگوں کو ہدایت دینے کیلئے تشریف لائے۔ لیکن امام سہیلی نے التعریف والاعلام میں اس نبی کا اسم گرامی شعیب بن مہران لکھا ہے جن کا مزار ضین نامی پہاڑ پر ہے۔



فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کردیا انہیں کاٹے بجھے ہوئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور نہیں بنائے ہم نے آسمان و زمین اور جو ان میں ہے بے کار۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) **اس قوم پر عذاب کی وجہ**: اس بد بخت قوم نے بجائے ماننے کے اس نبی پر ظلم کیا اور انہیں شہید کردیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان پر مسلط کردیا۔ پورے عرب کو زیر کرنے کے بعد جب اس بستی پر حملہ کیا تو اس وقت یہ بھاگے۔ مگر اس بھاگنے نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ بخت نصر نے ان سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

(آیت نمبر۱۵) پھر تو وہ اپنے ظلم کو یاد کر کے روتے تھے مگر حکم الٰہی ہو چکا تھا ان پر ایسا عذاب آیا کہ وہ بجھے ہوئے رہ گئے۔ یعنی ملیامیٹ ہوگئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ پانچ برے اعمال والوں کو پانچ سزائیں ملتی ہیں: (۱) ظالموں پر ان کے دشمن ظالم ہی مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالف قوم فقر و فاقہ میں مبتلا کردی جاتی ہے۔ (۳) زانی لوگوں میں موتیں کثرت سے ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ (۴) ماپ تول میں کمی کرنے والوں کو قحط میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔ (۵) زکوٰۃ روکنے والوں پر بارش بند ہوجاتی ہے۔ (مستدرک علی الصحیحین)

(آیت نمبر۱۶) اور نہیں بنایا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو جو ان دونوں کے درمیان عجائب وغرائب اور دیگر جملہ مخلوق ہے۔ ہم نے انہیں کھیل تماشہ یا عبث نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے بنانے میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ مثلا انسان اپنی معاش کو بہتر بنا سکتا ہے اور ان سے بندہ رب تعالیٰ کی پہچان بھی کرسکتا ہے اور انسان کی تخلیق کا مقصد بھی معرفت الٰہی ہے۔ یعنی انسان اس جہان میں کھیل تماشے یا بے کار وقت ضائع کرنے کے بجائے اچھے اعمال کر کے آخرت سنوار سکتا ہے۔ انسان اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی صرف اس لئے کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور اس کو پہچانیں۔

لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہمارا ارادہ ہوتا کہ بنائیں کھیل تو ضرور بناتے اپنی طرف سے۔ اگر ہوتے ہم یہ کرنے والے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ

بلکہ ہم ڈالتے ہیں حق کو باطل پر تو وہ اس کا بھیجہ نکالدے پھر وہ اسی وقت مٹ جائے۔ اور تمہاری

الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

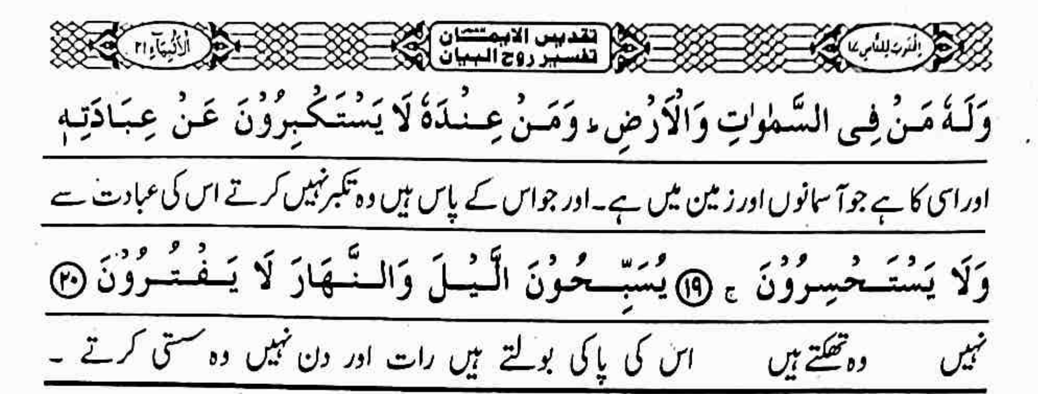
ہلاکت ہے اس میں جو کہتے ہو۔

(آیت نمبر ۱۷) ہمارا ارادہ ہی نہیں ہے کہ ہم اس دنیا کو کھیل تماشہ بنائیں۔ کاشفی فرماتے ہیں۔ لہوا سے کہا جاتا ہے۔ جس سے انسان کھیلے اور اسے دیکھ کر خوش ہو۔ جیسے کرکٹ اور میچ وغیرہ کھیلتے ہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "لھو" سے مراد جس سے انسان نفع حاصل کرے اور مقصد ومراد سے غافل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے اس جہان کو بے کار یا کھیل تماشہ بنانا ہوتا تو ہم بنالیتے ہم اس پر قادر بھی ہیں۔ ہم جو چاہیں جیسے چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے کا ہمارا ارادہ ہی نہیں ہے۔ کھیل تماشہ کرنا اور وقت ضائع کرنا جاہل لوگوں کا کام ہے۔

آگے فرمایا کہ بے شک ہم ہی ہیں سب کچھ کرنے والے لیکن ہم نے اس جہاں کو صرف اپنی پہچان کرانے کیلئے بنایا۔ کیونکہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ **فائدہ** : تاویلات نجمیہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری ذات ایسی غبار آلود باتوں سے پاک اور ہماری کبریائی ایسی کمزوری سے منزہ ہے۔ بلکہ ہمارے ملائکہ مقربین بھی ایسے کاموں سے پاک اور صاف ہیں۔

(آیت نمبر ۱۸) ہم ڈالیں گے حق باطل پر یعنی ہم حق کو غلبہ دیں گے کہ قرآن اور ایمان غالب آئیں گے اور باطل یعنی کفر اور یہ لہو لعب مغلوب ہو جائیں گے۔ **فائدہ** حق کے مقابلے میں باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے جب حق آئیگا تو باطل کا بھیجا خود ہی نکل جائے گا یعنی مٹ جائیگا فنا ہو کر نیست ونابود ہو جائیگا۔ یا دوسرے مقام پر فرمایا کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔ اور باطل تو ہے ہی بھاگا ہوا۔ اس لئے کہ حق جہاں بھی گیا۔ باطل وہاں نہیں ٹھہر سکا۔

آگے فرمایا۔ اس وقت باطل پورے طور پر مٹ جائیگا گویا اس کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔



وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

اور اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔اور جو اس کے پاس ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے

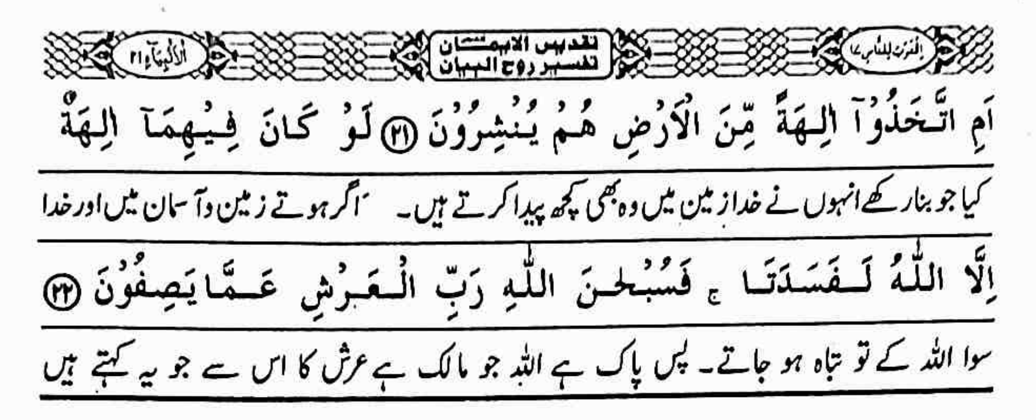
وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

نہیں وہ تھکتے ہیں اس کی پاکی بولتے ہیں رات اور دن نہیں وہ سستی کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر ١٨) اور تمہارے لئے ویل ہے یعنی تمہارے لئے ہلاکت ثابت ہوگئی۔اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق جو جو اوصاف بیان کرتے ہو وہ اس کی شان عالی کے بالکل لائق نہیں ہیں جیسے تمہارا کہنا کہ اس کی بیوی ہے یا اولاد وغیرہ ہے (معاذ اللہ) اور قرآن کو کبھی جادو اور کبھی اضغاث واحلام کہتے ہو یا جو بھی تمہارے باطل اقوال ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے اسی لئے اس کو ویل کہا گیا۔

(آیت نمبر ١٩) اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے اور بندگی کے لائق بھی وہی ہے اور جتنی مخلوق بھی اس کے ہاں ہے۔یعنی مقرب فرشتے جو بوجہ کرامت اللہ تعالیٰ کے قرب حضوری میں ہیں۔انہیں کا باقی مخلوق پر شرافت اور بزرگی کا اظہار کیا جارہا ہے۔اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ فرشتوں سے زیادہ ہے۔ یہاں ان کی انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت مقصود نہیں ہے۔ یہاں عندیت بمعنی شرافت مقصود ہے۔ آگے فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں تکبر نہیں کرتے۔یعنی عبادت خداوندی میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر منہ نہیں موڑتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔لہذا انسانوں پر بھی لازمی ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کریں۔اس لئے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں استعمال کرتے ہیں۔فرشتے کھاتے پیتے بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے تھکتے بھی نہیں۔اور انسان عبادت سے کیوں تھکتا ہے۔

(آیت نمبر ٢٠) وہ تو دن رات یعنی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے میں لگے رہتے ہیں۔سبحان بمعنی پاک یعنی بیوی اولاد اور شرک سے وہ پاک ہے۔یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بزرگی کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ آگے فرمایا۔اس عمل سے وہ فارغ ہوتے ہی نہیں۔نہ ان کا کوئی اور مشغلہ ہے۔ان کی زندگی کا دارومدار ذکر، تسبیح و تہلیل اور عبادت پر ہے۔جیسے انسان سانس کے بغیر اور مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔اسی طرح فرشتے یاد الٰہی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔



اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ

کیا جو بنا رکھے انہوں نے خدا زمین میں وہ بھی کچھ پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین وآسمان میں اور خدا

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

سوا اللہ کے تو تباہ ہو جاتے۔ پس پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرش کا اس سے جو یہ کہتے ہیں

(بقیہ آیت نمبر۲۰) **جاہل پیروں کا رد:** بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ بندہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسے عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ سراسر ان کی جہالت بلکہ حماقت ہے۔ فرشتوں سے بڑھ کر کون واصل باللہ ہوگا۔ جو ہزاروں لاکھوں سالوں سے عبادت کر رہے ہیں حالانکہ اصحاب طریقت تو فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی تکالیف شرعیہ میں مشقت اس معنی میں نہیں رہتی کہ وہ محبت الٰہی میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ سخت سے سخت مجاہدے بھی انہیں شہد سے میٹھے لگتے ہیں۔ وہ ہر آن عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے ہیں۔
فائدہ: انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کون واصل باللہ ہوگا۔ کیا انہوں نے عبادت ترک کر دی۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد فرماتے ہیں کہ عبادت میں لذت اس خوش نصیب کو ملتی ہے جسے معرفت حق کا مکمل حصہ ملا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ ذوق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(آیت نمبر۲۱) ان بت پرستوں نے اپنے اپنے بت زمین سے بنالئے۔ یعنی پتھروں کے یا مٹی کے یا دیگر لوہے تانبے وغیرہ سے تیار کر لیتے تھے۔ اس آیت میں ان کی جہالت اور حماقت بیان کی گئی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی یا پتھر کے بتوں کو خدا بناتے ہیں اور اس بات کو وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ایک حقیر اور ذلیل چیز یعنی مٹی سے یا پتھر سے خود ہی یہ بت تیار کئے لیکن ان سے وہ امید کرتے ہیں جو امید اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں کہ یہ اولاد دیتے ہیں۔ مصائب دور کرتے ہیں۔ اور معبود برحق کی تمام صفات ان میں مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

(آیت نمبر۲۲) اگر آسمانوں اور زمینوں میں کوئی اور خدا ہوتا اللہ تعالیٰ کے سوا جیسے بت پرستوں کا عقیدہ ہے تو زمین وآسمان میں فساد برپا ہو گیا ہوتا دو بادشاہوں سے ملک اور رعیت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یا وہ آپس میں لڑ کر دنیا میں فساد مچا دیتے اور ہر چیز کو تباہ کر دیتے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

نہیں وہ پوچھا جائے گا اس کے بارے جو وہ کرتا ہے اور یہ پوچھے جائیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) **عقلی دلیل**: تاویلات میں ہے کہ اگر کئی خدا ہوں تو الوہیت یا قدرت میں سب برابر ہوں گے یا بعض کامل اور بعض ناقص ہوں گے۔ اگر برابر ہوتے تو لڑ بھڑ کر قصہ ختم کر دیتے۔ یا پھر ایک ناقص اور ایک کامل ہوگا۔ پھر ناقص الٰہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ناقص کامل کا محتاج ہوگا اور کامل ایسا مکمل ہو بلکہ اکمل ہو کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو صمد ہے کسی کا محتاج نہیں جملہ عالم اس کا محتاج ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتا تو سارا نظام بگڑ جاتا ہے چونکہ نظام عالم درست اور صحیح چل رہا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ کوئی چلانے والا ضرور ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پاک ہے منزہ ہے ایسی باتوں سے جو وہ مشرک کہتے ہیں یعنی وہ بیوی یا اولاد یا شریک وغیرہ سب سے منزہ ہے۔

فائدہ: اس آیت میں ان کا بھی رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ خدا کا کوئی وجود نہیں اور ان کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور بھی معاذ اللہ خدا ہے یہ دونوں باتیں نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً۔

(آیت نمبر۲۳) اللہ جو بھی کرے اس کو نہیں پوچھا جائے گا اور بندے جو بھی کہیں یا جو کریں ان سے پوچھ ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن ہر نعمت کے متعلق پوچھے گا۔

فائدہ: یاد رہے سوال کرنا صرف لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ دشمن کو چپ کرانے یا دوسروں پر کوئی حقیقت واضح کرنے کیلئے۔ یا اتمام حجت کیلئے وغیرہ ورنہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب، علیم بذات الصدور ہے۔ اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

فائدہ: بندوں سے سوال ہونا تو واضح ہے کہ اس کے غلام ہیں خطا کار ہیں۔ مالک الملک پوچھ سکتا ہے لیکن غلام مالک سے تو کچھ بھی نہیں پوچھ سکتا۔ یہ عقل سے بہت بعید ہے۔ بلکہ اہل حق کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام پر اعتراض کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت بلند ذات ہے۔ اس کے رسول پر اعتراض کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ

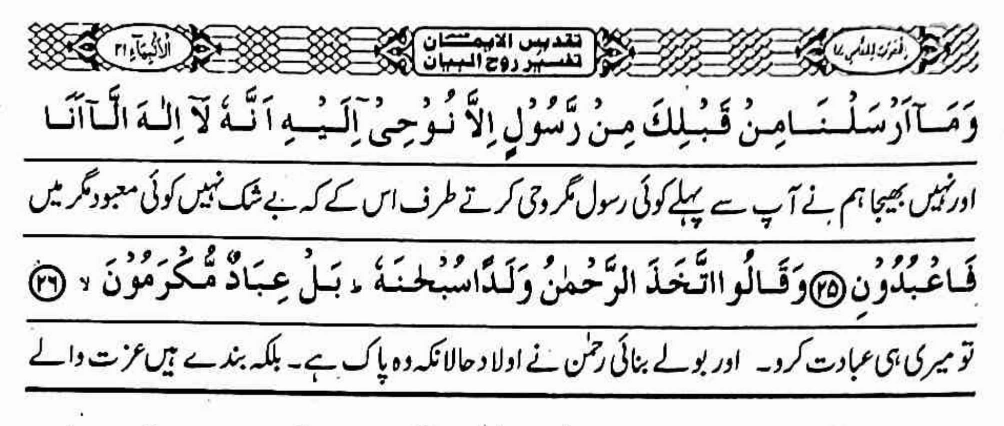
اور بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا کئی خدا۔ فرمادو لاؤ اپنی دلیل یہ ذکر ہے میرے ساتھیوں کا

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ذکر ہے مجھ سے پہلوں کا۔ بلکہ اکثر ان میں نہیں جانتے حق کو تو وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔

(آیت نمبر۲۴) بلکہ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو بھی خدا بنالیا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ خدا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ لہذا اے محبوب آپ انہیں اتمام حجت کیلئے فرمادیں کہ پھر لاؤ اپنے اس دعوے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل۔ اس لئے کہ تمام دینی امور کیلئے یا ایسے عظیم الشان امر کیلئے دلیل ہونی چاہئے۔ دلیل کے بغیر تو کوئی بات قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ جو میرے ساتھ ہے یعنی قرآن، توراۃ اور انجیل جو اس وقت موجود تھیں ان تمام کتابوں میں صحابہ کی شان موجود تھی تو جس نے بھی حضور ﷺ کی تابعداری میں قرآن مجید پر عمل کیا وہ نجات پا گیا یہ قرآن تا قیامت لوگوں کیلئے نصیحت اور دستور حیات ہے۔ اس پر عمل کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس سے پہلے کی دونوں کتابیں یعنی توراۃ اور انجیل جو سابقہ امتوں کیلئے وعظ و نصیحت ہیں اور دستور العمل تھیں۔ ان تینوں کتابوں میں غور سے دیکھا جائے۔ تو ان میں توحید کا بیان ہے اور عبادات کا ذکر ہے۔ آگے فرمایا۔ کہ میں نے تم پر دلیل برہانی قائم کردی ہے۔

آگے فرمایا کہ بلکہ اکثر لوگ حق کو جانتے ہی نہیں۔ پرلے درجے کے جاہل ہیں، علمی دلائل کو کیا جانیں بلکہ یہ جان بوجھ کر توحید اور اطاعت رسول سے منہ پھیرتے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو توحید کی حقانیت کو بھی نہیں مانتے اور حضور ﷺ کے نبی برحق ہونے پر یقین کے باوجود بطور عناد کے وہ ایمان قبول نہیں کرتے۔ اور اس سے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔



وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر وحی کرتے طرف اس کے کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر میں

فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

تو میری ہی عبادت کرو۔ اور بولے بنائی رحمٰن نے اولاد حالانکہ وہ پاک ہے۔ بلکہ بندے ہیں عزت والے

(آیت نمبر ٢٥) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کی طرف یہی وحی کی کہ بے شک شان یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی میری توحید کو مانو اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو۔

فائدہ: گویا انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی تین باتیں تھیں: (١) نفی از غیر اللہ۔ (٢) اور اثبات وحدانیت اور (٣) خالص اس کی عبادت اگرچہ عبادت کا فائدہ بھی بندوں کی ہی طرف لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث قدسی: ارشاد خداوندی ہے کہ میں نے مخلوق اس لئے بنائی تا کہ وہ مجھ سے نفع حاصل کریں۔ مجھے ان سے کوئی نفع نہیں چاہئے۔ (احیاء العلوم، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)۔ **فائدہ:** عبادت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور یہ عرفان اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو عطا فرمایا ہے۔ باقی مخلوق کو اس طرح کا عرفان حاصل نہیں ہے۔ اور دوسرا آخرت سنور جاتی ہے۔

(آیت نمبر ٢٦) اور مشرکین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اپنائی اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور وہ بے وقوف یہ سمجھتے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے جنات لڑکیوں سے شادی کی اور ان سے فرشتے پیدا ہوئے استغفر اللہ یہ ان کی جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شایان شان تو تنزیہ ہے کہ وہ ذات جس طرح شریکوں سے پاک ہے اسی طرح وہ اولاد سے بھی پاک ہے۔ یا کلمہ تعجب ہے کہ ان بے وقوفوں نے کیسی غلط بات کہہ دی۔ آگے فرمایا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں اور اس کے مقرب ہیں۔ مخلوق اور اولاد ہونے میں بھی مناسب فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو اپنی ساری مخلوق سے پیار ہے۔ **فائدہ:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوری مخلوق کو عبد (بندہ) کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں عباد کا لفظ فرشتوں کیلئے کہا گیا۔ حالانکہ وہ نوری مخلوق ہے۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

نہیں آگے بڑھتے اس سے بات میں اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ

ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے اور نہیں شفاعت کرتے مگر جس کیلئے وہ راضی ہو اور وہ اس کے

مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۷) فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم پر کبھی سبقت نہیں کرتے۔ حد درجے کے فرماں بردار ہیں۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ باادب غلاموں کی طرح وہ فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو بھی حکم ملتا ہے۔ وہ اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

فائدہ: یہ جملہ کفار کی طمع ختم کرنے کیلئے بولا گیا ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے تو اس پر انہیں بتایا گیا کہ اذن الٰہی کے بغیر وہ کسی کی سفارش نہیں کریں گے۔

(آیت نمبر ۲۸) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو انہوں نے پہلے کوئی عمل کیا یا بعد کو وہ کریں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علوم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ آگے فرمایا کہ فرشتے کسی کی سفارش نہیں کریں گے سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلوص دل سے کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے والے کی فرشتے شفاعت کریں گے۔ اور جنہوں نے یہ کلمہ ہی نہیں پڑھا۔ ان کی سفارش کیسے کریں گے۔

معتزلہ وغیرہ کا رد: معتزلہ کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہوں والوں کو شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ لیکن یہ ان کا قول حدیث کے ہی خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے کبیرہ گناہوں والوں کی شفاعت کروں گا (رواہ ابوداؤد، والترمذی)۔ آگے فرمایا کہ وہ فرشتے اطاعت وعبادت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف اور ہیبت سے ڈرتے اور لرزتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دوزخ وغیرہ سب کچھ دیکھا ہوا ہے۔ انسانوں نے کچھ دیکھا نہیں۔ اس لئے نڈر ہیں۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ

اور جو کہے ان میں کہ میں خدا ہو اس کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم میں

كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ع ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ

یوں سزا دیتے ہیں ظالموں کو ۔ کیا نہیں دیکھا کافروں نے کہ بے شک آسمان

وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ

وزمین تھے بند پھر ہم نے انہیں کھولا۔ اور کی ہم نے پانی سے ہر چیز کی

حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

زندگی۔ کیا نہیں وہ ایمان لاتے۔

(آیت نمبر۲۹) اگر بالفرض ان فرشتوں میں سے کوئی کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں حالانکہ فرشتوں میں سے کسی نے یہ جملہ نہ کہا نہ کہے گا۔ یعنی اگر بالفرض محل ایسا کوئی کہے تو ہم اسے جہنم میں سزا دیں گے۔ خواہ کتنے ہی نیک اور اچھی صفات کے مالک ہوں پھر وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں پائیں گے۔

فائدہ :الوہیت کے دعویدار کو یہ سزا ہوگی تو ان کی پرستش کرنے والے کیسے بچ نکلیں گے۔ ان کو تو ڈبل سزا ہوگی۔ آگے فرمایا کہ ہم ظالموں کو یوں ہی سزا دیں گے۔ یعنی جو بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں یا خدائی کا دعوی کرتے ہیں۔ ان کو سزا لازمی ہوگی۔ جیسے نیکی کرنے والے کو اچھی جزاء ضرور ملے گی۔ اسی طرح برائی کے مرتکب کو سزا ہوگی۔

(آیت نمبر۳۰) کیا یہ کفار غور وفکر نہیں کرتے۔ یا اپنے علماء سے کیوں نہیں پوچھتے یا پھر وحی سن کر ہی سمجھ لیتے کہ بے شک زمین وآسمان آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کوئی خلاء یا فضا نہ تھی۔ تو ہم نے انہیں کھول کر الگ الگ کیا۔ اور سات آسمان بنا دیئے۔ اسی طرح زمین کو بھی سات حصوں میں بنا دیا۔

کلمہ لااله الا الله کا کمال: حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نورانی جوہر پیدا فرما کر اس پر نظر ہیبت ڈالی تو پگھل کر پانی پانی ہوگیا۔ پھر اس سے عرش بنایا۔ تو وہ ہل رہا تھا تو اس پر لکھا "لااله الاالله محمد رسول الله" تو وہ پرسکون ہوگیا۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا

10/10

اور کئے ہم نے زمین میں پہاڑ کہ نہ ہلے ان سے اور کئے ہم نے اس میں کشادہ

سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾

راستے تاکہ وہ راہ پائیں۔

(بقیہ آیت نمبر۳۰) **فائدہ:** پانی پر اٹھنے والی جھاگ سے زمین بنائی اور دھویں سے آسمان بنائے۔

آگے فرمایا کہ پانی میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی زندگی رکھ دی تو یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یعنی مشرکین اتنی واضح آیات دیکھ کر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

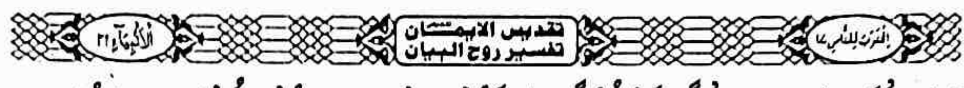
نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کی زندگی پانی پر رکھی ہے اسی طرح نباتات یعنی سبزہ پھلوں اور درختوں کی نمو یعنی نشوونما بھی پانی پر ہے۔

(آیت نمبر۳۱) اس زمین میں ہم نے مضبوط پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین مضبوط ہو اور ہلے نہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب زمین پانی پر بچھائی گئی تو یہ کشتی کی طرح ہلتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیئے اس کے بعد ہلنا بند ہو گئی۔ اور لوگوں کیلئے اس پر چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ پہاڑوں سے مراد ابدال اور اوتاد یعنی اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے طفیل اللہ تعالیٰ زمین والوں کو رزق عطا فرماتا ہے اور بارش بھی اتارتا ہے۔ وہ کل ستر ہیں۔ ان میں چالیس ابدال ہوتے ہیں جو شام کے علاقے میں رہتے ہیں۔ تیس اوتاد جو مختلف علاقوں میں رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ عام لوگوں سے کسی کو ان میں شامل فرما لیتا ہے۔ ایک **حدیث شریف** میں ہے کہ زمین چالیس مردوں سے خالی نہیں رہتی وہ خلیل الرحمٰن کی طرح ہیں۔ انہی کے طفیل بارش ہوتی ہے اور ان کے ہی طفیل مدد حاصل ہوتی ہے۔ جب ان میں سے ایک فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اور کو مقرر فرما دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آگے فرمایا کہ اس زمین پر پہاڑ بھی ہم نے رکھے چونکہ زمین کی طرح پہاڑوں میں بھی راستوں کی حاجت ہوتی ہے تو فرمایا ہم نے آمد و رفت کیلئے راستے رکھ دیئے۔ فجاج ان راستوں کو کہا جاتا ہے جو پہاڑی ہوں اور راستے اس لئے رکھے تاکہ اپنے مقاصد تک راہ پائیں جو ان کو دور دور تک لے جاتے ہیں۔



وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ

اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ لیکن وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرتے ہیں۔اور وہی

الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

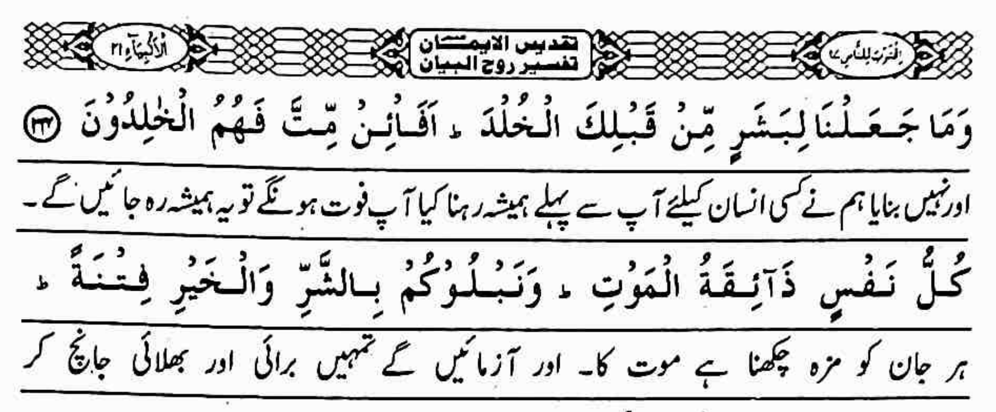
ذات جس نے پیدا کیا رات اور دن کو اور سورج اور چاند۔سب فلک میں تیر رہے ہیں

(آیت نمبر ۳۲) اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا چونکہ آسمان اوپر ہے لہٰذا وہ بمنزلہ چھت کے ہے اور اتنا مضبوط بنایا کہ اس کے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔بغیر ستون کے ہونے کے باوجود وہ کھڑا ہے۔یا مراد ہے کہ ہر طرح کے فساد سے بچالیا اور ان آسمانوں کو ہم نے بنا کر انہیں اپنی قدرت کی علامت بنایا اور عظیم قدرت اور اعلیٰ حکمت کا شاہکار بنایا۔جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ اس میں رکھے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ان نشانیوں میں اگر وہ غور وفکر کرتے تو ضرور اپنے کفر وگمراہی سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

ابدال کی علامات: (۱) سینہ بغض وکینہ سے صاف۔(۲) سخاوت۔(۳) سچی کلام۔(۴) عاجزی۔(۵) مصائب پر صبر۔(۶) علیحدگی میں رونا۔(۷) خلق خدا کی بھلائی۔(۸) مومنوں پر شفقتیں۔(۹) چیزوں میں غور فکر۔(۱۰) اشیاء سے عبرت حاصل کرنا۔

درس: بندگان خدا کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور قدرت کے عجائب وغرائب میں غور وفکر کریں تا کہ انہیں بحر معرفت کے موتی نصیب ہوں۔

(آیت نمبر ۳۳) اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک وہ ہے جس نے رات اور دن کو، سورج اور چاند کو جو دن اور رات کو چمکاتے ہیں۔ان تمام اشیاء کو عدم سے معرض وجود میں لایا ہے۔یہ کام اس کے سوا کوئی نہیں کرسکتا یہ سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ سب کے سب یعنی سورج چاند آسمانی سطح پر تیر رہے ہیں۔جیسے انسان پانی پر تیرتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ستارے آسمانوں میں ایسے جڑے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ (آسمان، زمین سورج چاند ستارے۔ان میں سے کوئی تو حرکت میں ہے اور کوئی ان میں سے ساکن تفصیل فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔مختصر یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس بات کا دارومدار اس پر ہے کہ افلاک میں فرق والتیام محال ہے اور یہ باطل ہے حقیقت یہ ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں اور تینوں ممکن ہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔قرآنی الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ افلاک ٹھہرے ہوئے ہیں اور ستارے ان میں گھوم رہے ہیں۔



وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں بنایا ہم نے کسی انسان کیلئے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا کیا آپ فوت ہونگے تو یہ ہمیشہ رہ جائیں گے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ

ہر جان کو مزہ چکھنا ہے موت کا۔ اور آزمائیں گے تمہیں برائی اور بھلائی جانچ کر

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہماری طرف ہی لوٹو گے۔

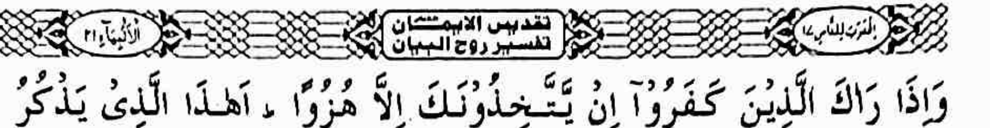
(آیت نمبر ۳۴) اے محبوب ہم نے آپ سے پہلے کسی فرد کیلئے بھی دنیا میں دائمی بقا نہیں رکھی۔

شان نزول: کفار اور مشرکین نے کہا کہ ہم ان مسلمانوں کے گردش ایام دیکھ رہے ہیں۔ یعنی یہ عنقریب ختم ہو جائیں گے۔ ان پر موت آ جائے گی تو نہ مسلمان رہیں گے نہ ان کے نبی۔ (معاذ اللہ)۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم دنیا میں کسی کو بھی دوام نہیں بخشتے۔ اگر چہ اس بات پر قادر بھی ہیں۔ لیکن ہم نے طریقہ یہی رکھا ہے کہ جو بھی دنیا میں آیا۔ وہ ایک نہ ایک دن موت کے منہ میں چلا گیا ہمیشہ رہنے کیلئے ہم نے آخرت کا گھر بنایا ہے۔ اے محبوب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو کیا یہ کفار رہ جائیں گے۔ یعنی اس دنیا میں نہ آپ رہیں گے نہ وہ رہیں گے تو جب سب نے مرنا ہے تو پھر یہ مشرکین کیوں آپ کے ہی مرنے کی انتظار کر رہے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں حالانکہ تمام مشائخ اور محققین علماء کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دیکھا۔ ملاقات کی اور گفتگو کی ہے۔

خضر علیہ السلام کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد خضر علیہ السلام بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے تو خضر علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی اور تشریف لے گئے۔ بعد میں ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے۔

(آیت نمبر ۳۵) ہر نفس (روح) جسم کی جدائی کا مزہ چکھے گا۔ یہاں ذوق کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے کیونکہ موت کھانے پینے کی قسم سے نہیں ہے بلکہ یہاں ذوق سے ایک خاص قسم کا ادراک مراد ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ذائقۃ الموت میں اس سے مراد قوت حیوانیہ کا زوال ہے اور روح کا جسم سے جدا ہونا۔



وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ

اور جب دیکھیں آپ کو کافرنہیں بناتے آپ کو مگر ٹھٹھہ مزاح۔ کیا یہی ہے جو برائی سے ذکر کرتا ہے

اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہارے خداؤں کا اوروہ یاد خداوندی کے ہی منکر ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) **فائدہ**: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ روح حیوانی کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہونے کا نام موت ہے۔ یہ روح حیوانی روح انسانی کا غیر ہے۔ روح انسانی کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے (روح پر مزید تحقیق فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

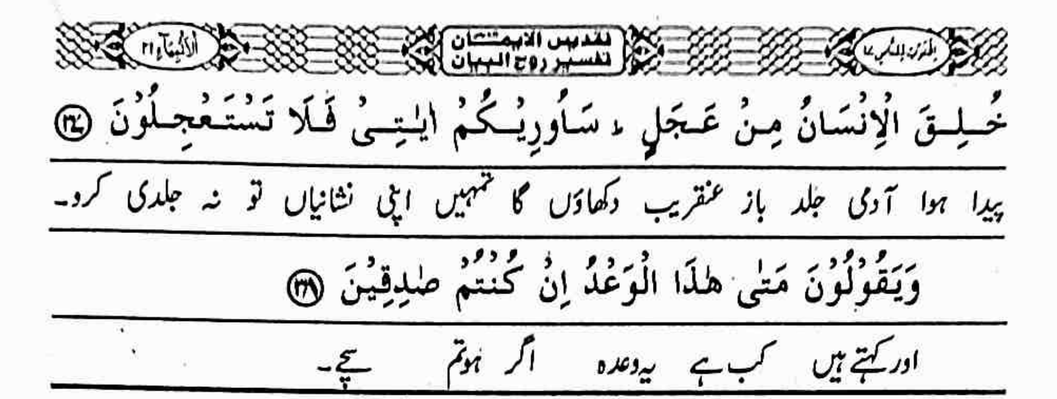
آگے فرمایا کہ ہم تمہاری آزمائش کرتے رہیں گے۔

فائدہ: امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر آزمائش کرنے کا اطلاق مجازاً ہے۔ ورنہ اسے تو ہر چیز کا علم ہے۔ شر اور خیر سے مراد ہے کہ مصیبتوں میں اور کبھی نعمتیں دیکر اسی طرح محتاجی اور درد دے کر یا قحط و غنی سے اور شرور وسرور سے امتحان لیں گے۔ تاکہ پتہ چلے کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور فتنہ سے مراد ابتلاء و آزمائش ہے۔ دراصل فتن کہتے ہیں۔ سونے کو آگ میں ڈالنا تاکہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بلاو مصیبت میں آزماتا ہے۔ جیسے سونا آگ پر رکھ کر اسے پرکھا جاتا ہے (احیاء العلوم)۔ آگے فرمایا کہ آخر لوٹ کر ہمارے پاس ہی آؤ گے تاکہ تمہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

(آیت نمبر ۳۶) اے محبوب جب یہ کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔

شان نزول: ایک دفعہ حضور ﷺ ابوجہل کے پاس سے گذرے تو وہ مذاق میں ساتھیوں سے کہنے لگا کہ یہ عبد مناف کے نبی ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کہتے کیا یہی شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا برائی سے ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کی پوجا باطل ہے اور انہیں معبود کہنا یا سمجھنا بہت برا ہے۔ حالانکہ وہ بے ایمان بدبخت ایسے ہیں کہ اپنے رب رحمٰن سے کفر کرتے ہیں۔ اور اس کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں۔ ان پر تو فرض تھا کہ اپنے منعم حقیقی کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرتے۔ لیکن انہوں نے ان کو معبود سمجھ لیا ہے جو کسی کو نہ نفع دیں نہ نقصان۔ لہٰذا وہ اس لائق ہیں کہ ان کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔



خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۳۷﴾

پیدا ہوا آدمی جلد باز عنقریب دکھاؤں گا تمہیں اپنی نشانیاں تو نہ جلدی کرو۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر ہو تم سچے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۶) **حدیث شریف** جو فرمانبردار بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے یاد کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ اسے رحمت بھی عطا فرماتا ہے اور جب نافرمان اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یاد کرتا ہے لعنت کے ساتھ۔ **فائدہ**: سب ذکروں سے افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) انسان جلد باز پیدا ہوا۔ یعنی انسانی فطرت میں جلدی بازی اور صبر کی کمی ہے۔

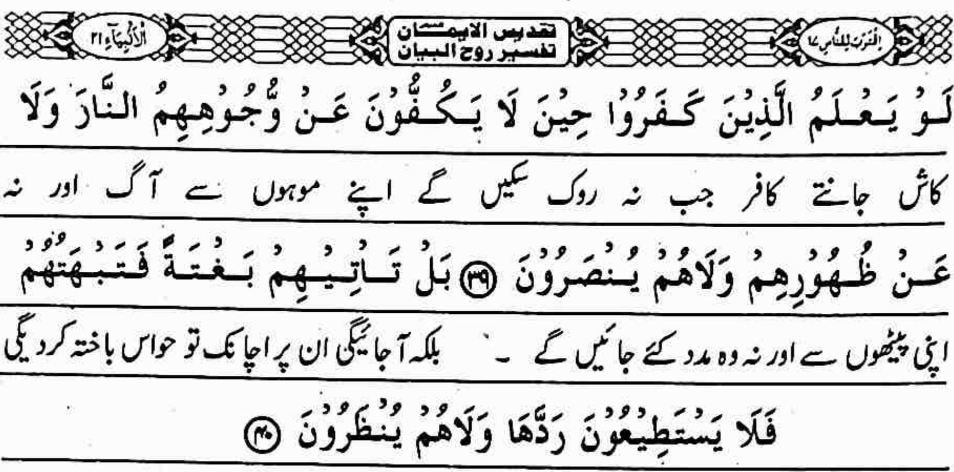
آگے فرمایا۔ عنقریب تمہیں میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاؤں گا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں انہوں نے مزہ چکھا اور آخرت کے عذاب میں بھی جائیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرو۔

واقعہ: نضر بن حارث کافر نے کہا تھا کہ یا اللہ اگر یہ نبی یا کتاب تیری برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرمایا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ اتنی جلدی کیا ہے۔

سبق: دینی اور اخروی امور میں حوصلہ اور تامل اور غور وفکر ضروری ہے۔

حکایت: آدم علیہ السلام نے اولاد کو فرمایا۔ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ کاش میں نے بھی اگر سوچ سے کام لیا ہوتا یا فرشتوں سے مشورہ کر لیتا تو عرصہ دراز تک تکلیف نہ اٹھانا پڑتی۔

(آیت نمبر ۳۸) جلد بازی اور مزاق سے کفار کہتے تھے۔ یہ عذاب کا یا قیامت کا وعدہ کب ہے۔ ہو سکے تو اسے ہمارے پاس جلد لے آئیں۔ اگر آپ اپنے وعدہ میں سچے ہیں۔ یعنی جب کفار مکہ عذاب شدید کی آیات سنتے تو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات کہتے تھے کہ یہ قیامت یا عذاب کا وعدہ کب ہوگا۔ یعنی اصل میں وہ اس بات کو جھٹلاتے تھے کہ کوئی قیامت وعذاب نہیں ہے۔ عربی کا مقولہ ہے۔ "المرء یقیس علی نفسه"۔ آدمی دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ وہ خود چونکہ جھوٹے تھے۔ اس لئے انہیں ہر آدمی اور ہر بات جھوٹ ہی نظر آتی تھی۔



لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا

کاش جانتے کافر جب نہ روک سکیں گے اپنے موہوں سے آگ اور نہ

عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

اپنی پیٹھوں سے اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ بلکہ آ جائیگی ان پر اچانک تو حواس باختہ کر دیگی

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَاهُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

پھر وہ نہ پھیر سکیں گے اسے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر۳۹) کاش یہ کافر اس عذاب کو معلوم کر لیتے جس کے بارے میں جلد بازی کر رہے ہیں کہ جب جہنم کی آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے گی اور جہنم کی چنگاریاں ہر طرف سے ان پر پڑیں گی تو نہ وہ خود ہٹا سکیں گے۔ نہ کوئی اپنی حمایتی اور مددگار پائیں گے جو انہیں ان کے اپنے مانگے ہوئے عذاب سے نجات دلا دے نہ وہ اپنے چہروں سے عذاب دور کر سکیں گے نہ اپنی پیٹھوں سے۔ کیونکہ عذاب نے انہیں بری طرح سے گھیرا ہوگا۔ اس مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر۴۰) بلکہ وہ وعدہ کا وقت ان کے پاس اچانک ہی آ جائے گا جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا جسے دیکھ کر وہ مبہوت و متحیر ہو جائیں گے۔

نکتہ: عام لوگوں کو قیامت کا علم اس لئے نہیں دیا گیا تا کہ اس کا کھٹکا انہیں لگا رہے اور اس دن کی تیاری میں لگے رہیں لیکن خواص لوگوں کو اس کے واقع ہونے سے نہ حیرت ہوگی نہ پریشانی۔ آگے فرمایا کہ ان میں اتنی ہمت نہیں ہوگی۔ کہ وہ جہنم کی آگ کو یا اس وعدے کو ٹال سکیں نہ رد کر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی تا کہ کچھ دیر وہ آرام پا سکیں۔ یا کوئی عذر پیش کر سکیں۔ **سبق**: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے اس فرصت کو غنیمت سمجھیں۔ جب اچانک موت نے آ کر گھیرے ڈال لئے۔ تو پھر انسان کو نہ تو مہلت ملے گی اور نہ اس کا کوئی تدارک کر سکے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ) فرصت کو گناہ میں نہ گذار اس لئے کہ دنیا کا ایک ایک لمحہ بھی سارے عالم سے بہتر ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور البتہ تحقیق ٹھٹھہ ہوا ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے ہوئے تو گھیر لیا گیا ان کو اس میں

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

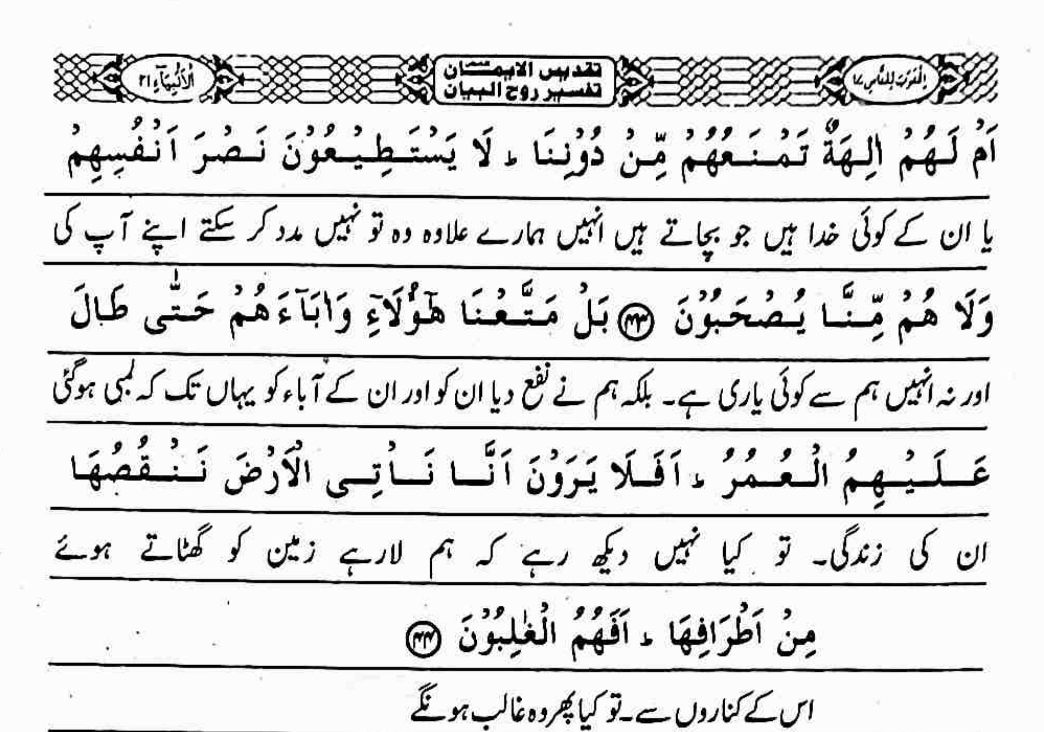
جو تھے اس سے مزاح کرتے ۔ فرمادو کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات اور دن

مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

رحمٰن سے (زیادہ) بلکہ وہ یادالٰہی سے منہ پھیرنے والے ہیں

(آیت نمبر ۴۱) کفار کثرت سے حضور ﷺ کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتے تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے محبوب آپ سے پہلے رسولان عظام کے ساتھ بھی اس طرح ٹھٹھہ مزاق کیا گیا جبکہ وہ بھی بڑی بڑی شانوں والے صاحب فضیلت نبی تھے انہوں نے لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کیا آپ بھی صبر کریں پھر گھیر لیا عذاب نے ان لوگوں کو جو نبیوں کا تمسخر اڑاتے تھے۔ یہ سزا تھی اس کی جو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مزاق اڑاتے تھے یہ دنیا میں سزا ملی اور آخرت کی سزا یہ کہ وہ جہنم کے عذاب میں مبتلاء ہوں گے۔ اسی طرح کفار مکہ بھی عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

(آیت نمبر ۴۲) اے میرے محبوب آپ ان مزاق کرنے والوں کو فرمادیں کہ دن رات میں تمہاری حفاظت کون کرتا ہے۔ رحمٰن کے عذاب سے جو تمہاری بداعمالیوں کی وجہ نازل ہوتا ہے اس سے تمہیں کون بچاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہی تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمالے تو پھر اس کے عذاب سے کون بچائے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے عذاب سے بچانے والا تو پھر بھی یہ کفار اپنے رب کا نام لینے سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لینے کا خیال بھی انہیں نہیں آتا۔ چہ جائیکہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہو الٹا ہٹ دھرمی سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا محافظ کون ہے۔ تو اے محبوب ان کو بتادو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ یہ امن وسکون تمہاری وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو رحمان ہے۔ اس کی رحمت سے سب کفار بھی نفع اٹھارہے ہیں۔ لیکن اس کی اتنی بڑی مہربانیوں کے باوجود وہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔



اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

یا ان کے کوئی خدا ہیں جو بچاتے ہیں انہیں ہمارے علاوہ وہ تو نہیں مدد کر سکتے اپنے آپ کی

وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ

اور نہ انہیں ہم سے کوئی یاری ہے۔ بلکہ ہم نے نفع دیا ان کو اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ لمبی ہوگئی

عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

ان کی زندگی۔ تو کیا نہیں دیکھ رہے کہ ہم لا رہے زمین کو گھٹاتے ہوئے

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

اس کے کناروں سے۔ تو کیا پھر وہ غالب ہونگے

(آیت نمبر ۴۳) کیا ہمارے علاوہ کوئی ان کے خدا ہیں جو ہمارے عذاب کو روکیں گے جن پر انہیں بڑا اعتماد ہے یہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے کہ کوئی بت وغیرہ انہیں عذاب الٰہی سے بچالے گا۔ ان کے معبودان باطلہ تو اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاسکیں گے۔ اگر کوئی ان بتوں کو توڑ دے یا انہیں جوتے مارے ان پر گندگی ڈال دے یہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو جو دنیا میں اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ آخرت میں تمہاری کیا حفاظت کریں گے۔ (اس قسم کی آیات پڑھ کر نجدی وغیرہ نبیوں ولیوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ انبیاء و اولیاء میں اور معبودان باطلہ میں کیا قدر مشترک ہے؟)۔ آگے فرمایا کہ ان کے بتوں کو تو نہ ہماری طرف سے کسی قسم کی نہ سکینہ ملتی ہے نہ راحت اور اولیاء کاملین کو تو یہ ساری چیزیں ملتی ہیں اور ملیں گی۔ اتنے بڑے فرق کے باوجود نبیوں ولیوں اور بتوں کو ایک ہی قسم سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے۔

(آیت نمبر ۴۴) بلکہ ہم نے ہی نے انہیں بھی اور ان کے آباء واجداد کو عیش وعشرت کا اور اسباب زندگی کا سامان دیا اور انہوں نے اس عیش میں ایک لمبی مدت تک فائدہ اٹھایا۔ لیکن وہ اس دھوکے میں آ گئے کہ وہ ہمیشہ اسی مزے میں رہیں گے۔ انہیں یہ سمجھ نہ آئی کہ دست اجل کا ایک طمانچہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم دار الحرب کے کفار پر مسلمانوں کو غلبہ دیکر ان کفار کی زمین کو ہر طرف سے کم کر رہے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

فرمادو بے شک میں تو تمہیں ڈراتا ہوں وحی سے۔ اور نہیں سنتے بہرے آواز کو جب وہ ڈرائے جائیں۔

(بقیہ آیت نمبر۴۴) پھر بھی انہیں یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔

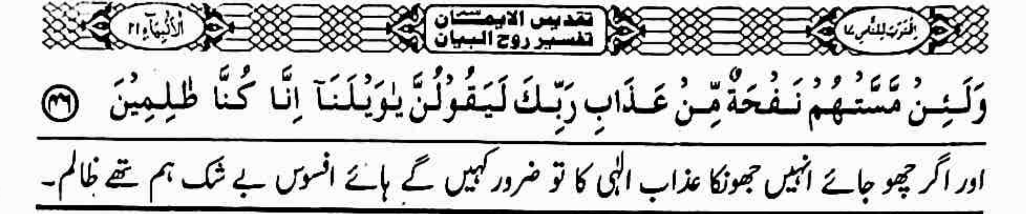
فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین کم ہو رہی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے ملک مسلمانوں کے قبضے میں آنے اور کثرت سے کفار کے اسلام میں داخل ہونے کو کفار کی زمین کم ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور کئی بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے تو گویا ان کی زمین کم ہو گئی۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ مسلمانوں کو روز بروز ترقی دی۔ اور کفار تنزلی کا شکار ہوتے گئے تو آگے فرمایا کہ کیا اب بھی ان کا خیال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر اور مسلمانوں پر غلبہ پالیں گے۔ کسی کو غلبہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا بے شک ہمارے لشکر ہی غالب آئیں گے۔

انبیاء واولیاء کی شان: غلبہ ونصرت دینا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا منصب ہے اور یہ غلبہ اللہ تعالیٰ اپنے لشکر کو یعنی انبیاء واولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ اگر چہ کسی وقت بہ ظاہر تھوڑے سے مغلوب بھی ہوئے۔ لیکن اکثر غلبہ مسلمانوں کو ہی حاصل رہا۔ اسی لئے تو مشرق ومغرب تک بڑے بڑے سرکش بادشاہوں کو شکست دیکر ان کی حکومتوں پر مسلمانوں نے قبضہ جمایا اور ان کے خزائن کے مالک بنے۔ اگر کسی جگہ معمولی شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ آزمائش کی وجہ سے ہوا۔

خیبر کی فتح: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے در خیبر قوت جسمانی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت قوت نورانی سے توڑا۔ **فائدہ:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دروازے کو اکھیڑ کر زمین پر دے مارا حالانکہ وہ اتنا وزنی تھا کہ بعد میں ستر آدمی ملے تو اسے اٹھا کر اپنی جگہ مشکل کے ساتھ لے جا کر رکھ سکے۔

(آیت نمبر۴۵) اے محبوب ان عذاب مانگنے والے جلد بازوں کو فرمائیں کہ میں جو تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں وہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور جو خبریں مجھ تک آتی ہیں وہ میں تم تک پہنچا دیتا ہوں اور نہیں سنے گا بہرا دعوت ایمان کو جب بھی انہیں آیات خداوندی سنا کر ڈرایا جاتا ہے۔ **فائدہ:** کفار کو بہرا اس لئے کہا گیا کہ وہ آیات الٰہی سنتے ہی نہیں اگر سنیں تو بے پرواہی سے سنتے ہیں تو گویا انہوں نے سرے سے سنا ہی نہیں۔ جیسے بہرے کے سامنے گلہ پھاڑ پھاڑ کر بھی سنایا جائے وہ کچھ نہیں سنتا۔



وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر چھو جائے انہیں جھونکا عذاب الٰہی کا تو ضرور کہیں گے ہائے افسوس بے شک ہم تھے ظالم۔

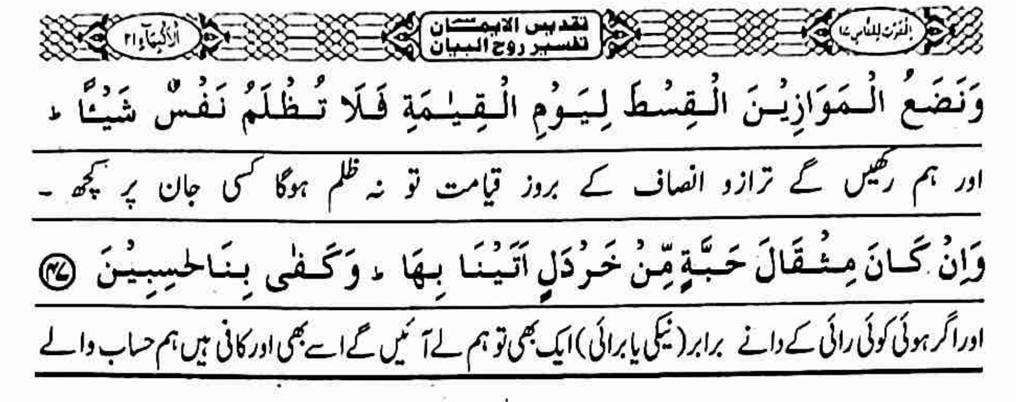
(بقیہ آیت نمبر ۴۵) چونکہ ان میں قوت سماع ہی نہیں ہوتی یہی حال ان کفار کا ہے کہ انہیں کتنے پختہ دلائل سے سمجھایا جائے پھر بھی وہ نہیں مانتے یعنی وہ ایسے بدبخت ہیں کہ انہیں ڈرانے کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔

فائدہ : گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو فرمایا کہ میری آیات ان کافروں کے سامنے بیان کر دینا آپ کا کام ہے۔ ان کے سننے ماننے سے آپ کو کوئی واسطہ نہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کر دیں۔ جو مانے گا اس کی اپنی خوش قسمتی۔ ایک اور مقام پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جن میں بھلائی دیکھتا ہے انہیں سنوا دیتا ہے یعنی وہ ایمان قبول کر لیتے ہیں۔ اور نیک بختوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(آیت نمبر ۴۶) اور البتہ اگر ان کافروں کو عذاب کی معمولی سی بھنک بھی لگ جائے۔ جس عذاب سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو وہ انتہائی حیرت واضطراب سے ضرور کہیں گے۔ ہائے افسوس ہم بے شک ظالم تھے۔ یعنی اپنے ظلم کا خود ہی اعتراف کریں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے آیات الٰہی سن کر ان سے منہ پھیرا لہٰذا واقعی یہ ظالم ہیں۔ یہ وعید بھی انہیں اس لئے سنائی گئی تاکہ وہ اپنی غلطیوں سے باز آ جائیں۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ غافل لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی تنبیہات اور اولیاء کرام کے نصائح سے بھی بیدار نہیں ہوتے۔ جب تک کہ وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہونگے چونکہ ابھی وہ عالم خواب میں ہیں۔ جب مرنے کے بعد آنکھیں کھلیں گی تو پھر وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے پکاریں گے کہ واقعی ہم ظالم تھے اور یہ قاعدہ ہے کہ ظلم عذاب کو دعوت دیتا ہے اور نعمتوں سے محروم کرتا ہے۔

سبق : گناہگار کیلئے لازم ہے کہ انذار ونصیحت سننے کے بعد گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ کیلئے گناہوں سے باز رہیں۔ نصیحت اور اچھے وعظ پر کان لگائیں۔ ورنہ بروز قیامت حسرت وندامت سے کہیں گے۔ کاش ہم اگر نصیحت کو سنتے اور سمجھ کر اس پر عمل کرتے تو آج جہنمیوں میں نہ ہوتے (اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے بچائے، آمین)

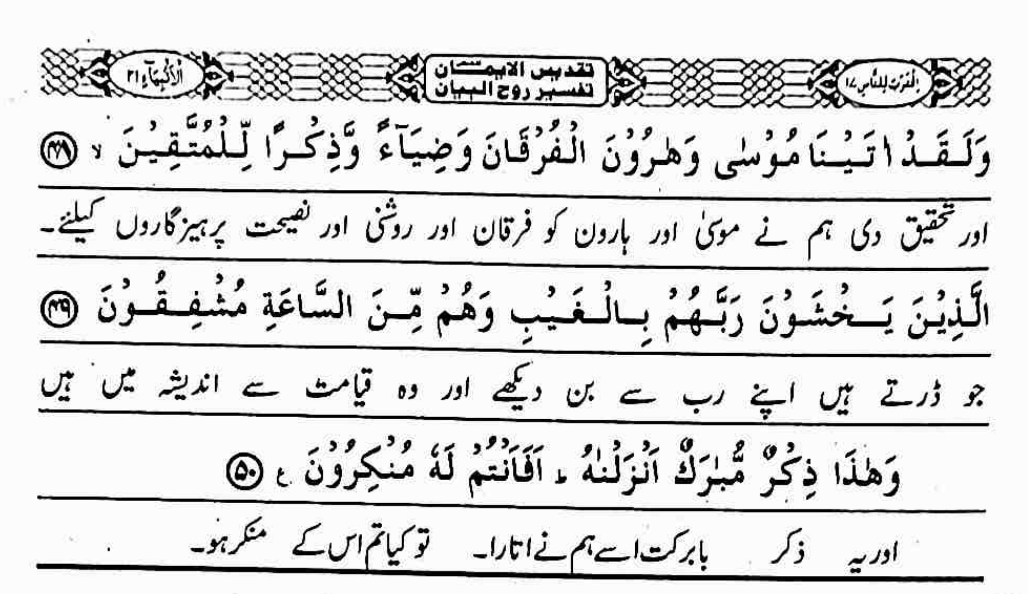


(آیت نمبر ۴۷) ہم ہی عدل وانصاف کے ترازو قائم کریں گے جن پر تمہارے اعمالنامے تولے جائیں گے۔

نکتہ: قرآن مجید میں بعض مقامات پر جمع کا صیغہ ''موازین'' آیا ہے اور بعض جگہ ''والوزن'' واحد کا صیغہ آیا ہے۔ یہ باعتبار صاحبان اعمال کے محاسبہ کیا گیا ہے اور یہ عمل بروز قیامت ہوگا تاکہ اس کے مطابق ہی جزاء اور سزا ہو اور اس میں کسی بھی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس کے حقوق میں سے کسی کے حق میں بھی اگرچہ وہ عمل رائی کے دانہ برابر ہوا تو بھی اسے ہم اس دن سامنے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔ اس کائنات میں کون ہے۔ جو علم میں ہم سے بڑھ کر ہو یا ہم جیسا کون ہے انصاف کرنے والا حساب کا معنی ہے شمار کرنے والا۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حاسبین کا معنی ہے۔ عالمین اس لئے کہ شمار کرنے والے کے پاس علم ہونا ضروری ہے اور حافظین اس لئے کہ اس کی حفاظت بھی وہی کرسکتا ہے۔ جس کو اس کا علم ہے۔ **سبق**: اس میں اشارہ ہے کہ ہمارا حساب دان بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور اسے ہر ایک کا علم ہے۔ اس کے حساب سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔ اس لئے حساب سے بہت ڈرنا چاہئے۔ (دعا ہے اللہ تعالیٰ مہربانی کرے حساب ہی نہ ہو)

نکتہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میزان حق ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اعمال کو تول کر بندے کو دکھائے گا۔ تاکہ بندے کو اپنے اعمال کی مقدار معلوم ہو جائے اور بندہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے تاکہ اعمال تل کر بندے کو اس کے عدل کا بھی پتہ چلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم پر اس کے فضل کا بھی پتہ لگ جائے اور کوئی بات چھپی نہ رہ جائے۔ **حدیث شریف** میں ہے۔ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے پھلکے۔ میزان میں وزنی اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ وہ ہیں ''سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم'' (بخاری)۔ اور ایک **حدیث** میں ہے۔ ''الحمد للہ'' ہی میزان کو بھر دے گا (بخاری) اور ایک **حدیث قدسی** میں ہے۔ سات آسمان اور سات زمینیں اور ان کی آبادی سمیت ترازو کے ایک پلڑے میں اور ''لاالہ الا اللہ'' دوسرے پلڑے میں ہو تو کلمہ شریف کا وزن زیادہ ہوگا۔ (بخاری)



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿۴۸﴾

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور نصیحت پرہیزگاروں کیلئے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت سے اندیشہ میں ہیں

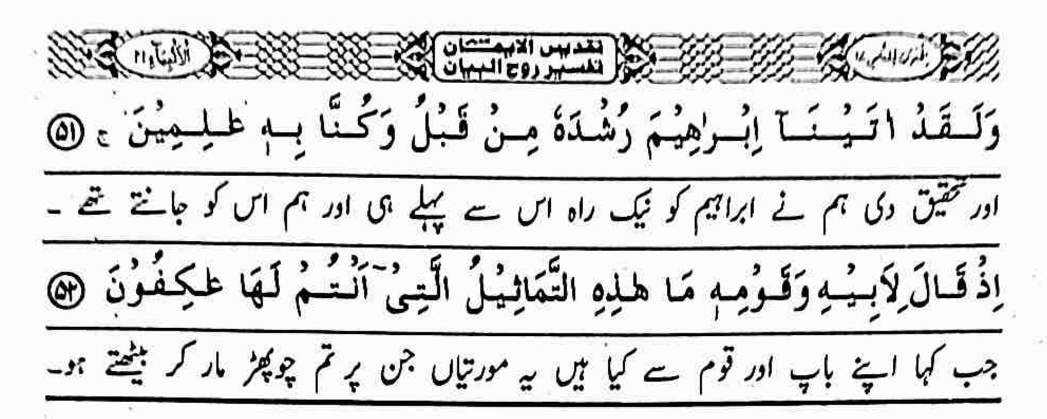
وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ع ﴿۵۰﴾

اور یہ ذکر بابرکت اسے ہم نے اتارا۔ تو کیا تم اس کے منکر ہو۔

(آیت نمبر ۴۸) اور البتہ تحقیق ہم نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ایسی کتاب عطا کی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور روشنی دینے والی ہے کہ جس سے جہالت کے اندھیرے کافور ہوں اور روشنی دینے والی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اس سے ہدایت حاصل ہو اور وہ ایسا ذکر ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور متقی بن جائیں چونکہ ذکر سے صحیح فائدہ متقین نے اٹھایا۔ اس لئے ذکر کے ساتھ ان کو مخصوص کیا۔

(آیت نمبر ۴۹) وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے جو ان سے غائب ہے اسے دیکھا نہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ اگر نافرمانی کی تو قیامت کے دن سخت عذاب کے مستحق ہونگے۔ اس میں کفار کیلئے تعریض ہے کہ تم کیسے بدبخت ہو کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں۔ اس کے باوجود وہ ڈر رہے ہیں اور تمہارے سر پر عذاب منڈلا رہا ہے۔ لیکن تم ڈرتے ہی نہیں۔ آگے فرمایا کہ مسلمان تو اپنے دل میں قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔ یعنی اس وقت کے لئے وہ تیاری کر رہے ہیں۔ ان کا قیامت کی ہولناکی سے گھبرانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ قیامت کوئی معمولی چیز نہیں وہ سب سے زیادہ خوفناک چیز ہے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور یہ ذکر یعنی قرآن مجید ایک واضح نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والے کیلئے اور اس میں بہت ہی خیر و برکت ہے اس کیلئے جو اس سے برکت حاصل کرنا چاہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اسے ہم نے نازل کیا ہے۔ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر تو کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔ یعنی جب قرآن توراۃ کی طرح واضح ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر اس کی حقانیت سے کیوں انکار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ اس نبی نے خود بنایا ہے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اور تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو نیک راہ اس سے پہلے ہی اور ہم اس کو جانتے تھے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب کہا اپنے باپ اور قوم سے کیا ہیں یہ مورتیاں جن پر تم چوپھڑ مار کر بیٹھتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) **فائدہ**: قرآن بذات خود انتہائی مبارک ہے جو اسے شوق سے پڑھے یا سنے اسے کلام والے کا مشاہدہ نصیب ہوگا۔ **حدیث شریف**: فرمان نبوی ہے کہ گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یعنی گھروں میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جس دل میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو وہ دل ویران گھر کی طرح ہے۔ (ریاض الصالحین)۔ افسوس صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو قرآن کی تلاوت سے محروم رہے۔ اشعار اور غزلیات اور فضولیات میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں قرآن پاک کی محبت اور اس کی روشنی نصیب فرمائے۔ آمین

(آیت نمبر ۵۱) اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی شان کے مطابق انہیں رشد و ہدایت عطا کی۔ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو رشد دیا۔ رشد کا معنی وہ چیز جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہو۔ یہ عطا جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو توراۃ عطا کرنے سے پہلے کی چونکہ قرآن مجید کے مضامین کو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مکمل مشابہت ہے۔ اسی لئے یہاں اس کا ذکر مناسب ہوا۔ آگے فرمایا ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ایسی نبوت و رشد کے اہل ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ زیادہ جانتا ہے کہ رسول کسے بنانا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کی اہلیت کا ہونا خداداد عطیہ ہے۔ نبوت یا رسالت اللہ تعالیٰ اسی کو دیتا ہے۔ جو اس کا اہل ہو۔

(آیت نمبر ۵۲) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب (باپ) اور قوم سے فرمایا قوم سے مراد اہل بابل ہیں۔ جو کہ دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ فرمایا یہ کیا مورتیاں بنا کر ان کے سامنے تعظیماً بیٹھے ہو یعنی ان کی پرستش کر رہے ہو۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال اپنے آپ کو بے خبر ظاہر کر کے انہیں علم سے بہرہ مند کرنے کے مترادف ہے ورنہ آپ جانتے تھے کہ یہ کیا چیز ہیں (اپنے گھر میں جو فیکٹری لگی ہوئی تھی)۔ آزر جو آپ کا چچا تھا۔ ہزاروں کے حساب سے بناتا اور بیچتا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سمجھانے کا یہ بھی ایک انداز ہے۔



قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

بولے پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو جو ان کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا تحقیق ہو تم اور تمہارے باپ دادا

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

گمراہی کھلی میں ۔ بولے کیا تم لائے ہمارے پاس حق یا تو کھیل کر رہا ہے ۔

(آیت نمبر۵۳) تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ ہمیں تو اتنا ہی علم ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو دیکھا تھا کہ وہ ان کی پوجا کرتے تھے۔ ہم بھی ان کی اقتداء میں پوجا میں لگ گئے۔ یعنی ان کے پاس بتوں کو پوجنے کی پختہ دلیل کوئی نہیں تھی۔ سوا اس کے کہ ان کے آباء واجداد ایسا کرتے تھے انہوں نے دیکھ کر ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ (یہ وہ تقلید ہے۔ جس سے منع کیا گیا۔ معلوم ہوا ہر تقلید بری نہیں ہے)۔

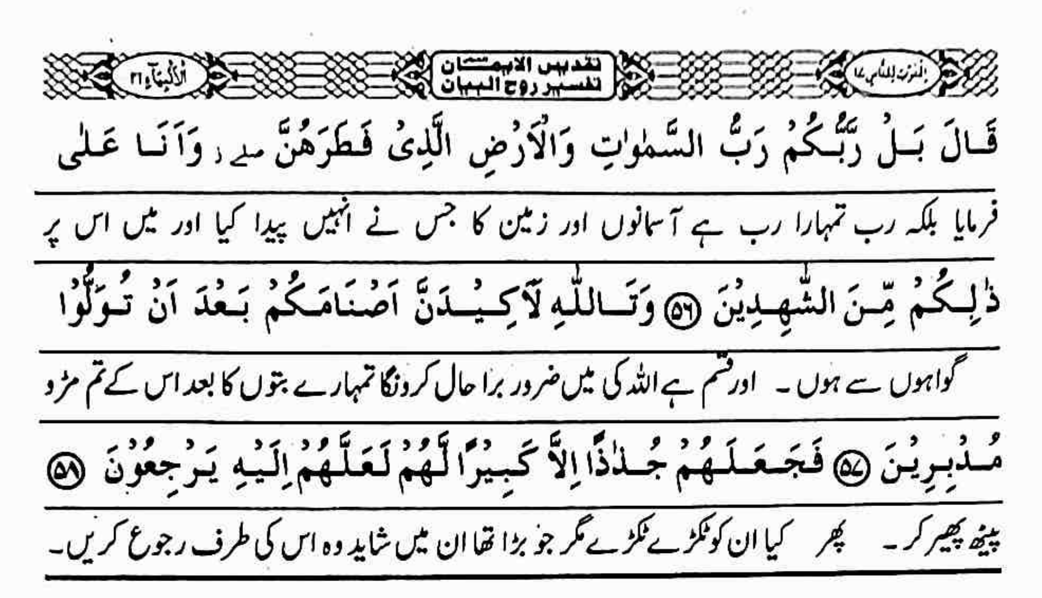
(آیت نمبر۵۴) تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ البتہ تحقیق تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی جنہوں نے تمہیں اس بت پرستی جیسے باطل طریقہ پہ لگایا کھلی گمراہی میں ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفسانی اور بری رسموں میں عوام پر تقلید غالب ہوتی ہے البتہ جسے اللہ تعالیٰ اندھی تقلید سے بچا کر رشد وہدایت نصیب فرمادے۔

ازالہ وھم: اس سے یہ مراد نہیں کہ کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ تقلید تو جائز ہے مگر اس کی تقلید کرنی چاہئے جو مسلمان ہو۔ اور قرآن وحدیث کا جاننے والا ہو۔ اہل سنت احناف اور شوافع کے نزدیک صرف فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے۔ اصول دین یعنی اعتقادیات میں تقلید ناجائز ہے۔

(آیت نمبر۵۵) مشرکین نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے کہا کیا واقعی آپ ہمارے ساتھ سچی اور یقینی بات فرمارہے ہیں۔ یا ویسے مزاح کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید ابراہیم علیہ السلام ہمارے پرانے دین اور اس کی شان وشوکت اور اس کی کثرت کو دیکھ کر ٹھٹھہ مزاح کر رہے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ والے انبیاء واولیاء کرام دنیا والوں کو لہو ولعب میں شمار کرتے ہیں اس لئے کہ دنیا ہے ہی کھیل تماشہ۔ اسی طرح دنیا دار اللہ والوں کو سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے کھیل تماشے میں لگے رہیں۔ وہ معاذ اللہ دین کو اور دین والے لوگوں کو عبث اور بے کار سمجھتے ہیں (اور اپنے بارے میں سمجھتے ہیں کہ شاید دنیا میں سب سے زیادہ سمجھ دار ہم ہی ہیں۔



قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى

فرمایا بلکہ رب تمہارا رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر

ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا

گواہوں سے ہوں۔ اور قسم ہے اللہ کی میں ضرور برا حال کرونگا تمہارے بتوں کا بعد اس کے تم مڑ د

مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾

پیٹھ پھیر کر۔ پھر کیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر جو بڑا تھا ان میں شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

(آیت نمبر ٥٦) جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ کوئی مزاق یا دل لگی نہیں کر رہا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ تمہارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے۔ جس نے انہیں پیدا فرمایا اور تمہیں بھی تو جب تمہارا خالق اللہ ہے تو تم اس کی عبادت کرو تم پرستش بتوں کی کیوں کرتے ہو اور میں ان گواہوں میں سے ہوں جو اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ فی الواقع رب تعالیٰ ہی نے یہ سب کچھ بنایا۔ مگر جن کی تم پرستش کر رہے ہو۔ نہ انہوں نے کچھ بنایا نہ یہ کسی چیز کے مالک ہیں۔ نہ ان کی کوئی حیثیت ہے۔ یہ تو محض پتھر ہیں جو تم نے خود بنائے ہیں۔

(آیت نمبر ٥٧) خدا کی قسم میں تمہارے خداؤں کی کوئی تجویز کروں گا۔ یعنی میں ایسا کام کر کے ثابت کرونگا۔ کہ ان کا خدا ہونا تو درکنار۔ یہ اتنے بے کار ہیں۔ کہ یہ کسی کام نہیں آسکتے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نمرودی قوم سال میں ایک دن عید بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ گھر سے طرح طرح کے کھانے تیار کرا کر بت خانہ میں جاتے اور اپنے اپنے بتوں کے آگے وہ کھانے اور مٹھایاں رکھ جاتے واپس آ کر ان کو متبرک سمجھ کر کھاتے تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس دن کے متعلق فرمایا کہ میں جب تمہارے ان باطل خداؤں کی گت بناؤں گا تو تم عید سے واپس لوٹ کر ان کا برا حال دیکھ لو گے۔ تا کہ تم سمجھ جاؤ کہ بت خدا نہیں ہیں۔

(آیت نمبر ٥٨) ادھر بت پرست جب عید پر رنگ رلیاں منانے چلے گئے اور ادھر ابراہیم علیہ السلام بت خانے میں پہنچ گئے اور کلہاڑے سے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ بڑے بت کو چھوڑ دیا بلکہ کلہاڑا اسی کی گردن میں لٹکا دیا تا کہ وہ لوٹ کر اسی بڑے بت سے ان کی بربادی کے متعلق حالات پوچھیں۔ اس میں ان کی جہالت کا اظہار مطلوب تھا۔ (بحر العلوم) یا "اِلَیْہِ" میں ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی واپس آ کر ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى

بولے کس نے کیا یہ حال ہمارے خداؤں کا بے شک وہ ظالموں سے ہے۔ کچھ نے کہا ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان

يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

ان کو برا کہتا ہے کہا جاتا ہے اس کو ابراہیم۔ کہنے لگے لاؤ اسے سامنے لوگوں کے

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾

تا کہ لوگ گواہ ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) **بتوں سے مکالمہ**: مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں دیکھا کہ ان کے سامنے طرح طرح کے کھانے پڑے تھے تو آپ نے از راہ مزاق انہیں فرمایا کہ کھاتے کیوں نہیں بولو تو سہی۔ دائیں بائیں دیکھا تو وہاں ایک کلہاڑا پڑھا تھا۔ اس سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور تمام کھانے ادھر ادھر بکھیر دیئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کا مقصد تھا کہ واپس آ کر اپنے خداؤں کا جب برا دیکھیں گے حال خود سمجھ جائیں گے کہ جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ تکالیف میں ہمیں کیا بچائیں گے۔ اس سے وہ شاید بت پرستی چھوڑ دیں۔

(آیت نمبر ۵۹) نمرودی جب شام کو واپس بت خانے میں آئے تو بتوں کا برا حال دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور کہا کہ ہمارے خداؤں کا یہ برا حال کس نے کیا۔ بے شک وہ تو ظالموں میں سے ہے جسے ہمارے خداؤں پر ترس بھی نہیں آیا۔ سب کارگزار نکال دیا۔ اور ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسے ان پر یہ ظلم کرتے ہوئے یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارے خدا ہیں۔ ہمیں جان سے بھی پیارے ہیں۔

(آیت نمبر ٦٠) ان میں سے ہی کچھ نے بتایا۔ ہم نے سنا ہے کہ یہاں ایک جوان ہے جو ان بتوں کا عموماً برائی سے ذکر کرتا رہتا ہے۔ باقی تو سب نیاز مند ہیں۔ بتوں کی مذمت کرنے والا ایک ہی ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت ان کے متعلق ایسی باتیں کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ان خداؤں کو ٹکڑے ٹکڑے بھی ضرور اسی نے کیا ہوگا۔

(آیت نمبر ٦١) ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ معاملہ اراکین سلطنت اور نمرود تک پہنچ گیا تو انہوں نے آرڈر جاری کیا کہ ابراہیم کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھ بھی لیں اور گواہی بھی دیں کہ واقعی اسی نے بتوں کو توڑا ہے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

بولے کیا تونے ہی کیا یہ کام ہمارے خداؤں سے اے ابراہیم ۔ فرمایا بلکہ کیا (ہوگا)

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

ان کے اس بڑے نے ان ہی سے پوچھ لو اگر ہیں بولتے۔

(بقیہ آیت نمبر۶۱) **فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ سابقہ قوموں میں کچھ کفار ایسے بھی ہوئے جو بلاوجہ بغیر گواہ گذرے کسی کو سزا نہیں دیتے تھے۔اس سے واضح ہوا کہ جو بلاوجہ بغیر گواہی گذرے اور حجت دیکھے بغیر سزا دے وہ نمرود جیسے کافر سے بھی گیا گذار ہوا ہے۔

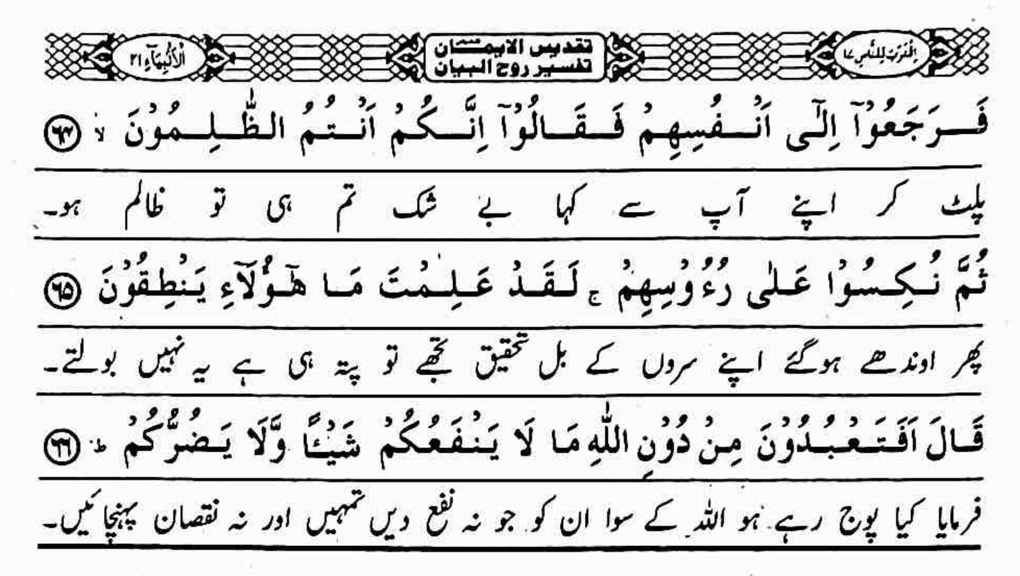
فائدہ: کچھ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں بلا کر سب کے سامنے لے آئے۔

(آیت نمبر۶۲) جب ابراہیم علیہ السلام تشریف لے آئے تو ڈانٹ کر وہ آپ سے کہنے لگے۔اے ابراہیم یہ ہمارے خداؤں کو تو نے توڑا ہے۔انہیں چونکہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ کام انہوں نے ہی کیا ہے۔اس کے باوجود انہوں نے سزا دینے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھ لیا کہ کیا یہ کام تم نے کیا ہے۔

(آیت نمبر۶۳) تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے ہوسکتا ہے اس بڑے کو غصہ آیا ہو کہ عزت وتکریم میں یہ میرے شریک کیوں ہیں۔غصے میں آکر ان کی ستیاناس کر دی ہو بہتر ہوگا ان سے ہی پوچھ لو۔ اگر بولتے ہیں وہ خود بول کر تمہیں بتادیں گے کہ یہ کام کس نے کیا۔

فائدہ: اگر ان کا کچھ عقل ہوتا تو وہ اسی سے سمجھ جاتے کہ جو اپنے آپ کو مار سے بچا نہ سکے۔اگر ہمیں کسی نے مارا تو یہ ہمیں کیسے بچائیں گے لیکن خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔

تقیہ حرام ہے: بعض لوگ یہاں سے تقیہ کا ثبوت نکالتے ہیں تقیہ دراصل جھوٹ کا نام ہے اور جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ابراہیم علیہ السلام نے سچ فرمایا کہ ان کے بڑے نے کیا۔یہ اشارہ اپنی طرف تھا اور اس وقت قوم میں مرتبے کے لحاظ سے آپ ہی سب سے بڑے تھے۔(اور جناب ابراہیم تو صدیق نبی ہیں اور صدیق تو بہت زیادہ سچ بولنے والے کو کہتے ہیں۔**حدیث شریف** میں جن تین جھوٹ بولنے کا ذکر آیا ہے۔وہ راوی کا مغالطہ ہے)۔



فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ ﴿٦٤﴾

پلٹ کر اپنے آپ سے کہا بے شک تم ہی تو ظالم ہو۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

پھر اوندھے ہوگئے اپنے سروں کے بل تحقیق تجھے تو پتہ ہی ہے یہ نہیں بولتے۔

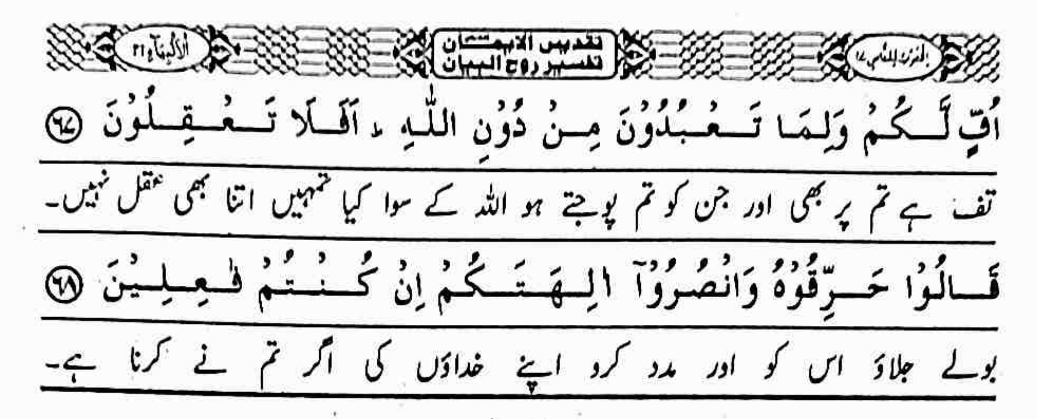
قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۭ ﴿٦٦﴾

فرمایا کیا پوج رہے ہو اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع دیں تمہیں اور نہ نقصان پہنچائیں۔

(آیت نمبر٦٤) پس لوٹے اپنے آپ کی طرف یعنی کچھ دیر کیلئے ابراہیم علیہ السلام کی بات سن کر عقل ٹھکانے لگی اور سمجھے کہ جو اپنی تکلیف نہیں ہٹا سکے۔ یعنی توڑنے والے کا کچھ نہیں کر سکے ہمیں اپنا دکھ بتا نہ سکے پھر دوسرے کو کیا نفع نقصان دے سکتے ہیں۔ اتنی بات تو ان کی سمجھ میں آ گئی کہ واقعی تم ظالم ہو کہ ان بے کار پتھروں کو پوج رہے ہو اور اصل مالک وخالق کو تم نے چھوڑ دیا۔ (مگر وائے بدنصیبی ایمان پھر بھی مقدر میں نہ تھا)۔

(آیت نمبر٦٥) اگرچہ اس واقعہ نے ان پر اثر کیا دماغ ٹھکانے لگے لیکن پھر شیطان کے کہنے میں آ کر اسی حالت پر لوٹ آئے۔ اسی لئے ان کیلئے نکس کا لفظ استعمال ہوا۔ نکس اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جسے سیدھا کیا جائے۔ وہ پھر اسی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ تو وہ حق سمجھ لینے کے باوجود پھر باطل کی طرف لوٹ آئے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ وہ کچھ دیر اپنے سروں کے بل جھکے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی بات سن کر شرمندگی سے سر جھکائے اور حیرت سے بولے۔ اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ بت بول ہی نہیں سکتے تو آپ کیوں ہم سے کہتے ہیں کہ ان سے پوچھو۔ گویا ابراہیم علیہ السلام جو بات ان کو منوانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا۔ اور انہوں نے تسلیم کرلیا کہ ہم غلطی پر ہیں۔ (لیکن پرنالہ اسی جگہ رہا)۔

(آیت نمبر٦٦) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی مسکت دلیل دی کہ انہیں عاجز کر دیا اور فرمایا کہ جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ تمہارے معبود اتنے عاجز ہیں کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے کا نہ کچھ بگاڑ سکے۔ نہ ٹکڑے کرنے والے کا نام بھی بتا سکے۔ تو پھر اصل خدا کو چھوڑ کر ان کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ تو تمہیں کو نفع دے نہ کسی کو نقصان دے سکیں۔ اب جب تم نے آزما لیا تو تم پر واجب ہے کہ ان کی پوجا کرنا چھوڑ دو۔ لیکن ان پر بدبختی سوار تھی۔ پھر بھی ان ہی کا دم بھرنے لگے۔



اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

تف ہے تم پر بھی اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا کیا تمہیں اتنا بھی عقل نہیں۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

بولے جلاؤ اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم نے کرنا ہے۔

(آیت نمبر ٦٧) تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ برائی اور خرابی ہو تم پر بھی اور ان پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر۔ کیا تم اپنی غلطی کو بھی نہیں سمجھتے۔

فائدہ: حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہی ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے کہے مجھے یہاں سے نکال دو۔ **فائدہ**: بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ غیروں سے مانگنا تو ایسے ہی ہے جیسے وہ اپنے آقا و مولیٰ سے بہت دور ہے کیونکہ اس کے قریب ہونے کا یقین ہوتا تو غیروں سے نہ مانگتا۔

(آیت نمبر ٦٨) جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے آگے عاجز آ گئے تو آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کچھ بھی ہو۔ ابراہیم نے ہمارے خداؤں سے برا کیا۔ لہٰذا ابراہیم کو جلا دو۔ اہل باطل کا یہی شیوہ ہے کہ دلائل سے عاجز آ کر مقابل کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ یہ سرشت کفر کی ہر زمانہ میں رہی۔ **فائدہ**: کہنے لگے ہمارے خداؤں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی آ ؤ اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ اگر ہو تم کچھ کرنے والے تو اپنے خداؤں کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا بدلہ لو۔ (اس سے بڑی خرد ماغی کیا ہوگی۔ کہ بندے خداؤں کی مدد کریں۔)

لکڑیاں جمع کرنے کا طریقہ: کوثی نامی گاؤں کے قریب پہاڑ کے ساتھ خندق بنائی گئی اس میں بے حساب لکڑی جمع کی گئی ثواب سمجھ کر لکڑیاں جمع کرتے یہاں تک کہ بیمار کہتا میں مر گیا تو میری طرف سے اتنی لکڑیوں کے گٹھے وہاں ڈالنا اور زندہ رہا تو میں خود سر پہ اٹھا کر اتنے گٹھے لاؤں گا۔ عورتیں منت مانتیں کہ یہ کام ہو گیا تو اپنے سر پر اٹھا کر اتنے گٹھے لکڑیوں کے ڈالوں گی وغیرہ اس کام کو وہ ثواب سمجھتے تھے۔ چالیس دن تک بڑے بڑے جانوروں پر لکڑیاں لاد کر لائے۔ (عقل کے اندھے ثواب کی نیت سے پیغمبر خدا کو جلا رہے تھے)۔

آگ کی تپش: اس قدر زیادہ تھی کہ میلوں دور تک اس کی گرمی جا رہی تھی۔ ہوا بھی گویا آگ بنی ہوئی تھی۔ اب ان کے لئے پریشانی یہ بنی کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے درمیان کیسے پہنچائیں۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ﴿۶۹﴾

ہم نے کہااے آگ ہوجا ٹھنڈی اور سلامت اوپرابراہیم کے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۸) **شیطان کا مشورہ:** شیطان بوڑھی عورت کی صورت میں ان کے پاس آیااورانہیں سکھایا کہ ابراہیم علیہ السلام کیلئے ایک منجنیق بنائی جائے اس میں اسے بٹھا کراسے دکھادیا جائے۔جب وہ آگے جائے تو رسی کاٹ دی جائے۔اس طرح انہیں آگ میں ڈالا جائے اب بھی انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی۔

آگ میں کیسے پہنچے: شیطان نے کہاابراہیم کواچھی طرح باندھ کرلے آؤ۔لاکرمنجنیق میں بٹھایا گیااس وقت ساتوں زمین وآسمان اورملائکہ کانپ اٹھے کہ یااللہ روئے زمین پرصرف ایک ہی آدمی تیری عبادت کرتا ہے۔ وہ بھی آگ میں جارہاہے۔اگراجازت ہوتوہم خلیل اللہ کی مدد کریں۔فرمایامیں تمہیں روکتا تونہیں لیکن وہ میراخلیل ایسامخلص بندہ ہے کہ وہ میرے سواکسی کی مددچاہتاہی نہیں۔بلکہ وہ تومجھے بھی نہیں کہے گا۔اب تم چھوڑ دو میں جانوں اور وہ جانے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال استقامت:

آپ کی مدد کیلئے فرشتے حاضر بھی ہوئے۔اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔آپ نے فرمایا۔میرارب مجھے کافی ہے۔پھرفرشتوں نے منجنیق کوپکڑلیا۔وہ ان سے ہلتی بھی نہ تھی۔پھرشیطان نے کہامنجنیق کے پاس ننگے سرعورتوں کوکھڑا کرو۔جب ایسے کیاتومنجنیق اٹھ گئی۔کیونکہ فرشتے ننگی عورتوں کودیکھ کروہاں سے چلے گئے۔

جبریل علیہ السلام خلیل اللہ کے پاس پہنچے اورعرض کی کہ آپ کی کوئی حاجت ہوتوفرمائیں آپ نے فرمایا تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں۔عرض کی اللہ سے توعرض کریں فرمایاوہ دیکھ جورہاہے۔میرے مانگنے سے اس کا جاننا کافی ہے۔**فائدہ:** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ وقت امتحان تھااگراللہ کے سواکسی سے مددلیتے تومقام خلت سے گرجاتے۔دوسری بات یہ ہے کہ وہ توکل کے اعلیٰ مقام پرپہنچے ہوئے تھے۔اس وقت صبرہی بہترتھا۔

(آیت نمبر ۶۹) جب ابراہیم علیہ السلام نے کمال درجے کا توکل کیاتواس وقت فرمان الٰہی ہواہم نے کہااے آگ توابراہیم کیلئے ٹھنڈی اورسلامتی والی ہوجا۔حکم خداوندی سے وہ آگ صرف ابراہیم علیہ السلام کیلئے گل وگلزارہوگئی۔ ابراہیم علیہ السلام آگ میں جس جگہ پہنچے اللہ تعالیٰ نے وہاں گلاب اورنرگس کے پھول اگادیئے اورنمرودیوں نے جو بیڑیاں وغیرہ ڈالی تھیں وہ سب جل کرختم ہوگئیں۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ ﴿۷۰﴾

اورانہوں نے چلایافریب پھرہم نے کردیاسب سے زیادہ زیاں کار۔

(آیت نمبر ۶۹) **فرشتہ کی ڈیوٹی**: اللہ تعالیٰ نے یہ لگائی کہ فوراً جاؤ کہ جا کر آگ کو گل وگلزار بناؤ ابراہیم (علیہ السلام) کیلئے۔اوراس آگ میں بہترین بستر اور تکیہ لگادواور آپ کو باتوں میں مانوس رکھو۔تو جبریل امین جنت سے عالی شان بستر لے آئے۔آپ کواس پر بٹھادیااورعرض کی۔اللہ نے آپ کوسلام کہاہےاورفرمایاہے کہ یقین رکھیں آگ میرے پیاروں کوکوئی نقصان نہیں دے سکتی۔ع

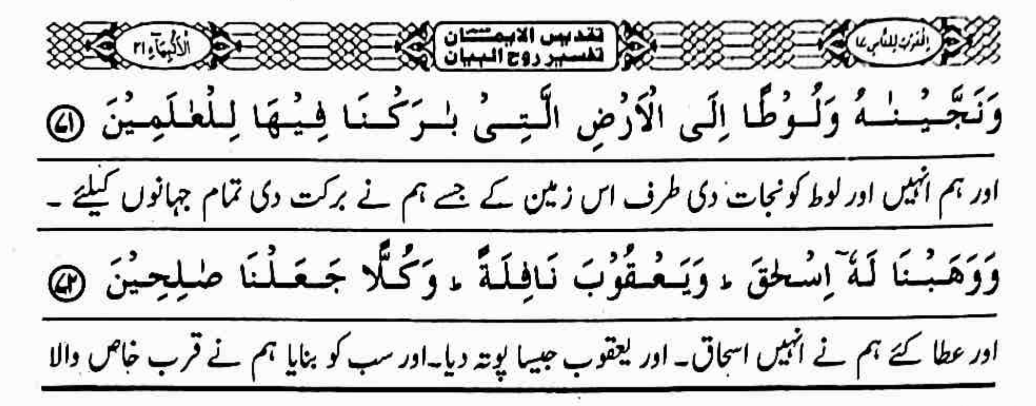
ع آج بھی ہوجوابراہیم ساایمان پیدا　　　　آگ کرسکتی ہےانداز گلستاں پیدا

نمرود نے دیکھا: نمرود یہ سب تماشہ اپنے محل سے دیکھ رہاتھا کہ ابراہیم تو گل وگلزار میں آرام سے بیٹھا کسی سے باتیں کررہاہے۔جسے ہم جلانا چاہتے ہیں۔وہ آگ کے درمیان ایسے بیٹھا ہے جیسے کوئی باغ اور پھولوں میں بیٹھتا ہے۔اوراس کے پاس حسین وجمیل انسان بیٹھا اس سے باتیں کررہاہے۔جب آپ آگ سے باہر نکلے تو پہلی ملاقات ہی نمرود سے ہوگئی۔

نمرود کی قربانی: نمرود بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیااور کہاواقعی تیراخدا بہت عظیم ہے میں اس خدا کے نام کی قربانی پیش کرتاہوں۔پھراس نے چار ہزار گائے ذبح کیں۔لیکن ابراہیم علیہ السلام نے اسے بتایا کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔اس نے کہا کفر تو میں نہیں چھوڑسکتاالبتہ قربانی میں ضرور دونگا۔

(آیت نمبر ۷۰) ان کافروں نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے بہت بڑامکروفریب کیا تا کہ انہیں نقصان پہنچائیں۔لیکن اللہ جل شانہ فرماتا ہے ہم نے ان کے سب ارادے خاک میں ملادیئے۔اورانہیں انتہائی (یعنی دنیا آخرت کے) خسارے میں ڈال دیا۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے "اخسرین" کامعنی "ھالکین" کیاہے۔یعنی مچھروں نے ان کوتباہ کردیا۔نمرود نے دیکھا کہ ان لوگوں کا خون مچھروں نے چوس لیا۔اسی میں وہ فی النار ہوگئے۔بلکہ نمرود کے اپنے ناک سے ایک مچھر داخل ہوکر دماغ میں جابیٹھا۔دماغ پر جوتے مارنے کیلئے نوکرر کھے ہوئے تھے۔جوتے کھاتے کھاتے ہی مردود مرگیا۔(سب کچھ دیکھنے کے باوجود کلمہ نصیب میں نہ ہوا)۔



وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور ہم انہیں اور لوط کو نجات دی طرف اس زمین کے جسے ہم نے برکت دی تمام جہانوں کیلئے ۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

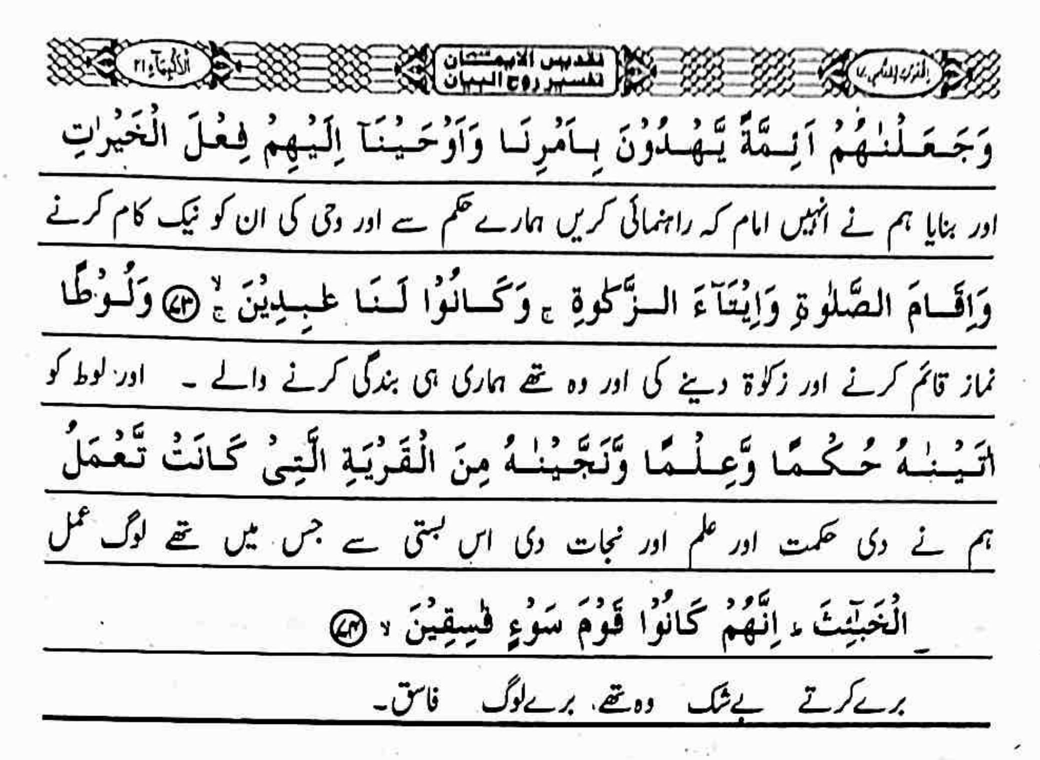
اور عطا کئے ہم نے انہیں اسحاق۔ اور یعقوب جیسا پوتہ دیا۔اور سب کو بنایا ہم نے قرب خاص والا

(آیت نمبر ۷۱) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ اور نمرود سے نجات بخشی اور ان کے بھائی ہاران کے بیٹے لوط علیہ السلام کو ان کے ساتھ کر دیا اور دونوں شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

برکات کی وجہ : شام کے علاقے میں برکتیں اس لئے زیادہ رکھیں کہ وہاں کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اور وہاں شریعتوں کا اجراء بھی زیادہ ہوا۔ ان ہی برکات کی وجہ سے لوگوں کو دینی اور دنیوی سعادتیں نصیب ہوئیں۔ اس سفر ہجرت میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جناب لوط اور حضرت سارہ علیہا السلام بھی تھیں آپ پہلے حران میں پھر فلسطین میں چلے گئے۔

حدیث شریف : بیت المقدس حشر و نشر کا مقام ہے یعنی وہاں حساب و کتاب ہوگا اور شام اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا علاقہ ہے۔ (جہاں پر ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور لوگوں کو ہدایت دی)۔

(آیت نمبر ۷۲) جب جناب ابراہیم علیہ السلام شام میں سکونت پذیر ہو گئے تو فرمایا کہ ہم نے انہیں اسحاق علیہ السلام جیسا خوبصورت بیٹا عطا فرمایا۔ حضرت سارہ کے بطن مبارک پیدا ہوئے جبکہ مائی صاحبہ کی عمر سو سال کے قریب تھی اور اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام عطا کئے جو ابراہیم علیہ السلام کے پوتے بنے۔ یعقوب کا معنی پیچھے ہے چونکہ جناب یعقوب اپنے بھائی عیص کے فوراً بعد بطن مبارک سے باہر آئے ان سب کو ہم نے نیک اور باصلاحیت بنایا یعنی وہ کامل، مکمل اور اکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں نبوت کے متعلق کامل صلاحیتیں رکھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام اپنی اپنی امتوں تک بغیر کسی خوف کے پہنچائے۔



وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

اور بنایا ہم نے انہیں امام کہ راہنمائی کریں ہمارے حکم سے اور وحی کی ان کو نیک کام کرنے

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۚ (۷۳) وَلُوْطًا

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ تھے ہماری ہی بندگی کرنے والے ۔ اور لوط کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

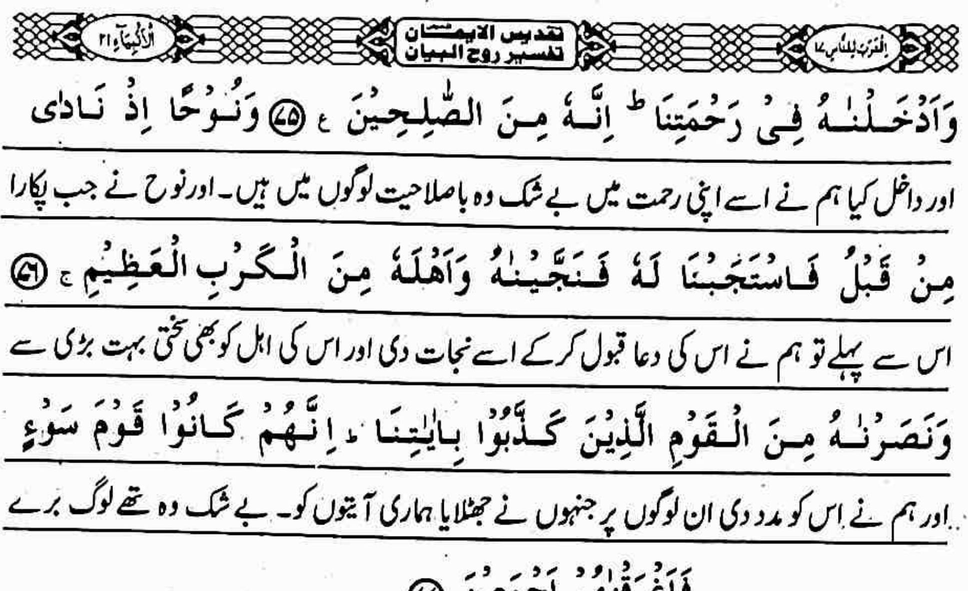
ہم نے دی حکمت اور علم اور نجات دی اس بستی سے جس میں تھے لوگ عمل

الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ (۷۴)

برے کرتے بے شک وہ تھے، برے لوگ فاسق۔

(آیت نمبر۷۳) ہم نے انہیں دینی معاملات میں امام بنایا تا کہ آنے والے لوگ ان کی اقتداء کریں اور یہ بزرگ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت دیتے تھے۔ہم نے ہی انہیں رسول بنا کر بھیجا تھا۔انہیں ہم نے حکم دیا کہ وہ مخلوق خدا کو حق کی طرف راہ بتائیں۔یا ہم نے انہیں وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف ترغیب دیں کیونکہ انسان کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ علم وعمل میں کامل ہو۔سب انبیاء کو تاکید کی گئی کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں کیونکہ یہ دونوں عبادتیں مہتم بالشان ہیں اور تمام بزرگ ہمارے عبادت گذار تھے ان کے دلوں میں ہماری عبادت کے سوا کسی کا تصور بھی نہ تھا۔عبادت انتہائی عجز وانکساری کا نام ہے۔

(آیت نمبر۷۴) اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھی حکمت عطا فرمائی۔علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حکم کے معانی تو بہت ہیں لیکن انبیاء کے لئے استعمال ہو۔تو مراد حکمت ہوتی ہے اور انہیں علم یعنی امور دین اور قواعد شرعیہ وملۃ عطا کئے اور آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی۔یعنی (سدوم) سے کہ جس میں لوگ خبیث کام کرتے تھے۔ خبیث وہ قول وفعل جو طبعاً ردی اور خسیس ہو۔بے شک وہ برے لوگ تھے اور فاسق تھے۔یعنی کفر میں یہاں فسق بمعنی کفر ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے گناہوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے اور فرمانبرداری کے دائرے سے بالکل باہر نکل گئے تھے۔



وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۧ ﴿۷۵﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی

اور داخل کیا ہم نے اسے اپنی رحمت میں بے شک وہ باصلاحیت لوگوں میں ہیں۔ اور نوح نے جب پکارا

مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۚ ﴿۷۶﴾

اس سے پہلے تو ہم نے اس کی دعا قبول کر کے اسے نجات دی اور اس کی اہل کو بھی سختی بہت بڑی سے

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

اور ہم نے اس کو مدد دی ان لوگوں پر جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ بے شک وہ تھے لوگ برے

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾

تو ہم نے ڈبودیا ان سب کو۔

(آیت نمبر ۷۵) اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا۔ اس لئے کہ وہ اس رحمت کے مستحق تھے۔ بے شک وہ باصلاحیت لوگوں میں سے تھے۔ یعنی ان لوگوں میں سے تھے۔ جنہیں ہماری طرف سے خصوصیت حسنیٰ حاصل تھی۔ **رحمت دو قسم ہے:** (۱) عامہ۔ (۲) خاصہ: عامہ وہ ہے جو ہر ایک نیک و بد کو ملتی ہے اور خاصہ۔ خواص لوگوں کے نصیب میں ہے۔ اس کا تعلق مشیت ایزدی اور حسن استعداد کے ساتھ خاص ہے۔

(آیت نمبر ۷۶) اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کیلئے بددعا مانگی یہ واقع مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے کا ہے تو فرمایا کہ ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔ وہ اس طرح کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور آپ کی اہل کو نجات دی۔ کیونکہ قوم کی طرف سے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی جارہی تھیں۔ کرب سے مراد سخت غم دینے والی تکلیف حتیٰ کہ انہیں زمین کھود کر اس میں الٹا لٹکایا گیا۔ یا ایسا غم پہنچایا جو انسان کو الٹ کر رکھ دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۷۷) اور ہم نے ان کی یوں مدد کی کہ ان کے دشمنوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ اس طریقے سے ہم نے ان سے بدلہ لے لیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو ہمیشہ جھٹلایا بے شک وہ بہت بری قوم تھی۔ اس لئے کہ وہ کافر تھے۔ اور کفر تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا کیونکہ جس قوم کا کام شر اور فساد کے سوا اور کوئی نہ کام ہو۔ ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

اور داؤد اور سلیمان جب فیصلہ کرتے تھے کھیتی کے بارے میں جب پڑ گیا اس کھیت میں ریوڑ ایک قوم کا

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۙ ﴿۷۸﴾

اور ہم ان کے فیصلے پر حاضر تھے۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے چونکہ نوح علیہ السلام نے ان کی تباہی کیلئے بد دعا کی تھی۔ اور جو دعا خلوص دل سے ہو (جیسے انبیاء اور اولیاء کی دعا) وہ ضرور اور جلد قبول ہوتی ہے۔

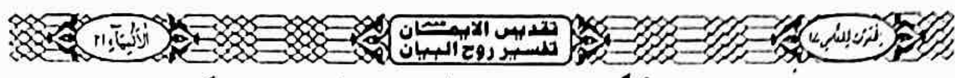
حضرت زید بن ثابت کی کرامت: وہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر طائف پر تھے کہ ایک منافق ساتھ ہو گیا۔ آپ ایک جگہ آرام کرنے کیلئے لیٹے تو اس نے قتل کے ارادے سے آپ کو کسی درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے رحمٰن میری مدد فرما۔ یہ جملہ تین بار دھرایا کہ اتنے میں ایک سوار نمودار ہوا۔ جس نے ایک ہی وار سے منافق کی گردن اڑا دی۔ اور حضرت زید کے ہاتھ پاؤں کھول کر فرمایا میرا نام جبریل ہے۔

فائدہ: سفر میں ساتھی ضرور ہونا چاہئے لیکن سفر سے پہلے اسے چیک کرنا چاہئے کہ کون ہے۔ دوستوں کے بھیس میں دشمن بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا سفر اچھے دوست کے ساتھ کرنا چاہئے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جنگل میں جا رہے تھے کہ سامنے سے شیر آ گیا۔ آپ نے فرمایا شیر میں رسول اللہ کا غلام ہوں تو شیر دم ہلا کر ایک طرف ہو کر آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ لشکر میں جا ملے۔

(آیت نمبر ۷۸) اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو یاد کرو۔ جب دونوں نے کھیتی کے متعلق فیصلہ کیا۔ جبکہ چرواہے کی بکریاں کھیت میں پہنچ گئیں اور فصل تباہ کر دیا۔ آگے فرمایا ہم اس فیصلے کے وقت حاضر تھے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ یہ ان دونوں پیغمبروں کی عظمت اور شان کو ظاہر فرمایا۔ دونوں باپ بیٹے کے فیصلے درست تھے۔ دونوں نے اپنا اپنا اجتہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجتہاد کو سراہا۔ تا کہ آنے والے مجتہدین کی عزت و احترام ہو اور معلوم ہو کہ مجتہدین نے اجتہاد میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کی ہے۔



فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ

تو سمجھا دیا ہم نے سلیمان کو۔ اور دونوں کو دی ہم نے حکومت اور علم۔ اور مسخر کئے ہم نے ساتھ داؤد کے

الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

پہاڑ کہ وہ تسبیح کرتے اور پرندے بھی اور تھے ہم کرنے والے۔

(آیت نمبر ۷۹) ہم نے اس فیصلے کی اصل سمجھ سلیمان علیہ السلام میں رکھی دی جبکہ ان کی عمر دس بارہ سال تھی۔

فائدہ: اجتہاد میں فضیلت کا مدار علم پر ہے اور معانی کا فہم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس میں عمر کا حساب نہیں ہوتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام عمر میں بڑے تھے اور والد بھی تھے لیکن فیصلہ جناب سلیمان کا زیادہ درست تھا دانا کہتے ہیں بزرگی عقل سے ہے عمر سے نہیں۔ (معلوم ہوا پیغمبر کی سمجھ بچپن سے ہی بہت اعلیٰ ہوتی ہے)۔

آگے فرمایا کہ باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو ہم نے علم وحکمت عطا کیا۔

فائدہ: اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید سلیمان علیہ السلام کے پاس علم وحکمت تھا اور داؤد علیہ السلام کے پاس نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ دونوں کے پاس علم وحکمت تھا۔ بلکہ تمام انبیاء کرام علم وحکمت سے نوازے گئے۔

واقعہ: یہ ہے کہ دو شخص داؤد علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے کہ ایک کی بکریوں نے دوسرے کا کھیت مکمل اجاڑ دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ جتنا کھیت کا نقصان ہوا۔ بکریوں کی قیمت بھی اتنی ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ جب باہر نکلے تو دروازے پر سلیمان علیہ السلام کھڑے تھے۔ انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے آکر اباجی سے عرض کی کہ اگر فیصلہ یوں کر دیا جائے کہ کھیت بکریوں والے کو دے دیا جائے وہ سال بھر محنت کر کے اسی طرح کی فصل تیار کرے اور کھیت والا سال میں بکریوں سے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے جب کھیت اسی طرح ہو جائے جس طرح اجڑتے وقت تھا تو کھیت والے کو کھیت اور بکریوں والے کو بکریاں دے دی جائیں تو داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہ فیصلہ درست ہے میں بھی اسی کو جاری کرتا ہوں۔

حدیث شریف: مجتہد کو اجتہاد پر ڈبل ثواب ملتا ہے اور غلطی بھی کر جائے تو سنگل ثواب پائے گا۔ (مسلم شریف)۔ آگے فرمایا ہم نے داؤد علیہ السلام کیلئے پہاڑ مسخر کر دیئے یعنی داؤد علیہ السلام کی تسبیح وتقدیس کے ساتھ وہ بھی تسبیح کہتے۔ جس کو سب حاضرین سنتے تھے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ

اورسکھائی کاریگری تمہارے اس لباس کی جو بچائے تمہیں جنگ کی آنچ سے ۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

توکیا تم شکرکروگے۔

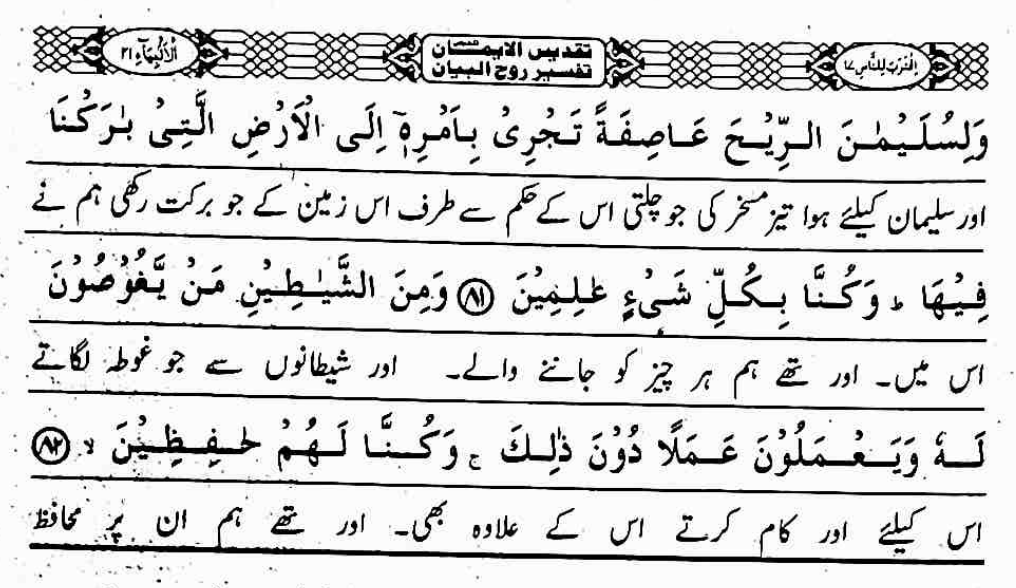
(بقیہ آیت نمبر۷۹) **مثال لحن داؤدی:** ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جناب داؤد علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل دین حق سے منحرف ہوگئے اور شیطانی کاموں میں لگ گئے ۔مزامیر گانے بجانے اور دن بھر بیلسری کی آواز پرمست رہتے ۔اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایسی خوش لحانی اور حسن صوت دی کہ جب آپ توراۃ خوش لحانی اور خوبصورت آواز سے پڑھتے تو بنی اسرائیل سب مزامیر اور باجول وغیرہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس آکر جمع ہوجاتے اور دل لگا کر توراۃ سنتے بلکہ انسان تو درکنار حیوان اور پرندے بھی اور پہاڑ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملاکر تسبیح پڑھتے تھے۔اس لئے کہ داؤد علیہ السلام پرعظمت الٰہی اور نور کبریائی کا غلبہ تھا۔

فائدہ: لیکن یادرہے پہاڑوں کی تسبیح باقاعدہ طور پر پہاڑ پڑھتے اس سے مراد پہاڑوں کی گونج نہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے معجزے کا اظہار فرمایا ہے اور معجزہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ پہاڑ باقاعدہ تسبیح پڑھیں۔ پہاڑوں کا تسبیح پڑھنا زیادہ تعجب خیر ہے بہ نسبت پرندوں کی تسبیح پڑھنے کے۔آگے فرمایا کہ یہ کام ہم ہی کرنے والے ہیں یعنی ہماری ہی قدرت میں ہے یہ اور کوئی نہیں کرسکتا۔

(آیت نمبر۸۰) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانی بھی سکھائی۔

معجزہ داؤدی: یہ دوسرا معجزہ تھا کہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پہ لوہا آٹے کی طرح نرم ہوجاتا اس سے آپ جنگی سامان خصوصاً زرہیں بناتے تھے۔آپ سے پہلے لوہے کی چادریں گول کر کے بدن پر لپیٹتے ۔لیکن داؤد علیہ السلام نے قوت علمی خداداد ذہانت سے لوہے کو قمیص کی طرح بنادیا۔نہ بھٹی کی ضرورت نہ آگ کی نہ ہتھوڑے کی۔آگے فرمایا زرہ اس لئے بنائی تاکہ تم جنگ میں اپنے آپ کو بچاؤ یعنی جنگ میں دشمن سے اپنے آپ کو بچاؤ اسی طرح تیروں تلواروں اور نیزوں سے جب تم پر حملے ہوں تو قتل یا زخمی ہونے سے اپنے آپ کو بچاؤ تو کیا اب تم شکر کروگے یعنی جب تمہیں ایسی نعمتیں ملی ہیں جن پر شکر کرنا لازم ہوتا ہے۔لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اللہ کا شکر کرو۔

فائدہ: ہر نبی نے اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنی روزی کمائی۔اکثر انبیاء کرام علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں۔



وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا

اور سلیمان کیلئے ہوا تیز مسخر کی جو چلتی اس کے حکم سے طرف اس زمین کے جو برکت رکھی ہم نے

فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ

اس میں۔ اور تھے ہم ہر چیز کو جاننے والے۔ اور شیطانوں سے جو غوطہ لگاتے

لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۙ﴿۸۲﴾

اس کیلئے اور کام کرتے اس کے علاوہ بھی۔ اور تھے ہم ان پر محافظ

(آیت نمبر ۸۱) اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کو تابع کر دیا۔ یعنی ان کی ملکیت میں کر دیا کہ جب چاہتے جدھر چاہتے اور جیسے چاہتے ہوا پر اپنا تصرف فرماتے تھے اور وہ ہوا انتہائی تیز ہوتی جو سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرتی تھی لیکن چلنے میں نرم و نازک ہوتی اور باد نسیم کی طرح خوشبودار ہوتی جس سے طبیعت کو فرحت و سرور ملے۔ ہوا سلیمان علیہ السلام کے حکم کی پابند تھی یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں یعنی شام کے علاقے کی طرف۔

فائدہ: امام مقاتل فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت بہت بڑا اور انتہائی خوبصورت تھا۔ جس پر درمیان میں بڑی کرسی آپ کی۔ سامنے چند کرسیاں دیگر انبیاء کی اور خاصی تعداد علماء کیلئے بھی کرسیاں ہوتی تھیں۔ سورج کی گرمی میں اوپر پرندے سایہ کئے ہوتے تھے۔ آگے فرمایا کہ ہم سب کچھ جاننے والے ہیں۔ اسی لئے ہم اپنے علم اور اپنی حکمت کے مطابق ہر چیز کو چلاتے ہیں۔ ہر کام میں اصل محرک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

فائدہ: جناب سلیمان علیہ السلام کا دارالخلافہ شہر تدمر میں تھا دن بھر کہیں بھی ہوں واپس تدمر میں تشریف لے آتے تھے۔

(آیت نمبر ۸۲) اور کچھ دیو بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیئے جو دریا میں غوطے لگا کر اعلیٰ قسم کی اشیاء موتی ہیرے نکال کر لے آتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کام کرتے تھے۔ جیسے بڑے بڑے شہر اور مکانات اور کئی طرح کی مصنوعات تیار کر لیتے تھے بڑے بڑے اور مشکل کام کافر جنوں سے اور آسان کام مسلمان جنوں سے کرواتے تھے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اورایوب نے جب پکارا اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی تکلیف اور تو سب رحم والوں سے بڑا مہربان ہے

(بقیہ آیت نمبر۸۲) آگے فرمایا کہ ہم ہی ان کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سرکشی یا بغاوت یا کوئی فساد کریں جیسے دیو کی عادت ہے۔

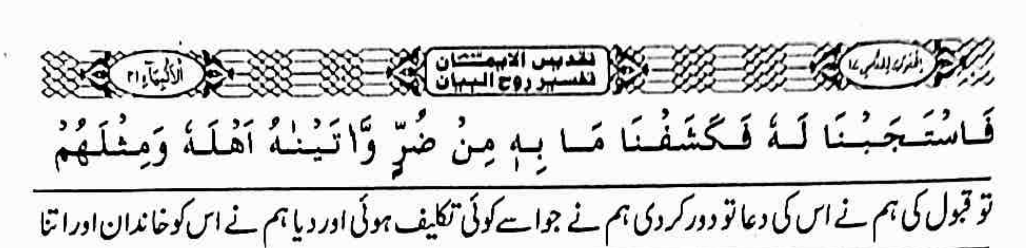
فائدہ: جنات کے جسم لطیف ہوتے ہیں لیکن مختلف شکلیں بنا لیتے ہیں اور مشکل سے مشکل کام بھی کر گذرتے ہیں۔ **فائدہ:** سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جن اور دیو کھلے عام پھرتے اور لوگوں کو ظاہر نظر آتے تھے۔

سارے اونچوں سے اونچا ہمارا نبی: تمام بلندیوں اور زمینوں کے نیچے اور کائنات کے ذرے ذرے تک سب ہمارے حضور کے زیر فرمان اور ماتحت ہوئے۔ آپ کل کائنات کے نبی اور رسول بن آئے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اڑان عرش علیٰ تک ہے۔ اتنی بلندی تک کسی اور کی پرواز نہیں۔ ساری زمین آپ کے قدم کی برکت سے پاک اور مسجد بن گئی۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ کو دی گئیں۔ شیطان جو حضور کا قرین تھا۔ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا آپ کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا کئی ہزار آپ کے معجزات ہیں وغیرہ۔

(آیت نمبر۸۳) اے محبوب ایوب علیہ السلام کا ذکر بھی کریں۔

فائدہ: مروی ہے کہ ایوب علیہ السلام حران بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثرت مال واولاد سے نوازا تھا آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ جانوروں کا تو حساب ہی نہ تھا۔ ابلیس خبیث کو حسب عادت بڑی جلن تھی۔ اس نے کہا کہ اے اللہ یہ تیرا بندہ ایوب عیش وعشرت اور خیر وعافیت میں ہے۔ مال واولاد بھی بہت ہے۔ اگر اس کے پاس یہ سہولتیں نہ ہوں تو یہ سیدھی راہ سے پھر جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بے ایمان تو غلط کہتا ہے میرا ایوب ہزاروں بلاؤں میں بھی صابر رہے گا۔ چنانچہ ایوب علیہ السلام پر آزمائش کا دور شروع ہو گیا تمام مال ختم اولاد بھی اللہ کے حکم سے ایک وقت میں مکان کے نیچے دب کر فوت ہو گئی اور خود اپنے جسم پر ہزاروں کیڑے لگ گئے اٹھارہ سال یا بہ روایت سات سال۔ سات ماہ تک اس ابتلاء میں رہے۔

فائدہ: آپ کی اہلیہ جو یوسف علیہ السلام کی پوتی تھی۔ عرض گذاری ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے صحت وعافیت کی دعا فرمادیں۔ آپ نے پوچھا بتاؤ عیش وعشرت کتنے عرصہ تک کی انہوں نے کہا اسی سال فرمایا اب آرام کی زندگی کے برابر تکلیف کا زمانہ ہونے دیں۔ پھر دعا کریں گے۔ آپ کے تمام جسم کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ صرف ہڈیاں زبان اور دل۔



فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ

تو قبول کی ہم نے اس کی دعا تو دور کر دی ہم نے جو اسے کوئی تکلیف ہوئی اور دیا ہم نے اس کو خاندان اور اتنا

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور بھی ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور نصیحت ہے بندگی والوں کیلئے۔

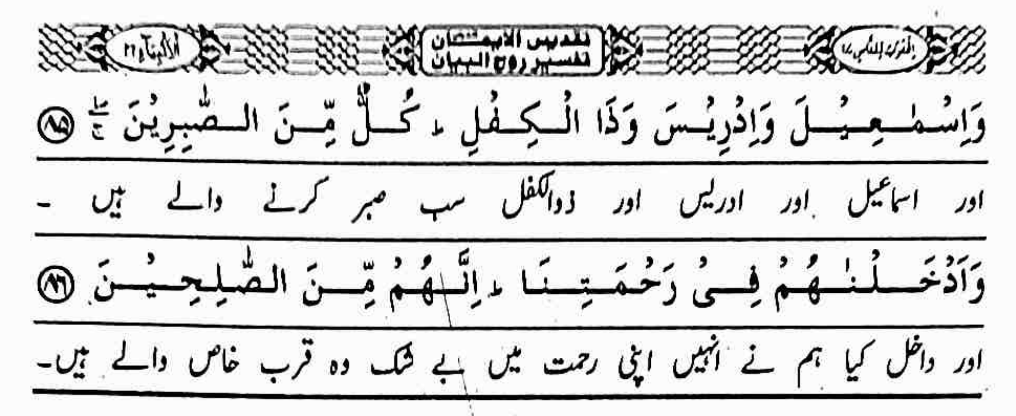
(بقیہ آیت نمبر ۸۳) کان باقی رہ گئے تو آپ نے عرض کی الہ العالمین اگر زبان و دل بھی نہ رہے تو میں تیرا ذکر کیسے کروں گا تو اس وقت اپنے رب کریم کو پکارا یا رب مجھے دکھ اور تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے ایسے درد سے دعا کی کہ اے اللہ مجھ پر رحم فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے دکھ سکھ میں بدل دیا۔

(آیت نمبر ۸۴) انتہائی عجز و انکساری سے مانگی ہوئی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا اور فرمایا کہ ہم نے ایوب کی دعا قبول فرمالی اور ساتھ ہی ان کے دکھ درد کو بھی دور کر دیا۔ یعنی شفا بھی بخش دی۔ اور گیا ہوا مال بھی دے دیا۔

فائدہ :مروی ہے کہ ایوب علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ جہاں بیٹھے ہوا سی جگہ زمین پر پاؤں ماریں۔ ایوب علیہ السلام نے جب پاؤں زمین پر مارا تو وہاں سے ہی پانی کا چشمہ نکل آیا۔ آپ نے اس میں غسل فرمایا تو آپ کا جسم بالکل درست ہو گیا کوئی کیڑا وغیرہ جسم پر نہ رہا نہ زخم رہا اور اس کا پانی پیا تو پیٹ کی سب بیماریاں ختم ہو گئیں۔ نہ صرف صحت یاب ہوئے بلکہ جوانی پھر لوٹ آئی۔ نیا حسن و جمال مل گیا اور جتنی تکلیف تھی جاتی رہی۔ آگے فرمایا ہم نے انہیں ان کا اہل و عیال یعنی پورا خاندان واپس کیا۔ بلکہ اتنا اور بھی دیا۔ یعنی پہلی اولاد سے دگنی اولاد بھی دی اور مال بھی دیا۔

فائدہ:ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جوانی لوٹا دی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب آپ غسل فرما رہے تھے تو آپ پر ٹڈی کی مانند سونے کے ٹکڑے گرنے لگے ایوب علیہ السلام انہیں کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ قدرت کی آواز آئی کہ کیا آپ کو غنی نہیں کیا۔ پھر آپ سونا جمع کر رہے ہیں عرض کی یا اللہ میں رحمت و برکت سمجھ کر سمیٹ رہا ہوں۔ ورنہ مال و دولت کی تو حاجت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب یہ سب میری طرف سے تجھ پر رحمت خاصہ ہے اور تمام عبادت گذاروں کیلئے نصیحت و عبرت ہے جو بھی اس طرح تکالیف پر صبر کرے گا وہ ثواب بھی پائے گا اور مال و اولاد بھی پائے گا۔ (رواہ البخاری)



وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل سب صبر کرنے والے ہیں ۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور داخل کیا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں بے شک وہ قرب خاص والے ہیں۔

(آیت نمبر ۸۵) اے محبوب اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر کریں۔

ذوالکفل نام اس وجہ سے ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک نبی ہوئے جو بادشاہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وحی آئی کہ آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ اس سے پہلے آپ اپنا ملک ایسے بندے کے حوالے کریں جو اس بات کی ضمانت دے کہ جو ہمہ وقت عبادت میں رہے گا۔ دن کو روزہ رکھے گا۔ اور نماز میں سستی نہیں کرے گا۔ فیصلے انصاف سے کرے گا۔ کسی پر بلاوجہ ناراض نہ ہوگا۔ جو ان امور کی پابندی کرے آپ اسے اپنی بادشاہی حوالے کر دیں۔ تو جب انہوں نے بنی اسرائیل کے سامنے یہ بات بیان کی تو ایک جوان نے حامی بھر لی اور کہا میں کفیل ہوں اس لئے اس کا نام ہی ذوالکفل ہو گیا تو وقت کے پیغمبر نے بادشاہی اس کے حوالے کی تو جب اس نے نبی سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے انعام کے طور پر نبوت کا تاج بھی عطا فرما دیا۔ آگے فرمایا کہ یہ سب صبر کرنے والے ہیں۔ یعنی ہر دکھ تکلیف کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے تھے۔

(آیت نمبر ۸۶) ہم نے انہیں اپنی رحمت خاص میں داخل فرما لیا یعنی نبوت عطا کی کہ وہ باصلاحیت اور خیر وصلاح والے اور کامل ترین لوگوں میں سے تھے۔ یعنی گناہوں سے معصوم تھے۔

مسئلہ: انبیاء کرام سب معصوم عن الخطاء ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں البتہ محفوظ عن الخطاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا ہے۔ یا بروقت ان کو خبردار کر دیتا ہے۔ اور وہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ عام مومنین سے گناہ ہوتے ہیں۔ شرع کے مطابق توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

12

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ

اور مچھلی والے جب چل دیئے غصے میں تو گمان کیا کہ ہرگز نہیں ہمیں قدرت اس پر پھر پکارا کئی اندھیروں میں

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۸۷﴾

کہ نہیں کوئی معبود مگر تو ہی پاک ہے۔ بے شک مجھ سے ہوا بے جا کام۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور نجات دی اسے غم سے اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں مومنوں کو۔

(آیت نمبر ۸۷) اے محبوب مچھلی والے کو یاد کیجئے۔ مراد یونس بن متی ہیں۔ متی والد یا والدہ ہیں اور نون سے مراد مچھلی ہے یہ ان کی مدح کا بیان ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہ نینوئ کی بستی میں بطور پیغمبر تشریف لے گئے ان لوگوں نے ان کی دعوت اسلام قبول نہ کی۔ تو آپ ان پر سخت ناراض ہو گئے اور قوم کو بتا دیا کہ جلد تم پر عذاب آنے والا ہے۔ جب اس وعدے کا وقت قریب آیا اور عذاب کے آثار نظر آئے تو ان لوگوں نے فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے آہ وزاری کی تو اللہ کریم کو ان پر رحم آ گیا۔ اور ان سے عذاب ٹال دیا۔ آگے فرمایا کہ وہ اس لئے بستی چھوڑ کر چلے گئے اور خیال کیا کہ شاید ہمیں قدرت نہیں ان پر۔

حکایت: یونس علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر بحر روم کی طرف چل دیئے۔ آگے کشتی تیار تھی۔ اس پر بیٹھے۔ درمیان دریا کشتی رک گئی۔ ملاح نے کہا۔ جو بندہ مالک سے بھاگ کر آیا ہو۔ وہ خود ہی چھلانگ لگا دے۔ تو یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ میں وحی آنے سے پہلے آ گیا ہوں تو آپ نے چھلانگ لگائی تو نیچے مچھلی نے منہ کھولا ہوا تھا۔ تو آپ سیدھے اس کے پیٹ میں چلے گئے آپ نے ان تاریکیوں میں جا کر آواز دی کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوں کہ میں تیرا حکم آنے سے پہلے آ گیا میں نے جلدی کر لی۔ **معراج یونس:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جو عرش پر نصیب ہوا وہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں مشاہدہ کر لیا۔

(آیت نمبر ۸۸) پھر ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا لطف طریقے سے قبول فرمائی۔ **حدیث شریف:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی مصیبت میں ان کلمات کو پکارے اس کی دعا قبول ہوگی۔ (تفسیر کبیر)

پارہ ۱۷

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾

12/12

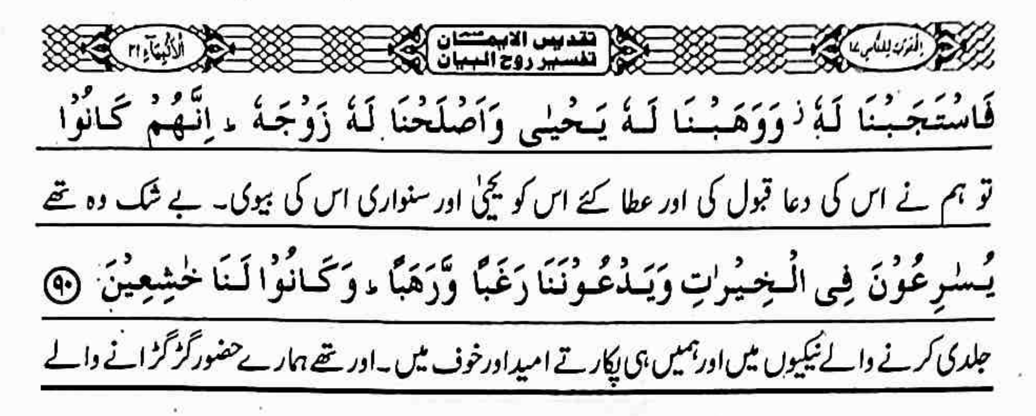
اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو میرے رب نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو بہتر وارث ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۸۸) مستدرک میں ہے یہ کلمات اسم اعظم ہیں۔ان کے وسیلے سے جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے تو فرمایا کہ جب یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں آیت کریمہ کا ورد کیا۔ہم نے یونس کو نجات عطا فرمائی کہ مچھلی نے چالیس روز کے بعد آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ایک روایت میں ہے کہ تمام فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی اور فرمایا کہ اسی طرح ہم ہر مومن کو نجات دیتے ہیں۔یعنی جب وہ غم کے وقت ہمیں پکارتا ہے تو یوں ہی ہم انہیں غم سے نجات عطا کر دیتے ہیں۔جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات طیبات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی بلاؤں میں مبتلا ہے۔اور اس آیت کریمہ کا ورد نہیں کرتا تو پھر اس پر تعجب ہی ہے۔

(آیت نمبر۸۹) اے محبوب بنی اسرائیل کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کریں کہ جب انہوں نے اپنے رب کو پکار کر یوں اپنے رب سے مانگا کہ اے میرے رب مجھے اکیلا (لاوارث) نہ چھوڑ یعنی مجھے بیٹا عطا فرما۔جو میرے علم کا وارث ہو۔کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مال نہیں علم ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال اور اہلیہ کی عمر ننانویں ہو گئی۔اتنے طویل عرصے میں کوئی اولاد نہ ہوئی۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولاد کی خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ پاک تو بہتر وارث بنانے والا ہے یا یہ مطلب ہے کہ فنا کے بعد تیری ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

نوٹ: یہاں سے بعض لوگ باغ فدک کیلئے دلیل پکڑتے ہیں۔یعنی شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں۔کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں وراثت ہوتی ہے۔اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علم ہوتا ہے۔اسی لئے ایک **حدیث شریف** میں فرمایا: "العلماء ورثة الانبياء" یعنی علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں (مشکوٰۃ شریف)۔اور شیعہ حضرات کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر غصہ ہے کہ انہوں نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا۔سوال یہ ہے کہ حضور کے وارث تو اور بھی بہت تھے۔کیا کسی بیوی کو کچھ دیا۔یا دیگر خاندان میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں سے کچھ ملا۔دوسری بات یہ ہے۔کہ اگر فدک ان کا واقعی حق بنتا تھا تو کیا مولا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے قبضہ میں لیا۔اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر معلوم ہو گیا کہ وہ وراثت کا مال نہیں تھا۔



فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور عطا کئے اس کو یحییٰ اور سنواری اس کی بیوی۔ بے شک وہ تھے

يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

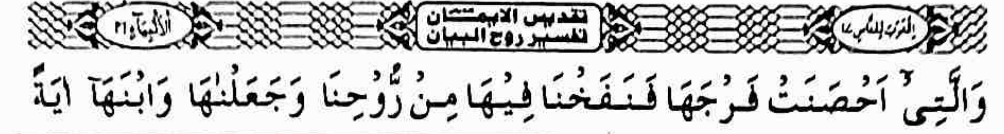
جلدی کرنے والے نیکیوں میں اور ہمیں ہی پکارتے امید اور خوف میں۔ اور تھے ہمارے حضور گڑگڑانے والے

(آیت نمبر ۹۰) تو ہم نے اس کی بچے کے حق میں دعا قبول فرمالی اور ہم نے عطا کیا انہیں یحییٰ (علیہ السلام) اگرچہ یحییٰ علیہ السلام وارث نہ بنے کیونکہ وہ والد گرامی سے پہلے ہی شہید کر دیئے گئے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کو جن کا اسم گرامی ایشاع بنت عمران تھا جو کہ ننانوے سال عمر ہونے کی وجہ سے بانجھ تھیں۔ انہیں بچہ جننے کے لائق بنایا۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام جن کا ذکر ہوا یہ سب نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے۔ یعنی ان مذکور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر جب الطاف کریمانہ ہوئے تو ان حضرات نے شکرانے میں یعنی ہر طرح کی نیکیوں میں سبقت کی اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام لطف و جمال میں خوش اور خوف کے وقت ہمیں ہی پکارتے تھے یا ہماری ذات میں رغبت رکھتے ہوئے اور ہمارے سوا سے دور رہتے ہوئے ہمیں ہی پکارتے تھے اور تواضع اور عجز و نیاز سے ہماری ہی بارگاہ میں وہ خشوع کرنے والے تھے۔ یہاں ظاہری باطنی خشوع خضوع مراد ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ دل اور جسم دونوں سے اللہ تعالیٰ کیلئے خشوع و خضوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

فائدہ: اور جو لوگ ظاہری طور پر ٹیپ ٹاپ فقیروں والے جبے پہنتے ہیں اور دل میں خلوص نہیں ہوتا جن کا قلب خوف الٰہی سے خالی ہوتا ہے۔ وہ ریاکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے اعلیٰ خصائل اور بہتر فضائل کی وجہ سے ان مراتب پر فائز ہوئے جو بھی اعلیٰ مراتب پانا چاہتا ہے اسے بھی ایسے اخلاق و عادات پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ یعنی نیکیاں کرنے میں جلد باز اور اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنے والا اور اسی پر بھروسہ کرنے والا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا۔

(**فائدہ**: اعلیٰ مراتب سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے علاوہ تمام مراتب حاصل کئے جاسکتے ہیں۔)



وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً

اور وہ جس نے پاک رکھا اپنے آپ کو تو پھونکا اس میں اپنا روح اور بنایا اسے اور اس کے بیٹے کو نشانی

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

جہانوں کیلئے ۔ بے شک یہ تمہارا دین دین واحد ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں میری ہی عبادت کرو۔

(آیت نمبر۹۱) اور اس بی بی کا بھی ذکر کریں کہ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی یعنی حرام سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا اور اس کے دامن عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ اس سے مراد بی بی مریم ہیں جن کی پاکدامنی بے مثال ہے ہم نے جب انہیں صاحبزادہ دینا چاہا۔ یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے پیٹ میں پھونک کر انہیں پیدا فرمایا۔ ان میں روح ہمارے ہی حکم سے تھا۔ اس آیت کریمہ میں ہر جھوٹے گمان اور غلط خیالی سے بی بی مریم کو پاک بتایا گیا۔ آگے فرمایا کہ ہم نے مریم اور ان کے صاحبزادے کو تمام جہان والوں کیلئے نشانی بنایا جو ہماری قدرت کی بہت بڑی نشانی تھی کہ پاکدامن عورت سے شوہر کے بغیر بچے کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بغیر ناممکن ہے۔

بچپن کا معجزہ : آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ایک رنگریز کے پاس لے گئیں تا کہ آپ کو اس کام میں مہارت ہو۔ رنگریز نے کہا۔ ان تمام گھڑوں کو پانی سے بھر دو۔ پھر فلاں فلاں رنگ فلاں فلاں گھڑے میں ڈالو پھر فلاں فلاں کپڑے فلاں فلاں گھڑے میں ڈال دینا یہ کہہ کر وہ چلا گیا آپ نے تمام رنگ ایک ہی مٹکے میں ڈالا۔ پھر تمام کپڑے اس میں ڈال دیئے اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں آ گئے۔ صبح جب رنگریز کے پاس آئے تو وہ سخت ناراض ہوا کہ آپ نے تو سب کپڑے بے کار کر کے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ آپ نے فرمایا۔ پڑھ "لا الہ الا اللہ" اس نے کلمہ شریف پڑھا تو جناب عیسیٰ وعلی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایک کر کے کپڑے نکالنے شروع کر دیئے تو رنگریز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ جس کپڑے کو جو رنگ چاہئے تھا وہ اسی کے مطابق تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بچہ غیر معمولی ہے۔

(آیت نمبر۹۲) بے شک یہ تمہاری امت امت واحدہ ہے۔ یعنی تم سب کی ملت ایک ہی ہے کسی کی ملت دیگر انبیاء کی ملتوں سے مختلف نہیں ہے کیونکہ اصول دین یعنی توحید میں سب کا عقیدہ ایک ہی تھا۔ البتہ مختلف زمانوں اور مختلف طبیعتوں کی وجہ سے فروعی احکام میں اختلاف رہا۔

فائدہ : امت اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف رسول مبعوث ہوئے۔ آگے فرمایا۔ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ میرے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ لہذا تم میری ہی عبادت کرو۔ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ؏ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ

اور ٹکڑے ٹکڑے کر لئے انہوں نے کام آپس میں سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔ پھر جو کرے گا

مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

نیک کام اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو نہیں بے قدری ہوگی اس کی کوشش کی اور ہم اسے لکھ رہے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور حرام ہے اس بستی پر جنہیں ہم نے تباہ کیا کہ بے شک وہ پھر نہیں لوٹ کر آئیں گے

(آیت نمبر۹۳) ان لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ایسا اختلاف برپا کیا کہ کئی فرقے بن گئے۔ یعنی جس ملت اور دین پر سب انبیاء متفق تھے۔ بعد میں آنے والے بے وقوفوں نے اسی دین کے ٹکڑے کر کے ہر گروہ دین کا ایک حصہ لیکر الگ ہو گیا۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک دوسرے پر لعنت اور کفر تک کے فتوے لگائے۔ (جیسا حال آج اس امت کا ہے)۔
فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کی امت ستر فرقوں میں بٹی یہود، اکہتر عیسائی بہتر اور امت محمدیہ تہتر فرقوں میں بٹ گئی۔ سوائے ایک جماعت کے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے پر چلے۔ آگے فرمایا کہ بالآخر سب گروہوں نے لوٹ کر ہمارے پاس ہی آنا ہے یعنی بروز قیامت قبروں سے نکل کر جزاء وسزا کیلئے اور اپنے حساب کیلئے ہمارے پاس ہی آئیں گے۔

(آیت نمبر۹۴) پھر جو نیک اعمال کرے گا اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتا ہے اور اس کے رسول پاک ﷺ پر بھی ایمان رکھتا ہے تو ایسے شخص کے اعمال صالحہ پر اسے اچھی جزا دی جائیگی اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائیگی یعنی اسے جزاء سے محروم نہیں کیا جائیگا یہاں کفران کو رد عمل اور منع ثواب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح قبول عمل اور اعطاء ثواب کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا ''ربنا لغفور شکور'' اسی طرح سعی کا لفظ بھی جدوجہد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ زیادہ تر نیک کاموں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آگے فرمایا اور ہم ان کی سعی اور کوشش کو اس کے اعمالنامے میں لکھنے والے ہیں۔ اس کی محنت کا کوئی حصہ رہنے نہیں دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو دونوں جہانوں میں ضائع نہیں فرماتا۔

(آیت نمبر۹۵) جو جو شہر اور بستیاں تباہ وبرباد ہوئیں ان کے لئے یہ بات ناممکن بنادی کہ وہ ہمارے ہاں جزاء کیلئے حاضر ہوں بلکہ وہ سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کیلئے جہنم واجب ہو چکی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہونگے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور قریب آچکا وعدہ برحق پھر اس وقت پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں کافروں کی ۔

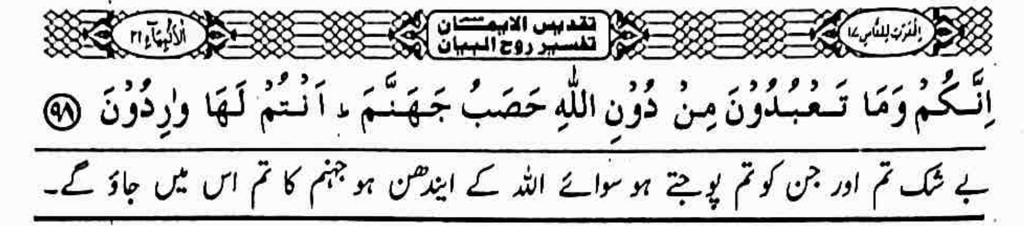
يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

ہائے افسوس تحقیق تھے ہم غفلت میں اس سے بلکہ تھے ہم ظالم۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۵) **فائدہ**: اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قیامت کے دن مر کے اٹھیں گے ہی نہیں بلکہ قبروں سے نکلتے ہی وہ سیدھے جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۹۶) یاجوج ماجوج انسان ہی کے دو قبیلوں کا نام ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ انسانوں کے دس اجزاء میں سے مکمل نو حصے یاجوج ماجوج ہیں۔ قیامت کے قریب جب سکندر ذوالقرنین کی دیوار ٹوٹ پھوٹ جائیگی تو اس وقت یاجوج ماجوج وہاں سے نکل آئیں گے۔ جس کا تفصیلی ذکر سورہ کہف میں گذر گیا ہے تو اس وقت یاجوج ماجوج ہر اونچے ٹیلے سے جلدی جلدی نیچے اتر آئیں گے اور پوری زمین پر پھیل جائیں گے۔ دریاؤں کا پانی پی جائیں گے اور ہر خشک و تر چیز کھا جائیں گے یہ انتہائی قرب قیامت کا وقت ہوگا (کفار عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے مر چکے ہوں گے۔ مسلمانوں کو عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ لیکر طور پہاڑ کے پیچھے چلے جائیں گے۔ پھر ایک وبا سے یہ یاجوج ماجوج بھی مر جائیں گے اور ساری زمین میں بدبو پھیل جائے گی پھر اللہ تعالیٰ ایک پرندہ پیدا کریں گے جو انہیں اٹھا کر ایک جزیرے میں پھینک آئیگا اس کے بعد زمین پاک اور صاف ہو جائیگی۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۹۷) اس وقت سچے وعدے یعنی قیامت کا وقت بہت قریب ہو جائیگا اس وقت آنکھیں کھلی رہ جائینگی اس وقت کفار کہیں گے ہائے افسوس یا اے ویل اس وقت کفار ہلاکت مانگیں گے اور کہیں گے تحقیق تھے ہم بہت بڑی غفلت میں اس دن سے۔ یعنی ہمیں اس حاضری کی حقیقت کا یقین نہیں تھا۔ ہم نے آیات خداوندی اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والوں کی باتوں کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی۔ نہ صرف ہم نے غفلت کی بلکہ ان آیات کو ٹھکرا کر اپنی جانوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔ گویا اپنے آپ کو عذاب کے حوالے کر دیا اور تکذیب کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔



إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۗ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾

بے شک تم اور جن کو تم پوجتے ہو سوائے اللہ کے ایندھن ہو جہنم کا تم اس میں جاؤ گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۷) **سبق** :عقل مند پر لازم ہے کہ وہ ابھی سے اپنی فکر کرے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کو عذاب سے بچانے کے سبب بتا رہے ہیں کہ میرے بندے عذاب سے بچ جائیں۔

حدیث قدسی: بروز قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے جنو اور انسانو میں نے تمہیں دنیا میں کس قدر نصیحتیں کیں لیکن تم نہیں مانے۔ اب جو کچھ تم کر آئے وہ تمہارے اعمال نامے میں ہے۔ اگر نیکی ہے تو شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نیکی کرنے کی توفیق دی۔ اگر اعمالنامے میں کوئی برائی دیکھی تو اپنی آپ کو ملامت کرے۔

حکایت :ایک حکیم نے دیکھا کہ لوگ میت اٹھا کر قبرستان کی طرف جا رہے تھے اور اس کیلئے رحمت وشفقت کی باتیں کر رہے تھے تو حکیم نے کہا اے خدا کے بندو اپنی فکر کرو۔ اپنے آپ پر رحم کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے وہ تو اب مر گیا اور تین تکلیفوں سے جان چھڑا گیا۔ (۱) اب ملک الموت کو نہیں دیکھے گا۔ (۲) موت کی کڑواہٹ اب دوبارہ نہیں چکھے گا۔ (۳) اور خاتمہ کے خوف سے بھی اب نکل گیا۔

(آیت نمبر ۹۸) اور اہل مکہ تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ اللہ کے سوا تم جہنم کا ایندھن بنو گے۔ یعنی مشرک جہنم میں ان بتوں کے سمیت جائیں گے۔ جن کی وہ پوجا کرتے رہے۔

فائدہ :اس سے مراد بت ہیں جن کو وہ دنیا میں پوجتے تھے۔ نیز یاد رہے لئے کہ آیت میں لفظ ما آیا ہے اور ما غیر ذوی العقول کیلئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں عیسیٰ اور عزیز علیہما السلام شامل نہیں (یہ دراصل کفار کے ایک سوال کا جواب ہے)۔ آگے فرمایا کہ تم اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہو گے۔

نکتہ :تبیان میں ہے کہ بتوں کو آگ میں ڈالنا اس وجہ سے ہے تا کہ بت پرستوں کے عذاب میں اور اضافہ ہو۔ اس لئے کہ جب بت جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آگ اور زیادہ بھڑک اٹھے گی اور تپش میں بھی تیزی آجائے گی۔ جیسے آگ میں مزید لکڑیاں ڈالی جائیں تو آگ اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ اور مشرکین کو یہ بھی دکھ ہوگا۔ کہ ہم دنیا میں کس قدر غلط کام میں لگے رہے۔

لَوْ كَانَ هٰٓـؤُلَآءِ اٰلِـهَةً مَّـا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْـهَا خٰـلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَـهُمْ

اگر ہوتے یہ خدا تو نہ جاتے اس میں حالانکہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ

فِيْـهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْـهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ اِنَّ الَّـذِيْنَ سَبَـقَـتْ لَـهُمْ مِّنَّا

اس میں رینگیں گے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے۔ بے شک جن کیلئے ہو چکا ہمارا وعدہ

الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ ﴿١٠١﴾

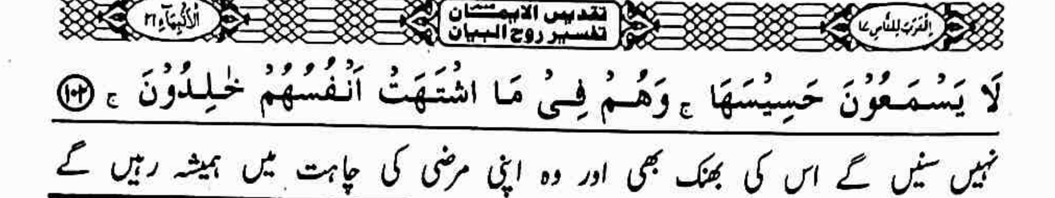
بھلائی کا وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

(آیت نمبر۹۹) اگر یہ بت بھی خدا ہوتے جیسے اے مشرکو تم گمان کرتے ہو تو اس جہنم میں وہ نہ جاتے ان بتوں کا جہنم میں جانا ہی واضح کرتا ہے کہ نہ وہ خدا ہیں نہ عبادت کے مستحق ہیں اور تمام بت اور بت پرست سب کے سب جہنم میں ہمیشہ کیلئے جائیں گے۔ اس سے انہیں کبھی بھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔ معلوم ہوا۔ جہنم سے چھٹکارا پانے کیلئے مومن ہونا شرط اولین ہے۔ اور اس کے بعد نیک اعمال۔

(آیت نمبر۱۰۰) کفار کیلئے جہنم میں چیخ چنگاڑ ہوگی اور وہ اس قدر جہنم میں پورے زور سے چیخیں چلائیں گے۔ دھاڑیں مار مار کے روئیں گے اور جہنم میں اس قدر شور وغل ہوگا کہ ایک دوسرے کا چلانا نہیں سن سکیں گے۔ سخت ہولناکی یا سخت عذاب کی وجہ سے۔ ہر جہنمی دردناک عذاب سے بے ساختہ ہی چیخ چلا رہا ہوگا۔ دوسرے کی آواز سنے گا کون؟ اور جہنم کی چیخ و چنگاڑ الگ تکلیف دے رہی ہوگی۔

فائدہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ جہنمی ایسے ہوں گے کہ انہیں جہنم کے صندوقوں میں بند کر کے عذاب دیا جائیگا۔ وہ صندوق ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیئے جائیں گے۔ تاکہ نہ وہ ایک دوسرے کے عذاب کو دیکھ سکیں۔ نہ ایک دوسرے کے عذاب میں چیخ و پکار سن سکیں گے (اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے)۔

(آیت نمبر۱۰۱) بے شک وہ لوگ جن کیلئے سبقت ہوگئی ہماری طرف سے اچھائی کی۔ اس سے تمام مسلمان مومنین مراد ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں نیک اعمال میں گذاریں۔ الحسنیٰ سے مراد وہ نیک خصلت جو تمام نیک خصلتوں سے اچھی ہو۔ یعنی سعادت (نیک بختی) یا اس سے مراد وہ خوشخبری ہے جو انہیں نیک اعمال کے بدلے میں سنائی جائے گی کہ ہماری طرف سے انہیں سعادت کا مژدہ بہار ہے۔



لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ ﴿۱۰۲﴾

نہیں سنیں گے اس کی بھنک بھی اور وہ اپنی مرضی کی چاہت میں ہمیشہ رہیں گے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۱) آگے فرمایا کہ یہ لوگ جن کی ابھی تعریف بیان ہوئی۔ وہ دوزخ سے دور کردیئے جائیں گے کیونکہ یہ جنت میں جائیں گے اور جنت ودوزخ کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے جنت اعلیٰ علیین جو ساتویں آسمانوں سے بھی اوپر ہے وہاں ہے۔ اور جہنم اسفل السافلین میں یعنی ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔

فائدہ :بحر العلوم میں ہے کہ سبقت سے مراد عنایت ازلی ہے۔ جس کی ابتداء ظہور ولایت سے ہوئی اور انتہاء موجب ظہور ولایت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی ان کو سعادت مند بنادیا۔

فائدہ:بعض بزرگ فرماتے ہیں الحسنیٰ سے مراد جنت ہے۔

فائدہ :بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ سے عنایت واختیار اور ہدایت وتوفیق اور عطا مراد ہے اور عنایت سے کفایت اور اختیار سے رعایت اور ہدایت سے ولایت اور عطا سے حکمت اور توفیق سے استقامت نصیب ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۲) جنتی لوگ جہنم والوں کی معمولی بھنک بھی نہیں سنیں گے۔ حسیس وہ آواز جو معمولی سنائی دے۔ ویسے بھی اتنے دور کی آواز کہاں سنائی دے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنتی ایسے بہرے ہوجائیں گے کہ کچھ سن نہیں پائیں گے۔ بلکہ انتہائی دوری کی وجہ سے ان چیخ چنگاڑ نہیں سنیں گے۔

نکتہ :اصل بات یہ ہے کہ جنتی لوگوں کیلئے جہنم کی طرف ایسے پردے لٹکادیئے جائیں گے۔ کہ ادھر سے جنت کی طرف کوئی آواز نہیں آئے گی۔ کیونکہ جہنم جنتیوں کو دیکھ کر گھبرا جائے گی۔ تاکہ جنتیوں کے نور کی وجہ سے جہنم کی آگ ٹھنڈی نہ ہوجائے جیسا کہ **حدیث شریف** میں ہے کہ جب اہل ایمان جہنم پر سے گذریں گے تو جہنم کہے گی۔ اے مومن تو جلدی سے گذر جا اس لئے کہ تیرے نور سے میری نار بجھ رہی ہے (عمدۃ القاری)۔ آگے فرمایا کہ جنتی جس چیز کی خواہش کریں گے وہ پائیں گے وہ ان اعلیٰ نعمتوں کی خواہش اور لذت میں ہمیشہ رہیں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ

نہیں غم زدہ کرے گی انہیں گھبراہٹ بڑی اور ملاقات کریں گے ان سے فرشتے۔ یہ ہے تمہارا وہ دن

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

جس کا تم وعدہ دیئے گئے۔

(آیت نمبر ۱۰۳) جنت میں جانے والے لوگوں کو بڑی سے بڑی گھبراہٹ غمزدہ نہیں کرے گی۔ انہیں ان گھبراہٹوں سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا۔ جب بڑی گھبراہٹیں نہ ہوئیں تو چھوٹی قسم کی تو بالکل نہیں ہونگی۔

فائدہ :امام فرماتے ہیں۔فزع اکبر سے مراد قیامت کی ہولنا کی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں وہ وقت مراد ہے جب جنتیوں اور دوزخیوں کے سامنے موت کو ذبح کیا جائیگا اور بتادیا جائیگا کہ اے دوزخیو اب تم نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔تم پر کبھی موت نہیں آئیگی تو اس سے دوزخی گھبرا کر چلائیں گے۔آگے فرمایا کہ ایمان والوں کو قبروں سے نکلتے ہی فرشتے استقبال کریں گے اور انہیں مبارک بادی دیں گے اور ساتھ ہی کہیں گے یہی تمہاری عبادات کے بدلہ کا دن ہے اور طرح طرح کی ایمان والوں کو خوش خبریاں سنائیں گے۔

سبق :عقل مند پر لازم ہے کہ وہ طاعات میں پوری کوشش کرے تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب خاص نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے اپنے آپ کو دور رکھے تا کہ سزا کا مستحق نہ بن جائے۔

فائدہ :حکماء کا قول ہے کہ بہشت ہر اس بندۂ خدا کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں راحت وشہوت سے کنارہ کیا اور غنا کی دولت بھی اسے ملے گی۔جس نے دنیا میں دولت کا منہ بھی نہ دیکھا اور امن اسے ملے گا۔جس نے دنیا میں فضول اور واہیات کاموں سے پرہیز کیا اور معمولی رزق پر اکتفاء کیا وہ لوگ جنت میں پُرسکون رہیں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور مالی پریشانی میں رہے۔

حکایت: کسی نے ایک راہب کو دیکھا کہ وہ ساگ کے پتے نمک کے ساتھ کھا رہا ہے۔ساتھ روٹی بھی نہ تھی نہ کوئی دوسری غذا تھی کسی نے کہا یہ کیوں تو فرمایا کہ میں نے دنیا کی عیش کے عوض آخرت کی عیش خریدی ہے۔ صرف اتنا کھاتا ہوں جس سے اتنی طاقت مل جائے کہ میں طاعت الٰہی ادا کرسکوں اور جنت کا مستحق بن جاؤں (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ صبر عطا فرمائے)۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ

جس دن لپیٹیں گے آسمان جیسے لپیٹتا ہے سجل فرشتہ نامہ اعمال۔ جیسے پہلے بنایا ویسے ہی

نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ

پھر لوٹائیں گے۔ وعدہ ہے ہم پر بے شک ہم ہیں کرنے والے۔ اور تحقیق لکھا ہم نے زبور میں

مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

بعد نصیحت کے۔ کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے

(آیت نمبر۱۰۴) وہ دن یاد کرو کہ جس دن ہم آسمان لپیٹ دیں گے جیسے سجل فرشتہ اپنے صحائف کو لپیٹتا ہے۔

فائدہ: محمد بن حسن مقری سے مذکور ہے کہ وہ مفسرین کی ایک جماعت کا ایک قول نقل کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو تیسرے آسمان پر ہے بندوں کے تمام اعمال اسی کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ یعنی کراماً کاتبین بندوں کے اعمال لکھ کر اس کے پاس ہر سوموار اور جمعرات کو جمع کروا دیتے ہیں۔

فائدہ: سنن ابی داؤد میں ہے کہ سجل حضور ﷺ کے کاتب تھے۔ ابن جوزی نے بھی ایسا لکھا ہے اور قاموس میں بھی ہے کہ سجل حضور ﷺ کے کاتب اور ایک فرشتے کا نام ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس نام کا صحابی پڑھنے سننے میں نہیں آیا۔ (واللہ اعلم)۔ آگے فرمایا کہ جیسے ہم نے انہیں پہلی بار عدم سے وجود میں لایا۔ اسی طرح ایک دن فنا ہوں گے۔ مرنے کے بعد پھر لوٹائیں گے یعنی دوبارہ زندہ کریں گے۔ آخرت میں لوٹانے کا وعدہ ہم نے کیا ہوا ہے۔ اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ بے شک ہم اس کام کو ضرور کرنے والے ہیں اس کو پورا کر کے چھوڑیں گے۔

(آیت نمبر۱۰۵) اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام والی کتاب زبور میں لکھا ہے تورات میں جو ذکر لکھا تھا اس کے بعد لکھا کہ بے شک اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں۔

فائدہ: آسمانی کتابوں میں جس کتاب کا سمجھنا مشکل ہوگیا۔ اسے زبور سے تعبیر کیا گیا اور کتاب کا اطلاق ہر اس آسمانی کتاب پر ہوگا جس میں احکام شرعیہ اور علوم حکمت ہوں۔ تو ان آسمانی تمام کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ بے شک زمین کے وارث اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ جیسا دوسرے مقام پر اہل ایمان سے وعدہ کیا گیا کہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا اور انہیں زمین پر غلبہ دے گا۔

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ؕ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

بے شک یہ قرآنی حکم کافی ہے ان لوگوں کیلئے جو عابد ہیں اور نہیں ہم نے بھیجا آپ کو مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۱۰۵) **فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں زمین سے مراد جنت ہے۔

فائدہ: زمین اور جنت دونوں میں سے زیادہ قیمتی جگہ جنت ہے تو جو جنت کے وارث ہیں وہ زمین کے بہ طریق اولیٰ وارث ہیں۔

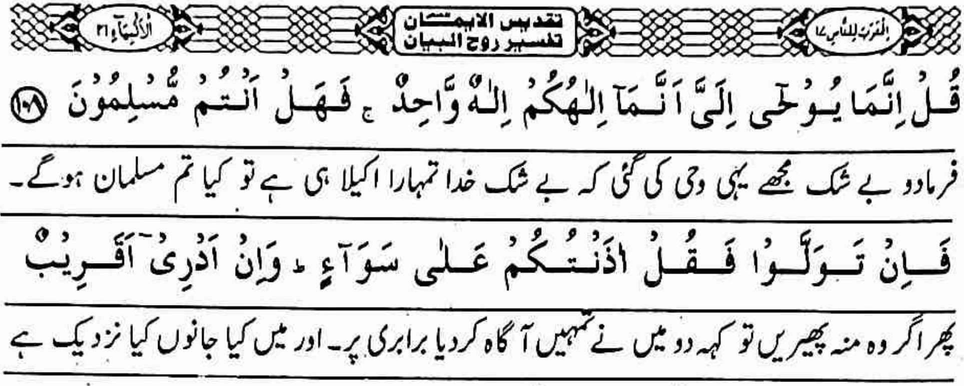
(آیت نمبر ۱۰۶) بے شک جو کچھ اس سورت میں بیان ہوا۔ یعنی سابقہ امتوں کے حالات یا مواعظ بلیغہ یا وعدے اور وعیدیں اور توحید و رسالت کے متعلق جو جو براہین قاطعہ بیان ہوئیں۔ وہ سب عابدین لوگوں کیلئے کافی ہیں۔ جن کی طبیعت میں عبادت کا ذوق وشوق ہے لیکن عبادت بھی صرف عادت والی نہ ہو بلکہ رضاء حق والی ہو۔

(آیت نمبر ۱۰۷) اور اے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ۔ نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر اس لئے کہ آپ کی بعثت مبارکہ سعادت دارین کا سبب ہے اور مصالح امور کے انتظام کا موجب ہے۔ یعنی آپ کائنات کیلئے رحمت ہیں۔

آپ کفار کیلئے رحمت: کفار کیلئے آپ اس لئے رحمت ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی وجہ سے عذاب سے محفوظ رہے نہ انہیں خسف ہوا نہ مسخ۔ اور آئندہ بھی وہ بچتے رہیں گے تو حضور ﷺ کی وجہ سے سب امن وسکون میں ہیں۔

حضور امت پر رحمت: دنیا میں بھی تھے اور قیامت کے دن بھی جب مقام محمود پر جلوہ گری فرما کر امت کی شفاعت فرمائیں گے تو اس وقت آپ کی رحمۃ للعالمینی کا ظہور ہوگا۔ اسی طرح معراج کی رات بھی اور عرش پر بھی جا کرامت کیلئے اللہ تعالیٰ سے سلامتی (السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین) کی دعا فرمائی۔

کل کائنات کیلئے: آپ رحمت بن کر تشریف لائے جیسا کہ العالمین کا لفظ بتا رہا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی رحمت مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہے۔ بلکہ جمیع موجودات کے ہر قطرے کو گھیرے ہوئے ہے خواہ وہ عالم غیبی ہوں یا شہادی، علمی ہوں یا عینی، وجودیہ ہوں یا شہودیہ۔ پہلے گذر گئے ہوں یا بعد والے عقل والے ہوں یا بے عقل، عالم روح ہوں یا عالم جسم۔ غرضیکہ اس خدا کی خدائی میں کوئی ایسا فرد نہیں جس کے لئے ہمارے حضور ﷺ رحمت نہ ہوں۔ **فائدہ:** یہ شان صرف حضور ﷺ کو ہی ملی ہے۔ اور کسی نبی کو نہیں ملی۔



قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

فرمادو بے شک مجھے یہی وحی کی گئی کہ بے شک خدا تمہارا اکیلا ہی ہے تو کیا تم مسلمان ہوگے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو میں نے تمہیں آگاہ کردیا برابری پر۔ اور میں کیا جانوں کیا نزدیک ہے

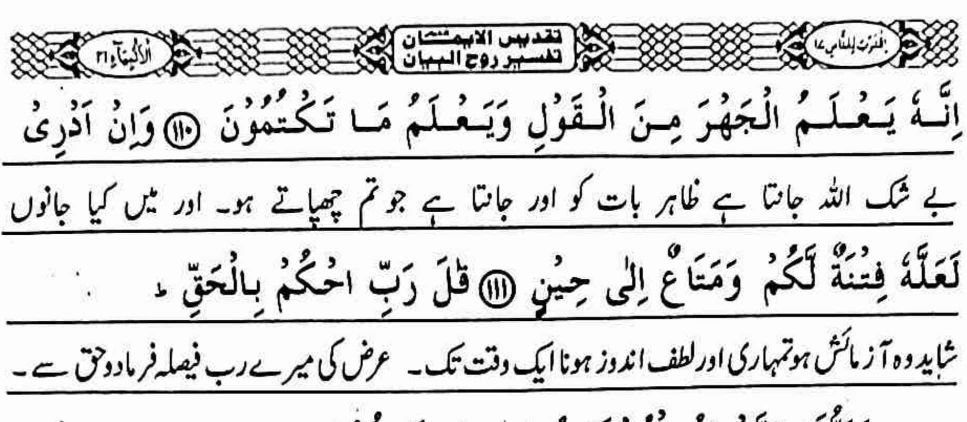
اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾

یا دور ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ١٠٧) **رحمت عیسیٰ علیہ السلام ورحمت مصطفےٰ ﷺ میں فرق:** عیسیٰ علیہ السلام کو رحمۃ کہا۔ (رحمة منا) من کے معنی بعض ہے اور حضور ﷺ کے لئے فرمایا رحمۃ للعالمین یعنی عیسیٰ علیہ السلام صرف اپنے ماننے والوں کے لئے رحمت اور ہمارے حضور ﷺ کی رحمت کائنات کے ذرے ذرے کیلئے ہے۔ (رحمۃ للعالمین کی مزید تفصیلات فیوض الرحمان میں دیکھ لیں)۔

(آیت نمبر ١٠٨) اے محبوب آپ فرمادیں مجھ پر جو خاص وحی نازل ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے میری بعثت کا بھی اصل مقصد یہی ہے کہ میں توحید کا اعلان کروں۔ دیگر سارے احکام اس کلمہ توحید کے تحت ہیں۔ اس آیت میں مشرکین کے تصور کو ختم کیا گیا۔ وہ بے شک اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ مگر ساتھ اور معبودوں کی عبادت کو بھی شامل رکھتے تھے۔ اس لئے آگے فرمایا تو کیا تم واقعی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلص ہو کہ اس کے سوا کسی کو بھی عبادت کے لائق نہیں سمجھو گے۔ بلکہ اس کی وحی کے مطابق اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے۔ ہر عقل مند ذی شعور جب غور کرے گا تو وہ یہی کہے گا کہ عبادت کے لائق وہی ہے جس نے پیدا کیا وہی اصل معبود ہے۔

(آیت نمبر ١٠٩) پھر اگر وہ اسلام سے یا دیگر احکام خداوندی سے منہ پھیر لیتے ہیں اور وحی کے منکر ہو جاتے ہیں تو آپ انہیں فرمادیں کہ میں نے تم سب کو برابر احکام خداوندی بتادیئے ہیں توحید سے آگاہ کردیا ہے کوئی بات کسی سے چھپائی نہیں ہے میں نے وعظ ونصیحت میں یا تبلیغ رسالت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ یہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ امور جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی قیامت قریب ہے یا دور ہے یا وہ وعدہ کہ مسلمان غلبہ حاصل کریں گے دین ہر طرف پھیل جائے گا یا بروز قیامت اکٹھا ہونے کا جو وعدہ دیا گیا وہ مراد ہے وہ تو ہر حال میں پورا ہوگا اور جب قیامت قائم ہوگی۔ تو ایمان والوں نے عزت پانی ہے۔ اور تم نے ذلت اور عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔



اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ

بے شک اللہ جانتا ہے ظاہر بات کو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں

لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ

شاید وہ آزمائش ہو تمہاری اور لطف اندوز ہونا ایک وقت تک۔ عرض کی میرے رب فیصلہ فرما دو حق سے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

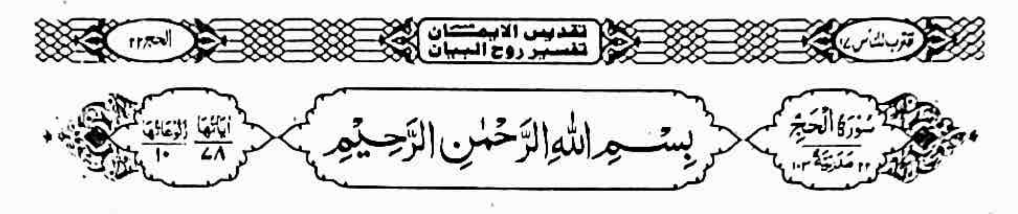
اور ہمارا رب رحمٰن ہی مددگار ہے اس پر جو تم کہتے ہو

(آیت نمبر ۱۱۰) بے شک وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم اسلام کے متعلق طعن و تشنیع کرتے ہو یا آیتوں کو جھٹلاتے ہو اسے بھی جانتا ہے جو تم جرائم کر کے دل میں چھپاتے ہو جیسے میرے رسول سے دشمنی یا مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہو اس کی تمہیں دنیا میں اگر نہ ہوئی تو ہر حال آخرت میں ضرور سزا ہو گی۔ خصوصاً اس کی جو تم نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کئے۔ جس سے کئی مسلمان شہید ہوئے۔ اور تم نے مسلمانوں کو اذیتیں دیں۔ اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

(آیت نمبر ۱۱۱) ممکن ہے کہ تمہیں مہلت کا ملنا تمہارے لئے امتحان ہو مجھے اس بات کا علم نہیں ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر ایسی مہلت آزمائش کا سبب ہوتی ہے پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتنہ کو عذاب وغیرہ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ آگے فرمایا کہ تمہیں ایک وقت مقررہ تک نفع پہنچانا مقصود ہو پھر اس کے بعد تمہیں اس کی جزاء یا سزا دی جا سکے۔

(آیت نمبر ۱۱۲) حضور ﷺ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب میرے اور اہل مکہ کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ہمارا رب رحمٰن ہے جس کی رحمت اپنے بندوں پر بے حساب ہے۔ اس سے مراد اگر انعام ہو تو رحمت خداوندی صفات افعال سے ہے۔ اگر بمعنی ارادہ خیر ہو تو پھر مراد صفات ذات ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ بلند ذات ہے کہ جس سے مدد حاصل کی جاتی ہے اس پر کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہ کلمہ گویا حضور ﷺ نے کفار مکہ سے فرمایا کہ تم جو کہتے ہو کہ شوکت و طاقت تو ہمارے پاس ہے۔ اسلام کا جھنڈا جلد ہی سرنگوں ہو جائیگا۔ تم اپنی طاقت پر ناز نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ اور وہ ہمیں تم پر غلبہ دے گا۔ **سبق:** عقل والے پر لازم ہے کہ لمبی عمر یا مال کی یا اولاد کی کثرت پر دھوکہ نہ کھائے یہ کفار کا طریقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جسے مال و دولت ملے وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوا تو وہ سخت دھوکہ میں ہے۔

سورۃ کا اختتام: ۱۷ مارچ ۲۰۱۶ء بروز جمعرات صبح بوقت نماز



يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگوں ڈرواپنے رب سے بے شک زلزلہ قیامت والا چیز ہے بہت بڑی۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ

اس دن تم دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جسے دودھ پلایا اور گرادے گی ہر حمل والی

حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

اپنا حمل اور تو دیکھے گا لوگوں کو جیسے نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہیں لیکن عذاب الٰہی سخت ہے۔

(آیت نمبر ۱) اے لوگو اپنے رب سے ڈرتے رہو یعنی اپنے مالک و مربی کے عذاب سے ڈر کر اس کی اطاعت کرو کہ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک عظیم چیز ہے جس کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی انتہائی خوفناک اور کرب ناک ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ تقویٰ اختیار کرے تا کہ قیامت کے سخت عذاب سے بچ سکے۔

(آیت نمبر ۲) تو اس دن دیکھے گا کہ ہر دودھ پلانے والی عورت بچے کو دودھ پلانا بھول جائیگی یعنی ایسا خوف اور ایسی دہشت غالب ہوگی کہ اسے بھول ہی جائیگا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہے حالانکہ بچے کو دودھ پلاتے وقت بہت پیار ہوتا ہے لیکن اس خوف و ہراس میں وہ بچے سے غافل ہو کر بھاگ جائیگی۔

فائدہ: یہ بات بطور تمثیل ہے یعنی اگر بالفرض ایسا ہو کیونکہ قیامت کے دن دودھ پیتے بچے کہاں ہوں گے۔ آگے فرمایا کہ اس قیامت کی سخت گھڑی میں ہر حمل والی اپنے حمل کو گرادے۔ جس کے پیٹ میں یا پیٹھ پر ہو یا اسے اپنی جان کا ایسا خوف ہوگا کہ اس خوف سے اسے گرادے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا کہ گویا لوگ نشہ میں ہیں (یعنی ادھر ادھر لوگوں کے دوڑنے گرنے سے یوں محسوس ہوگا) کہ وہ شراب کے نشے میں ایسا کر رہے ہیں۔ وہ دہشت اس قدر سخت ہوگی کہ جہاں انبیاء کرام علیہم السلام بھی نفسی نفسی رب نفسی پکار رہے ہونگے وہاں میرا تیرا کیا حال ہوگا۔ (اللہ ہی معاف فرمائے)۔ آگے فرمایا۔ وہ نشے میں نہیں ہونگے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ ﴿۳﴾

اور کچھ لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان سرکش کی

(بقیہ آیت نمبر۲) یعنی عذاب الٰہی نے ان کے عقل اڑا دیئے ہوں گے اور ان کو تمیز ختم ہو جائیگی۔

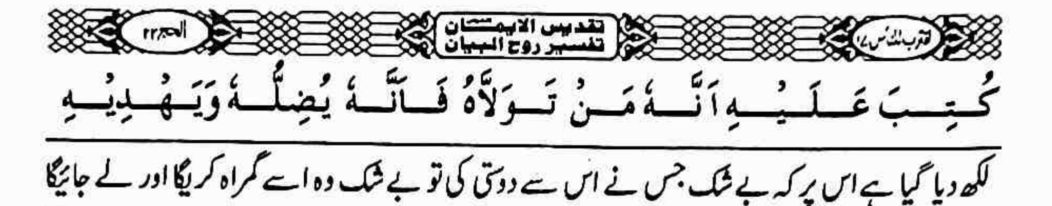
وقت نزول : کچھ مفسرین کے نزدیک یہ دو آیات غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر نازل ہوئیں۔ صحابہ کرام نے یہ آیات سن کر از حد آہ وزاری کی۔ خوشیوں کی سب باتیں ختم کر دیں۔ نہ آرام کیا نہ کھانا کھایا۔ سارا دن بھی غم وحزن میں گذار دیا۔ پھر آپ نے کافی لمبا وعظ فرمایا کہ جس کو سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت روئے۔ آخر میں فرمایا۔ جنت میں تم دو تہائیاں ہو گے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے۔

حدیث شریف : ارشاد نبوی ہے جنت میں جانے والی ایک سو بیس صفیں ہونگی۔ جن میں سے اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی۔ ان میں ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے تو عکاشہ بن محصن نے عرض کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں سے بنائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان ہی میں سے ہی ہے ایک انصاری نے عرض کی میرے لئے بھی دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ عکاشہ سبقت لے گیا۔ (رواہ الشیخین)۔

(آیت نمبر۳) لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو بغیر علم کے ہی جھگڑا کرتا ہے۔

فائدہ: اس سے مراد نضر بن حارث ہے جو کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور مرنے کے بعد کوئی جینا نہیں ہے۔ قرآن بناوٹی قصے کہانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی بے سروپا اور بے بنیاد باتیں کرتا۔ اب معنی یہ ہے کہ اس نے جھگڑا کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق اور وہ بھی بغیر علم کے نہ دانش، نہ معرفت، نہ برھان نہ حجت اور وہ ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے گویا وہ شیطان مرید ہے۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ جو شخص علم ومعرفت کے بغیر ذات باری تعالیٰ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو یقین کریں کہ وہ شیطان کا تابعدار ہی ہے اس لئے کہ وہ ہر وقت شیطان کی طرح محض فساد میں ہی لگا رہتا ہے اور اب خیر وصلاح کے نزدیک نہیں جاتا اس سے مراد کفار کے وہ بڑے بڑے لیڈر ہیں جو بتوں کی پوجا اور پرستش کی طرف بلاتے ہیں یا اس سے شیطان اور اس کا لشکر مراد ہے۔



لکھ دیا گیا ہے اس پر کہ بے شک جس نے اس سے دوستی کی تو بے شک وہ اسے گمراہ کریگا اور لے جائیگا

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

اسے طرف عذاب دوزخ کے۔

(آیت نمبر۴) یعنی اس شیطان کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے لوح محفوظ میں بے شک اس شیطان کو جو بھی دوست بنائے گا یا اس کی تابعداری کرے گا تو بے شک وہ اسے سیدھی (حق والی) راہ سے بہکا دے گا اور اس کو جہنم کے جلا دینے والے عذاب کی طرف راہنمائی کرے گا یعنی شیطان اپنے دوست سے ایسے غلط کاموں کا ارتکاب کرائے گا کہ جو کام اس کیلئے جہنم کا موجب بنیں گے۔ السعیر اس آگ کو کہا جاتا ہے جس کے شعلے سخت اور تیز ہوں۔

فائدہ: شیطان دلوں میں شبہے ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔ اہل ہوا۔ اہل بدعت، فلاسفہ، زنادقہ یا منکرین حشر ونشر یا دیگر بدمذاہب سب اسی کے شبہات کی پیداوار ہیں۔ شیطان انسان کو بدمذہبی کے ایسے دلائل دے کر پھنساتا ہے کہ چندروز میں ہی وہ گمراہ فرقے کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ اسی لئے ایک مقام پر فرمایا کہ جو گمراہوں سے دوستی رکھے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔ چونکہ صحبت کا اثر انسان پر جلد ہو جاتا ہے۔ یعنی گمراہ جہنم میں جائیگا۔ تو اس کا ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی جائیگا۔

فائدہ: بدمذاہب اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے عذاب سعیر کی طرف لے جاتے ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دن رات تزکیہ نفس اور فکر کی درستی پر کوشش جاری رکھے کیونکہ نفس انسان کا باطنی دشمن ہے دل میں اس کی سخت مخالفت رکھے یہی جہاد اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ نفس وشیطان کے شر سے محفوظ فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

اے لوگو اگر ہو تمہیں شک اٹھنے کا (بروز قیامت) تو بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

مٹی سے پھر نطفہ سے پھر لوتھڑا سے پھر کچھ گوشت کی بوٹی مکمل

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ

اور کوئی نامکمل سے تاکہ ہم واضح کریں تمہیں۔ اور ٹھہراتے ہیں رحموں میں جسے چاہیں تاوقت

مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ

مقرر پھر نکالتے ہیں تمہیں بچہ تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو۔ اور کوئی تم سے

مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

مر جاتا ہے اور کوئی تم سے ہے جو لوٹ جاتا ہے طرف نکمی عمر کے تاکہ نہ جانے

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

بعد جاننے کے کچھ۔ اور تو دیکھتا ہے زمین مرجھائی ہے پھر ہم نے اتارا اس پر

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٥

پانی تو تروتازہ ہوئی اور ابھری اور اگائے ہر قسم کے جوڑے پر رونق۔

(آیت نمبر ۵) اے لوگو جو حشر ونشر کے منکر ہو۔ اگر تم قیامت کے دن اٹھنے پر شک کرتے ہو کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اٹھا بھی سکتا ہے یا نہیں (معاذ اللہ) تو یاد رکھو بے شک ہم نے ہی تو تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا لہذا تم اپنی ابتدائی تخلیق پر غور وفکر کرلو تو تمہارے شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے اور یہ بھی دیکھو کہ ہم نے سب سے پہلا انسان مٹی سے بنایا یعنی آدم علیہ السلام۔ آگے تم ان کی ہی نسل ہونے کی وجہ سے گویا تمہیں بھی مٹی سے پیدا کیا۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو مٹی سے بنایا تا کہ انہیں عاجزی نصیب ہو لیکن انہوں نے اسے نہ سمجھا بلکہ الٹا تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو تکبر کرے گا وہ جنت میں نہیں جائیگا۔

آگے فرمایا کہ مٹی کے بعد انسان کو نطفہ سے بنایا جسے منی کہا جاتا ہے پھر منی سے لوتھڑا (جما ہوا خون) بنایا پھر جمے ہوئے خون سے گوشت کا ٹکڑا بنایا۔ اس کے بعد کچھ وہ جن کی پوری شکل ظاہر ہوئی اور کچھ وہ جن کا نقشہ ظاہر نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمام ماؤں کا مادہ ان کے پیٹوں (یعنی بچہ دانی) میں جمع کیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جب نطفہ شکم مادر میں پہنچتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے کہ بچہ پیدا کرے تو وہ نطفہ ماں کے رونگٹے رونگٹے میں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے اور بال بال کے نیچے پھیل جاتا ہے۔ چالیس روز تک وہ اسی طرح رہتا ہے۔ پھر وہ خون بن کر ماں کے رحم میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس کے علقہ اور مضغہ یعنی بوٹی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کے چالیس دن بعد یعنی جب ماں کے پیٹ میں (۱۲۰) دن کا ہو جائے تو انسانی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر فرشتہ اس میں روح پھونک دیتا ہے اور پھر اسی کے ساتھ فرشتہ اس کی عمر، رزق اور اجل یعنی دنیا کے کل لمحات اور اعمال اور اس کی نیک بختی یا بد بختی لکھتا ہے (اربعین نووی)۔ آگے فرمایا کہ یہ سارے مرحلے بتانے کا اصل مقصد یہ ہے تا کہ ہم تم پر واضح کر دیں کہ قیامت کو اٹھنے کا معاملہ یقینی ہے (یعنی تمہیں جو شک ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے پھر کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے تو ہم تم پر واضح کر رہے ہیں) کہ جو ذات پہلی مرتبہ مٹی سے پیدا کر سکتی ہے جبکہ اس سے پہلے تمہارا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے اور جمع کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم ماؤں کے رحموں کے اندر جتنی مدت تک چاہتے ہیں وہاں رکھتے ہیں یعنی ایک مقرر مدت تک۔

فائدہ: تمام اماموں کے نزدیک بچے کا پیٹ میں رہنے کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے اور زیادہ مدت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک دو سال۔ امام شافعی کے نزدیک چار اور امام مالک کے نزدیک پانچ سال تک ہے (رحمہم اللہ)

فائدہ: امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ضحاک بن مزاحم تابعی دو سال اور امام مالک تین سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہمسایہ میں ایک عورت نے تین بچے جنے اور ہر بچہ اس کے پیٹ میں چار سال رہا۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم بچے کی پوری ٹھہرانے کی مدت کے بعد مکمل لڑکا بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں یعنی ان تمام مرحلوں کو تم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سب کام ہم نے کیا اس لئے کہ یہ کام ہم ہی کر سکتے ہیں۔

فائدہ: ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد تم دن بدن بڑے ہوتے رہے۔ جسم اور عقل اور قوت اور تمیز کے لحاظ سے تم اپنے کمال تک پہنچے۔ یہ سب قدرت خداوندی کے نظارے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ ⑥

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ کی ذات برحق ہے اور بے شک وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۵) **فائدہ**: تیس اور چالیس سال کے درمیان کی مدت کو''اشد'' کہا جاتا ہے۔صاحب قاموس کے نزدیک اٹھارہ سے تیس سال کے درمیان کی مدت ہے۔

آگے فرمایا کہ تم میں بعض وہ لوگ ہیں۔جن کی روحیں بلوغت سے پہلے ہی قبض کر لی جاتی ہیں یا بالغ ہوتے ہی مرجاتے ہیں اور بعض تم میں وہ بھی ہیں جو رذیل ترعمر تک پہنچ جاتے ہیں۔اس سے مراد انتہائی بڑھاپا ہے۔یعنی وہ عمر کا حصہ جس تک پہنچنے والا کچھ نہ جانے یعنی سابقہ معلومات ذہن سے محو ہو جائیں اور کوئی بات یاد نہ رکھ سکے۔یہاں اس کی زبوں حالی بیان ہو رہی ہے کہ اس عمر میں انسان چھوٹے بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔یعنی جسم عقل وفہم میں کمزوری آجاتی ہے۔یہاں تک کہ اپنے کئے ہوئے اعمال کو بھول جاتا ہے۔جانی پہچانی چیزوں کا انکار کر دیتا ہے اور بہت سارے وہ امور جن پر قدرت ہونے کے باوجود اس کے عجز کا یہ حال ہے کہ چلتا ہے تو لڑکھڑا جاتا ہے۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ترجمہ: کھیتی کے کاٹنے کا وقت جب آتا ہے تو اس وقت وہ نئے سبزے کی طرح نہیں ہوتی۔

قیامت کے دن اٹھنے کی دوسری دلیل: فرمایا کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ خشک اور ویران ہوتی ہے کہ اچانک ہم اس پر پانی بارش کی شکل میں نازل کرتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتی ہے جس حرکت میں خوشی ہو یا وہ پُر رونق ہو جاتی ہے اور ابھر آتی ہے اور ہر قسم کے جوڑے اگاتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ زمین ایسی بارونق ہوتی ہے کہ اسے دیکھ کر زمیندار کا دل خوش ہو جاتا ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ایسے ہی مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور یقیناً بروز قیامت زندہ کرے گا۔

(آیت نمبر۶) یہ اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جو انسانی تخلیق کے مختلف اطوار یا زمین کا بربادی کے بعد آباد ہونا یہ بتاتا ہے کہ کوئی ذات ہے۔اور وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے۔وہی مردوں کو زندہ فرماتا ہے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو زندگی دینے پر قادر ہے جس نے پہلے ہر چیز کو زندہ کیا اور عدم کو وجود بخشا اسی ذات نے دوبارہ بھی مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا ہے۔

فائدہ: دیکھ لیں کہ کس طرح اس نے ایک نطفہ پانی سے کیسی کیسی حسین صورتیں بنائیں اور قیامت تک بنائے گا جیسے ویران زمین کو تازگی اور رونق عطا فرما دیتا ہے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ ہر چیز کے (بنانے اور بگاڑنے) پر قادر ہے۔اس کی قدرت پر سب سے بڑی دلیل کل کائنات اور موجودات کی ایجاد ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ⑦

اور بے شک قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔

(آیت نمبر ۷) اور بے شک قیامت آنے والی ہے۔ یعنی وہ جلد آ رہی ہے کہ جس میں نیک لوگوں کو اچھا بدلہ ملے گا اور برے لوگوں کو سخت سزا ملے گی۔ اس قیامت کے آنے اور مردوں کے زندہ ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا کیونکہ یہ اس کے وعدے کا تقاضا ہے اور اس کے وعدے کا کبھی خلاف نہیں ہوگا۔ قبروں سے مراد وہ جگہ جہاں مردوں کو دفنایا جاتا ہے۔ مردے قبروں سے نکلنے کے بعد اسی طرح ہوں گے۔ جس طرح وہ مرنے سے پہلے تھے۔ یعنی ان کے اجزاء اصلی کو جمع کر کے ان کے اندر روح کو ڈال دے گا۔ یہاں فلاسفہ اور کمیونسٹوں کا رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیسے دوبارہ اٹھایا جائیگا جبکہ تمام جسم ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے۔ اور جو چیز معدوم (ختم) ہو جائے وہ دوبارہ کیسے بن سکتی ہے تو ہم اس مذکورہ آیت کے حوالے سے انہیں جواب دیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتراض ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو قادر و قدیر مانتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو جو انسان کے اصل اجزاء میں اکٹھا فرمائے گا۔ وہ اجزاء اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ ان کو انسانی شکل دے کر ان میں روح ڈالا جائیگا۔ یہ سارا کام اللہ تعالیٰ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فائدہ: روایت میں آتا ہے کہ جب بروز قیامت اللہ تعالیٰ قبروں سے اٹھانے کا ارادہ فرمائے گا تو عرش سے منی کی طرح کا پانی برسے گا تو جہاں بھی کسی انسان کا کوئی ذرہ ہوگا۔ وہ وہاں سے مکمل انسان زندہ ہو کر کھڑا ہو جائیگا۔

فائدہ: ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ تخلیق فرمائی۔ اسی طرح دوسری مرتبہ بھی انسان کو زندہ فرمائے گا۔ پہلی اور دوسری تخلیق میں فرق یہ ہے کہ پہلی نشاۃ میں احساس نہیں ہوا اور دوسری نشوونما محسوس ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ریڑھ والی ہڈی سے تمام ڈھانچے کو تیار فرمائے گا۔ انسانی اجزاء کی اصل یہی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسی پر آخرۃ میں بروز قیامت نشاۃ کا دارومدار ہے۔ **فائدہ:** یہ بھی قدرت والے کی قدرت ہے۔ کہ اس نے ہر انسان کے جسم کی کوئی چیز ایسی سنبھال رکھی ہے۔ جس سے وہ دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٨﴾

اور لوگوں میں وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور نہ ہدایت ہے اس کے پاس اور نہ کتاب روشن

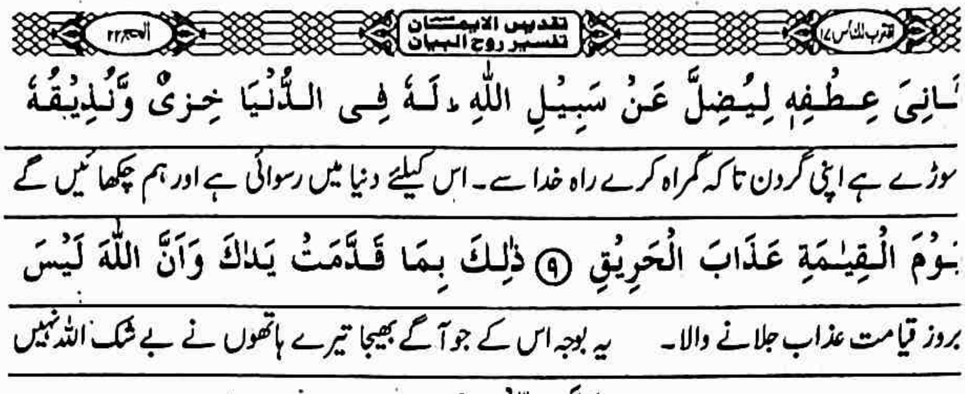
(آیت نمبر ۸) بعض لوگوں میں وہ بھی ہیں (اس سے مراد ابوجہل وغیرہ ہے) جو مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے ہی جھگڑتے ہیں۔ یعنی نہ ان کے پاس ظاہری علم ہے نہ باطنی۔ نہ بدیہی نہ نظری۔ اور نہ انہیں ہدایت حاصل ہے کہ جس سے وہ حقیقت پر استدلال کر سکیں۔ نہ انہیں معرفت ہے یعنی ایسی دلیل جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے اور نہ ان کے پاس کوئی روشن کتاب ہے یعنی وحی الٰہی جو ان پر حق کو واضح کر دے۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایسی کوئی کتاب نہیں کہ جس کے ذریعے وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکیں اس کے باوجود وہ اتنا بڑا جھگڑالو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جھگڑا کرتا پھرتا ہے جبکہ اس کے پاس نہ کوئی حجت ہے نہ دلیل۔

فائدہ مناظرہ کرنے کیلئے تین امور کا ہونا ضروری ہے: (۱) دلیل ضروری۔ (۲) حجۃ نظری۔ (۳) حجۃ سمعی۔ تو جس کے پاس ان تینوں میں سے کوئی نہ ہو وہ جاہلوں کا سردار ہے اور پرلے درجے کا بے وقوف ہے۔

فائدہ : بے ادبوں، بدمذہبوں سے مناظرہ یا مباحثہ کرنا بالکل فضول بلکہ مذموم ہے۔ البتہ ایسے لوگوں سے گفتگو کی جائے جو اہل علم ہوں۔ اور بات ماننے والے ہوں، تا کہ ثواب بھی ملے اور غلط قسم کے شبہات بھی دور ہوں اور انہیں حق کی راہ نصیب ہو۔ قرب الٰہی حاصل ہو۔ **فائدہ**: بے ادب گستاخ شیطان نے کہا۔ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بات کرنا ہی گوارہ نہیں کی۔ اور فرمایا۔ نکل جا یہاں سے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے یہی معاملہ کیا جائے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرے اسے یہی کہا جائے۔

مسئلہ : اہل حق فرماتے ہیں کہ جس مسئلے پر حدیث صحیح اور مضبوط سند کے ساتھ ہو۔ اس پر مزید بحث اور مناظرہ کرنا گمراہی اور بے دینی ہے۔ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ جب سے لوگ شتر بے مہار ہو کر تقلید سے باہر ہوئے۔ اس وقت سے بے شمار نئے نئے فتنوں نے جنم لیا ہے۔ ورنہ دو تین صدیوں سے پہلے صرف اہل سنت ہی تھے۔ باقی شیعہ وہابی وغیرہ سب مذاہب بدعات ہیں۔ (جو کئی سو سال کے بعد وجود میں آئے اور وہ سب بے ادب ہیں۔ کوئی نبی کا بے ادب، کوئی صحابہ کا، کوئی اہل بیت کا بے ادب ہے۔ کوئی اولیاء کا بے ادب، ادب والی جماعت صرف اہل سنت و جماعت ہیں)۔



(آیت نمبر۹) وہ اپنی گردن تکبر سے موڑتا ہے یعنی اکڑ کر روگردانی کی تا کہ وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکا دے چونکہ ایسے متکبر شخص کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو سیدھی راہ سے بہکا دے اور وہ اس کام کو اصلاح سمجھتا ہے۔ جو درحقیقت فساد ہے۔ مراد یہ ہے کہ متکبر اور سرکش آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اہل ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر گڑھ کی طرف لے جائے تا کہ جو کفار و مشرکین ہیں وہ اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہیں۔ آگے فرمایا کہ ایسے لوگوں کیلئے دنیا میں رسوائی ہے جیسے بدر میں ان کی خوب پٹائی اور رسوائی ہوئی کہ ان کی بڑی تعداد قتل اور قید ہوئی اسی پر بس نہیں بلکہ آگے فرمایا کہ ہم انہیں قیامت کے دن جلانے والے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے کہ اس میں عذاب بھی ہوگا اور ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔

(آیت نمبر۱۰) اس کو بتادیا جائیگا کہ تجھے یہ ذلت اور رسوائی آخرت میں اس لئے ہوئی کہ جو جو بداعمالیاں کر کے تو اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجتا رہا۔ یعنی کفر اختیار کرنے اور گناہوں میں پڑنے کی وجہ سے سزا ملی۔

فائدہ: ہاتھوں کا نام اس لئے لیا کہ عموماً افعال ہاتھوں سے ہی ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی بلا وجہ بغیر کسی گناہ کے عذاب میں نہیں ڈالتا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس کے عدل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ نیک کو ثواب پورا دے اور برے کو عذاب دے۔ نہ اپنی عطا میں کمی کرے نہ سزا میں گناہ سے زیادہ عذاب دے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ میرے بندوں کو بھی چاہئے کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں۔ (اخرجہ مسلم فی صحیحہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ

اور لوگوں سے وہ ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ کی کنارے پر۔ پھر اگر پہنچے فائدہ تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ

اور اگر آپڑی کوئی آنچ تو پلٹ گیا منہ پھیر کر۔ گھاٹا کھایا دنیا وآخرت میں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

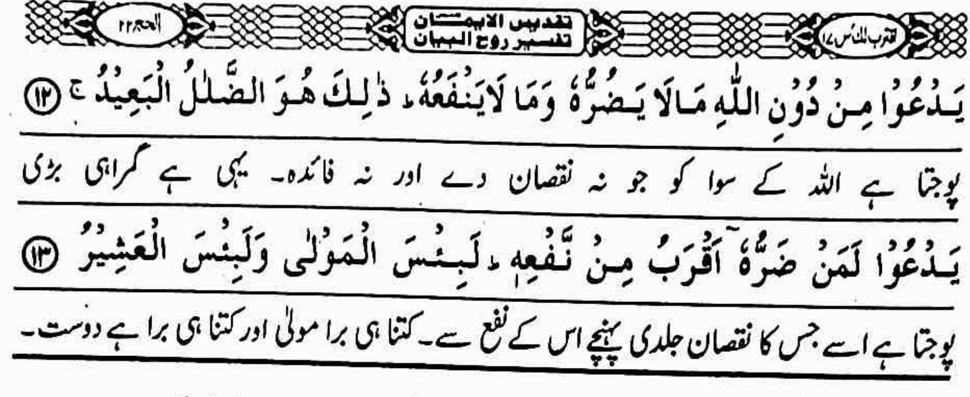
یہی ہے خسارہ واضح۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰) عربی مقولہ ہے: "من کثر ظلمه قرب هلاکه" جس کا ظلم زیادہ ہوا اس کی ہلاکت قریب ہوئی۔ **فائدہ**: بندے گناہ اور نافرمانیاں کر کے اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ **فائدہ**: سابقہ امتوں کی تباہی اور بربادی اسی وجہ سے ہوئی۔ کہ وہ مخلوق خدا پر فرعون کی طرح ظلم کرتے تھے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرے۔ سر مو بھی پیچھے نہ ہٹے اور اہل بدعت (بدمذہب) کی طرف بالکل دھیان نہ دے۔ نہ ان کی صحبت میں بیٹھے۔ اگر بیٹھنا ہی ہے تو اللہ والوں کے پاس بیٹھیں۔ ان کے مواعظ پڑھیں سنیں سچا اور اچھا انسان وہی ہے جو اپنے نیک اسلاف کے طریقے کو نہیں چھوڑتا۔ **فائدہ**: صرف انبیاء و اولیاء سے محبت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ جب تک ان کی اتباع نہ ہو۔)

(آیت نمبر۱۱) لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ جو عبادت بھی ایک طرف ہو کر کرتے ہیں۔

شان نزول: یہ آیت ان دیہاتی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو مدینہ شریف آئے اور ایمان قبول کیا۔ ایمان لانے کے بعد دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی نفع یا فائدہ دیکھا کہ بیماری سے صحت ہوئی یا کچھ مال مل گیا یا اولاد ہو گئی تو کہتے بہت اچھے دین میں آ گئے اور اگر معاملہ الٹ ہو گیا تو دین کو ہی برا بھلا کہہ کر مرتد ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ اگر اسے بھلائی ملتی تو اسی دین پر مطمئن ہو جاتا۔ گویا اس نے دین کو دنیوی مفاد کیلئے اپنایا۔ اسی لئے ایسے شخص کا ایمان کامل مومنوں کی طرح نہیں ہوتا۔ ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جو دین سے صرف دنیا کمانا چاہتا ہے۔



يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ ﴿۱۲﴾

پوجتا ہے اللہ کے سوا کو جو نہ نقصان دے اور نہ فائدہ۔ یہی ہے گمراہی بڑی

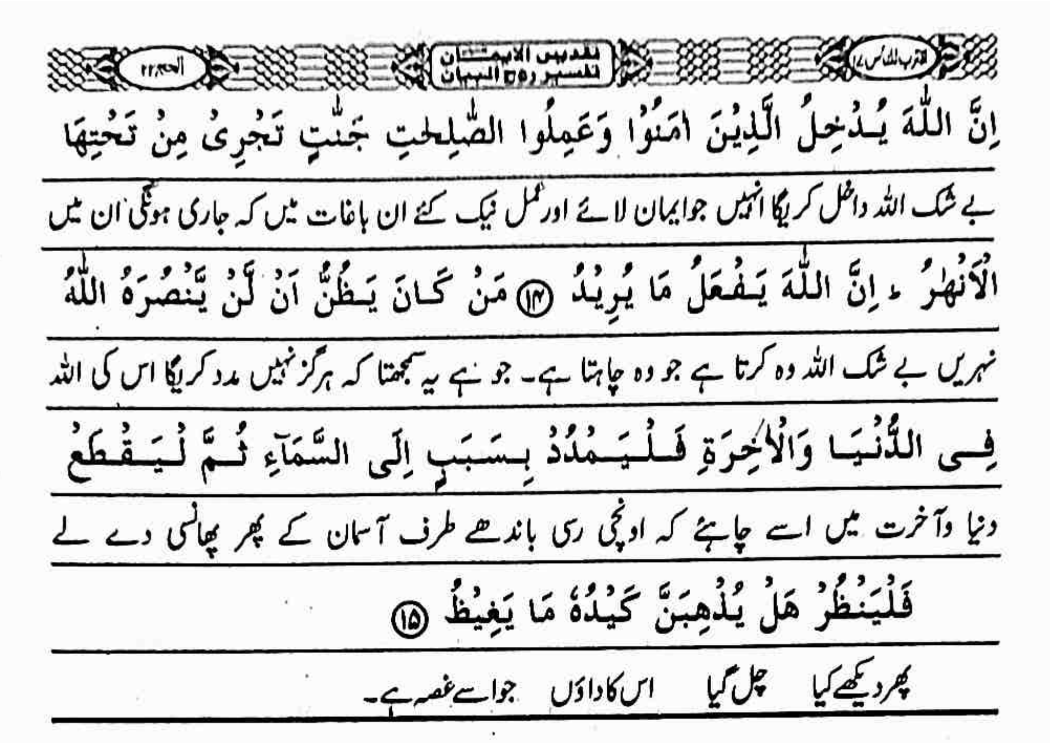
يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

پوجتا ہے اسے جس کا نقصان جلدی پہنچے اس کے نفع سے۔ کتنا ہی برا مولیٰ اور کتنا ہی برا ہے دوست۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱) آگے فرمایا کہ اگر اسے کوئی ایسی تکلیف پہنچتی جو فتنہ کا سبب ہو۔ یعنی کوئی دکھ یا مالی خسارہ ملتا جو اس کی طبیعت کو ناپسند اور نفس پر بوجھ ہو تو وہ مرتد ہو کر کفر کی طرف پلٹ جاتا۔ آگے فرمایا کہ وہ دنیا اور آخرت کے خسارے میں پڑا۔ یعنی اس کے نیک اعمال بھی ضائع ہو گئے اس سے دین بھی چھن گیا اور وہ آخرت میں آگ کا ایندھن بھی بن گیا۔ سب سے بڑا اور واضح خسارہ یہی ہے۔

(آیت نمبر۱۲) وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کی پوجا کرتا ہے۔ جو نہ نقصان دے سکتا ہے کہ ان کی کوئی عبادت نہ کرے تو وہ اسے نقصان پہنچائیں اور نہ کسی کو فائدہ پہنچائیں کہ جو ان کو پوجیں اسے کوئی نفع دیں اس لئے کہ وہ تو محض پتھر ہیں۔ وہ کسی کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ ایسوں کی پوجا پاٹ کرنا تو سب سے بڑی گمراہی ہے جس کا ہدایت کی طرف آنا بہت مشکل ہے۔

(آیت نمبر۱۳) وہ پکارتا ہے دنیا میں یا قیامت کے دن انہیں پکارے گا۔ یعنی جب معبودان باطل کو دیکھے گا تو چیخ پکار کر کہے گا ان کی وجہ سے میں جہنم میں جا رہا ہوں اس لئے فرمایا کہ ان کو پکارنا نفع سے زیادہ نقصان کا باعث ہے چونکہ وہ دنیا میں اس لئے پوجتا رہا کہ بت قیامت کے دن نفع دیں گے لیکن ان سے نفع کی امید تو جہالت بلکہ حماقت تھی۔ ان سے تو نقصان ہی نقصان ہوا۔ اس لئے فرمایا کہ بتوں سے نقصان پہنچنا نفع ملنے سے زیادہ ہے۔ ایسا بناوٹی مددگار بھی برا ہے اور ایسا ساتھی بھی بہت برا ہے۔ بت پرستی میں نقصان ہی نقصان ہے کہ وہ دنیا میں موجب قتل ہے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن ہے یہ نقصان نفع سے زیادہ قریب اس لئے ہوا کہ بت پرست بتوں سے امید رکھے بیٹھا تھا کہ یہ بت اسے قیامت کے دن بچائیں گے اور اس کیلئے وسیلہ بن کر سفارش کریں گے لیکن اس کے بجائے وہ اس کیلئے جہنم کا سبب بن گئے۔ تو یہ اس کا نقصان در نقصان ہوا ہے۔



اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

بے شک اللہ داخل کریگا انہیں جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان باغات میں کہ جاری ہونگی ان میں

الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ

نہریں بے شک اللہ وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ جو ہے یہ سمجھتا کہ ہرگز نہیں مدد کریگا اس کی اللہ

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ

دنیا وآخرت میں اسے چاہئے کہ اونچی رسی باندھے طرف آسمان کے پھر پھانسی دے لے

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

پھر دیکھے کیا چل گیا اس کا داؤں جو اسے غصہ ہے۔

(آیت نمبر۱۴) کفار کے برے حال کو بیان کرنے کے بعد کامل ایمان والوں کے اچھے حال کو بیان کیا جارہا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کامل مومنوں کو جو اچھے اعمال کرتے رہے ایسے اعلیٰ باغات میں داخل فرمائے گا۔ جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرلے اسکے ارادے کو نہ کوئی ہٹا سکتا ہے نہ ٹال سکتا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں کامل مومنین اور عبادت گذار لوگوں کے اچھے حال کو بیان کیا گیا اور جنت وہ گھر ہے جس میں گھنے درخت ہونگے اور ان میں نہریں جاری ہوں گی اور ان میں اعلیٰ قسم کے محلات ہونگے۔

(آیت نمبر۱۵) جو شخص اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کرتا ہے یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی یا حضرت محمد ﷺ کی کبھی مدد نہیں کرے گا دنیا میں اور آخرت میں کہ آپ کا دین غالب ہو اور دشمن ذلیل ہو اور آخرت میں یوں کہ آپ کے درجات بلند ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے پیارے حبیب ﷺ کی ہر حال میں مدد کرتا ہے لیکن اگر حسد کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مدد نہیں کرتا تو پھر انہیں چاہئے کہ وہ چھت یا کھجور کے ساتھ رسہ باندھیں پھر وہ پھندا ڈال کر رسہ کاٹے اور زمین پر گر کر مرجائے یعنی وہ اپنے غیظ وغضب میں مرجائے پھر وہ دیکھے اگر دیکھنے کی قدرت ہے کہ کیا اس کے مکر وفریب سے اس کا غصہ ختم ہوگیا ہے۔ (یا جو اسے غصہ اللہ تعالیٰ پر ہے وہ پورا ہوگیا ہے)۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اسی طرح ہم نے اتاریں آیتیں واضح اور بے شک اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۵) یعنی حضور ﷺ کا کفار پر غلبہ انہیں ہمہ وقت سخت غیظ وغضب پر ابھارتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے غیظ وغضب ختم کرنے کا علاج بتایا کہ اگر تم میرے نبی کی فتوحات کو برداشت نہیں کر سکتے تو بس یہی تمہارا علاج ہے کہ تم اس نسخے کو آزما کر دیکھ لو۔ شاید تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

فائدہ: کفار چاہتے تھے کہ وہ نور خدا کو بجھا دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بجھانے والوں کا ہی خاتمہ کر دیا (ع: مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے) اللہ تعالیٰ نے تو ہر موقع پر اپنے پیارے حبیب ﷺ کی مدد فرمائی اور آپ کے ساتھ کئے ہوئے تمام وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ کے ساتھیوں یعنی لشکر اسلام کو کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا۔ **سبق:** اصل نیک آدمی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو اور دشمنوں کے شر پر صبر کرے۔

فائدہ: حق کو ہمیشہ غلبہ رہا۔ کوئی طاقت حق کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ یہ قاعدہ ہے کہ حق بلند ہوتا جاتا ہے۔ حق کے اوپر کوئی نہیں جا سکتا۔ مشرکوں اور کافروں کی طرف سے ملنے والی تکالیف سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی۔ اگر دیر سے مدد پہنچے تو اس میں بھی ضرور کوئی حکمت ومصلحت ہوتی ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) اسی طرح ہم نے اس مکمل قرآن کو نازل فرمایا۔ جس کے اندر واضح آیات ہیں جو اپنے لطیف معانی پر دلالت کرتی ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن مجید کے ذریعے جسے چاہتا ہے اسے ہدایت سے نوازتا ہے اور اس ہدایت پر اسے قائم رکھتا ہے یا جسے ہدایت دینے کا وہ ارادہ فرمالیتا ہے۔ اسے ہدایت والے کاموں کی توفیق بخشتا ہے یا اس کی ہدایت میں اضافہ فرما دیتا ہے۔

حدیث شریف: اس قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ بعض کے درجات بلند فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کے درجات گرا دیتا ہے (ریاض الصالحین) یعنی اس قرآن کے احکام پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں اور اس سے روگردانی کرنے والوں کو ذلیل کر دیتا ہے۔

فائدہ: قرآنی علوم کے اشغال اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہدایت پر ہونے کی علامت ہے۔

سبق: مومن کیلئے لازم ہے کہ وہ ہر وقت قرآنی احکام پر عمل کرنے کی پوری جدوجہد کرے تا کہ اسے منزل مقصود حاصل ہو۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

بے شک جو ایمان لائے اور جو یہود اور ستارے پرست اور عیسائی اور مجوس

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

اور مشرک ہیں بے شک اللہ فیصلہ کرے گا ان میں بروز قیامت بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

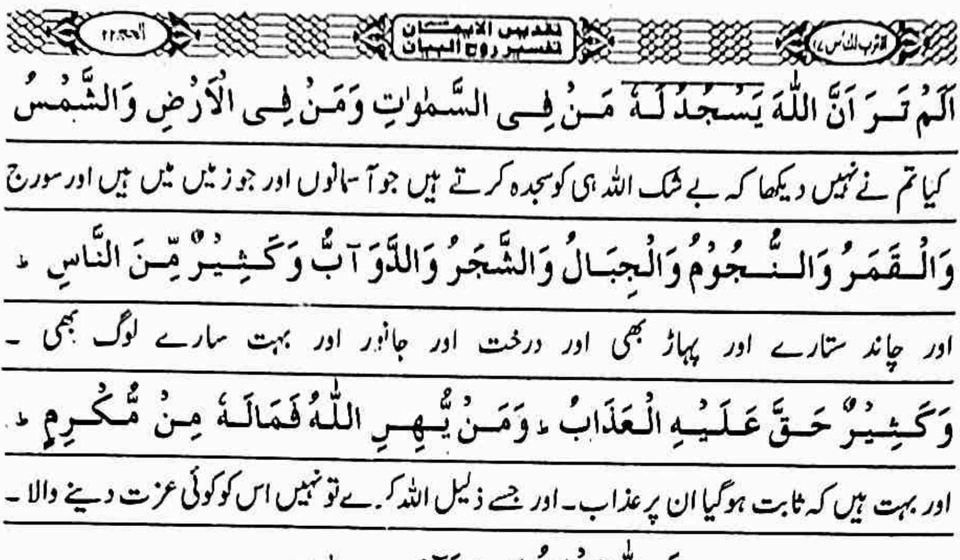
ہر چیز پر گواہ ہے

(بقیہ آیت نمبر۱۶) **وضاحت ضروری :** قرآن مجید میں اگرچہ چند آیات متشابہ بھی ہیں اور بعض آیات اسرار ورموز والی بھی ہیں۔لیکن وہ قرآن کے آیات بینات کے منافی نہیں ہیں۔اس قسم کی آیات کو قرآن مجید میں رکھنا حکمت سے خالی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا علم رکھنے والے بہت بلند درجات والے علماء ہیں۔جنہیں راسخ فی العلم کہا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآنی اسرار ورموز سے واقف فرمائے۔آمین

(آیت نمبر ۱۷) بے شک وہ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہیں۔ پہلے تو یہ نام مدح کیلئے تھے لیکن ان کی شریعت ختم ہونے کے بعد اب یہ نام بطور ذم یہودیوں کا نشان رہ گیا ہے۔ مدح والا معنی ختم ہوگیا ہے۔اسی طرح نصاریٰ بھی اب عیسائیوں کیلئے نشان رہ گیا ہے کیونکہ ان کا دین بھی منسوخ ہو چکا اور صابی یعنی بے دین ستارے پرست یا فرشتوں کو پوجنے والے اور نصاریٰ اور مجوسی یعنی آگ کی پوجا کرنے والے اور وہ لوگ جو بت پرست یعنی مشرک ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بروز قیامت ان سب فرقوں میں فیصلہ فرمائے گا تا کہ حق والوں اور باطل والوں میں امتیاز ہو جائے یعنی مومنوں کو جزائے خیر ملے اور دوسروں کو کفر وشرک کرنے پر سزا ملے۔مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو جس چیز کا مستحق ہے وہ دی جائے گی۔نیک لوگ جنت میں اور برے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اگر کوئی دین پسند ہے تو وہ دین اسلام ہے۔باقی ادیان والے اب شیطان کے پیروکار ہیں۔آگے فرمایا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ یعنی ہر ایک کے حال سے آگاہ ہے۔

سبق :لہذا عقل مند پر لازم ہے کہ وہ فیصلے والے دن کو یاد رکھے اور اعمال صالحہ کرنے کی پوری کوشش کرے تا کہ رضاء الٰہی نصیب ہو۔اور آخرت میں کامیاب وکامران ہو۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں اور سورج

وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

اور چاند ستارے اور پہاڑ بھی اور درخت اور جانور اور بہت سارے لوگ بھی ۔

وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ

اور بہت ہیں کہ ثابت ہوگیا ان پر عذاب ۔ اور جسے ذلیل اللہ کرے تو نہیں اس کو کوئی عزت دینے والا ۔

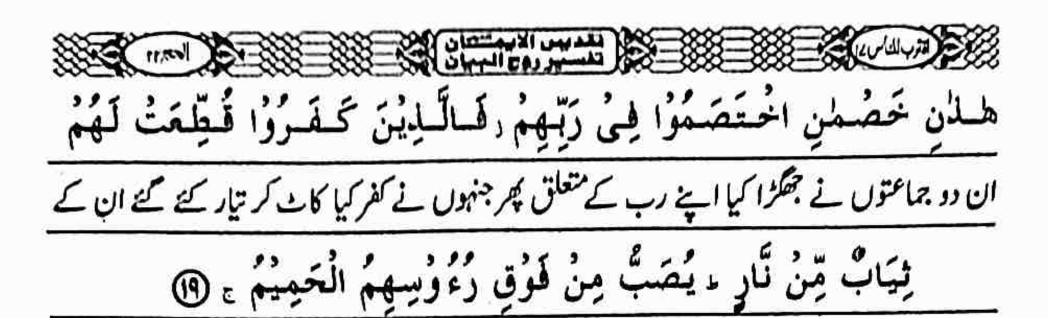
اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ السجدة ﴿١٨﴾

بے شک کرتا ہے جو چاہتا ہے ۔

(آیت نمبر ۱۸) کیا تو نے نہیں دیکھا یا تجھے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتی ہے ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز یعنی ہر چیز اپنے اپنے طریقے سے اس کے آگے سر تسلیم خم ہے ۔ خواہ وہ سورج، چاند یا ستارے ہیں یا پہاڑ ہیں جن میں پانی کے چشمے اور ہر قسم کے معدنیات ہیں اور درخت اور چوپائے ہیں ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابعدار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس مقصد کیلئے بنایا ۔ وہ اسے بحسن وخوبی سرانجام دے رہے ہیں ۔ ہر ایک کو اس کے حسب حال رزق بھی عطا فرماتا ہے ۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں انسانوں میں پیدا کیا ۔ پھر اعلیٰ رزق وتندرستی عطا فرمائی ۔ یہ سب اس کی نعمتیں ہیں جس سے مسلمان اور کافر سب مستفیض ہو رہے ہیں ۔

آگے فرمایا کہ انسانوں میں بھی بہت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرتے ہوئے اس کے سامنے سرنگوں ہیں ۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع میں ہے جیسا کہ ان کا حال دلالت کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ دلالت حال دلالت مقال سے زیادہ فصیح ہے ۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ معرفت والے تو اپنے ارادے سے بطور عبادت رب کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں اور باقی مخلوق اور بے دین لوگ اپنی کسی حاجت کے تحت سر بسجود ہوتے ہیں ۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۸) آگے فرمایا کہ بہت سارے وہ لوگ بھی ہیں جن پر عذاب بوجہ ان کے کفر کے ان کیلئے ثابت ہوگیا ہے اور بوجہ اطاعت سے انکار کرنے کے بھی ان کیلئے عذاب لازم ہوگیا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کا چھٹا سجدہ ہے۔

فائدہ: تلاوت کرنے والے پر لازم ہے کہ سجدہ کرنے میں جلدی کرے تا کہ اس کا شمار کثیر اول میں ہو کیونکہ وہی اصل اہل سجدہ اور اہل قرب ہیں۔ برخلاف دوسرے کثیر کے اس لئے کہ وہ سزاؤں کے مستحق ہیں۔

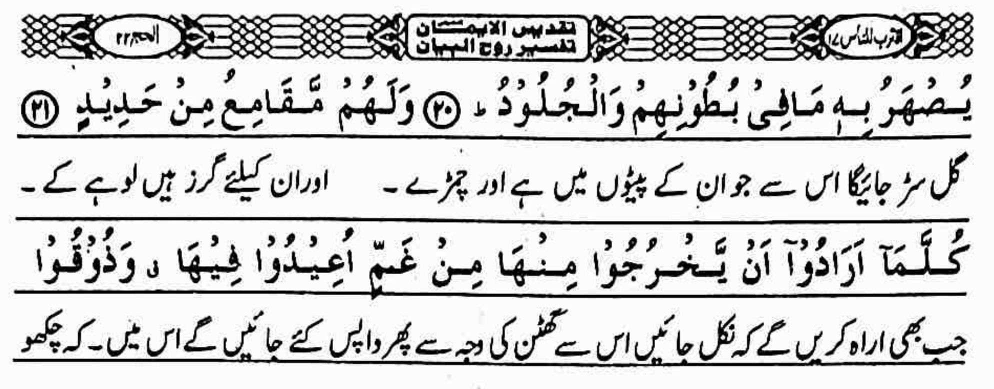
فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں کثیر کثر اول ہی ہیں۔ خواہ کثیر ثانی تعداد میں زیادہ ہوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اہل حق خواہ ایک ہی ہو وہ سواد اعظم ہے۔

آگے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے خواہ کسی کو ہمیشہ عزت والا بنائے خواہ کسی کو ذلیل کرے۔

حدیث شریف: اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ مجھے کوئی فائدہ پہنچائے بلکہ اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائیں۔ (احیاء العلوم)

نکتہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کو اس لئے پیدا کیا تا کہ مومنوں کی عزت افزائی ہو اس لئے کہ اشیاء کی پہچان ان کی اضداد سے ہوتی ہے۔ (کفار کی وجہ سے ہی مسلمان شہید یا غازی بن کر درجات پاتے ہیں)۔

(آیت نمبر ۱۹) یہی دو گروہ ہیں: (۱) اہل ایمان۔ (۲) اور اہل کفر۔ پھر اہل کفر کی پانچ اقسام جن کا پیچھے بیان ہوا۔ جو اپنے رب تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں۔ اس کی ذات یا صفات یا اس کے دین کے متعلق اور ہر گروہ اپنے عقیدے کو ہی حق سمجھتا ہے۔ دوسرے کو باطل اور ہر ایک کے اقوال و افعال دوسرے گروہ کیلئے موجب اختلاف و خصومت ہی رہتے ہیں۔



يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

گل سڑ جائیگا اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے اور چمڑے ۔ اوران کیلئے گرز ہیں لوہے کے ۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا

جب بھی اراہ کریں گے کہ نکل جائیں اس سے گھٹن کی وجہ سے پھر واپس کئے جائیں گے اس میں۔ کہ چکھو

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

عذاب آگ کا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۹) آگے فرمایا کہ پھر جو کافر ہیں۔ کاٹ کر ان کے جسم کے مطابق آگ کے کپڑے بنائے گئے ہیں۔ یعنی وہ سخت آگ جو انسان کو اس طرح گھیرے گی جیسے کپڑے بدن کو گھیر لیتے ہیں پھر ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی گرایا جائیگا۔ اتنا گرم کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا کے پہاڑوں پر گرایا جائے تو تمام پہاڑ بھی پانی کی طرح پگھل کر بہہ جائیں۔

(آیت نمبر۲۰) پگھل کر ان کے پیٹوں میں جو کچھ آنتیں وغیرہ ہیں اور ان کے چمڑے وغیرہ سب گل سڑ کر گر پڑیں گے یعنی جب جہنم کا کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائیگا تو اس گرمی کے اثر سے اندر کے تمام حصے متاثر ہوں گے۔ یعنی ظاہر چمڑے بھی جل جائیں گے اور اندر سے آنتیں بھی جل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر آ جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت پھر وہ انسان اصلی حالت پر لوٹ آئیگا وہی عمل اس کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

(آیت نمبر۲۱) ان کافروں کو عذاب دینے کیلئے فرشتوں نے ہاتھوں میں لوہے کے گرز پکڑے ہونگے اور انہیں مار رہے ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ گرز زمین پر رکھا جائے تو جن وانس مل کر اٹھانا چاہیں گے تو نہ اٹھا سکیں گے تو وہ جب کفار پر برسائے جائیں گے تو ان کے چمڑے ادھڑ جائیں گے۔ (کشاف)

(آیت نمبر۲۲) جب بھی وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے۔ سخت غم واندوہ سے تو فرشتے ایسا ڈنڈا ماریں گے کہ وہ ستر سال کی مسافت کے برابر جہنم میں دھنس جائیں گے اور انہیں باہر نکلنے سے پہلے ہی لوٹا دیا جائیگا اور فرشتے ان پر آگ کے ڈنڈے برسائیں گے اور کہیں گے جلانے والی دوزخ کا عذاب چکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ

بے شک اللہ داخل فرمائے گا ان کو جن مسلمانوں نے اچھے عمل کئے ایسے باغات میں کہ جاری ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ

ان میں نہریں پہنائے جائیں گے اس میں کنگن سونے کے موتیوں والے۔ اور لباس ان کا

فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

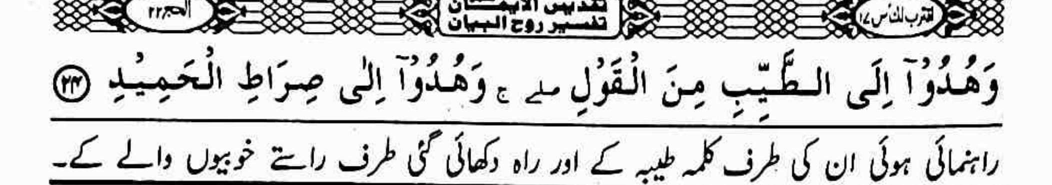
جنت میں ریشمی ہوگا

(بقیہ آیت نمبر۲۲) **فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ میں نے دوزخ اس لئے نہیں بنائی کہ میری رحمت کم ہے بلکہ اس لئے بنائی کہ میرے دوست اور دشمن ایک جگہ نہ رہیں۔ اس لئے دوستوں کے لئے جنت اور دشمنوں کیلئے جہنم بنائی۔ عقل مند کو چاہئے کہ اللہ کے حکم کو مانے تا کہ اس کے قہر و غضب سے بچ سکے۔

(آیت نمبر۲۳) بے شک اللہ تعالیٰ جنت کے باغوں میں ان لوگوں کو داخل فرمائے گا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے۔ جن باغات میں نہریں جاری ہیں اور انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ جن پر موتی جڑے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ دو قسم کے زیور ہونگے سونے کے بھی اور موتیوں کے بھی جو مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے پہنائے جائیں گے جیسے دنیا میں عورتیں مختلف اجناس کے زیورات مختلف اوقات میں پہنتی ہیں۔

فائدہ: اعلیٰ قسم کا زیور وہی ہوتا ہے جس کا ایک کنگن سونے کا اور دوسرا سفید موتیوں کا ہو اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتیوں کو جنت میں تین کنگن پہنائے جائیں گے: (۱) خالص سونے کا۔ (۲) خالص چاندی کا۔ (۳) موتیوں کا اور ان کی بناوٹ اس دنیا کی بناوٹ سے الگ اور شان والی ہوگی۔ آگے فرمایا کہ ان کا لباس بھی ریشمی ہوگا۔ **مسئلہ**: دنیا میں مردوں کیلئے سونا اور ریشم کے کپڑے پہننا حرام ہے۔ اور جنت میں انہیں سونے کے کنگن اور ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔

حدیث شریف: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا وہ جنت میں ریشمی لباس سے محروم ہوگا۔ (ریاض الصالحین)



وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

راہنمائی ہوئی ان کی طرف کلمہ طیبہ کے اور راہ دکھائی گئی طرف راستے خوبیوں والے کے۔

14

(بقیہ آیت نمبر۲۳) **فائدہ**: امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسم سے جوئیں دور کرنے کیلئے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۔ بلکہ خارش کا بھی اس سے خاتمہ ہو جاتا ہے البتہ اگر ریشم کپڑے میں صرف چار انگل چوڑا لگا ہو تو اس کا پہننا بھی جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کی آستین چار انگل ریشمی تھی۔

(آیت نمبر۲۴) ان جنتی مومنوں کو پاکیزہ بات کی طرف راہنمائی کی گئی۔ اسی لئے جنتی جنت کو دیکھتے ہی کہیں گے۔ "الحمد للّٰه الذی ہدانا لہذا" اور جب جنت میں جائیں گے تو کہیں گے: "الحمد للّٰه الذی صدقنا وعده وارثنا الارض"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں یہ کلمہ طیبہ کر دیا۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں۔ پاکیزہ بات سے مراد کلمہ طیبہ ہے یعنی دنیا میں انہیں: "لا الـہ الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" پڑھنا نصیب ہوا۔

فائدہ: حقائق بقلی میں ہے کہ قول طیب سے مراد ذکر ہے یا نیکی کا حکم دینا۔ یا مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں: مجھے قول پاکیزہ کا مطلب عجز و نیاز کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوا۔ آگے فرمایا کہ ان کی راہنمائی ایسی راہ کی طرف کی گئی جو بہت زیادہ قابل تعریف تھا یا جس راستے کی انتہاء محمود تھی۔ (یعنی جنت کی راہ)۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں ایسی راہ جس کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف فرمائی۔

فائدہ: صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو عمل صالح پر ثابت قدمی نصیب ہو جائے جو کہ اخلاص سے نصیب ہوتی ہے۔ عمل صالح سے دل منور ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

بے شک جو کافر ہیں اور روکتے ہیں راہ مولا سے اور مسجد حرام سے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

جسے ہم نے بنایا لوگوں کیلئے برابر حق ہے مقامیوں کا اس میں اور پردیسیوں کا۔ اور جو چاہے اس میں

بِالْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ؏ ﴿۲۵﴾

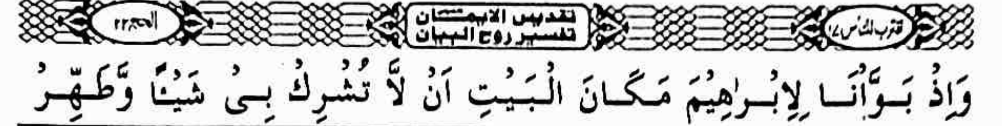
ناحق زیادتی کرنا تو ہم مزا چکھائیں گے اسے عذاب دردناک کا۔

(آیت نمبر ۲۵) بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ یعنی اس کی اطاعت اور اس کا دین قبول کرنے سے روکتے ہیں اور دوسرا مسجد حرام میں جانے اور طواف کرنے سے روکتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں واقعہ حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب کفار نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ کی ادائیگی اور مسجد حرام میں داخل ہو کر طواف کرنے سے روکا۔ مشہور قول یہی ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ مسجد حرام جسے ہم نے لوگوں کیلئے عبادت کی جگہ بنایا اور اسے ملکی اور غیر ملکی سب کیلئے برابر بنایا۔ مسجد حرام اور اس کے اردگرد کا حکم بیان ہوا کہ وہاں کے مستقل رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب لوگوں کا حق برابر ہے۔

فائدہ: اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو لوگوں کو طواف کرنے سے منع کرتے ہیں یا وہاں آنے سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ ایسے برے فعل والے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ جو بھی اس مسجد حرام میں الحاد کا ارادہ کرے۔ یعنی کسی قسم کا وہاں گناہ کرنے والے ظلم کے ساتھ۔ اسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ **مسئلہ**: اس آیت میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مسجد حرام میں داخل ہونے والے پر واجب ہے کہ وہ عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑے۔ اور کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی بھی نہ کرے۔

مسئلہ: الحاد کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہاں شکار کرے نہ وہاں کے درخت کاٹے جائیں نہ باہر سے آنے والا مسجد حرام میں بغیر احرام کے داخل ہوں اور ہر قسم کے گناہوں اور جرائم سے مسجد حرام کو بچایا جائے۔ یہاں تک کہ مسجد حرام میں آقا اپنے غلام کو بھی سزا نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ جیسے حرم شریف میں نیکی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح گناہ بھی ڈبل لکھا جاتا ہے۔ **مسئلہ**: مسجد حرام کی طرح مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کا احترام بھی ضروری ہے۔ عزت وتکریم تینوں مسجدوں کی برابر ہے۔



وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ

اور جب ٹھکانہ دیا ابراہیم کو پاس بیت اللہ کے کہ نہ شریک کرنا میرے ساتھ کسی کو اور ستھرا کر

بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾

میرا گھر طواف واعتکاف والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۲۵) **فائدہ**: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ان میں نفل پڑھنے کی منت مانی تو ان تینوں مسجدوں میں سے جس ایک میں نفل پڑھ لئے تو اس کی منت پوری ہوجائے گی۔ (یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ)۔

خطرہ: شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دل پر آنے والے وسوسات معاف فرمائے ہیں لیکن مکہ مکرمہ میں جو گندے وسوسے آئیں گے وہ قابل مواخذہ ہیں یہ بات اسی آیت سے معلوم ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مکہ شریف میں اقامت کرنے کے بجائے طائف میں اقامت کی جائے کہ آدمی غلط قسم کے وسوسات سے بچ نہیں سکتا۔

(آیت نمبر ۲۶) اے محبوب وہ وقت یاد کریں کہ جب بیت اللہ شریف میں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو جگہ بتائی کہ اس کی تعمیر بھی کریں اور سب کو بتائیں کہ وہ عبادت کیلئے وہاں آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانیں۔ یعنی اس کے پاس آنے والے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بنائیں۔

تعمیر کعبہ پانچ بار ہوئی: (۱) آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے سرخ یاقوت سے بنایا۔ (۲) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کے ساتھ ملکر مکمل تیار کیا۔ (۳) قریش نے زمانہ جاہلیت میں تیار کیا جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا دور تھا اس تعمیر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ لیا۔ بلکہ حجر اسود رکھنے کے جھگڑے کو آپ نے ختم فرمایا۔ آپ نے حجر اسود کو ایک چادر پر رکھا اور تمام قبائل سے فرمایا کہ اسے اٹھاؤ جب انہوں نے اٹھالیا تو آپ نے حجر اسود کو پکڑ کر دیوار میں رکھ دیا اس پر سب لوگ خوش ہوئے۔ اس وقت سے آپ کا لقب امین پڑ گیا۔ (۴) پھر عبداللہ بن زبیر نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق حطیم کو بھی شامل کر کے تیار کرایا۔ (۵) حجاج نے پھر اسے گرا کر دوبارہ پہلی شکل میں بنایا۔

آگے فرمایا اے ابراہیم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اس لئے کہ میری ذات شریکوں سے پاک ہے اور اے ابراہیم میرے گھر کو بتوں اور گندگیوں سے پاک کردو جو اس کے اردگرد ہوں۔

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ

اور اعلان کردیں لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے تیرے پیدل اور اوپر ہر دبلی اونٹنی کے جو آتی ہیں

مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۙ ﴿۲۷﴾

ہر راستے دور سے

(بقیہ آیت نمبر ۲۶) **فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اپنا گھر اس لئے کہا کہ وہ انوار الٰہی کا مرکز ہے۔اس لئے فرمایا کہ اس گھر کو طواف کرنے والوں اور نماز میں قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے اس کو پاک و صاف رکھیں۔

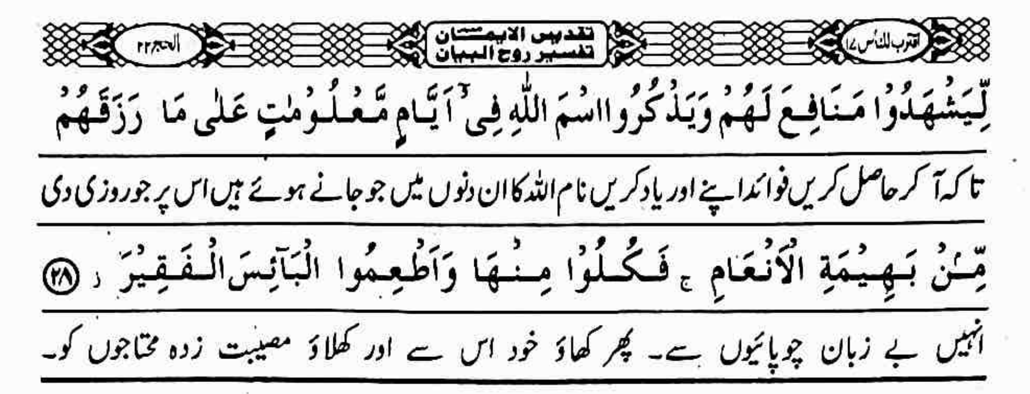
نکتہ : یہاں اللہ کریم نماز کا لفظ کہنے کے بجائے اس کے ارکان یعنی قیام، رکوع اور سجدہ کو بیان کیا۔اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نماز کا علیحدہ ایک مستقل رکن ہے جب ایک رکن کی یہ شان ہے تو جب یہ جمع ہوں تو پھر ان کی کتنی عزت و عظمت ہوگی۔**فائدہ:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قائمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کعبہ معظمہ کے ہمسائیگان ہیں اور طائفین سے مراد عام ہے خواہ مقیم ہوں یا آفاقی۔

فائدہ: حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جیسے کعبہ کو بتوں وغیرہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔ایسے ہی دل کو کفر و شرک شک و شبہ، کھوٹ اور حسد سے پاک و صاف رکھنا بھی لازم ہے۔امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اپنے دل پر پہرہ دے تا کہ اس میں میرے سوا اور کوئی داخل نہ ہو اور اسے میرے لئے فارغ رکھو۔

(آیت نمبر ۲۷) اے میرے ابراہیم (علیہ السلام) لوگوں میں حج کا اعلان کردیں۔

دور سے پکارنا جائز ہے: جب جناب ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان کردیں۔عرض کیا میری آواز سب تک کیسے پہنچے گی تو فرمایا۔اعلان تیرا کام آواز پہنچانا میرا کام ہے چنانچہ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور ایک روایت کے مطابق جبل ابوالقبیس پر چڑھ کر دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیاں کانوں میں رکھ کر چاروں طرف منہ پھرا کر پورے زور سے پکار کر فرمایا کہ اے لوگو تمہارے رب نے اپنے گھر میں آنے کا اور اس کی زیارت کرنے کا حکم فرمایا تا کہ اس میں آنے والوں کو ثواب و جنت عطا فرمائے۔

فائدہ: تو آپ کی اس آواز کو زمین و آسمانوں میں رہنے والی ہر چیز نے سن لیا اور جواب میں کہا: "لبیك اللهم لبیك" سب سے اول جواب اہل یمن نے دیا اسی لئے وہاں کے لوگ سب سے زیادہ حج و عمرہ کیلئے آتے ہیں۔



لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

تا کہ آ کر حاصل کریں فوائد اپنے اور یاد کریں نام اللہ کا ان دنوں میں جو جانے ہوئے ہیں اس پر جو روزی دی

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۙ ﴿۲۸﴾

انہیں بے زبان چوپائیوں سے۔ پھر کھاؤ خود اس سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاجوں کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۷) **حدیث شریف:** حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یمن کی طرف سے خوشبو پاتا ہوں۔ اس سے مراد اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں (مجمع الزوائد)۔ **فائدہ:** اہل محبت کی خوشبو محبوب تک پہنچ جاتی ہے۔

سعادت مندی: اعلان حج پر جس نے جتنی بار لبیک کہا۔ اس سعادت مند کو اتنے ہی حج نصیب ہوئے۔

فائدہ: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ تمام ارواح نے خواہ وہ باپوں کی پشتوں میں تھے۔ یا ماؤں کے پیٹوں میں تھے۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اعلان حج سنا اور وہاں سے ہی جواب دیا کہ اے ابراہیم کے خدا ہم حاضر ہیں۔ آگے فرمایا کہ اے ابراہیم جب آپ لوگوں کو بلائیں گے تو وہ آپ کے پاس آ جائیں گے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو کعبے میں جاتا ہے وہ اصل میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ پیدل بھی آئیں گے اور کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی آئیں گے۔ یعنی سفر کے تھکان کی وجہ سے کمزور ہوں گی۔ اور فرمایا کہ وہ لوگ دور کے راستے کو طے کرتے ہوئے آئیں گے۔

حج کا ثواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حاجی کو ہر قدم پر ستر حج کا ثواب ملتا ہے۔ اگر سوار ہو کر آئے اور اگر پیدل چل کر آئے تو اسے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں کی طرح ملیں گی اور حرم شریف کی ایک نیکی باہر کی لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

(آیت نمبر ۲۸) تا کہ حاجی اپنے دینی اور دنیوی فوائد حاصل کرنے کیلئے مکہ مکرمہ میں آ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں کئے ہیں۔

فائدہ: چونکہ ان مخصوص ایام میں جو برکات اور عبادت کے ساتھ ثواب پا سکتے ہیں وہ دوسرے ایام میں نہیں پا سکتے اور فرمایا کہ ان ایام میں ان خاص خاص مقامات پر اور خصوصاً قربانیاں پیش کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾

پھر اتارو اپنی میل کچیل اور پوری کرو اپنی منتوں کو اور طواف کرو اس گھر کا جو آزاد ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ٢٨) **فائدہ:** حج کے ساتھ ذکر الٰہی کو اس لئے جوڑا کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ ہر چھوٹی بڑی عبادت میں اصل غرض وغایت یاد الٰہی ہے۔ کسی غیر کو درمیان میں نہ لائے۔ نیز حج کے تمام اعمال ان معلوم دنوں میں ہی ادا ہوتے ہیں۔ یا اس سے مراد قربانی کے ایام ہیں۔ آگے فرمایا کہ ذکر عمومی طور پر بھی ہو اور خاص کر جب قربانی کے جانور ذبح کئے جا رہے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت ذکر الٰہی کیا جائے چونکہ کفار و مشرکین اس وقت بتوں کا نام لیتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم اس وقت اللہ وحدہ لاشریک کا خوب ذکر کرو۔ بھیمہ خشکی اور سمندری ہر قسم کے جانوروں کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے الانعام فرما کر واضح فرمایا کہ قربانی اونٹ، گائے یا بھیڑ بکری کی ہی کی جائے اس کے علاوہ کسی جانور پر ہدی یا ضحایا نہیں بولا جاتا۔ آگے فرمایا کہ تم اس قربانی کا گوشت کھاؤ۔

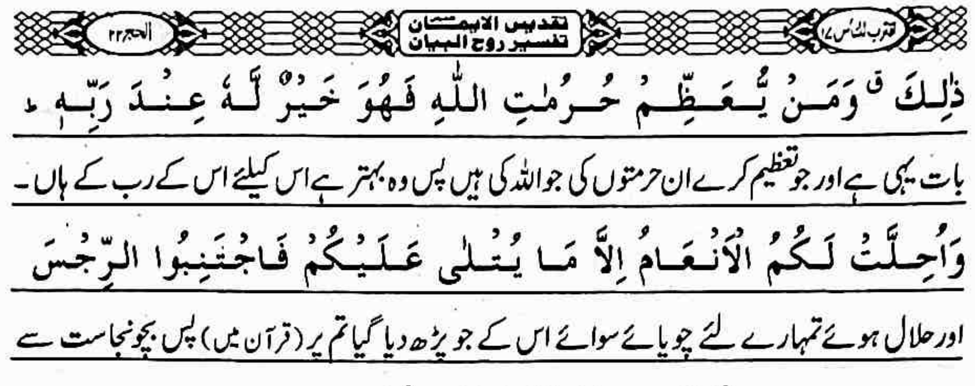
فائدہ: چونکہ دور جاہلیت میں قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ قربانی کا گوشت کھانا تم پر مباح ہے واجب نہیں ہے اور فرمایا کہ تنگ دست اور محتاج کو بھی کھلاؤ یعنی ایسا محتاج جسے تنگدستی نے کمزور کر دیا ہو جس کے پاس ضروریات زندگی کی کوئی چیز نہ ہو۔ بائس وہ انسان جس کے لباس اور چہرے سے ہی بھوک اور محتاجی عیاں ہو رہی ہو۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ اسی طرح نفلی قربانی کا بھی یہی حکم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو اونٹوں کی قربانی دی تریسٹھ اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح کئے (مسلم شریف)۔ گویا آپ نے ظاہری حیات کی طرف اشارہ فرمادیا۔ بقایا اونٹ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح فرمائے اور آپ نے خود بھی ان جانوروں کا گوشت تناول فرمایا۔

(آیت نمبر ٢٩) پھر چاہیئے کہ وہ اپنے بدن سے میل کچیل دور کریں۔ یعنی اب ان کیلئے سر منڈوانا، مونچھیں تراشنا یا ناخن اتارنا یا حجامت کرانا وغیرہ سب جائز ہو گیا۔ یہ اس وقت ہے جب احرام سے فارغ ہو جائیں۔ آگے فرمایا کہ انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی منتیں پوری کریں۔ یعنی وہ نیک کام جو حج کے ایام میں اپنے اوپر لازم کر لئے جائیں۔ یعنی حج وعمرہ کے درمیان بعض امور واجب کر لئے جاتے ہیں یا واجب ہو جاتے ہیں تو ان کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی پر نذر مطلق ہو تو اسے چاہیئے کہ اہل مکہ پر ہی خرچ کرے۔ آگے فرمایا کہ انہیں چاہیئے کہ وہ آزاد گھر کا طواف کریں۔ انداز خطاب بتاتا ہے کہ اس سے مراد طواف رکن ہے۔



ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ

بات یہی ہے اور جو تعظیم کرے ان حرمتوں کی جو اللہ کی ہیں پس وہ بہتر ہے اس کیلئے اس کے رب کے ہاں۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

اور حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے سوائے اس کے جو پڑھ دیا گیا تم پر (قرآن میں) پس بچو نجاست سے

مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ ﴿۳۰﴾

بتوں کی اور بچو گفتگو جھوٹی سے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۹) **طواف کی تین قسمیں:** (۱) طواف قدوم: مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی جو طواف کیا جائے۔ یہ سنت ہے۔ اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنی چاہیۓ۔ اگر رہ جائے تو کوئی حرج نہیں۔۔۔۔ (۲) طواف افاضہ: یہ دس ذوالحج کو رمی اور حلق کے بعد ہوتا ہے۔ یہ فرض ہے اسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں اس کی ادائیگی سے پہلے احرام نہیں کھولنا چاہیۓ۔۔۔۔ (۳) طواف وداع: جو شخص اتنا دور جانا چاہتا ہے کہ جہاں نماز قصر ہو جاتی ہے۔ اسے طواف وداع کر کے جانا چاہیۓ البتہ حیض والی عورت کیلئے طواف کرنا منع ہے۔

(آیت نمبر۳۰) حرمتوں سے مراد۔ احرام کی حرمت مکہ کی حرمت، شہر حرام، مسجد حرام، بیت اللہ یہ سب حرمت والی جگہیں ہیں۔ ان کی بے حرمتی حرام ہے۔ اسی طرح احکام فرائض و واجبات و سنن بھی حرمات میں داخل ہیں۔ ان کی ہتک کرنا بھی حرام ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کرے۔ یہ اس کے رب کے ہاں اس کیلئے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا۔ (پتھروں کی تعظیم پر ثواب ملے گا۔ تو نبی کی تعظیم کیوں شرک ہے)۔ **فائدہ:** معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعظیم والی اشیاء کی تعظیم دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی تعظیم ہے کہ اس نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا وہ کرنا چاہیۓ اور جس کے کرنے سے منع کیا اس سے رکنا چاہیۓ۔ یہی اس کی تعظیم ہے اسی سے ثواب ملے گا اور اسی سے جنت نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں۔ احکام خداوندی کی مخالفت سے معافی کی امید ہے۔ ترک تعظیم سے معافی ناممکن ہے۔ آگے فرمایا تمہارے لئے انعام یعنی قربانی کے جانور حلال کئے گئے۔ انعام میں گھوڑا، گدھا، خچر نکل جاتے ہیں۔ یہ حلال نہیں اس لئے انعام میں داخل نہیں۔ مگر وہ جن کا ذکر تمہیں بتا دیا گیا۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ

ایک اللہ کیلئے ہو کر نہ شریک کرنے والے اس کا۔ اور جو شریک کرے گا اللہ کا تو گویا گرا

مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

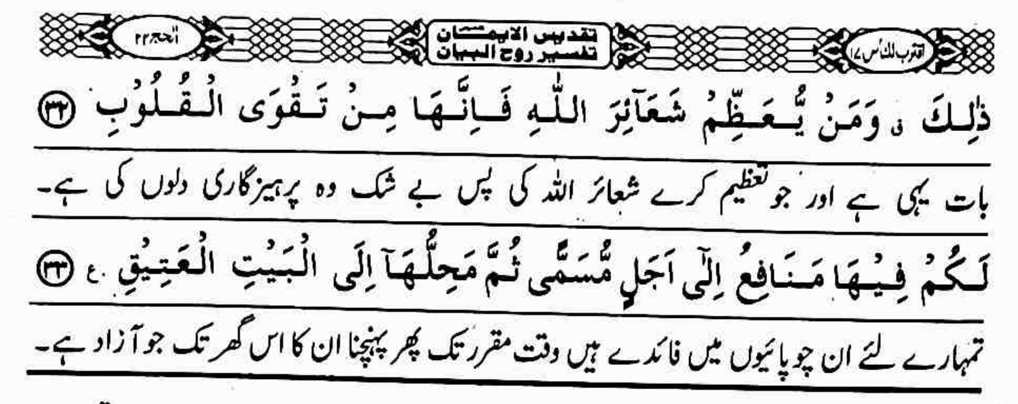
آسمان سے پھر اچک لیا اسے پرندوں نے یا پھینکتی ہے اسے ہوا ایسی جگہ میں جو دور ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۰) لفظ ما سے معلوم ہوا کہ وہ جانور مراد ہیں کہ جو کسی عارضہ کی وجہ سے حرام ہیں۔ مطلب یہ کہ سب جانور حلال کئے۔ مگر وہ حرام ہیں جن کی تفصیل قرآن مجید نے بیان کردی۔ آگے فرمایا کہ بتوں کی پلیدی سے بچو۔ پلیدی سے مراد یہ ہے کہ جو طبع، عقل اور شرع کے لحاظ سے قابل نفرت ہو۔ جیسے مردار سے طبع، عقل اور شرع کو نفرت ہے اسی طرح بت پرستی سے اجتناب بھی حرمات کا اعلیٰ درجہ ہے۔ آگے فرمایا کہ جھوٹی باتوں سے بھی بچ کر رہو کیونکہ مشرک یہ سمجھتا ہے کہ بت بھی عبادت کا مستحق ہے۔ اس لئے فرمایا کہ قول زور کی تمام اقسام سے بچ کر رہو۔

مسئلہ :بعض بزرگوں نے اس سے مراد جھوٹی گواہی لی ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے شہادت زور کو بھی اشراک باللہ کے برابر قرار دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس درے مارتے اور اس کا منہ کالا کرکے پورے بازار میں گھماتے تھے۔

(آیت نمبر ۳۱) تم ہر باطل دین سے منہ پھیر کر دین حق کی طرف لوٹنے والے ہو اور اس کے ساتھ خلوص رکھنے والے ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا وہ ایسا ہے کہ گویا وہ آسمان سے زمین پر گر کر ہلاک ہو گیا اور مردار خور پرندے زمین سے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اوپر لے جائیں اور اوپر سے نیچے ایسی جگہ پھینک دیں۔ جہاں نہ اس کا کوئی فریاد کو پہنچنے والا ہو نہ مدد کرنے والا۔

فائدہ :یعنی جو شخص ایمان کی بلندی سے کفر کے گڑھے میں گرتا ہے۔ اور اسے گویا نفسانی خواہشات نے پریشان اور ذلیل وخوار کر دیا۔ **فائدہ** :بندوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کریں ایسا خالص عقیدہ اپنائیں کہ شرک کی ہوا بھی وہاں نہ پہنچے۔ **حدیث شریف** :حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم سے خطرناک شرک اصغر کی بو آ رہی ہے پوچھا گیا وہ کیا ہے فرمایا وہ ریاکاری ہے (رواہ احمد فی المسند)۔ (یعنی دکھلاوے کا عمل بھی شرک کی طرح ہے۔ اسی لئے اسے چھوٹا شرک کہا گیا ہے)۔



ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

بات یہی ہے اور جو تعظیم کرے شعائر اللہ کی پس بے شک وہ پرہیزگاری دلوں کی ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ؏ ﴿۳۳﴾

تمہارے لئے ان چوپائیوں میں فائدے ہیں وقت مقرر تک پھر پہنچنا ان کا اس گھر تک جو آزاد ہے۔

(آیت نمبر۳۲) یہ حکم تعظیم حرمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا ان امور کو بجالا نادر حقیقت ان کی تعظیم کرتا ہے اور جو شعائر اللہ کی تعظیم بجالاتا ہے یہ اس کے دل کا تقویٰ ہے۔ یہاں شعائر اللہ سے مراد قربانیاں ہیں۔ جو حج کے بعد قربان کی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ حج کی علامات اور نشانات ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے بدنے کو شعائر اللہ بنایا بدنہ قربانی والے اونٹ کو کہتے ہیں۔

فائدہ: ان کی تعظیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کی وجہ سے قرب خداوندی نصیب ہوگا اس لئے کہ قرب الٰہی کے ذرائع اور اسباب میں یہی سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

آگے فرمایا کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کا تقویٰ ہے۔ دل میں تقویٰ ہوگا تو اس کے اثرات بدن پر بھی ظاہر ہوں گے۔

(آیت نمبر۳۳) ان شعائر میں اے مسلمانو تمہارے بہت بڑے منافع ہیں۔ یعنی ذبح کرنے سے پہلے ان سے دودھ حاصل کرنا نسل بڑھانا یا ان کی اون اتارنا وغیرہ اور ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت کھانا وغیرہ۔

فائدہ: معلوم ہوا قربانی کرنے سے پہلے ان سے ہر طرح نفع اٹھانا جائز ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو نفع حاصل کرو۔ ایک وقت مقرر تک یعنی قربانی کے ایام تک۔ آگے فرمایا کہ قربانی کے دن وقت مقررہ آنے پر انہیں بیت عتیق کی طرف لے جانا۔ یہاں بیت عتیق سے مراد حرم شریف کا سارا احاطہ ہے۔

مسئلہ: منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ ایک ہی مقررہ جگہ پر سب جانور ذبح کئے جائیں۔ **فائدہ**: ذبح کرتے وقت صرف اور صرف رضاء الٰہی مطلوب ہو اور یوم نحر میں ذبح کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان دنوں کی یہ شان ہے تو قربانی کا کتنا درجہ ہوگا۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کے حج سے اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا: (۱) جسے وصیت کی گئی اور اس نے وصیت کو پورا کیا۔ (۲) وصیت کرنے والا۔ (۳) اس کو ادا کرنے والا۔ اسے حج بدل کہا جاتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

اور ہر امت کیلئے ہم نے مقرر کی قربانی تاکہ یاد کریں نام اللہ کا اوپر اس کے جو دیا انہیں

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ

بے زبان چوپائیوں سے۔ تو تمہارا معبود ہے ایک ہی اسی کے آگے جھکو

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ ﴿۳۴﴾

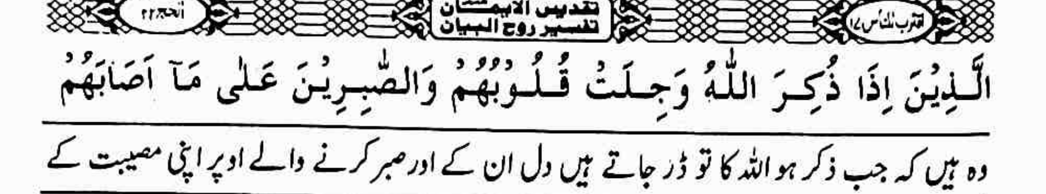
اور خوشخبری سناؤ عاجزی کرنے والوں کو

(آیت نمبر ۳۴) ہر امت کیلئے ہم نے عبادت کے طریقے بنائے اور قربت حق کیلئے اسباب بنانے۔ جنہیں ادا کر کے قرب الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔ منسک سے مراد قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے اور اس قربانی سے مقصد یہ ہے کہ قربانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں کہ اس اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ جانور عطا فرمائے اور انعام وہ جانور جن کی قربانی دی جائے۔ جیسے بھیڑ بکری گائے اور اونٹ وغیرہ اور بھیمہ میں گدھا، خچر گھوڑا وغیرہ بھی آتا ہے۔ لیکن ان کی قربانی جائز نہیں۔

آگے فرمایا کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں۔ ورنہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو نظام عالم سارا درہم برہم ہو جاتا۔ جب اور کوئی معبود نہیں۔ صرف وہی اکیلا ہے تو تم پر لازم ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو۔ اسی سے تقرب حاصل کرو اور ہمہ وقت اسی کو یاد کرو اور اسی کی رضا بھی حاصل کرو اور اس کا تقرب حاصل کرنے میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (لیکن کسی نبی یا ولی کو وسیلہ بنا کر تقرب حاصل کر سکتے ہو۔)

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ اسلام کا معنی اخلاص حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا اعمال کو آفات سے اخلاق کو کدورات سے اور احوال کو ادھر ادھر کے التفات سے اور انفاس کو اغیار سے صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ آگے فرمایا کہ مخلص تواضع کرنے والوں کو اے محبوب خوشخبری سناؤ۔

فائدہ: کاشفی نے معنی کیا کہ متقیوں اور عجز و نیاز کرنے والوں کو رحمت بے انتہاء کی خوشخبری سنائیے۔



الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ

وہ ہیں کہ جب ذکر ہو اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور صبر کرنے والے اوپر اپنی مصیبت کے

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور قائم کرنے والے نماز کو اور اس سے جو دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں

(آیت نمبر ۳۵) مخبتین وہ لوگ ہیں جن کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں پر جلال باری تعالیٰ کی چمک پڑتی ہے اور اس کی عظمت کے انوار طلوع ہوتے ہیں تو وہ ڈر جاتے ہیں اور وہ مصائب و آلام کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ ان کو جب اپنے وطن اور رشتہ دروں کی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا تو تمام قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں کو برداشت کرتے ہیں اور حزن وملال کے کڑوے گھونٹ پی کر صبر کو نہیں چھوڑا اور تیسری بات یہ کہ وہ نمازوں کو ان کے اوقات میں قائم کرنے والے ہیں اور چوتھی بات یہ کہ اس میں سے جو ہم نے انہیں مال و دولت دیا وہ خرچ کرتے ہیں۔ اس سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے کیونکہ اس کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے یا اس سے مراد مطلق نفلی صدقات ہیں کیونکہ یہ مطلق بیان میں ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ نیک لوگ ابدال وغیرہ نماز و روزہ کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ نفس کی سخاوت اور اہل اسلام کی خیر خواہی کی وجہ سے جائیں گے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

سبق: انسان پر لازم ہے کہ طریق طلب میں پوری کوشش کرے اور حصول مطلب تک اس میں کوشاں رہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ

اور قربانی کے موٹے تازے جانوروں کو ہم نے بنایا تمہارے لئے نشانیاں اللہ کی تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

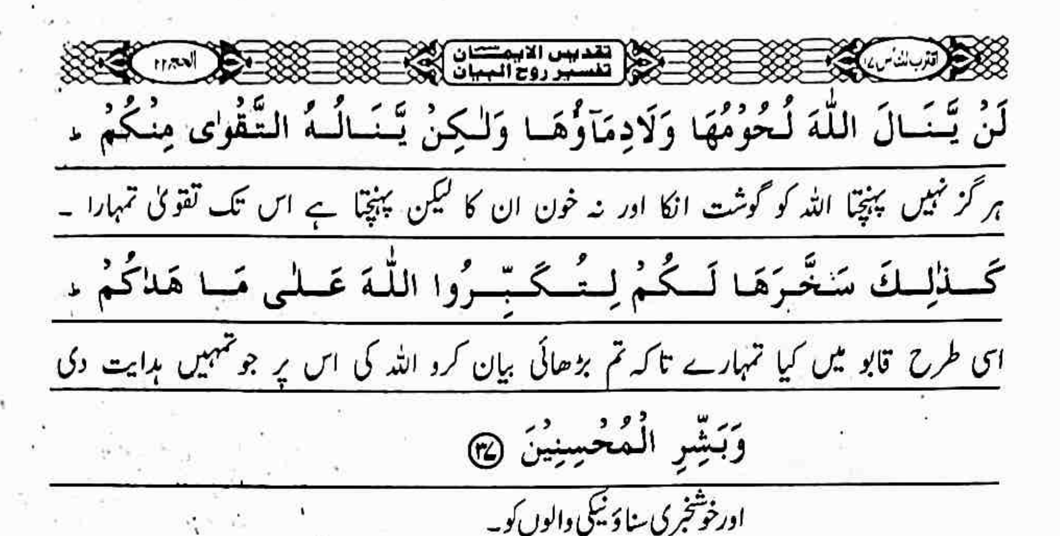
پھر لو نام اللہ کا اس پر ایک پاؤں باندھ کر۔ پھر جب گر جائے اپنے پہلو پر پھر خود بھی کھاؤ اس سے اور کھلاؤ

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

قناعت والے بھیک مانگنے والے کو۔ اسی طرح ہم نے مسخر کیا اسے تمہارے لئے تاکہ تم شکر کرو۔

(آیت نمبر ۳۶) اور بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بنایا۔ بدنہ اس اونٹ اور گائے کو کہا جاتا ہے جنہیں ہدی اور قربانی کے طور پر مکہ شریف میں لایا جاتا ہے۔ لغت میں بدنہ صرف اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ نر مادہ دونوں پر یہ نام بولا جاتا ہے اور کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ اونٹ اور گائے جسے قربانی کے لئے مکہ مکرمہ میں بھیجا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور عظمت کے نشانات ہیں اور شعائر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرنے میں اس کی عظمت اور تعظیم مقصود ہے۔ آگے فرمایا کہ تمہارے لئے ان قربانیوں میں بھلائی ہے یعنی دنیا میں بھی ان کے بہت منافع ہیں اور آخرت میں بھی اجر عظیم ہے۔ آگے فرمایا کہ ان قربانیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو مثلاً خوب تکبیریں پڑھو۔ "اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم منك والیك" اور فرمایا کہ ان کو ذبح اس حال میں کرو کہ وہ کھڑے ہوں۔

مسئلہ :اس آیت سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ہی نحر کیا جائے یہی سنت ہے۔ آگے فرمایا کہ جب وہ اونٹ نحر کے بعد زمین پر گر پڑے یعنی اس کو موت واقع ہو جائے تو تم بھی اس کا گوشت کھا سکتے ہو بشرطیکہ وہ جنایات و کفارہ یا نذر (منت) کی قربانی نہ ہو یہ امر اباحت کا ہے۔ یعنی کھانے کا حکم مباح ہے واجب نہیں۔ آگے فرمایا کہ اس فقیر قناعت پذیر کو کھلاؤ اور اس محتاج کو بھی کھلاؤ جو تھوڑے پر ہی راضی ہو جائے۔ یعنی ہر فقیر محتاج کو کھلایا جائے۔ یہ امر وجوب کیلئے ہے۔ آگے فرمایا کہ اسی طرح ہم نے تمہارے فائدے کیلئے جانور کو مسخر فرمایا ہے۔ یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا اسکے باوجود کہ وہ بڑے بھاری جسم اور طاقت والے ہیں۔ لیکن وہ تمہارا حکم مانتے ہیں جب تم انہیں پکڑ لو تو وہ تمہارے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ تسخیر اگر ہم نہ کرتے تو تمہارے قابو میں کبھی نہ آتے یہ اس لئے کیا تاکہ تم تقرب و اخلاص کر کے ہمارے کئے ہوئے انعام پر شکر کرو۔



لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ

ہر گز نہیں پہنچتا اللہ کو گوشت انکا اور نہ خون ان کا لیکن پہنچتا ہے اس تک تقویٰ تمہارا ۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ

اسی طرح قابو میں کیا تمہارے تاکہ تم بڑھائی بیان کرو اللہ کی اس پر جو تمہیں ہدایت دی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

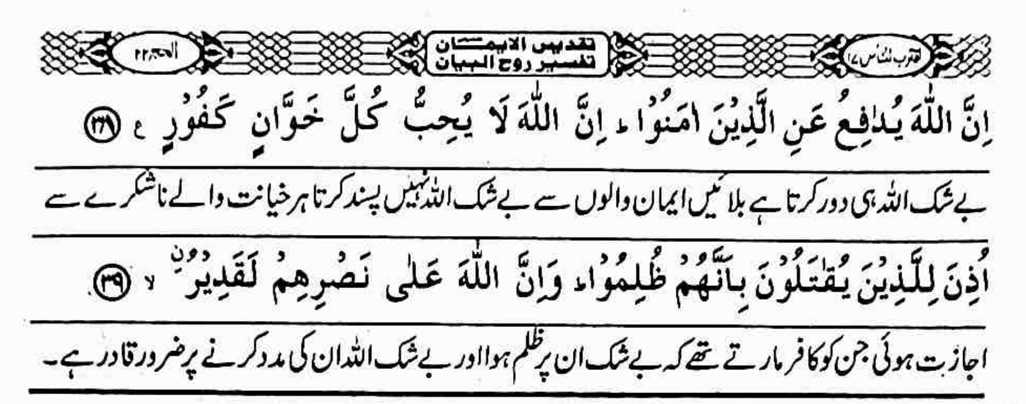
اور خوشخبری سناؤ نیکی والوں کو۔

(آیت نمبر۳۷) ہرگز اللہ تعالیٰ تک جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کا یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں قربانی کے جانوروں کا خون خانہ کعبہ سے مل دیتے اور گوشت کے ٹکڑے کعبہ شریف کے اردگرد ڈال دیتے اور یہ عقیدہ رکھتے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اشیاء میرے قابل رضا نہیں۔ میرے ہاں تمہارے تقوے۔ پرہیزگاری اور فرمانبرداری کی قدرووقعت ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب تک عمل میں اخلاص نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتا لہذا قربانی سے مقصد رضاء الٰہی ہو اور حکم الٰہی کی تعظیم ہو تو وہ عمل یقیناً قبول ہوگا۔ آگے پھر تکرار کے ساتھ فرمایا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جانور تمہارے تابع کیے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچان کر اس کی خوب بڑھائی بیان کرو اور اس بات کو سمجھو کہ اس نے تمہیں کیسی قدرت بخشی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بڑھائی اس طرح بیان کرو کہ جیسے اس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے یعنی جانور کو قابو کرنے اور ان کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے طریقہ بتادیا اور اے میرے محبوب ان لوگوں کو خوشخبری سنائیں جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورے طور پر ادا کرتے ہیں اور منع کی ہوئی چیزوں سے بچتے ہیں۔ انہیں جنت کی یا عبادات کے قبول ہونے کی خوشخبری سنائیں۔

فائدہ: انسان پر لازم ہے کہ وہ مال و جان اللہ کی راہ میں قربان کرے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے سارا مال اللہ کی راہ دیا۔ اور جان بھی نار نمرود میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے پیش کردی اور بیٹا بھی راہ مولا میں قربان کیا۔ جسے دیکھ کر فرشتے بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ اتنی قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تاج خلت عطا فرمایا۔



اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۠ ﴿۳۸﴾

بے شک اللہ ہی دور کرتا ہے بلائیں ایمان والوں سے بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ہر خیانت والے ناشکرے سے

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ ﴿۳۹﴾

اجازت ہوئی جن کو کافر مارتے تھے کہ بے شک ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

(آیت نمبر ۳۸) بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین کے ضرر کو اہل ایمان سے دفع فرماتا ہے۔ یعنی ان کی ہر طرح سے مدد فرماتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر خیانت کرنے والے اور ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی امانتوں میں خیانت کرنے والوں اور ناشکرے لوگوں کے برے اعمال و افعال سے راضی نہیں۔

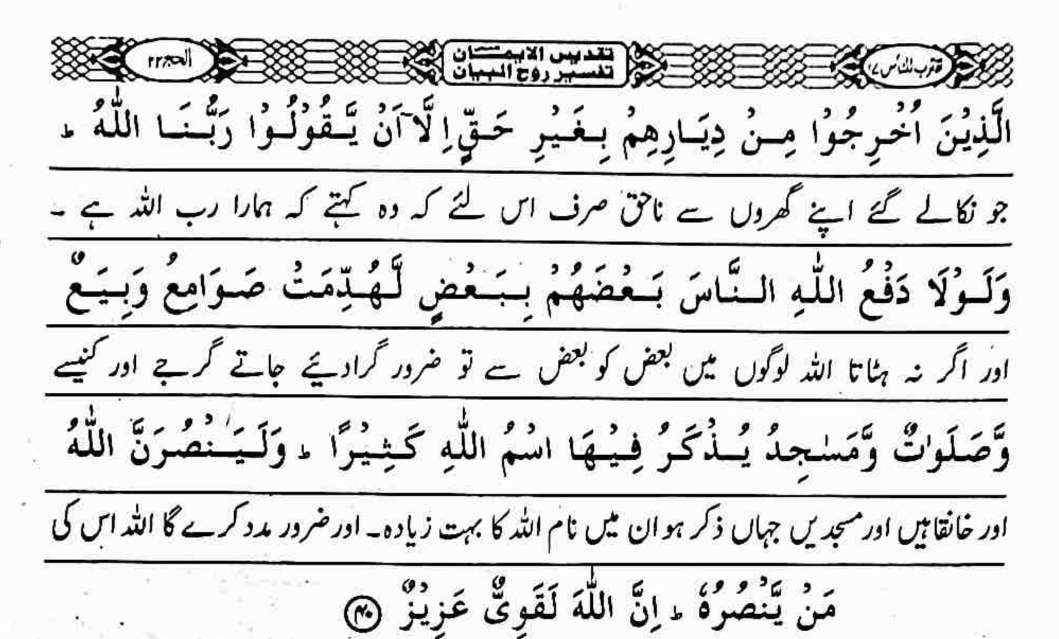
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ بہت زیادہ بے حیائی کرنے والوں سے بغض رکھتا ہے (رواہ مسلم والترمذی)۔ یعنی انہیں اپنے فیضان واحسان سے دور رکھتا ہے۔

فائدہ: اور اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ انسان خیانت وکفران سے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اسے توبہ کا موقع ہی نہیں ملتا اور محبت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب بندے پر لطف وکرم اور احسان وانعام فرماتا ہے۔ **فائدہ:** خیانت ومنافقت ایک ہی چیز ہے خیانت پوشیدہ طور پر حق تعالیٰ سے بدعہدی ہے۔ منافقت اور خیانت کفر کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنا۔ نماز روزہ یا دیگر اعمال صالحہ نہ کرنا انہیں سرے سے ہی ادا نہ کرنا۔ یا اس کی شرائط وارکان کو پورا نہ کرنا ان تمام صورتوں میں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کی اور یہ کفران نعمت میں داخل ہے۔ **فائدہ:** بعض بدبخت نیند کی لذت میں یا دنیوی مشاغل میں نمازیں ضائع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اشیاء کے ماپ تول میں کمی بیشی کر کے خیانت کرتے ہیں۔

سبق: اس آیت میں تنبیہ ہے کہ نفس امارہ کی اصلاح کی جائے اور اسے اوصاف رذیلہ سے پاک وصاف کیا جائے۔

(آیت نمبر ۳۹) اجازت دی گئی ہے۔ ان لوگوں کو جن سے کفار جنگ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ان پر ظلم ہوا۔

فائدہ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشرکین طرح طرح کی ایذائیں دیتے اور وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اسی حال میں حاضر ہوتے کہ انہیں چوٹیں لگی ہوتیں کبھی زخمی ہوتے تو وہ عرض کرتے کہ حضور ہمیں اجازت دیں تا کہ ہم ان سے نپٹ لیں تو آپ فرماتے ابھی صبر کریں۔ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ پھر ہجرت کے بعد کفار سے جنگ کرنے کیلئے سب سے پہلے یہی آیت کریمہ اتری۔ اس کے بعد قتال کے متعلق تقریباً ستر آیات اتریں۔



الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق صرف اس لئے کہ وہ کہتے کہ ہمارا رب اللہ ہے ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

اور اگر نہ ہٹاتا اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے تو ضرور گرادیئے جاتے گرجے اور کنیسے

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ

اور خانقاہیں اور مسجدیں جہاں ذکر ہو ان میں نام اللہ کا بہت زیادہ۔ اور ضرور مدد کرے گا اللہ اس کی

مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

جو اس کے دین کی مدد کرے بے شک اللہ ضرور بڑی قوت والا غالب ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۹) آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ان سے کفار کی ایذاء رسانی دور فرمائے گا اور مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم سے بچائے گا۔ اب وعدہ دیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح ونصرت دے کر کفار پر غلبہ عطا فرمائے گا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی طرح کا جہاد، لڑائی یا کسی کو قتل کرنا ناجائز ہے۔

(آیت نمبر ۴۰) وہ مسلمان جو اپنے شہر سے ظلماً نکالے گئے۔ شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں سے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ناحق بلاوجہ نکالا گیا۔ ان کا اس میں کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ سوائے اس بات کے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ان کا قصور تھا کہ وہ توحید کے قائل تھے۔ آگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ ہٹاتا تو راہبوں کی عبادت گاہیں گرادی جاتیں اور وہ ویران ہو جاتیں اور مشرکین ان پر مسلط ہو جاتے۔ اسی طرح نصاریٰ کے گرجے۔ جہاں عیسائی عبادت کرتے تھے۔ اور وہ جگہیں جہاں راہب عبادت کرتے۔

فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں کہ صومعہ وہ تعمیر جو گنبد نما ہو جس کی دیواریں گنبد سے ملی ہوئی ہوں راہب لوگ گوشۂ تنہائی اختیار کرنے کے لئے جس جگہ کو منتخب کرلیں۔ زیادہ تر یہ پہاڑوں اور جنگلوں میں بنائے جاتے تھے

اورصلوات سے مراد یہودیوں کی عبادت گاہیں۔ جہاں ان کے راہب عبادتیں کرتے ہیں۔اسی طرح اہل اسلام کی عبادت گاہ مسجدیں یہ اصطلاح حضور ﷺ کی ہے۔وہ مسجدیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا جائے۔

فائدہ :ذکرالٰہی کومسجدوں کے ساتھ مخصوص کرنے میں اہل ایمان کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ممکن ہے کہ ان چاروں عبادت گاہوں کی یہ صفت ہو۔اس لئے کہ ان کی شریعتوں کے منسوخ ہونے سے پہلے ان چاروں میں ذکرالٰہی کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا۔آگے فرمایا اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ یعنی اس کے دوستوں یا اس کے دین کی مدد کرتے ہیں اور واقعۃً اس وعدے کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔جب کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو عرب وعجم اور قیصر وکسریٰ کے ملکوں پر قبضہ عطا فرمایا۔

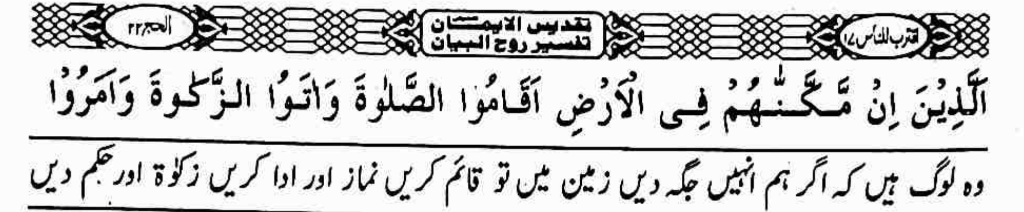
آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی قوت اور قدرت والا ہے اور سب پر غالب ہے کہ نہ کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے۔نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

فائدہ:بحرالعلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور غلبہ سے دین کے دشمنوں کو تباہ وبرباد کیا۔

فائدہ :اگرچہ بعض دفعہ کچھ کفار کو بھی غلبہ اور تسلط حاصل ہوجاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے ایمان کا امتحان ہوتا ہے اور اس سے اہل ایمان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی شہادت کا درجہ ہی نہ پاسکے۔اور دوسری وجہ یہ ہے۔تاکہ مسلمان آئندہ کیلئے اپنے آپ کو مضبوط کرسکیں۔

حکایت: حجاج ظالم نے ایک غریب کو سوالی پر لٹکا دیا۔حضرت عامر نے کہا یا اللہ تیرا بھی حوصلہ بہت بڑا ہے کہ یہ ظالم ایک مظلوم کو کتنا سخت دکھ اور درد پہنچا رہا ہے۔تو حضرت عامر نے خواب میں دیکھا کہ وہی مظلوم جنت کے اعلیٰ مقام پر مزے سے آرام کررہا ہے۔اس کے بعد آواز آئی کہ بے شک میرا حوصلہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے۔لیکن اس وجہ سے مظلوموں کو اللہ تعالیٰ بہت اعلیٰ مقام تک پہنچاتا ہے۔

فائدہ:بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ بادشاہ تلواروں سے جنگ کرتے ہیں اور اولیاء کرام نگاہوں سے۔بادشاہ جنگ میں حق پر ہو تو رجال غیب حق والوں کی مدد کرتے ہیں۔(جیسے بدر میں مدد ہوئی۔اسی طرح پاکستان میں ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مددگار نظر آئے)۔



15

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں جگہ دیں زمین میں تو قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور حکم دیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

نیکی کا اور منع کریں برائی سے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ ہے انجام سب کاموں کا

(آیت نمبر ۴۱) گھر سے نکالے ہوئے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ انہیں ہم زمین میں مالک بنائیں تو وہ دنیا کی طرف مشغول ہونے کے بجائے وہ ہماری تعظیم کی خاطر نماز ادا کریں۔

نکتہ :مسلمانوں کی نماز کو اللہ تعالیٰ نے "اقامت الصلوٰۃ" کہا اور منافقین کو مصلی کہا جیسے "فویل للمصلین" اس لئے اہل حق فرماتے ہیں کہ نمازی تو بہت ہیں لیکن نماز کو حقوق کی پابندی کے ساتھ اسے ادا کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ (اور جو نماز خراب کر کے پڑھتے ہیں۔ وہ اصل میں پنجابی والے مسلی ہیں)۔

آگے فرمایا کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ میرے بندوں کی امداد کے ارادے سے اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی اور گناہوں سے منع کرتے ہیں۔

فائدہ :امام راغب فرماتے ہیں کہ ہر وہ فعل جو عقل وشرع کے لحاظ سے اچھا ہو وہ معروف ہے اور جو اچھا نہ ہو وہ منکر ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں سب کاموں کے نیک انجام۔ کیونکہ سب امور کی مرجع وہی ذات ہے۔ اسلئے کہ وہ جیسے چاہتا ہے ویسے ہی ہوتا ہے۔

علامات قیامت: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق قیامت کی نشانیاں پانچ ہیں: (۱) نمازیں ضائع کی جائیں گی۔ (۲) شہوات کا اتباع ہوگا۔ (۳) خواہشات نفسانی کی طرف طبیعتیں راغب ہونگی۔ (۴) حکام خائن ہوں گے۔ (۵) وزیر لوگ فاسق ہوں گے۔ (مختلف مقامات پر مختلف تعداد بتائی گئی)۔

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ کیا واقعی یہ امور ہوں گے تو فرمایا ہاں یہ ضرور ہونگے اس وقت مومن کا دل ایسے پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ وہ بے چارہ اتنا عاجز ہوگا کہ وہ گندے کاموں سے کسی کو روک نہیں سکے گا۔ اس وقت سچا مومن لوگوں کی نظروں میں ذلیل ترین انسان ہوگا۔ اگر وہ ان کی مخالفت کرے گا تو اس کو جان سے مار دینے کی دھمکی ملے گی۔ خاموش رہنا بھی اس کے لئے مشکل ہوگا۔

ربع

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۙ ﴿۴۲﴾

اور اگر تیری تکذیب کرتے ہیں تو تحقیق جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد اور ثمود نے۔

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۙ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

اور قوم ابراہیم اور لوط کی قوم نے۔ اور مدین والوں نے اور جھٹلائے گئے موسیٰ

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

توڈھیل دی میں نے کافروں کو پکڑا ان کو۔ پھر کیسا ہوا عذاب

(آیت نمبر۴۲) اے میرے محبوب اگر کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ اس پر غمزدہ نہ ہوں اس لئے کہ آپ سے پہلے کئی قوموں نے اپنے انبیاء کرام کو جھٹلایا۔ جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود ان قوموں نے جب انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا تو ان تمام جھٹلانے والی قوموں پر عذاب آیا۔ کسی کو طوفان میں غرق کیا اور کسی کو آندھی سے اور کسی کو پتھروں سے اور کسی کو زمین میں دھنسانے سے کوئی دریا میں غرق ہوئے وغیرہ۔

(آیت نمبر۴۳) ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر بھی پکڑ آئی۔ جیسے نمرود کے دماغ میں ایک لنگڑا مچھر جا بیٹھا۔ اور وہ نوکروں سے سر پر جوتے مرواتا تھا۔ جب تک سر پر جوتے پڑتے رہتے اسے آرام رہتا۔ اسی طرح جوتے کھاتے کھاتے وہ مرگیا۔ اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہوگی کہ پوری دنیا کا بادشاہ اور سر پر جوتے کھاتے کھاتے مرگیا۔ اسی طرح لوط علیہ السلام کی قوم پر بھی وہ عذاب آیا کہ پوری بستی کو آسمان کے قریب لے جا کر پھر زمین پر پٹخ دیا۔ جس کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر آیا۔

(آیت نمبر۴۴) مدین میں شعیب علیہ السلام تشریف لائے۔ مدین ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام ہے۔ ان ہی کے نام پر یہ شہر آباد ہوا۔ اس شہر میں رہنے والوں کے پاس شعیب علیہ السلام تشریف لائے۔ لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر بضد ہوگئے تو ان پر بھی زلزلے اور صعقہ کی صورت میں عذاب آیا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام قبطی یعنی فرعون کی قوم کے پاس آئے۔ لیکن وہ بھی نہ مانے اور عذاب آنے تک اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ انہیں بہت بڑی مہلت بھی دی گئی۔ چار سو سال فرعون کو کچھ نہیں ہوا۔ لیکن انہوں نے اس مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ تو پکڑ آئی جو انتہائی سخت تھی۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

تو کتنی ہی بستی والوں کو ہم نے ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھے تو وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر

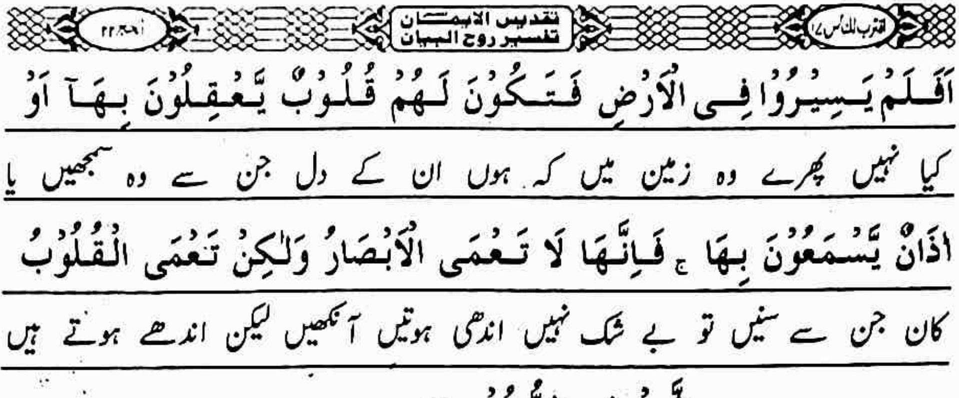
وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اور کنواں بیکار پڑا ہے اور محل کچ کئے ہوئے ویران ہو گئے

(آیت نمبر ۴۵) کتنے ہی ایسے شہر اور دیہات ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ اس حال میں کہ اس بستی میں رہنے والے ظالم تھے۔ ظلم سے مراد ان کا کفر شرک کرنا ہے۔ یعنی انہیں بلا وجہ تباہ و برباد یا ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ ان کی تباہی کی وجہ ان کا ظلم ہے۔ پھر جب ان پر ہلاکت آئی تو ان کے مکانات در و دیواروں سمیت بلکہ بنیادوں سمیت نیست و نابود ہو گئے اور کتنے ہی آباد کنویں جن سے ارد گرد کی تمام بستیاں سیراب ہوتیں۔ وہ بھی ویران ہو گئے۔ اس لئے پانی لینے والے ہی ختم ہو گئے۔ اسی طرح وہ مضبوط محلات جن کی دیواروں پر چونا گچ لگا ہوا تھا۔ وہ بھی مقیموں سے خالی ہو گئے۔ وہ محلات چھتوں سمیت زمین بوس ہو گئے۔

واقعہ: اس سے یا تو صالح علیہ السلام والا کنواں مراد ہے جہاں آپ کے ماننے والے آباد ہوئے۔ اس کا دوسرا نام حضر موت تھا۔ کنویں کے گرد حاضوراء نامی شہر تھا۔ صالح علیہ السلام کے ماننے والوں سے وہ آباد ہوا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اور ان کی نسل والے بھی بت پرست ہو گئے ان کیلئے حنظلہ بن صفوان نبی بنا کر بھیجے گئے لیکن انہوں نے حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا اور پورا شہر تباہ اور کنواں ویران ہو گیا یا یہ رس والوں کا کنواں مراد ہے اس کا الگ طویل واقعہ ہے۔

نبی کی گستاخی کا انجام: جب ان بدبختوں نے اپنے نبی کو شہید کر دیا تو ان پر غضب الٰہی نازل ہوا کہ کنویں کا پانی زمین میں دھنس گیا۔ اب وہ پانی کے بغیر پیاسے مرنے لگے۔ یہاں تک کہ مرد عورتیں اور بچے سخت پیاس سے چیختے چلاتے ہوئے مر گئے۔ جانوروں کو پانی نہ ملا وہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئے اور وہاں جنگلی جانوروں کا بسیرا ہو گیا۔ ان کے مکانوں اور محلوں میں گیڈر رہنے لگے۔ باغوں والی جگہ میں خار دار درخت پیدا ہو گئے راتوں کو جنوں اور درندوں کی آوازیں آنے لگیں (نعوذ باللہ من ذالک)۔



اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ

کیا نہیں پھرے وہ زمین میں کہ ہوں ان کے دل جن سے وہ سمجھیں یا

اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ

کان جن سے سنیں تو بے شک نہیں اندھی ہوتیں آنکھیں لیکن اندھے ہوتے ہیں

الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶

دل جو سینوں میں ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۴۵) **قصر مشید کا واقعہ:** شداد بن عامر بن اوم نے یہ محل بنایا تھا۔ دنیا میں ایسا شاندار محل نہیں دیکھا گیا۔ وہ بھی کنویں کی طرح ویران اور برباد ہوگیا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگیا۔ اس کے قریب جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ رات کو ڈراؤنی آوازیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ قدرت کا کرشمہ ہے کہ نعمتوں اور عیش وعشرت سے بھرپور محل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ویران اور برباد ہوگئے۔

سبق :رب تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے کہ جو محلات بنانے میں بے مثال تھے وہ ویرانی میں بھی ایک آواز کے ساتھ ہی بے نام ونشان کردیئے گئے تو اس آیت کریمہ میں امت محمدیہ علیٰ وصاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو پند ونصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر رہو ورنہ انجام پہلی قوموں کی طرح بربادی ہوگا۔

(آیت نمبر ۴۶) کیا وہ زمین کی سیر نہیں کرتے یعنی یمن اور شام میں جاتے ہوئے سابقہ قوموں کے تباہ شدہ مکانات اور مقامات نہیں دیکھتے۔ ان کے دل ہوتے تو یہ ان کے ذریعے سمجھتے۔ یعنی ان کے وہ دل نہیں۔ جن سے وہ توحید کو سمجھ جاتے۔ یا کان ہوتے۔ جن کے ذریعے یہ ہلاک ہونے والوں کے حالات سنتے اور عبرت پکڑتے۔ حالانکہ ان علاقوں میں یہ واقعات مشہور ہیں۔

فائدہ :اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع ان کے دل یا کان نہیں تھے۔ دل کان وغیرہ تو تھے لیکن گذشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل نہ کرنا۔ دل اور کان نہ ہونے کے برابر ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ آنکھوں کے اندھے نہیں تھے۔ بلکہ وہ ان دلوں کے اندھے تھے۔ جو ان کے سینوں میں ہیں۔ یعنی ہوائے نفس کی اتباع اور غفلت میں انہماک کی وجہ سے ان کے عقلوں پر پردے آگئے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ان کی ظاہری آنکھیں دل کی آنکھوں کے مقابل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ

اور آپ جلدی مانگتے ہیں عذاب اور ہرگز نہیں خلاف کریگا اللہ اپنے وعدے کے۔ اور بے شک ایک دن نزدیک

رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

تیرے رب کے جیسے ہزار سال جو تم شمار کرتے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۶) **انسان چار چشمہ ہے:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار آنکھیں عطا کی ہیں۔ دو سر میں ہیں۔ جن سے دنیوی اشیاء دیکھی جاتی ہیں اور دو آنکھیں دل میں ہیں۔ (تاریخ دمشق) جن سے دینی سمجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے۔ اکثر لوگ ان دل کی آنکھوں سے محروم ہیں۔ اسی لئے وہ دینی امور سے بے علم ہیں۔

فائدہ حقائق بقلی میں ہے کہ جہلاء اشیاء کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے دل حقائق اشیاء سے پردے میں ہیں۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کی آنکھ کا تھوڑا سا نور بھی خواہشات وشہوات پر غالب آ سکتا ہے لیکن جب دل کی آنکھ ہی بند ہو جائے تو شہوت کا غلبہ اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان غلبہ شہوت کے بعد عموماً جرائم اور گناہوں میں منہمک ہو جاتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ باطن کی صفائی اور دل کی جلاء کیلئے کثرت سے ذکر الٰہی کرے۔ ابو عبد اللہ انطا کی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل کا علاج پانچ چیزوں سے کرے: (۱) نیکوں کی صحبت۔ (۲) قراۃ قرآن۔ (۳) پیٹ کو زیادہ خالی رکھنا۔ (۴) رات کی عبادت۔ (۵) سحری کے وقت آہ و بکا۔ حضور ﷺ نے فرمایا دلوں کو چمکانے والی چیز ذکر الٰہی ہے۔ اور موت کو کثرت سے یاد کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۴۷) آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں۔

شان نزول: کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ جس عذاب کی دھمکی دیتے ہیں وہ لے آئیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں عذاب کی جلدی ہے جو ٹھٹھہ مزاح کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ کہ عذاب لے آؤ۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ عذاب مانگنے میں جلدی کا فر کرتے ہیں۔ اگر ان میں ایمان ہوتا تو عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کفار کو ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ بدر کے دن وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ آگے فرمایا کہ کفار کے عذاب کا ایک دن تیرے رب کے ہاں تمہاری دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے۔ (یعنی آخرت میں ایک دن اتنا بڑا ہوگا۔)



وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ج وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ع ﴿۴۸﴾

اور کتنی ہی بستی والوں کو میں نے مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھے پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ج ﴿۴۹﴾

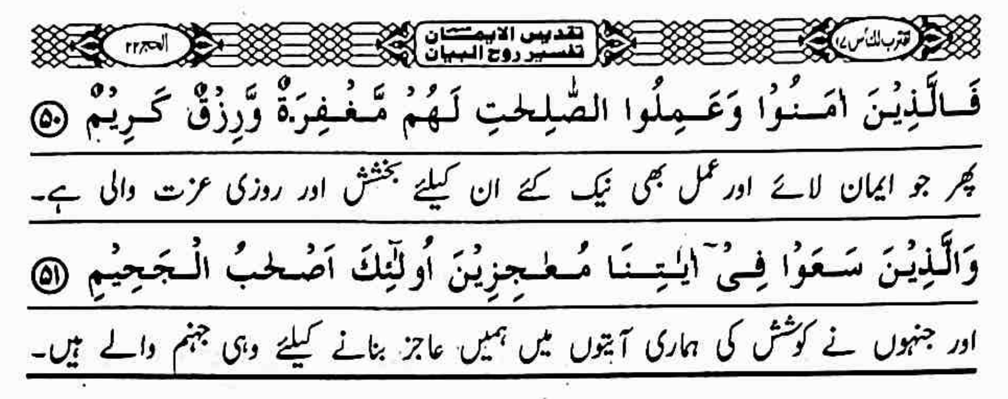
فرمادو اے لوگو بے شک میں ہی تمہیں ڈر سنانے والا ہوں کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) **فائدہ**: قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہے اور اس کے بعد ہر دن ہزار سال کا ہے۔ **فائدہ**: یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے کہ ان کافروں کو عذاب کی جلدی ہی کیا ہے وعدۂ الٰہی لازماً پورا ہو کر رہے گا۔ اگر جلدی عذاب نہیں آ رہا تو یہ اس کی بردباری ہے۔ کہ وہ تمہارے گناہوں کے باوجود تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا۔

(آیت نمبر ۴۸) اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہوئیں کہ میں نے ان سے عذاب مؤخر کر کے ان کو مہلت دی۔ حالانکہ وہ ظالم تھے جیسے اہل مکہ کو مہلت دے رکھی۔ باوجود عذاب کے مستحق ہونے کے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو تباہ کر دیا جاتا۔ لیکن انہیں مہلت دی لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئے پھر میں نے ایک مدت کے بعد انہیں پکڑ لیا یعنی جب انہوں نے توبہ نہ کی تو ہم نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا اور اگر دنیا میں وہ عذاب سے بچ گئے۔ تب بھی بالآخر میری طرف سب نے لوٹنا ہے۔ آخرت کے عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔

فائدہ: معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا بھی حکمت سے خالی نہیں ظالم کو ظلم کرنے پر مہلت دیتا ہے اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے۔ جب ظالم یہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ یہ محض اس کا گمان ہوتا ہے پھر اس کی پکڑ ہوتی ہے تو اس وقت وہ پچھتاتا ہے لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔ اب تو چیخنا چلانا بے سود ہے۔ اب یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے آپ پر ہی ملامت بھی کرے۔ اور ماتم بھی کرے۔

(آیت نمبر ۴۹) اے محبوب آپ فرمادیں کہ اے لوگو بے شک میں تمہارے لئے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میرے پاس وحی آئی ہے۔ اس میں سابقہ امتوں کے جو واقعات بیان ہوئے۔ وہی تمہیں سنا کر اس بات سے ڈراتا ہوں کہ کہیں وہ عذاب تم پر بھی نہ آ جائے۔ نہ اس وحی میں میرا کوئی دخل ہے اور نہ تم پر میں کوئی عذاب لا سکتا ہوں۔ جیسے کہ تمہارا مطالبہ ہے یہاں الناس سے مراد مشرکین ہیں۔ روئے سخن ان ہی کی طرف ہے۔ اس لئے انہیں عذاب کی خبر سنانا مقصود ہے۔



فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

پھر جو ایمان لائے اور عمل بھی نیک کئے ان کیلئے بخشش اور روزی عزت والی ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز بنانے کیلئے وہی جہنم والے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۰) البتہ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے یعنی ان کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا اور انہیں جنۃ النعیم میں عزت والی روزی دی جائے گی یا انہیں رنج ومحنت کے بغیر ہی رزق ملے گا۔ اور بڑی عزت کے ساتھ انہیں مہمانوں کی طرح جنت میں رکھا جائیگا۔

فائدہ: کریم اسے کہا جاتا ہے جو ہر طرح کے فضائل کا جامع ہو۔

(آیت نمبر ۵۱) اور وہ لوگ جو ہماری آیات میں جدوجہد کر کے ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ان آیات کو جادو اور شعر کہتے ہیں یا انہیں گھڑی ہوئی آیات بتاتے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں اور ایسے عوارض کھڑے کرتے ہیں تا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام علیہم السلام احکام خداوندی لوگوں کو سنانے میں عاجز آجائیں یا وہ اپنے طور پر سمجھتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرلیں گے (معاذ اللہ) کہ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکے گا۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ عذاب سے بچ نکلیں گے کیوں کہ انہیں بتوں پر بڑا مان تھا۔ کہ وہ اللہ سے چھڑا لیں گے۔ تو فرمایا کہ وہ پکے دوزخی ہیں یعنی جلتی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

فائدہ: یعنی جو اللہ والوں سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عارفین کاملین کا انکار قلت فہم اور بے عقلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے علوم کشف وعیاں پر مبنی ہوتے ہیں۔ باقی لوگوں کے علوم خواطر فکریہ کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کا ابتدائی طریقہ تقویٰ، عمل اور ذکر وفکر ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کا شغل مطالعہ کتب اور مخلوق سے استمداد کا ہوتا ہے اور اللہ والوں کے علوم کی انتہاء حیّ القیوم کے شہود پر ہوتی ہے اور باقی لوگوں کے علوم کی انتہاء اور غرض تحصیل وظائف والمناصب یعنی تنخواہ اور عہدہ پر ہوتی ہے لیکن دنیوی اغراض کو کوئی دوام نہیں۔ لہذا بہتر طریقہ اولیاء اللہ والا ہے اور نیک لوگوں کا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے پڑھا تو ڈال دیا

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ

شیطان نے کچھ اس کے پڑھنے میں اپنی طرف سے پھر مٹاتا ہے اللہ جو ڈالتا ہے شیطان پھر پختہ کرتا ہے اللہ

اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ ﴿۵۲﴾

اپنی آیات کو۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۲) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا۔ مگر شیطان نے ہر نبی کو پر۔۔۔۔

فائدہ: معلوم ہوا نبی اور رسول میں فرق ہے۔ رسول خاص اور نبی عام ہے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ رسول نئی شریعت لاتا ہے یا پہلی شریعت میں معمولی تبدیلی کرتا ہے اللہ کے حکم سے اور نبی اپنے سے پہلے رسول کے احکام پر خود بھی عمل کرتا ہے۔ اور لوگوں سے بھی عمل کراتا ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ سے پوچھا گیا۔ نبی کتنے آئے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار پھر پوچھا گیا رسول کتنے تو فرمایا تین سو تیرہ۔ آگے فرمایا کہ مگر جب وہ نبی وحی پڑھتے تو شیطان ان کی قرات میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا۔

القاء شیطان:

جیسے ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ تلاوت فرما رہے تھے تو ابیض نامی شیطان نے حضور ﷺ کے آواز کی طرح آواز بنا کر بتوں کی تعریف میں کچھ کلمات ملا دیئے۔ جنہیں کفار نے حضور ﷺ کے کلمات سمجھے۔ یعنی حضور ﷺ سورہ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے تو اس میں۔ لات، مناۃ اور عزی کا ذکر آیا۔ تو آپ نے وقفہ فرمایا تو اس وقفے میں اس شیطان نے یہ کلمات کہہ دیئے کہ یہ بت بڑی قدر و منزلت والے ہیں۔ جن کی پرواز اونچی ہے اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ کفار و مشرکین یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے سمجھا یہ حضور ﷺ کے الفاظ ہی ہیں اور آپ نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

تاکہ کر دے جو ڈالتا ہے شیطان فتنہ ان کیلئے جن کے دلوں میں مرض ہے

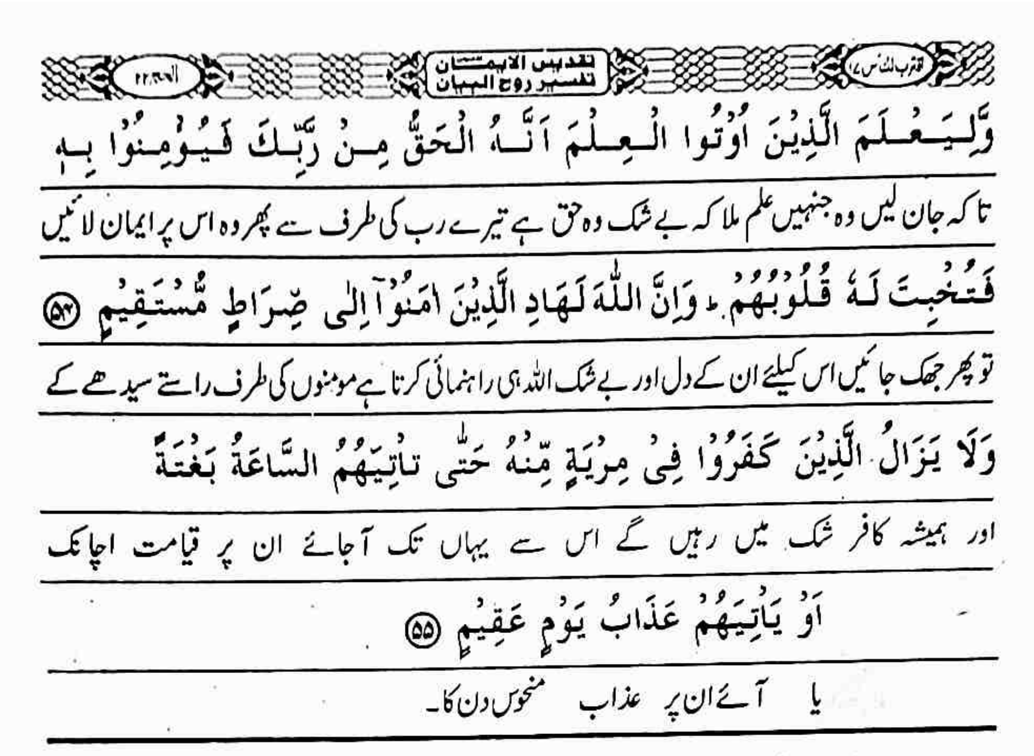
وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ ﴿٥٣﴾

اور سخت ہیں ان کے دل۔ اور بے شک ظالم بہت بڑے جھگڑے میں ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۵۲) اس سورت کے آخر میں جب حضور ﷺ اور صحابہ نے سجدہ کیا تو کفار اور مشرکین نے بھی بطور شکرانہ سجدہ کیا تو جبریل امین نے آ کر حضور کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تو حضور ﷺ سخت پریشان ہو گئے اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جتنے بھی ہم نے رسول بھیجے جب بھی وہ کلام الٰہی پڑھتے تو شیطان ان کی کلام میں گڑبڑ کرتا ہے جس طرح اس سورت میں کیا تو اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کلمات کو مٹا کر زائل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اپنی آیات کو ثابت کر دیتا ہے۔ پھر کسی کو ان آیات کے مٹانے کی جرات نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اپنی وحی کو بھی جانتا ہے اور شیطان کی ملاوٹ کو بھی جانتا ہے سب کام اپنی حکمت سے کرتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ کچے ایمان والا کون ہے اور پکے ایمان والا کون ہے جیسے مذکورہ واقعہ میں جوں ہی شیطان نے اصنام کی تعریف کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً سمجھ گئے کہ یہ شیطانی چال ہے۔ نبی کبھی بھی بتوں کی تعریف نہیں کرتا۔

فائدہ: اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس قسم کے القائے شیطانی اہل ایمان کیلئے امتحان کا باعث ہوتے ہیں۔ کامیاب مومن کیلئے تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ انہیں کچھ تردد کے بعد راہ صواب مل جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) تا کہ اللہ تعالیٰ شیطانی ملاوٹ کو آزمائش بنا دے اور امتحان ہو ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی جن کے دلوں میں منافقت ہے یہ قلبی مرض ہی روحانی ہلاکت کا سبب بنتی ہے جیسے ظاہری طور پر دل کی بیماری موت کا سبب بنتی ہے اور ان کیلئے بھی جن کے دل سخت ہیں یعنی مشرکین کیلئے یاد رہے منافق اور مشرک القائے شیطانی سے شک میں مبتلاء رہتا ہے اور بے شک ظالم یعنی منافق اور مشرک بہت ہی دوری کے اختلاف میں ہیں۔ یعنی وہ حق سے بہت زیادہ دور ہیں۔ شقاق کو بعد سے موصوف کرنے میں مبالغہ کیا گیا ہے یعنی وہ حق سے اتنے دور ہیں کہ وہاں سے اب واپسی ناممکن ہے۔



وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ

تا کہ جان لیں وہ جنہیں علم ملا کہ بے شک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر وہ اس پر ایمان لائیں

فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

تو پھر جھک جائیں اس کیلئے ان کے دل اور بے شک اللہ ہی راہنمائی کرتا ہے مومنوں کی طرف راستے سیدھے کے

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

اور ہمیشہ کافر شک میں رہیں گے اس سے یہاں تک آجائے ان پر قیامت اچانک

اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

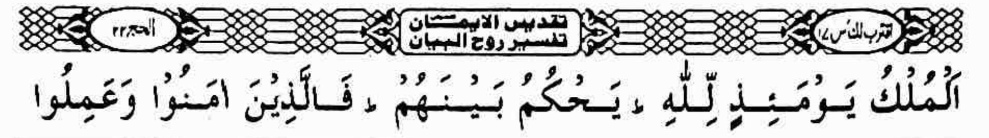
یا آئے ان پر عذاب منحوس دن کا۔

(آیت نمبر ۵۴) اور تا کہ صاحبان علم کو بھی معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن پاک برحق ہے اور اس کی آیات تیرے رب کی طرف سے نازل ہوئیں ان میں شیطان کو کیا مجال کہ وہ گڑ بڑ کر سکے۔ انہیں تو چاہئے کہ وہ اس پر ایمان لا کر ثابت قدم رہیں اور شیطان کی ملاوٹ کو رد کریں اور ایمان میں کمال حاصل کریں اور اس قرآن کے لئے ان کے دل جھک جائیں۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دل قرآن کیلئے نرم ہو جائیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو ہدایت ان لوگوں کو دیتا ہے جو ایمان لائیں۔ اور امور دینیہ میں ان کی راہنمائی فرماتا ہے۔ خاص کر کے مشکل اور پیچیدہ امور میں وہ انہیں سیدھی راہ پر چلاتا ہے یعنی ایسی بصارت عطا فرما دیتا ہے۔ جو انہیں حق صریح کی طرف لے جاتی ہے۔

فائدہ: نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا نور بصیرت عطا فرماتا ہے کہ جس سے وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکتے ہیں پھر ان کے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ قرآن مبین کے تمام احکام کو مانے اور نفس امارہ کی اصلاح میں پوری کوشش کرے۔ تا کہ اسے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی ملتی رہے۔

(آیت نمبر ۵۵) کفار ہمیشہ سے قرآن میں شک کرتے چلے آرہے اور اس میں جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر قیامت اچانک قائم ہو جائے۔ یعنی قیامت ان پر اس وقت قائم ہو جائیگی۔



اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

بادشاہی اس دن صرف اللہ کی۔ وہی فیصلہ فرمائے گا ان میں۔ تو جو ایمان لائے اور عمل

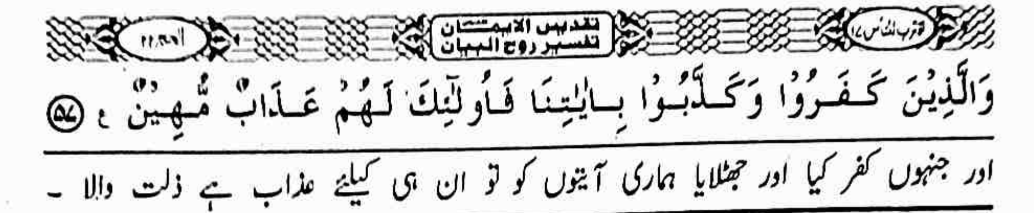
الصّٰلِحٰتِ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۵۶﴾

نیک کرے وہ باغات میں ہونگے جو نعمتوں والے ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) جب وہ غفلت میں ہوں گے۔ یا عقیم دن میں ان پر عذاب آ جائے گا۔ یعنی ایسا خشک دن جو کسی اثر کو قبول ہی نہ کرے۔ بلکہ وہ ایسا دن ہوگا کہ اس کے بعد کوئی ایسا دن نہیں ہوگا۔ اصل میں عقیم اس عورت کو کہا جاتا جو بچہ نہ جنے۔ اسی طرح قیامت کو عقیم اس لئے کہا کہ اس دن کے بعد کسی اور دن نے نہیں آنا۔ یعنی دنیوی دنوں کا وہ آخری دن ہے۔ **فائدہ:** علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقیم وہ دن ہوگا جس میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہوگی۔ نہ اس کے عذاب سے نجات نصیب ہوگی۔ نہ راحت وفرحت ملے گی۔ جیسے موت کا دن دنیوی زمانے کا آخری زمانہ ہے اور آخرت کا بھی وہ پہلا اور آخری زمانہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس دن میں صرف اپنا تصرف ثابت فرمایا اور اسی دن کو فیصلے کیلئے بھی مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے موت کے زمانے کو آخرت کے زمانے سے متصل کر دیا۔

(آیت نمبر ۵۶) اس دن حقیقی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ یعنی جب وہ عذاب یا قیامت کا دن آئیگا تو اس دن غالب شاہی اور مطلق تصرف اللہ وحدہ لاشریک کیلئے ہی ہوگا کسی اور کی اس میں نہ حقیقی شراکت ہوگی نہ مجازی۔ جیسے دنیا میں آج بادشاہ اپنی اپنی شاہی کا دم بھرتے ہیں۔ بروز قیامت یہ سب دعوے ختم ہو جائیں گے۔ جب ایک ہی اعلان ہوگا کہ آج کس کی بادشاہی ہے تو خود ہی فرمائے گا آج قہار کی بادشاہی ہے۔ اس وقت دنیا کے تمام بادشاہ عجز و نیاز میں ہی ہونگے۔ کوئی اپنی بادشاہی کا نام تک نہیں لے گا۔

فائدہ: ابن عطا نے فرمایا کہ ہمہ وقت اور ہر حال میں ملک حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ لیکن عام لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ البتہ جب بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی صفت جباریت ہے اور قہاریت کا ظہور ہوگا اس وقت سب معاملہ کھل کر سامنے آ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی بادشاہی ہے نہ کسی کو غلبہ حاصل ہے اور نہ اس وقت کوئی منکر انکار کر سکے گا۔ آگے فرمایا کہ اس دن خاص طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی اہل ایمان کو نیک اعمال کی اعلیٰ جزاء اور کفار کو کفر کی بدترین سزا دے گا اس لحاظ سے وہ فیصلے کا دن ہوگا۔



(بقیہ آیت نمبر ۵۶) اور قرآن میں کسی قسم کا اختلاف یا جھگڑا نہ کیا ہوگا اور حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہوگا اور نیک اعمال کئے ہونگے وہ نعمتوں والے باغات میں رہیں گے۔ **فائدہ:** کاشفی مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ ناز ونعمت کے باغات میں رنج وتکلیف کے بغیر مزے سے ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۷) اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ مرتے دم تک اسی پر قائم رہے۔ پس وہی لوگ ہیں جن کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہے جس کا بیان کرنا محال ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ اہل ایمان کو جو بھی انعام وثواب وغیرہ ملے گا۔ وہ فضل الٰہی سے ہوگا ان کے اعمال صالحہ کا انہیں بدلہ دیا جائیگا۔ اسی طرح کفار کو ان کے برے عملوں کی سزا ملے گی۔

لقمان حکیم نے فرمایا: بیٹا اگر تجھے شک ہے کہ موت کیسے آسکتی ہے تو ذرا نیند کو روک لے۔ یعنی جیسے انسان نیند کے آگے بے بس ہے اسی طرح بندہ موت کے آگے بھی بے بس ہے۔ (۲) اگر تیرا خیال ہے کہ مرنے کے بعد کوئی اٹھنا نہیں تو تو نیند کے بعد جاگنے کو روک کے دکھا جب تم ان باتوں پر اچھی طرح غور کرو گے تو تمہیں یقین آجائیگا کہ تمہارا معاملہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے تو جب کسی کو اپنے مالک ومولیٰ کی ان قدرتوں پر یقین آجائے گا تو پھر وہ کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ بلکہ ہمیشہ اس کی فرمانبرداری میں رہے گا اور اسی میں وہ عزت پائے گا اور اخروی عزت کے مقابلے میں دنیا کی عزت کچھ نہیں۔

ذکر الٰہی کی قدر و قیمت:

سلیمان علیہ السلام کا جاہ جلال دیکھ کر کسی نے کہا یہ کیسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت وعظمت آپ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا سلیمان اور اس تخت و بخت سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ سلیمان اور اس کے تخت وملک کو فنا ہے اور ذکر الٰہی کو بقاء ہے۔ **سبق:** ایک دفعہ تسبیح پڑھنے کی یہ فضیلت ہے تو قرآن کی فضیلت کتنی زیادہ ہوگی لہذا عقل مند پر لازم ہے کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور تلاوت قرآن کی بھی کثرت کرے۔ اور اس کے ساتھ موت کو بھی مدنظر رکھے۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ خیر فرمائے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ

اور جنہوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر مارے گئے یا موت آ گئی تو البتہ ضرور دیگا ان کو اللہ

رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا

روزی بہت اچھی۔ اور بے شک اللہ ہی بہتر روزی دینے والا ہے۔ ضرور وہ انہیں ایسی جگہ داخل فرمائے گا

يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔ اور بے شک اللہ علم والا بردبار ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) اور جن لوگوں نے ہجرت کی یعنی وطن چھوڑا اللہ کی رضا کیلئے پھر دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے وفات پائی تو انہیں اللہ تعالیٰ اچھے رزق سے نوازے گا یعنی جنت میں کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں سے مالا مال فرما دے گا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی پاکیزہ روزی عطا فرمائے گا اور ایسی اعلیٰ روزی جنت میں ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ جن نعمتوں کو حاصل کرنے کیلئے نہ کوئی تکلیف یا محنت اٹھانی پڑتی ہے اور نہ ہی ان نعمتوں کے کھانے کے بعد کسی قسم کی بیماری کا خدشہ ہوگا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور بے حساب رزق عطا فرمانے والا ہے کہ اس طرح کوئی اور عطا فرمانے والا نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۵۹) اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ایسے مقام یعنی جنت میں داخل فرمائے گا کہ جس سے وہ راضی اور خوش ہوں گے اس لئے کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ اس جیسی نہ ان کی آنکھ نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو جاننے والا بردبار ہے یعنی جاننے کے باوجود وہ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ نہ گناہ کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

شان نزول: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھی (صحابہ کرام) بعض جہاد میں شریک ہو کر درجہ شہادت پاتے ہیں اور بعض اپنی طبعی موت سے فوت ہو جاتے ہیں کیا طبعی موت والوں کو بھی کوئی مرتبہ ملتا ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ انتہائی خوش ہوں گے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بات یہی ہے اور جو بدلہ لے جتنی اسے تکلیف دی گئی پھر زیادتی کی جائے اس پر تو ضرور مدد کرے گا اس کی

اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾

اللہ۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۹) **نکتہ**: جیسے ایک نمازی نماز میں شریک ہوا اور دوسرا ابھی گھر سے نماز کیلئے آ رہا ہو ثواب میں دونوں برابر ہیں کیونکہ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز کیلئے انتظار کرنے والا گویا نماز میں ہے۔

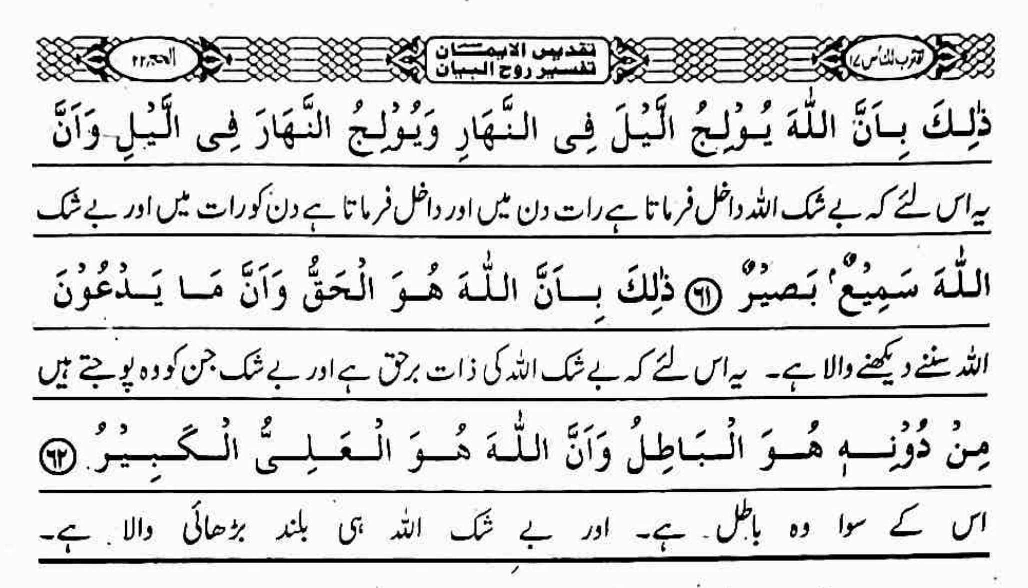
حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا جو بندہ گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا ہے اگر راستے میں مر جائے تو قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جائے گا اسی طرح جو جہاد کیلئے گیا اور راستے میں انتقال کر گیا تو اسے بھی قیامت تک جہاد کا ثواب ملے گا۔

ولی زندہ ہوتا ہے: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بحری جنگ میں جا رہے تھے راستے میں موت آ گئی۔ سمندری سفر کی وجہ سے کوئی جگہ دفنانے کی موزوں نہ مل سکی۔ سات روز تک ان کا بدن صحیح سلامت رہا کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا (تمام شہداء کا یہی حال ہے)۔

فائدہ: لیکن یہ بات بھی مدنظر رہے کہ قیامت کے دن سب کے مراتب میں فرق ہوگا۔ جس طرح اعمال والے سب برابر نہیں۔ اسی طرح مرنے والے خواہ راہ خدا میں مرے ہوں یا گھر میں مرے ہوں۔ سب کے مراتب جدا ہونگے۔ راہ خدا میں شہید ہونے والا طبعی موت والے سے بہر حال ہی افضل ہوگا۔

(آیت نمبر ۶۰) اور جس نے ظالم کو سزا دی اتنی جتنا اس نے اس پر ظلم کیا تھا۔ یعنی قصاص لینے میں تجاوز نہیں کیا تھا پھر اس پر بغاوت کی یعنی سزا دینے میں بدلہ لیتے ہوئے اس نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ جس پر زیادتی یا ظلم ہوا بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے یعنی بدلہ لینے والے کو بھی معاف فرما دیتا ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہوا اسے بخش بھی دیتا ہے جو صبر و عفو کو انتقام پر ترجیح دیتا ہے۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ عفو وہ ذات جو کراما کاتبین کے اعمالنامے والے دفتر سے اور دلوں سے گناہوں کے نشانات مٹا دے تا کہ اس بے چارے سے بروز قیامت ان گناہوں کا مطالبہ ہی نہ ہو اور نہ ملائکہ اسے وہ گناہ یاد دلائیں اور نہ وہ رسوا ہو بلکہ کبھی یوں بھی کرم کر دیتا ہے۔



ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ داخل فرماتا ہے رات دن میں اور داخل فرماتا ہے دن کو رات میں اور بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ بے شک اللہ کی ذات برحق ہے اور بے شک جن کو وہ پوجتے ہیں

مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

اس کے سوا وہ باطل ہے۔ اور بے شک اللہ ہی بلند بڑھائی والا ہے۔

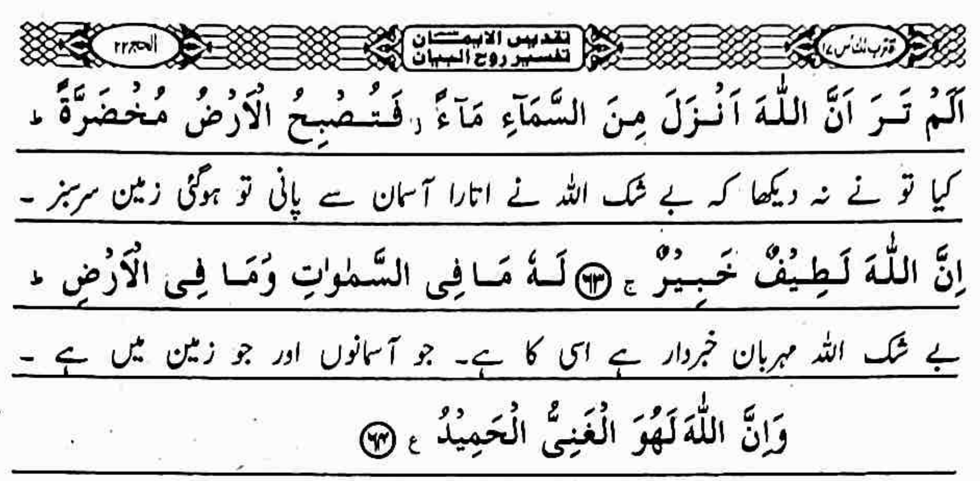
(بقیہ آیت نمبر۶۰) وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ تبدیل فرما دیتا ہے اور وہ غفور بھی ہے کہ وہ مستحق سزا کی سزا کو ختم فرما دیتا ہے۔ الغفر کا معنی پردہ بھی ہے یعنی وہ بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

عفو کی فضیلت : فرمان خداوندی ہے جس نے معاف کیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

(آیت نمبر۶۱) یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل فرماتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں۔ اس لئے کہ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے ایک چیز کو دوسری پر غلبہ دے دیتا ہے اس کی قدرت کاملہ کی یہ بڑی دلیل ہے کہ دن کی روشنی پر رات کی تاریکی ڈال دیتا ہے پھر اس تاریکی پر سورج کی روشنی کو غلبہ عطا فرما دیتا ہے اور دن رات کی ساعات کو بھی اسی کے ساتھ کر دیا کہ گھٹتی اور بڑھتی ہیں یہ کمی اور زیادتی سورج کے مطالع اور مغارب کی وجہ سے ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے یعنی ہر ایک کی بات کو سننے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

(آیت نمبر۶۲) یہ اس کے کمال قدرت کی علامت ہے کہ بے شک اس کی ذات برحق ہے اور بے شک مشرکین جن کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ باطل ہے یعنی ماسوی اللہ جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز سے بلند و بالا ہے اور کبیر یعنی بڑی عظمت والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی اعلیٰ شان کے کوئی برابر ہو سکتا ہے۔

فائدہ : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات میں ہر ایک سے اور ہر لحاظ سے اعلیٰ ہے اور وہ واجب الوجود ہے کہ اس کے برابر کوئی بھی نہیں۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ بے شک اللہ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہوگئی زمین سرسبز۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۚ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

بے شک اللہ مہربان خبردار ہے اسی کا ہے۔ جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۧ ﴿۶۴﴾

اور بے شک اللہ ہی بے پرواہ تعریفوں والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۶۲) **فائدہ**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک ذات کے متعلق مطلق علو کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ درجے کے لحاظ سے ہر ذات کے اوپر بھی کوئی ذات ہے۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس سے بلند مرتبہ اور کوئی بھی نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعلیٰ علی الاطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر لحاظ سے فوق یعنی بلند ہے اور یہ فوقیت اضافی نہیں بلکہ وجوبی ہے امکان کا کوئی فرد اس کے برابر نہیں۔

(آیت نمبر۶۳) کیا تو نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین سرسبز و شاداب ہوگئی یعنی بارش کے نازل ہوتے ہی زمین کی خشکی اور ویرانی ختم ہوگئی اور زمین سرسبز ہوگئی۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر لطف فرمانے والا ہے کہ لوگوں کی رسائی اس کے عظیم لطف وکرم تک بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ نعمتیں بندوں کے اعمال کے حساب سے نہیں بلکہ اپنے جود وکرم کے حساب سے دیتا ہے۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر سبزی اگا کر لطف وکرم فرماتا ہے کہ اسی سے انہیں روزی پہنچاتا ہے اور وہ خبیر ہے یعنی وہ ظاہری باطنی ہر بات سے باخبر ہے اور کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ رزق اور مرزوق کے حال کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(آیت نمبر۶۴) اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس لئے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا اور ان سب اشیاء کا مالک حقیقی بھی وہی ہے اور ان میں ہر قسم کا تصرف بھی وہی کرتا ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی غنی ہے یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے ہر چیز سے وہ بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات وافعال میں حمد کا مستحق ہے۔ غنی اس لحاظ سے ہے کہ وہ کسی کی حمد کرنے کا محتاج نہیں اگرچہ ہر چیز ہر وقت اس کی تعریف میں مصروف ہے۔ سوائے غافل جنوں اور انسانوں کے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے مسخر کیا تمہارے لئے جو زمین میں ہے اور کشتی چلتی ہے دریا میں

بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اسی کے حکم سے۔ اور روک رکھا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے اوپر زمین کے مگر اس کے حکم سے۔ بے شک اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾

لوگوں پر ضرور شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

16

(بقیہ آیت نمبر ٦٤) **فائدہ**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حمید وہ ذات ہے جس کی بہت تعریف کی جائے اور اللہ تعالیٰ حمید اس معنی میں ہے کہ اس نے اپنی ثنا ازلاً ابداً فرمائی ہے۔ اس لئے کہ مخلوق ناقص ہے اور اس کی تعریف کرنا بھی ناقص ہے۔ جیسے اس کی شان اقدس ہے اس کے مطابق کما حقہ تعریف ناممکن ہے۔ تاہم ساری مخلوق ہمیشہ اس کی تعریف کرتی رہے گی اسی طرح اس کی جملہ صفات کا بھی حال ہے کہ اس کا کوئی حال کمال سے خالی نہیں۔ اور مخلوق اس کا اس کے کمال کے ساتھ ذکر کرتی رہے گی کیونکہ حمد کا معنی ہی ہے اس کے اوصاف کمال کو بیان کرنا۔

(آیت نمبر ٦٥) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کی تمام چیزیں تمہارے قابو میں کر دی ہیں یعنی تم جیسے چاہتے ہو ان سے نفع حاصل کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کو ہمارے منافع کیلئے تیار کر رکھا ہے ان پر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ دیکھو پتھر سے بڑھ کر بھی کوئی چیز سخت ہے یا لوہے سے زیادہ کوئی مضبوط چیز ہے۔ اسی طرح آگ کتنی سخت ہیبت ناک ہے یہ تمام چیزیں تمہارے قابو میں کیں۔

آگے فرمایا کہ کشتیاں جو دریاؤں میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں اسی طرح آسمان کو ہمارے اوپر روکا ہوا ہے تاکہ وہ زمین پر گر نہ پڑے۔ یعنی اس کی شکل بھی کچھ ایسی بنا دی کہ اس کے گرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ اور اسی نے تمام آسمانوں اور عرش کو تھام رکھا ہے۔

فائدہ: البتہ بروز قیامت آسمان اور ستارے گر جائیں گے۔ معلوم ہوا آسمان کا یوں کھڑا رہنا آسمانوں کا ذاتی کمال نہیں بلکہ رب کا کمال ہے۔ یہ بات سب کے علم میں ہے کہ جسم والی ہر چیز کسی نہ کسی وقت ضرور ختم ہو جائیگی۔

منزل ۶

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ز ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

16/16

اور وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶۵) آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر شفقت فرمانے والا مہربان ہے اس لحاظ سے کہ اس نے بندوں کے اسباب معاش تیار فرمائے اور ان کے منافع حاصل کرنے کے دروازے کھول دیئے اور ان کو تکلیف پہنچانے والی چیزوں کو ان سے دور ہی رکھا۔ اس لحاظ سے وہ رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ رؤف وہ ہے جو اپنے بندوں سے مشکلات کو دور کردے۔

(آیت نمبر ۶۶) اور اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے تمہیں زندہ فرمایا یعنی تم ایک نطفہ بے جان تھے۔ پھر اس ذات نے خوبصورت تخلیق کے ساتھ تمہیں زندگی بخشی۔ پھر جب تمہاری عمر دنیا کی پوری ہوگئی تو وہ تمہیں موت دے گا۔ پھر بروز قیامت دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ بے شک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرنے کے باوجود اس کا منکر بن گیا ہے۔ انسان پر الف لام لگا کر بتادیا اگرچہ سارے ایسے نہیں ان میں بعض وہ ہیں جو اپنے منعم حقیقی کو جانتے بھی ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو جانتے ہی نہیں۔ کچھ وہ ہیں جو جانتے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کرتے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرم بنایا اسے عظمت بخشی کہ اسے عام جماد سے منتقل کر کے عالم حیوان میں لایا پھر قوت گویائی دے کر ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا اور تمام موجودات کو اس کا خادم بنایا۔ لہذا اس پر لازم تھا کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے شکر میں لگا رہتا کہ اس ذات نے مجھ پر کتنا لطف وکرم فرمایا ہے کہ کہاں سے اٹھا کر کہاں لے آیا پھر کتنی بہترین نعمتوں سے نوازا۔ اور پھر ہر نعمت بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبق دیتی ہے کیونکہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے آثار سے ہے اور ہر اثر اپنے موثر پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ایمان یقینی حاصل ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مجھے حبّ ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور میں نے اسے نعمتیں دے کر مانوس بنایا تاکہ وہ میری معرفت حاصل کرے۔ (مقاصد الحسنہ للسخاوی)۔ **سبق:** انسان بالکل عاجز ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت وغنا پر مغرور نہ ہو ہر حال میں توفیق الٰہی کو شامل حال رکھے۔ کہ مجھے جو کچھ بھی ملا وہ اللہ تعالیٰ کی ہی عطا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔

جلد ۶

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ

ہرامت کیلئے ہم نے بنادیئے عبادت کے طریقے جن پر وہ چلے تو نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں اور بلاؤ

اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ

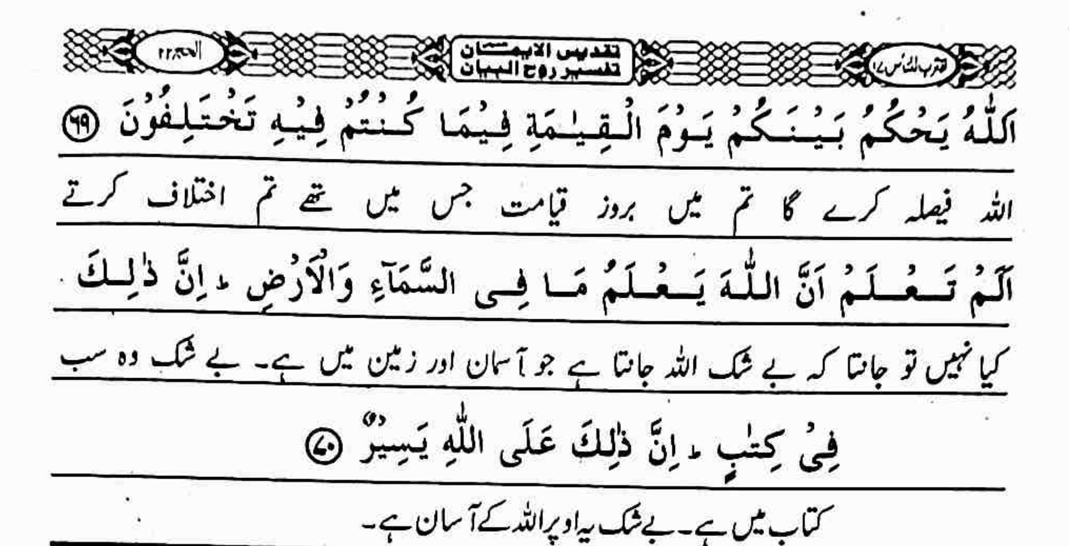
طرف اپنے رب کے۔ بے شک تم اوپر راہ سیدھی کے ہو۔ اور اگر وہ جھگڑا کریں آپ سے

فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

تو فرمادو اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

(آیت نمبر ٦٧) سابقہ امتوں میں سے ہرایک امت کیلئے ہم نے ایک شریعت خاصہ رکھی جو اس امت کے ساتھ مخصوص ہو اور اس میں دوسری امت شامل نہ ہو کچھ ایسے مخصوص امور متعین کئے تا کہ وہ ان کے مطابق عبادات کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی امت کیلئے ان کی عباداتکے طریقے توراۃ میں درج کر دیئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک وہی احکام مقرر رہے اس کے بعد انجیل اتاری۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری تک انجیل کے احکام کا اجراء رہا۔ پھر جب حضور ﷺ پر قرآن پاک کا نزول ہوا تو پہلے تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ اب قیامت تک اسی قرآن مجید پر عمل ہوتا رہے گا۔ لہذا اے محبوب یہ مختلف دینوں والے آپ کے ساتھ دین کے معاملے میں بالکل جھگڑا نہ کریں۔ اس لئے کہ ان کا وہ دین جو انہیں باپ دادا سے ملا۔ اب ان دینوں والی دونوں کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ بے شک پہلے قابل عمل تھیں۔ لیکن اب ان کی جگہ قرآن پاک آ گیا ہے جو قیامت تک کے لوگوں کیلئے کافی ہے۔ لہذا ان کا اس بارے میں جھگڑا کرنا بے سود ہے اے محبوب لوگوں کو اپنے رب کی طرف یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیجئے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ یعنی وہ راہ جو حق تک پہنچاتی ہے یہی صراط مستقیم ہے۔

(آیت نمبر ٦٨) اے محبوب اب بھی اگر ظہور حق اور لزوم حجت کے باوجود وہ آپ سے جھگڑتے ہیں تو آپ انہیں ڈرساتے ہوئے یہ بتادیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ان باطل اعمال کو خوب جانتا ہے اور تمہارا یہ باطل جھگڑا کرنے کو بھی جانتا ہے پھر ان اعمال کے مطابق ہی وہ بدلہ بھی دے گا۔ (یعنی حق کے مقابلے میں باطل لا کر جو جھگڑا کرتے ہیں وہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔)



اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ فیصلہ کرے گا تم میں بروز قیامت جس میں تھے تم اختلاف کرتے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

کیا نہیں تو جانتا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے۔ بے شک وہ سب

فِىْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اوپر اللہ کے آسان ہے۔

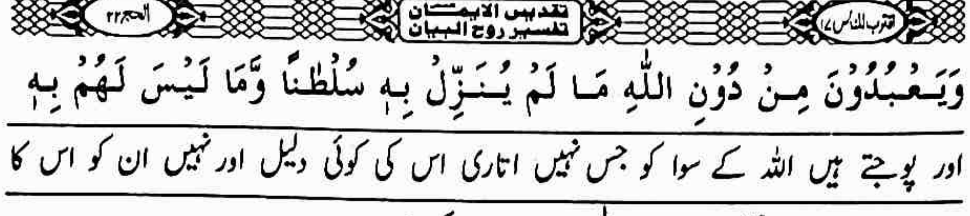
(آیت نمبر۶۹) اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فیصلے فرمائے گا پھر مومنوں کو ثواب اور کافروں کو عذاب دے گا۔ جیسے دنیا میں دلائل اور آیات بھیج کر فیصلے فرمائے تو قیامت کے دن بھی جن جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں فیصلے فرمادے گا۔ حق اور باطل سب واضح ہو جائے گا۔

(آیت نمبر۷۰) کیا تمہیں معلوم نہیں۔ یعنی تم جانتے ہی ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے اسلئے کہ اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کے احوال، اقوال اور اعمال کو جانتا ہے اور یہ سب کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ ہر چیز کی تخلیق سے بھی پہلے اس میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔

فائدہ: لہذا اے محبوب پریشان نہ ہوں ہمیں ہر بات کا علم ہے۔ آگے فرمایا کہ بے شک یہ سب کچھ لکھ رکھنا وقت سے پہلے اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ وہ عظیم قدرت اور وسیع علم والا ہے۔

منکرین کو اہل ریاء و اہل انکار کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ مجادلہ (جھگڑا) کرتے ہیں اور حق پر اعتراض بھی وہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال کو خوب جانتا ہے اور بروز قیامت ہر گروہ کا حسب حال فیصلہ کیا جائیگا۔ البتہ اللہ والوں کا حساب نہایت آسان ہوگا۔ بعض تو ان میں سے وہ ہوں گے جنہیں اجر و ثواب بغیر حساب نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں انہیں ایک خاص مقام میں یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں جگہ ملے گی۔

سبق: انسان کو چاہئے کہ احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور شریعت و طریقت میں طریق حق کے ساتھ جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے معرفت و حقیقت تک پہنچنا نصیب ہو۔



وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا کو جس نہیں اتاری اس کی کوئی دلیل اور نہیں ان کو اس کا

عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

کوئی علم۔ اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔

(آیت نمبر۷۱) اور یہ مشرکین اللہ کے سوا کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز اور عدم جواز کا بھی کوئی علم نہیں ہے۔ حالانکہ معمولی عقل والا بھی جانتا ہے کہ بتوں کی پوجا کرنا بہت بڑی بے عقلی کی دلیل ہے۔ بت پرستی واضح ایک جہالت ہے۔ جن لوگوں نے بھی بت پرستی کی وہ یا تو جہالت کی وجہ سے یا جاہل آباء واجداد کی اندھی تقلید میں کی۔ آگے فرمایا کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ کیونکہ بت پرستی بہت بڑا ظلم ہے۔ جنہوں نے اتنے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اپنے منعم حقیقی کو چھوڑ کر بے کار پتھروں کو خدا بنالیا تو اب ان کا کون مددگار ہوسکتا ہے۔ بت تو کسی کی مدد کر نہیں سکتے۔ اور جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ بھی مدد نہیں فرماتا۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ برہان عطا کرتا ہے اور ان کیلئے مضامین کو واضح فرماتا ہے اور دلائل سے ان کو بہرہ ور فرماتا ہے اور اہل خزلان یعنی ازلی رسوا جو بت پرستی کرتے ہیں جسکے جواز کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں اور نہ ان کے مطلوب پر کوئی براہین قائم کی گئیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی نصرت میسر ہوتی ہے بلکہ ان کی قسمت میں ذلت اور رسوائی ہی لکھ دی جاتی ہے۔ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اور وہ دنیا اور آخرت کے خسارے میں پڑتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اور جب پڑھی جاتیں ان پر ہماری آیتیں واضح تم پہچانو گے چہروں سے جنہوں نے کفر کیا

الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ

بگاڑ۔ قریب ہے کہ لپٹ پڑیں ان سے جو پڑھتے ہیں ان پر ہماری آیتیں۔ فرمادو

اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

کیا تمہیں بتاؤں بدتر چیز اس سے۔ وہ آگ ہے وعدہ دیا اس کا اللہ نے کافروں کو۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؏ ﴿۷۲﴾

اور کتنا ہی برا ہے ٹھکانہ

(آیت نمبر۷۲) اور جب ان مشرکوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتیں وہ قرآنی آیات جو بالکل واضح ہیں جن میں عقائد حقہ کا بیان ہے اور احکام الٰہیہ ہیں تو توان کافروں کے چہروں کے تیور سے ہی انہیں پہچان لے گا۔

فائدہ: چونکہ کفار حق سے بہت زیادہ عناد اور دشمنی رکھتے ہیں۔ اس لئے جب بھی ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کراہت اور نفرت کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (لعنت برستی ہے رخ نامراد پر)۔

فائدہ: چہرا چونکہ دل کا آئینہ ہوتا ہے دل کے اقرار وانکار (یا خوشی اور غمی) کے آثار چہرے سے صاف نظر آ جاتے ہیں ہر برتن سے وہی باہر آتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے جیسے صالح علیہ السلام کی قوم کا آخری تین دنوں میں رنگ چہروں پر ہی ظاہر ہوا۔ آگے فرمایا کہ قریب ہے کہ ان اباطیل کی وجہ سے جن کی تقلید کرتے ہیں۔ حملہ کر دیں ان پر جن پر ہماری آیات تلاوت کرتے ہیں۔ اے محبوب انکار رد کرتے ہوئے فرمائیں کیا میں تمہیں ان سے بھی بدتر چیز کی خبر دوں۔ وہ جہنم کی آگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ جس میں بہت برا ٹھکانہ ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ ان جملہ امور سے دور رہے جو شرک وانکار کا موجب بنیں اور ان امور کے قریب ہو جو توحید اور حقائق واسرار کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنیں اللہ کے دوستوں سے محبت کرے اور گمراہوں سے دور رہے۔ **حدیث شریف:** بروز قیامت اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرمائے گا کہ دنیا میں تو نے زہد اختیار کیا۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَـلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَـهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَـدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اے لوگو بیان کی گئی ہے مثال سنو اسے۔ بے شک جن کو وہ پوجتے سوا

اللّٰهِ لَـنْ يَّخْـلُـقُوْا ذُبَـابًا وَّلَوِ اجْتَـمَعُوْا لَـهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُـبْـهُمُ الذُّبَابُ شَيْـئًا

اللہ کے ہرگز نہیں پیدا کرتے مکھی بھی اگر جمع ہوں سب اس کیلئے۔ اور اگر چھین لے جائے مکھی کوئی چیز

لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

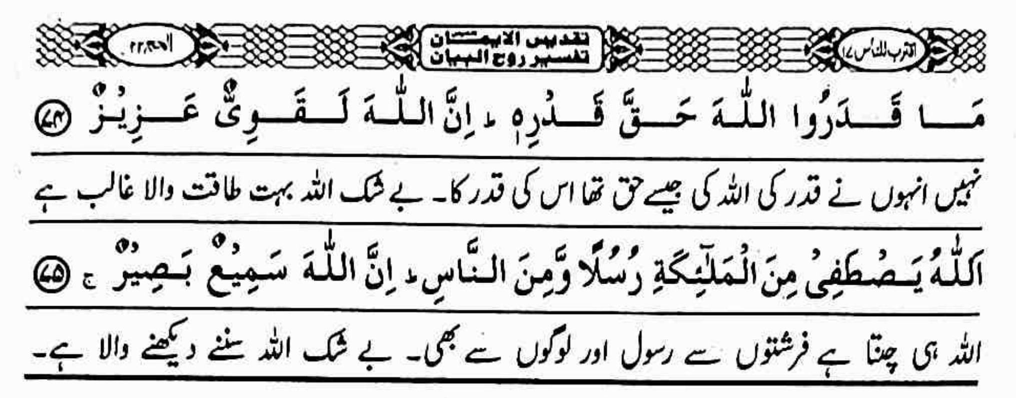
تو نہیں چھڑا سکتے اس سے۔ کتنا کمزور ہے مانگنے والا اور وہ جس سے مانگا گیا۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۲) تو تو نے اپنے نفس کے آرام کیلئے کیا لوگوں سے دور رہا تو اپنی عزت نفس کیلئے ہاں مجھے یہ بتا کہ تو نے میرے دشمنوں سے دشمنی بھی کی تھی یا نہیں اور میرے ولی سے پیار بھی کیا تھا یا نہیں۔ (حلبی)

(آیت نمبر ۷۳) اے لوگو تمہارے لئے ایک عجیب وغریب مثال دی گئی ہے۔ اسے پورے غور وخوض سے سنو اور گوش ہوش سے سن کر اس سے نصیحت حاصل کرو۔ بے شک جو لوگ اللہ کے ماسوی کی پرستش کرتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ ان کی حکایت بیان ہوئی کہ وہ بت ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے جبکہ مکھی سب سے چھوٹا اور حقیر جانور ہے۔ اسے بھی نہیں بنا سکتے تو بڑی کوئی چیز کیا بنائیں گے (یار لوگوں نے یہ بات نبیوں ولیوں پر چسپاں کر دی کہ وہ بھی کچھ نہیں بنا سکتے) اللہ تعالیٰ نے تو بتوں کے متعلق فرمایا کہ سارے بت مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے بلکہ اس سے ان کا حال زبوں تر ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس چھینی ہوئی چیز کو واپس بھی نہیں لے سکتے۔ مکھی سب سے کمزور شیء ہے اور بت اس سے بھی کمزور ہیں۔

وضاحت: بت پرستوں کی عادت تھی کہ بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازے بند کر دیتے مگر مکھیاں اندر گھس کر ان کے تمام شہد چٹ کر جاتیں۔ لیکن مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ شہد اور خوشبو بتوں نے استعمال کی ہے لہذا وہ بہت خوش ہوتے اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ بتوں نے نہیں مکھیوں نے شہد تمہارا کھایا ہے۔ کس قدر بے وقوف ہو کہ بتوں کی عاجزی کو جاننے کے باوجود ان کی پرستش کر رہے ہو۔ وہ تو نہ صرف یہ کہ مکھی بنا نہیں سکتے بلکہ مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو واپس بھی نہیں کر سکتے طالب اور مطلوب دونوں ہی کمزور ہیں۔ (یعنی بت بھی اور بت پرست بھی۔)



مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

نہیں انہوں نے قدر کی اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر کا۔ بے شک اللہ بہت طاقت والا غالب ہے

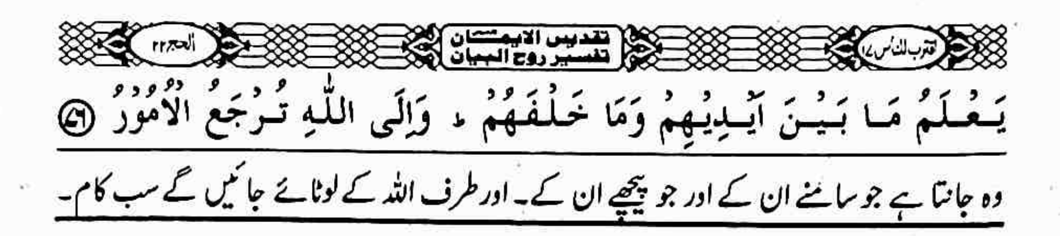
اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾

اللہ ہی چنتا ہے فرشتوں سے رسول اور لوگوں سے بھی۔ بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۷۴) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہ جانی جس طرح جاننے کا حق تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرالیا جو مکھیوں کو بھی اپنے جسم سے نہیں روک سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی طاقت والا سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ **فائدہ:** ابن عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر ہر طریقے سے قدرت رکھتا ہے جو اپنی ہیبت و عظمت کے لحاظ سے سب پر غالب ہے۔

فائدہ: واسطی فرماتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنی قدر و منزلت کو خود ہی جانتا ہے لیکن بندوں کو بھی چاہئے کہ اس کی معرفت حاصل کریں۔ اگرچہ کما حقہ اس کی قدر و منزلت کے عرفان سے رسولان عظام اور اولیاء کرام نے بھی معذرت کی۔ لیکن وہ اپنی کوشش کے مطابق تقویٰ اور پرہیز گاری کر کے اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدائی کا درجہ نہ دیا جائے نہ اس کے ذکر میں غفلت برتی جائے نہ اس کی اطاعت میں سستی کی جائے۔ یہی اس کی ظاہراً معرفت کا ذریعہ ہے اور اسکی قدر و منزلت ہے۔ البتہ اس کی کما حقہ معرفت پر کسی کو قدرت نہیں۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ اکثر فرماتے۔ کہ یا اللہ جس طرح پہچاننے کا حق تھا۔ میں نے نہیں پہچانا۔ (مشکوٰۃ شریف)

(آیت نمبر ۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اپنے رسول چن لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام کے درمیان واسطہ بنائے گئے جیسے جبریل اور میکائیل وغیرہ علیہم السلام کہ وہ انبیاء کرام تک اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے ہیں۔ آگے فرمایا اسی طرح انسانوں میں بھی بعض کو رسول بنایا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بن جائیں وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں جن کے نفوس پاک ہوتے ہیں اور روحانی و جسمانی حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ ایک جانب حق کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اس سے فیض لیتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے تعلقات و مشاغل کے باوجود ان تک فیض پہنچاتے ہیں۔ اور وہ حق سے غافل نہیں ہوتے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی اترتا ہے وہ مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کے تمام مسائل بتاتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ یعنی مخلوق کا کوئی ذرہ اس ذات سے مخفی نہیں۔ ہر ایک سے باخبر ہے۔



یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

وہ جانتا ہے جو سامنے ان کے اور جو پیچھے ان کے۔ اور طرف اللہ کے لوٹائے جائیں گے سب کام۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۵) کاشفی رحمۃ اللہ علیہ معنی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کے اقوال سنتا ہے اور تمام مبصرات کو دیکھتا ہے یا وہ امت کے حال کو دیکھتا اور جو دعوت قبول کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں ان کو جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۷۶) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے یا جو ان کے پیچھے ہے یعنی وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ جانتا ہے جو اعمال انہوں نے زمانہ ماضی میں کئے اور ان کو بھی جانتا ہے جو وہ زمانہ مستقبل میں کریں گے۔ (اس بات پر زور اس لئے دیا گیا۔ تاکہ بندہ ہر وقت ہوشیار رہے۔ اور گناہوں سے بچتا رہے۔)

امام زین العابدین کا حلم:

امام زمانہ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر کسی نے بہتان باندھ دیا۔ آپ نے فرمایا جیسے تو کہتا ہے اگر میں ویسا ہی ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اگر ویسا نہیں ہوں تو تیرے لئے میں استغفار کرتا ہوں تو وہ شخص پشیمان ہو کر آپ کے سر مبارک کو چومنے لگا اور عرض کی یہ میری غلطی ہے میرے لئے استغفار کریں۔ (۲) ایک مرتبہ ایک شخص آپ کو برا بھلا کہنے لگ گیا۔ آپ نے بلا کر فرمایا جتنے تو نے میرے عیب بیان کئے وہ تھوڑے ہیں۔ میرے اندر اور بھی بہت سارے عیب ہیں جن پر رب تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے کہو تو وہ بھی میں تمہیں بتادوں تاکہ تم میری خوب مذمت کرو وہ شخص سخت پشیمان ہوا تو آپ نے اسے قیمتی کمبل اور ساٹھ ہزار درہم دیئے تو وہ کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں آپ یقیناً اولاد رسول سے ہیں۔

فائدہ: اہل بیت دنیادار نہیں تھے بلکہ وہ انتہائی سخی تھے وہ جمع کردہ دولت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ جود و سخا تو ان کی فطرت میں تھا اور وہ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ (اور آج کل کے سادات میں اکثریت وہ لوگ ہیں۔ جن کو دین کا پتہ ہی نہیں اور برائیوں میں سب سے آگے۔ اور کہتے یہ ہیں۔ کہ ان گناہوں پر ہمیں کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ الا ماشاء اللہ)

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور پوجو اپنے رب کو اور کرو کام بھلے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ج السجدة ﴿۷۷﴾

تاکہ تم کامیاب ہو

(آیت نمبر ۷۷) اے ایمان والو نماز میں رکوع اور سجدہ کرو۔ مختلف تفاسیر کے مطابق ابتدائی دور میں نماز کے اندر رکوع سجدہ نہیں تھا۔ فقیہ ابواللیث بھی فرماتے ہیں کہ پہلے پہل نماز رکوع کے بغیر پڑھی جاتی تھی اس آیت کے اترنے پر حکم دیا گیا کہ سجدہ کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کبھی رکوع کرتے تو سجدہ چھوڑ دیتے۔ کبھی سجدہ کرتے تو رکوع نہیں کرتے تھے۔ لہذا حکم دیا گیا کہ آئندہ رکوع سجود دونوں کیا کرو۔ دونوں لازم کر دیئے گئے اور یہ دونوں نماز کے اہم ترین رکن ہیں۔ آگے فرمایا کہ ان اعمال کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور نیکی کے ہی کام کرو۔ یعنی ہر وہ کام کرو جو بہتر ہو اور صالح ہو جیسے نماز نوافل صلہ رحمی اور مکارم اخلاق وغیرہ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز نوافل کو اچھے طریقے سے ادا کیا کرو۔ اس لئے کہ ان نوافل سے ہی فرائض کی تکمیل ہوتی ہے (خزینۃ الاسرار)۔ **حدیث شریف:** مرفوع حدیث میں ہے کہ نفلی نماز بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفہ ہے۔ لہذا بندوں کو چاہئے کہ وہ اپنا ہدیہ خوبصورت اور اعلیٰ کر کے پیش کریں جو طیب بھی ہو۔ (کشف الخفاء)

خیر دو قسم ہے:

خیر مطلق: وہ ہے جس میں ہر ایک کو ہر وقت رغبت ہو جیسے ارشاد نبوی ہے کہ جنت سے بہتر کوئی جگہ نہیں اور دوزخ سے بدتر بھی کوئی چیز نہیں۔ **خیر مقید:** جو بعض کیلئے بہتر ہو اور بعض کیلئے نقصان دہ ہے۔ جیسے مال جو کبھی زید کیلئے مفید ہے اور عمر کے لئے مضر ہے۔ آگے فرمایا تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ یعنی مذکورہ بالا سارے امور پورے کرو۔ انہیں عمل میں لاؤ اس حال میں کہ تم کامیابی کی امید رکھتے ہو۔ لیکن صرف اعمال پر کامیابی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر امید ہونی چاہئے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسے حق ہے جہاد کا۔ اس نے تمہیں چنا اور نہیں بنائی تم پر

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ

دین میں کوئی تنگی۔ یہی دین ہے تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا

اس سے پہلی اور اس کتاب میں تاکہ ہوں رسول گواہ تم پر اور ہو تم

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا

گواہ اوپر لوگوں کے تو۔ قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو رسی

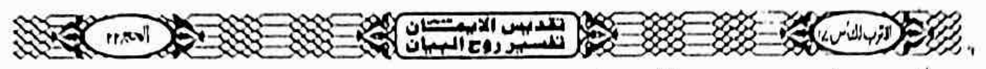
بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ع ﴿٧٨﴾

اللہ کی ۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔ تو کتنا اچھا مولیٰ ہے اور کتنا اچھا مددگار

(بقیہ آیت نمبر ۷۷) **کامیابی دو قسم ہے: دنیوی** :فلاح یہ ہے کہ بندے کو ایسے اسباب میسر آ جائیں کہ جس سے زندگی عیش سے گذرے مثلاً لمبی عمر، مال و دولت، عزت، عہدہ، علم وغیرہ۔ اخروی کامیابی: چار چیزوں کے حصول میں ہے: (۱) بقا بغیر فنا، (۲) غنا بغیر فقر کے۔ (۳) عزت بغیر ذلت کے۔ (۴) علم بغیر جہالت کے۔ اسی لئے ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا حقیقی عیش آخرت کی عیش ہے۔ (بخاری)

مسئلہ: امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت والے سجدہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قرآن مجید کا ساتواں سجدہ ہے۔ اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سجدۃ الفلاح کا نام دیا ہے۔ امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سجدہ صلوٰتیہ ہے۔ تلاوت کا نہیں۔

(آیت نمبر ۷۸) اپنی پوری طاقت سے دشمن کی مدافعت کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین اسلام کی سربلندی کیلئے ظاہری اور باطنی دشمنوں کی مدافعت میں پوری طاقت خرچ کرو اور اس طرح جہاد کرو۔ جیسے جہاد کرنے کا حق



ہے یعنی نیت خالص اور رضاء مولا مدنظر ہو۔

جہاد تین قسم ہے: (۱) ظاہری دشمن سے۔(۲) شیطان سے۔(۳) نفس سے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کفار کے ساتھ ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو (سنن ابوداؤد)۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا خواہشات نفسانیہ کے ساتھ ایسے جہاد کرو جیسے دشمنوں سے جہاد کیا جاتا ہے (تفسیر المنار)۔ **حدیث شریف:** غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے فرمایا ہم چھوٹے جہاد سے فارغ ہو کر بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ نفس کے ساتھ جہاد بڑا جہاد ہے۔ جو کفار کے ساتھ والے جہاد سے بھی سخت ہے۔

آگے فرمایا اسی نے تمہیں اپنے دین کی مدد کیلئے چن لیا ہے۔ یعنی ساری مخلوق میں سے ان ہی کرامات کیلئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی وغیرہ بھی نہیں رکھی۔ یعنی ایسی دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی کہ جس کی وجہ سے تمہیں دینی امور کے ادا کرنے میں دقت ہو اسی لئے نابینا لولا لنگڑا۔ مالی کمی والے اور سواری نہ رکھنے والے کیلئے جہاد معاف کر دیا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تمہارے لئے احکام دین میں ایسی کوئی تکلیف وہ بات نہیں رکھی جو تم نہ کر سکو ضرورت کے وقت بہت سارے احکام معاف فرما دیئے جیسے مرض میں سفر میں قصر نماز یا پانی نہ ملنے پر تیمم اور روزہ سفر میں معاف کر دیا۔ بعد میں قضاء کر لے۔

حدیث قدسی: میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں (ریاض الصالحین)۔ آگے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرح تمہارے دین میں بھی وسعت رکھی۔

فائدہ: ملت دین کی طرح ہے۔ صرف اس میں فرق یہ ہے کہ ملت اس نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ عام ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں یا بندے کی طرف۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کو ہمارا باپ اس لئے کہا کہ وہ ہمارے آقا ﷺ کے ''اَبْ'' ہیں تو باپ کا باپ دو دفع باپ ہوتا ہے۔ (۲) اور ہر رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے (جیسے اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوتی ہیں)۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سارے احکام ہماری شریعت میں بھی موجود ہیں۔



آ گے فرمایا اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن تم پر گواہ ہوں کہ انہوں نے تم تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دیئے اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت قابل اعتماد ہوگی۔ اس لئے کہ ان کی عصمت مسلم ہے یا وہ فرمانبرداروں کی اطاعت اور نافرمانوں کی نافرمانی پر گواہی دیں گے۔

آ گے فرمایا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے کہ واقعی رسولوں نے اپنی امتوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ آ گے فرمایا نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی تمام عبادات واطاعات بجالا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اس لئے اسنے تمہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے۔

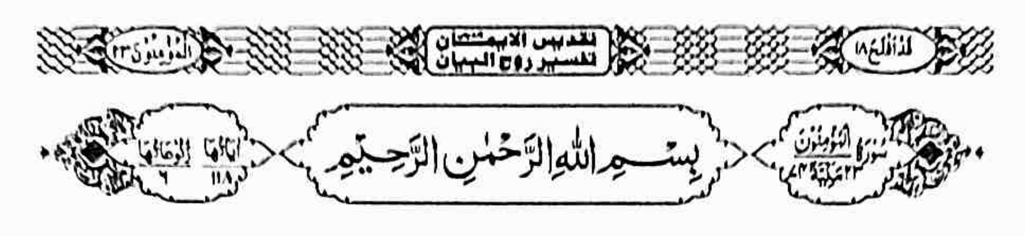
فائدہ: بقیہ عبادات کو چھوڑ کر صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر اس لئے کیا کہ ان کی فضیلت باقی پر زیادہ ہے۔ آ گے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے تھامو۔ یعنی تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرو اور صرف اسی سے مدد کے طلب گار بنو۔ یا مراد ہے کہ قرآن وسنت کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ آ گے فرمایا وہی تمہارا مددگار ہے اور تمام کاموں میں کارساز ہے۔ وہ کیسا ہی اچھا مددگار ہے کتنا اچھا کارساز ہے نہ اس جیسی کسی کی ولایت ہے نہ اس جیسا کوئی مددگار ہے۔

فائدہ: کاشفی مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ ایسا مددگار ہے کہ اپنی کریمی سے ہمارے گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے لہذا اسی کی یاری کی طلب کرنی چاہئے کہ وہ سب کی مدد کرنے سے تھکتا ہی نہیں اور وہ مددگاری سے عاجز نہیں ہوتا۔

حکایت: سلیمان بن عبدالملک کعبہ معظمہ میں حاضر ہوا تو سالم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی تو وہ کہنے لگا کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے گھر میں آ کر کسی غیر سے نہیں مانگوں گا۔ (۲) ایک شخص نے بھائی سے شکایت کی تو اس نے کہا بھائی اس قادر قدیر سے عرض کرو جو سب کی ضروریات پوری کرتا ہے کسی اور سے سوال مت کرو۔

سبق: طالب مولا پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرے۔ ظاہراً باطناً صرف اسی کی رضا کا طالب ہو۔ اس کیلئے ہر کام آسان ہے۔ وہی سب کا مولیٰ ہے کارساز ومددگار ہے۔

اختتام پارہ ۱۷، مورخہ ۱۴، اپریل ۲۰۱۶ء بمطابق ۶ رجب ۱۴۳۷ھ بروز جمعرات صبح پونے گیارہ بجے



قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ ②

تحقیق کامیاب ہوگئے مومن۔ جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ہیں۔

(آیت نمبر۱) تحقیق کامیاب ہوگئے مومن یعنی جن نیک بختوں نے تصدیق کی وہ کامیاب ہوکر ہمیشہ کیلئے جنت کے اہل ہوگئے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو بنایا۔ تو اس سے پوچھا کہ تو کیا کہتی ہے تو اس نے عرض کی تحقیق مومن کامیاب ہوئے۔ تو فرمایا کہ اے جنت عدن تجھے مبارک ہو۔ تیرے اندر بادشاہ آئیں گے تو اس نے پوچھا وہ کون۔ فرمایا۔ فقراء جو اپنے فقر پر صبر کرتے رہے۔ ماضی کا صیغہ بتاتا ہے کہ مومنوں کو کامیابی مل چکی ہے اور اس کے ساتھ قد لگا کر اسے متوقع الثبوت بنا دیا۔ (**فائدہ:** "مومنون" پر الف لام لگا کر یہ بھی بتا دیا۔ کہ ہر مومن کامیاب نہیں)۔

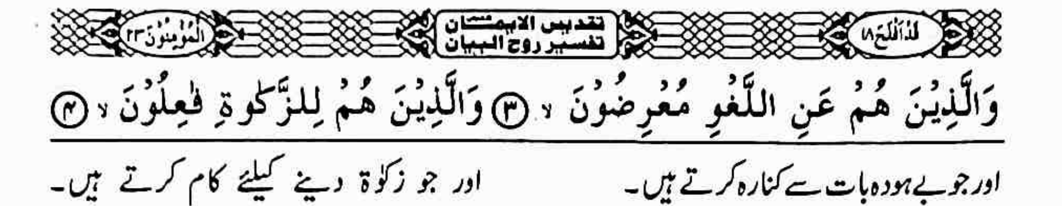
مسئلہ: حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ جب تک وہ وہ کام نہ کرے۔ جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

(آیت نمبر۲) وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاجزی کرتے ہیں اور اپنی نگاہ سجدہ والی جگہ پر رکھتے ہیں۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ نگاہ سجدہ گاہ پر رکھ کر بارگاہ خداوندی میں مناجات کرتے ہیں۔

حکایت: ایک دفعہ نبی پاک ﷺ نے ایک نمازی کو دیکھا جو نماز میں داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا۔ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم کے اعضاء بھی خشوع وخضوع میں ہوتے۔ کاشفی فرماتے ہیں کہ نماز میں قیام کے وقت نگاہ سجدہ والی جگہ پر ہو۔ لیکن مسجد حرام میں ہو تو نماز میں خانہ کعبہ کو دیکھنا لازم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ نماز میں اپنے رب رحمان کے سامنے ہوتا ہے۔ نماز میں اگر بندہ ادھر ادھر دیکھے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندے تو کدھر دیکھتا ہے کیا تجھے مجھ سے بہتر کوئی نظر آ گیا ہے۔ جسے تو دیکھتا ہے، میری طرف دیکھ۔ میں ان سب سے بہتر ہوں جنہیں تو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد)



وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو بے ہودہ بات سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ دینے کیلئے کام کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

(آیت نمبر۳) اور وہ لوگ لایعنی باتوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ **فائدہ**: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ امام قشیری کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو کام اللہ کی رضا کیلئے نہ ہو وہ خشو ہے اور جو کام اللہ سے باز رکھے وہ سہو ہے اور جس فعل میں بندے کو نفس کی خواہش ملے وہ لہو ہے اور جو چیز خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے نہ ہو وہ لغو ہے۔

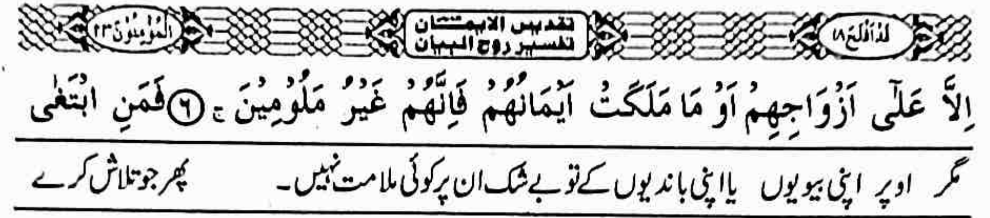
حقیقت یہ ہے۔ لغو وہ افعال واقوال ہیں جو کسی کام نہ آئیں یعنی بے فائدہ اور بے مقصد کام تو فرمایا کہ جنتی مومن وہی ہیں جو بے کار باتوں سے روگرداں رہتے ہیں۔

(آیت نمبر۴) اور وہ زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے والے ہیں۔ **امیہ بن الصلت** فرماتے ہیں کہ کامیاب لوگ سخت قحط میں بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

نکتہ: نماز وزکوٰۃ کے درمیان فرمایا کہ وہ لغو کاموں سے منہ پھیرتے ہیں۔ چونکہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور طاعت بدنیہ اور عبادت مالیہ پیش کرے۔ اسی لئے نماز کے ساتھ خاشعون فرمایا اور زکوٰۃ کے ساتھ فاعلون فرمایا کیونکہ فعل کا صدور فاعل سے ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا معنی پاک وصاف کرنا۔ یعنی نفس کو برے اوصاف یعنی حب دنیا سے پاک وصاف کرنا۔ اس کی قرآن مجید میں بہت مثالیں ہیں۔

(آیت نمبر۵) اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی حرام کاری سے رکنے والے ہیں کہ انہیں غیروں کی ملک میں نہیں چھوڑتے نہ انہیں بے جا استعمال کرتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھے دو چیزوں کی حفاظت کا ذمہ دے دے۔ میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں: (۱) جو دو ہونٹوں کے درمیان ہے۔ (۲) جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے۔ یعنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرلے تو میں جنت میں جانے کیلئے اس کا ضامن ہوں۔ (ریاض الصالحین)



اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى

مگر اوپر اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں کے تو بے شک ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو تلاش کرے

وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٧﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٨﴾

اس حلال کے علاوہ تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ اپنی امانتوں اور وعدوں کی رعایت کرتے ہیں

(آیت نمبر٦) سوائے اپنی بیویوں کے یا اپنی وہ کنیزیں جن کے وہ مالک ہیں چونکہ زرخرید کنیز میں مخصوص قسم کا تصرف جائز ہے۔ بخلاف دوسری املاک کے۔ جیسے مکان کا مالک ہے۔ مگر اسے بلاوجہ گرانا منع ہے اور غلام یا کنیز پر ملکیت کے بعد نقص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **فائدہ**: غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ اب ختم ہے۔ کوئی آدمی کسی انسان مرد وعورت میں سے کسی کو نہ خرید سکتا ہے۔ نہ کسی کو لونڈی اور غلام بنا سکتا ہے۔

نکتہ: اگرچہ ماملکت کا مفہوم عن اللغو میں ادا ہو جاتا ہے لیکن یہ چونکہ تمام لذات وشہوات سے لذیذ تر ہے۔ اس لئے اسے خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا۔ آگے فرمایا کہ بے شک بیویاں یا لونڈیاں رکھنے والوں پر کوئی ملامت نہیں جو ان کے سوا اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

(آیت نمبر٧) پس جو طریقہ مذکورہ کے سوا مباشرت کیلئے کوئی طریقہ تلاش کرے۔ وہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یا معنی ہے کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام کی طرف ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یعنی ان دو طریقوں کے علاوہ کسی طرح کا عمل جائز نہیں۔ اسی لئے مشت زنی کو بھی حرام اور تجاوز عن الحد قرار دیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا جو نکاح کا استطاع نہیں رکھتا وہ روزے رکھے۔ (مشکوٰۃ شریف) بخاری کی شرح میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے۔

(آیت نمبر٨) اور وہ لوگ اپنی امانتوں میں اور جو وعدے کئے ہیں خواہ اللہ سے وعدہ یا بندوں سے وعدہ کیا اسے پورا کرتے ہیں یعنی دوسروں کی امانتیں صحیح سلامت ان تک پہنچاتے ہیں یا انہیں امانتوں پر امین مقرر کیا گیا تو وہ صحیح طور پر امانتیں ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی امانتیں، نماز روزہ غسل جنابت وغیرہ ہے۔ ان امانتوں کی پابندی بھی لازم ہے اور وہ معاہدہ جسے پورا کرنا ضروری ہے۔ "راعون": وہ ان کی خاص رعایت کرتے ہیں۔ یعنی اس پر قائم دائم ہیں اور اصلاح کے ارادہ پر ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا جو امانت ادا نہ کرے اس کا ایمان نہیں اور جو وعدہ پورا نہ کرے اس کا دین کوئی نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ ⑨ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ ⑩

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪

وہی لوگ ہیں جو وارث ہونگے جنت الفردوس کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(آیت نمبر۹) اور وہ لوگ جو اپنی فرض نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی انہیں پوری شرائط وآداب کے ساتھ وقت مقررہ پر ادا کرتے ہیں اور صف اول میں نماز ادا کرتے ہیں۔

حدیث شریف :جو شخص صف اول میں امام کے پیچھے بالمقابل کھڑا ہوا سے سو نیکی اور دائیں طرف والے کو پچھتر اور بائیں طرف والے کو پچاس اور دوسری صفوں والوں کو پچیس گنا کا ثواب ملتا ہے (شرح المجمع)

فائدہ :صف اول والے چونکہ امام کے حال سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ متابعت بھی صحیح کرتے ہیں تو ان کا اجر وثواب بھی زیادہ ہے۔ (شرح المشارق)۔

حدیث شریف میں ہے جو مسجد میں پہلے آئیں وہی صف اول والے ہیں خواہ وہ مسجد کے کسی کونے میں نماز پڑھیں۔ (خلاصۃ الحقائق) **نکتہ** :اس مضمون کی ابتداء بھی نماز سے اور آخر میں بھی نماز کا ذکر نماز کی عظمت کا اظہار ہے۔

(آیت نمبر۱۰) یہی لوگ وارث ہیں اس میں ان مومنوں کی طرف اشارہ ہے جن کے اوصاف جلیلہ اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی وہ مومن جن کے یہ چھ اوصاف جلیلہ بیان ہوئے۔ وہ اس لائق ہیں کہ انہیں جنت کا وارث بنایا جائے۔ ورنہ اور لوگ اگر وارث کہلائے تو وہ اچھے مال واسباب، ذخائر اور بہترین ترکہ کی وجہ سے۔ ورثہ کا مطلب ہے کہ جو چیز ایک سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جائے۔

(آیت نمبر۱۱) وہ لوگ جس چیز کے وارث بنیں گے وہ جنت الفردوس ہے۔ پہلے اس کو مبہم بیان کیا۔ پھر اس کی تفسیر بیان کی اس سے اس کی عظمت اور بڑھائی کا اظہار مقصود ہے۔

فائدہ:یعنی اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ کریمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کے بدلے میں جنۃ الفردوس عطا فرمائے گا اور وراثت کی ملکیت واپس نہیں ہوسکتی۔ نہ منسوخ ہوسکتی ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنت کی تمام اشیاء جس حالت میں پیدا کی گئیں۔ اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گی۔ ان میں کوئی تغیر تبدل یا فساد کا عارضہ نہیں آئے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

اور تحقیق ہم نے بنایا انسان کو چنی ہوئی مٹی سے۔ پھر ہم نے رکھا نطفہ مضبوط جگہ میں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

پھر بنایا ہم نے نطفہ سے لوتھڑا پھر بنایا علقہ سے بوٹی پھر بنائی بوٹی سے ہڈی پھر چڑھایا

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ﴿۱۴﴾

ہڈی پر گوشت۔ پھر اٹھایا اسے صورت اور میں۔ تو برکت والا اللہ ہے سب سے بہتر بنانے والا۔

(بقیہ آیت نمبر۱۱) **حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شان: صحیح حدیث** میں ہے حضور ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تیرے چلنے کی آواز سنی، تو کون سا عمل کرتا ہے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسی نماز کی برکت سے۔ (بخاری و مسلم)

(آیت نمبر۱۲) اور البتہ تحقیق ہم نے جنس انسان کو مٹی سے بنایا۔ یہ تخلیق اگرچہ بعد میں ہوئی۔ لیکن مرتبہ ساری مخلوق میں بڑا حاصل کرلیا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی مٹی روئے زمین کی ہر جگہ لی گئی جس میں رنگ اور طبع جدا جدا تھیں۔ وہی اثرات اب انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

(آیت نمبر۱۳) ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔ یعنی ابتداء مٹی سے کی۔ اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ آگے سارے انسان اس مخصوص پانی سے جسے منی کہا جاتا ہے۔ پھر اسے مضبوط اور محفوظ قرار گاہ میں رکھا۔ یعنی رحم مادر میں وہ نطفہ چالیس دن تک شکم مادر میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہا۔

(آیت نمبر۱۴) پھر ہم نے اس نطفے کو علقہ بنایا۔ یعنی سرخ رنگ کی پھٹکی میں تبدیل کردیا۔

فائدہ: امام راغب فرماتے ہیں۔ علقہ جامد خون ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ مکمل خون بنتا ہے تو اسے علقہ کہا جاتا ہے۔ یعنی وہی پانی خون بن جاتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۭ ﴿۱۵﴾

پھر بے شک تم بعد اس کے ضرور مرنے والے ہو۔

(بقیہ آیت نمبر۱۴) آگے فرمایا کہ پھر ہم نے اس علقہ کو مضغہ بنایا۔ مضغہ گوشت کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو چبایا جائے۔ لیکن ابھی اس کی کوئی شکل ظاہر نہ تھی۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ چالیس روز تک علقہ رہنے کے بعد وہ علقہ مضغہ یعنی بوٹی بن جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم نے اس مضغہ کے اکثر اور بڑے حصے کو ہڈیاں بنایا یعنی انسانی شکل و وضع کا ڈھانچہ بنایا۔ جیسے ہماری حکمت کا تقاضا تھا۔ پھر ہم نے ان مخصوص ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ یعنی اس ڈھانچے کی ہڈیوں پر مناسب جگہ پر گوشت چڑھا۔ پھر اسے خاص شکل میں تیار کیا یعنی اس کی بقایا اشیاء رگیں، پٹھے، آنتیں وغیرہ بنائیں۔

آگے فرمایا کہ پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اسے ایک اور تخلیق بخشی۔ یعنی عدم سے وجود میں لے آئے یا اس سے مراد بقیہ جسم کی اشیاء بال دانت وغیرہ کو مکمل کیا۔ پھر اسے پیٹ سے باہر لائے اور پھر اسے جوانی کی عمر تک پہنچایا اور اس کے بعد اس کے تمام حالات کو درست فرمایا۔

فائدہ: چونکہ درمیان میں کئی مختلف دور گذرے اس لئے درمیان میں ثم لایا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے اور اس کے علم شامل اور قدرت کامل پر قربان کہ اس احسن الخالقین نے کیسے خوبصورت طریقے ایک احسن مخلوق کو پیدا فرمایا۔

حکایت: عبداللہ بن ابی سرح کاتب وحی اس آیت کے نزول کے وقت لکھتے ہوئے۔ خلقاً آخر پر پہنچا تو اگلے کلمات "فتبارك الله الخ" اس نے حضور ﷺ کے بتانے سے پہلے ہی پڑھ دیئے آپ نے فرمایا۔ یہ لکھ دو۔ وحی کے الفاظ بھی یہی ہیں تو اس بدنصیب نے کہا مجھ پر بھی وحی ہوتی ہے۔ اس بدگمانی پر وہ مرتد ہوگیا اور اہل مکہ سے جاملا۔

(آیت نمبر۱۵) پھر تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو یعنی اے آدم زاد و تمہاری بالآخر انجام موت ہے۔ لازماً تم نے ساقی اجل سے موت کا پیالہ پینا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو موت کے منہ میں گیا وہ اصل میں حیات کی طرف لوٹا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا

پھر بے شک تم بروز قیامت اٹھائے جاؤ گے۔ اور تحقیق بنائے ہم نے تم پر سات راستے اور نہیں ہیں

كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ

مخلوق سے بے خبر۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازے سے پھر ٹھہرایا اسے

فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾

زمین میں۔ اور بے شک ہم لے جانے پر اس کے قادر ہیں

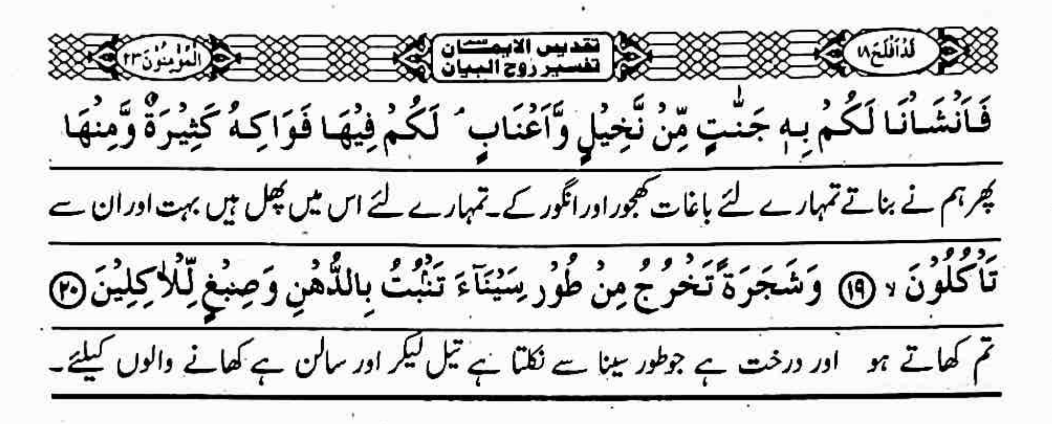
(آیت نمبر ۱۶) پھر تم بروز قیامت نفخہ ثانیہ کے بعد اپنی اپنی قبروں سے حساب و کتاب کیلئے اور جزاء اور سزا کیلئے اٹھائے جاؤ گے۔ یعنی پہلی مرتبہ زندگی دی۔ تا کہ عبادت کرو۔ دوسری مرتبہ زندہ کیا۔ تا کہ تم نے جو کچھ دنیا میں کیا۔ اس کا بدلہ لے لو۔ اگر اچھا کیا تو اچھا بدلہ ملے گا۔ اور برا کیا۔ تو برا بدلا ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۷) اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان طبق بر طبق پیدا کئے۔ جب ایک چیز پر دوسری چیز واقع ہو تو اسے طبق کہا جاتا ہے۔ (اور طرائق طریق کی جمع ہے اس کا معنی راستہ ہے۔)

آگے فرمایا کہ ہم اپنی مخلوق سے جنہیں ہم نے چودہ طبق میں پیدا فرمایا۔ ان سے بے خبر نہیں ہوئے کہ وہ ضائع ہو جائیں بلکہ ہم ان کی ہر طرح سے حفاظت کر رہے ہیں اور جملہ امور کی تدبیر بھی ہم ہی کرتے ہیں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں وہ تو تمہیں جانتا ہے۔ اگر تم اس سے واصل نہیں وہ تو ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر اسے نہیں دیکھتے اور اس سے غافل ہو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم سے غافل بھی نہیں۔ باقاعدہ تمہاری تمام حاجات کو پورا کر رہا ہے۔

(آیت نمبر ۱۸) اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی (بارش) کو اتارا۔ تا کہ لوگ اس سے فوائد اور منافع حاصل کریں۔ آگے فرمایا کہ پھر ہم نے اس پانی کو زمین میں ٹھہرایا۔ اور ہم اس پانی کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہیں یعنی اوپر لے جائیں یا زمین میں دھنسا دیں۔ جسے وہ دوبارہ حاصل نہ کر سکیں۔ وہ اور ان کے جانور پیاس سے مر جائیں۔ ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے۔



فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

پھر ہم نے بناتے تمہارے لئے باغات کھجور اور انگور کے۔ تمہارے لئے اس میں پھل ہیں بہت اور ان سے

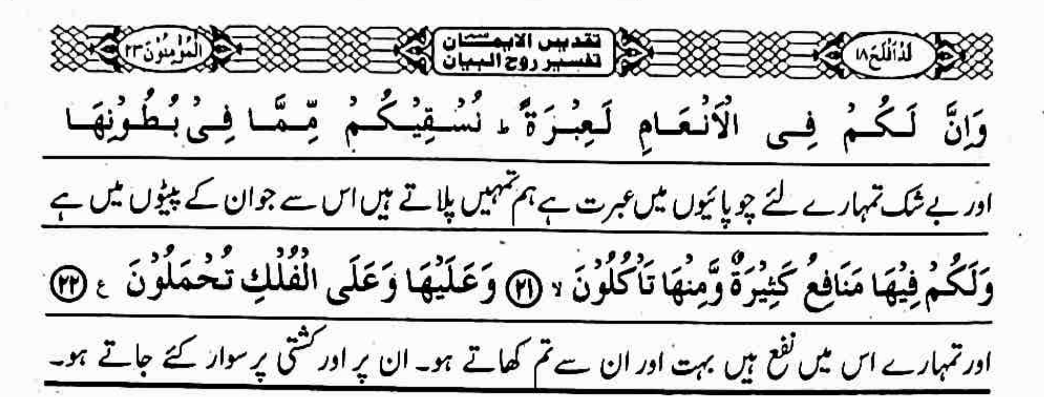
تَاْكُلُوْنَ ۙ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾

تم کھاتے ہو اور درخت ہے جو طور سینا سے نکلتا ہے تیل لیکر اور سالن ہے کھانے والوں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۸) **فائدہ**: عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے زمین پر پانچ نہریں جاری فرمائیں: جیحون، سیحون، دجلہ، فرات اور نیل ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے ان میں لوگوں کے منافع ہیں۔ مذکورہ آیت اس کی تائید کر رہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۹) پھر ہم نے اسی پانی سے تمہارے لئے باغات اگائے کھجوروں اور انگوروں کے اور تمہارے لئے ان باغوں میں بہت سارے میوے ہیں جو تم کھاتے ہو۔ یعنی انہیں تم غذا کے طور پر کھاتے ہو یا ہر قسم کا تم رزق دیئے جاتے ہو۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اسی سے کماتے ہو جو تمہاری معاش کیلئے ضروری ہے لیکن اس دنیا میں بندوں کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ اگر دنیا طلبی ہی انسان کا مقصود ہوگی تو وہ اللہ کے نزدیک بہت معیوب ہے۔ اللہ کے دوست تو وہ ہیں جو دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ صرف اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے قلیل مقدار کو قبول کرتے ہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا۔ جنت الفردوس کے ولیمہ کیلئے اپنے آپ کو بھوکا رکھو۔ (احیاء العلوم)

(آیت نمبر ۲۰) ایک ایسا درخت ہے۔ جس کے بہت منافع ہیں جو مشہور و معروف ہے۔ اس نے مراد زیتون کا درخت ہے۔ جو طور سیناء میں نکلتا ہے۔ طور وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔ یہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ درخت زیادہ تر اسی مقام پر پایا جاتا ہے یہ تیل کے ساتھ اگتا ہے یعنی اس سے تیل نکلتا ہے اور کھانے والوں کیلئے وہ تیل سالن کا کام بھی دیتا ہے۔ یعنی اس سے یہ دونوں کام لئے جاتے ہیں تیل اور سالن۔ اور اس تیل میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اور ستر بیماریوں کا اس میں علاج ہے۔



وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا

اور بے شک تمہارے لئے چوپائیوں میں عبرت ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۧ ﴿٢٢﴾

اور تمہارے اس میں نفع ہیں بہت اور ان سے تم کھاتے ہو۔ ان پر اور کشتی پر سوار کئے جاتے ہو۔

(آیت نمبر۲۱) اور بے شک تمہارے لئے چوپائیوں میں البتہ عبرۃ ہے۔ (یعنی اونٹ، گائے اور بکری میں) ان کے حالات میں تم رب تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت پر استدلال کر سکتے عبرت حاصل کر کے ہم تمہیں وہ چیز پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے۔ یعنی دودھ پیتے ہو جو خون اور گوبر کے درمیان سے نکلتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل پاک صاف خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس میں بھی عبرۃ ہے۔

آگے فرمایا کہ تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت منافع ہیں۔ یعنی ان کی اون، بال کھال وغیرہ اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں تم ذبح کر کے کھاتے ہو یعنی گوشت ان کا خود بھی کھاتے یا گوشت بیچ کر مال کماتے ہو۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا، گائے کا دودھ پیو کیونکہ وہ ہر طرح کے پودے کھاتی ہے (اخرجہ الحاکم)۔ ایک اور **حدیث** میں فرمایا کہ گائے کا دودھ پیو اور اس کا گھی اور مکھن کھاؤ لیکن اس کے گوشت سے بچو اس لئے کہ اس کے گھی دودھ میں شفاء ہے اور گوشت میں بیماری ہے۔ لیکن حکم عمومی نہیں ہے۔ (رواہ ابونعیم والحاکم)

فائدہ: یہ بات آپ نے اہل عرب کیلئے فرمائی کہ وہاں ویسے بھی خشکی ہے اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے لیکن اس کا دودھ، مکھن اور گھی تر ہے۔

(آیت نمبر۲۲) اور ان جانور میں سے بعض پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے جیسے اونٹ پر۔ اس زمانے میں عرب کے اندر زیادہ تر سامان لادنے کیلئے اونٹ ہی کا استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح کشتیوں پر بھی بوجھ لادا جاتا ہے۔ یعنی خشکی میں اونٹ پر اور دریاؤں میں کشتی پر تم بوجھ رکھتے ہو۔ **مسئلہ:** اس آیت سے ثابت ہوا کہ دریائی سفر مردوں اور عورتوں کیلئے بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن بعض علماء نے عورتوں کیلئے مکروہ لکھا ہے۔ اس کی دلیل یہ کہ کشتی میں پردہ قائم نہیں رہتا۔ نہ وہ مردوں سے چہرہ چھپا سکتی ہیں۔ خاص کر جب کشتی چھوٹی ہو۔ بڑی کشتیاں جیسے آج کل سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں کوئی خاتون باپردہ رہنا چاہے۔ تو رہ سکتی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور تحقیق بھیجے ہم نے نوح طرف ان کی قوم کے تو کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو نہیں تمہارا کوئی خدا

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس کے سوا کیا تم نہیں بچتے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) **مسئلہ**: ذخیرہ میں ہے کہ جو شخص تیرنا نہیں جانتا۔ اس کیلئے کشتی کا سفر بھی منع ہے کہ خدا نہ خواستہ اگر کشتی ٹوٹ جائے یا ڈوبنے لگے تو وہ تیر کر کنارے پر پہنچ جائے۔

فائدہ: ذخیرہ کے علاوہ دوسری فقہ کی کتابوں میں ہے کہ اگر سفر اطمینان والا ہے۔ کوئی خطرہ وغیرہ نہیں ہے تو غیر تیراک بھی کشتی پر سفر کر سکتا ہے۔ (جیسے آج کل کا ہوائی یا بحری سفر اطمینان والا ہے۔)

فائدہ: دریا میں تیرنا نبی پاک ﷺ کی سنت ہے۔

(آیت نمبر۲۳) اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

فائدہ: انبیاء کرام علیہم السلام میں نوح علیہ السلام نے بہت بڑی عمر پائی۔ بہت زیادہ خوف خدا میں رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح علیہ السلام ہو گیا تو آپ نے قوم کو توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ اے میری قوم۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمہارا اس خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کر کے عذاب الٰہی سے ڈرتے نہیں کہ جو عبادت کے مستحق ہیں ہی نہیں۔ ان کی تم پوجا کر رہے ہو۔ اگر انہیں اللہ پیدا ہی نہ کرتا اور ان کا کہیں وجود ہی نہ ہوتا تو پھر وہ کیسے مستحق عبادت ہوتے۔ لہذا خدا سے ڈرو اور غیروں کی عبادت کرنے کی طرف نہ جھکو۔ تو کیا تم اس شرک سے بچ نہیں سکتے۔ یا شرک چھوڑ کر عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں کرتے تا کہ عذاب سے بچ جاؤ۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ

تو کہا سرداروں نے جو کافر تھے ان کی قوم میں نہیں ہے یہ مگر بشر تمہاری طرح چاہتا ہے کہ

يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ

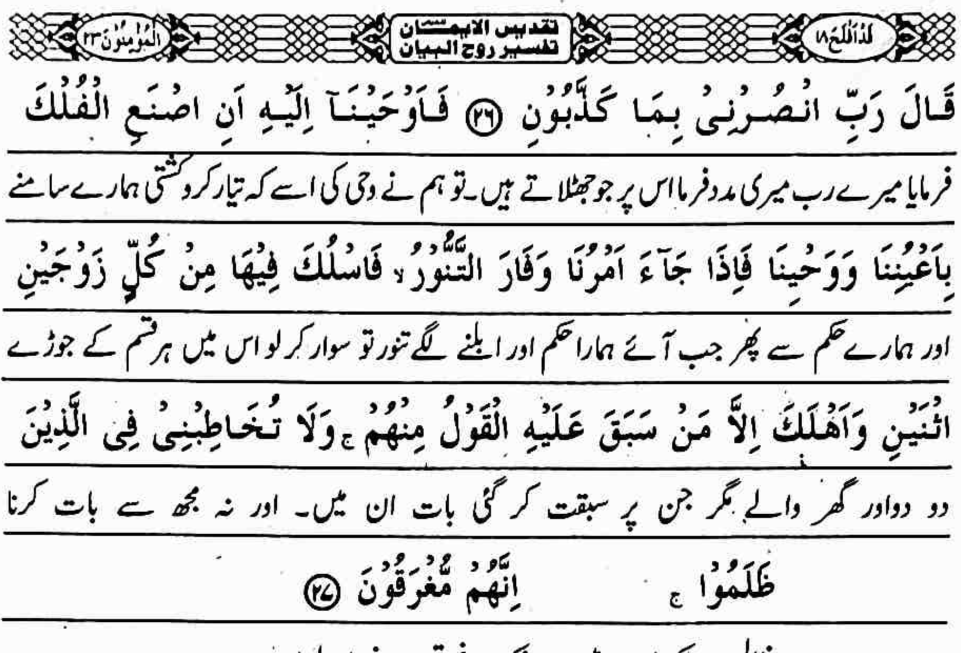
بڑا بنے تم پر۔ اور اگر چاہتا اللہ تو ضرور اتارتا فرشتے۔ نہیں سنا ہم نے یہ

اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

اپنے آباء سے جو پہلے ہوئے۔ نہیں ہے وہ مگر آدمی اسے جنون ہے تو تم انتظار کرو تا ایک وقت۔

(آیت نمبر۲۴) تو کہا ان لیڈروں نے جو آپ کی قوم میں بڑے کافر تھے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے بڑے چوہدریوں اور لیڈروں نے اس عظیم منصب نبوت سے آپ کو گرانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن جو منصب رب نے دیا ہو وہ کوئی چھین نہیں سکتا تو پھر آپ کے ماننے والوں اور آپ کی طرف میلان والوں سے کہا۔ یہ نوح نہیں مگر ایک بشر تمہاری طرح یعنی تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں (معاذ اللہ) (جیسے آج کل بھی کئی فرقے گلی گلی ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ نبی تو ہماری طرح بشر ہے) اس میں تو شک نہیں کہ انبیاء بشر ہی تھے۔ مگر بشر بشر میں فرق ہے۔ انبیاء کی بشریت نور الٰہی سے منور ہوتی ہے۔ ہماری بشریت گناہوں کی گندگی سے ظلمت میں بھری ہوتی ہے تو دونوں برابر کیسے ہوگئے۔ آگے کہا کہ یہ نوح نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی برتری چاہتا ہے کہ تمہارا امیر بن جائے۔ ہر زمانے کے کفار لوگوں کو اسی طرح ڈرا کر انبیاء کرام علیہم السلام سے متنفر کرتے۔ فرعون بھی لوگوں کو کہتا کہ موسیٰ اور اس کا بھائی اپنی بڑھائی چاہتے ہیں، مصر میں (یعنی اے لوگو موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت نہ کرنا البتہ میری لائٹرینیں صاف کرتے رہو) مزید نوح علیہ السلام کے زمانے والے لیڈر نوح علیہ السلام سے متنفر کرنے کیلئے یوں کہتے کہ اگر خدا نے رسول بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا تا کہ رسول اور غیر رسول میں فرق ہوتا۔ مزید کفار نے کہا کہ ہم نے ایسی باتیں اس سے پہلے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنیں کہ اللہ ایک ہے صرف اسی کی عبادت کرو۔

(آیت نمبر۲۵) **فائدہ:** بحر العلوم میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو کبھی نہیں سنا کہ کوئی آدمی بھی رسول خدا بن کر آتا ہے تا کہ مخلوق کی راہنمائی کرے۔ مزید کہا کہ یہ تو کوئی ایسا آدمی ہے جسے جنون ہے ورنہ وہ ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرتا۔ لہٰذا کچھ وقت تک مزید انتظار کرو۔ ممکن ہے مر جائے یا جنون ٹھیک ہو جائے تا کہ ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرے۔



قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ

فرمایا میرے رب میری مدد فرما اس پر جو جھٹلاتے ہیں۔ تو ہم نے وحی کی اسے کہ تیار کرو کشتی ہمارے سامنے

بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ

اور ہمارے حکم سے پھر جب آئے ہمارا حکم اور ابلنے لگے تنور تو سوار کر لو اس میں ہر قسم کے جوڑے

اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ

دو دو اور گھر والے مگر جن پر سبقت کر گئی بات ان میں۔ اور نہ مجھ سے بات کرنا

ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ظالموں کے بارے میں بے شک وہ غرق ہونے والے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۶) جب نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال کی تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد فرما اور انہیں تباہ و ہلاک فرما۔ اس لئے کہ انہوں نے میری تکذیب کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اور اب یہ ایمان لانے والے بھی نہیں ہیں۔

(آیت نمبر ۲۷) تو پھر ہم نے ان پر وحی کی کہ اے نوح اب ہماری نگرانی میں کشتی بنائیں جب وہ بالکل تیار ہو جائے۔ اسے دیکھ رکھنا اور تیار کرنا ہماری وحی کے مطابق یعنی ہماری تعلیم اور ہدایت کے مطابق اسے بنانا اور اے نوح پھر جب ہمارا حکم یعنی عذاب آ جائے اور آپ کے تنور سے پانی جوش مار کر باہر آ جائے تو فوراً آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں۔

فائدہ: یاد رہے یہ تنور آدم علیہ السلام کا تھا جو نوح علیہ السلام کے زمانے تک بدستور چلا آ رہا تھا۔ اب تنور والی جگہ کوفہ کے اندر مسجد ہے تو جب تنور سے پانی نے جوش مارا تو نوح علیہ السلام کی اہلیہ قریب تھیں۔ انہوں نے آ کر نوح علیہ السلام کو بتایا کہ تنور سے پانی جوش مار کر نکل آیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کشتی پر سوار کر لو ہر نوع میں سے نر و مادہ کا جوڑا۔ تو آپ نے کشتی میں ہر وہ جانور جو بچے جنتے یا انڈے دیتے ہیں۔ ان سب کے جوڑے داخل کر لئے اور فرمایا کہ اپنے بال بچوں کو بھی کشتی میں سوار کر لیں۔ مگر ان میں جس کے غرق ہونے کا ہمارا حکم ہو چکا۔ کہ وہ ہر حال میں غرق ہو گا۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا

پھر جب بیٹھ جائیں آپ اور جو آپ کے ساتھ ہی کشتی پر ہیں تو کہیں سب تعریف اللہ کیلئے جس نے ہمیں نجات دی

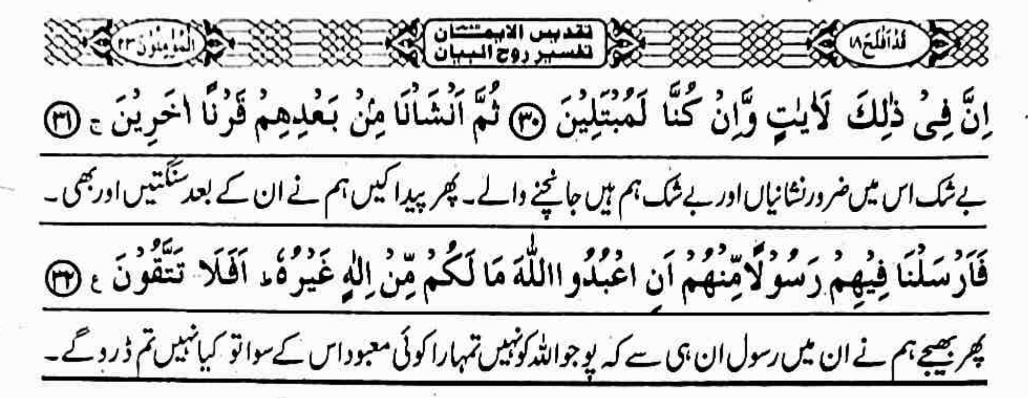
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾

ظالموں کی قوم سے۔ اور فرماؤ میرے رب اتار مجھے ایسی جگہ جو برکت والی ہے اور تو بہترا تارنے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ٢٧) خواہ تیری اہل میں سے ہو جس کا کافروں کے ساتھ تباہ ہونا لکھ دیا گیا ہے (اس سے مراد آپ کا بیٹا کنعان ہے) تو فرمایا کہ مجھے ان کی نجات کے بارے میں نہ کہنا۔ اسی طرح جو بڑے بڑے جرم وظلم کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی سفارش کے قابل نہیں اور ان کے نام ہماری فہرست میں غرق شدہ لوگوں میں ہو گئے ہیں اور اس لئے کہ وہ کفر وشرک میں مبتلا تھے اور کفار ومشرکین کیلئے غرق ہونا لازمی ہو گیا ہے۔

(آیت نمبر ٢٨) پھر اے نوح جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو جاؤ تو اس وقت یہ کلمات ادا کریں کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے وہ ذات کہ جس نے ہمیں ظالموں سے نجات عطا فرمائی یہ حکم صرف نوح علیہ السلام کو اس لئے ہوا کہ ان کی بزرگی اور شرافت کا اظہار ہو اور یہ بھی بتانا ہے کہ نوح علیہ السلام کے حمد کرنے میں خلوص ہے۔ وہ دوسرے لوگوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایسی جامع دعا سکھائی جو ایک جامع دعا تھی۔

(آیت نمبر ٢٩) اور فرمایا نوح تم کہو اے میرے رب مجھے کشتی میں اتار یا کشتی سے اتار۔ یعنی کشتی میں داخل ہوتے وقت بھی اور طوفان کے بعد کشتی سے نکلتے وقت بھی یہ کہو یا اللہ مجھے ایسی جگہ اتار جو خیر وبرکت سے بھرپور ہو اور اے اللہ تو بہتر طریقے سے اتارنے والا ہے۔ جلالین میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری طرف سے سلامتی اور ہماری برکتیں لے کر اترو۔ چنانچہ کشتی سے اترتے ہی آپ کو بے شمار برکات نصیب ہوئیں۔ وہ یہ کہ آپ آدم ثانی ہوئے آج تمام انسان ان کی ہی اولاد ہے (لیکن افسوس ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو نہیں بچا سکے۔ ان میں تو اتنا بھی اختیار نہیں وغیرہ انہیں یہ باتیں کیوں نظر نہیں آتیں کہ آپ کی ہر دعا قبول ہو رہی ہے۔ بیٹے نے بھی اگر نوح علیہ السلام کا وسیلہ پکڑا ہوتا تو بچ جاتا۔ اس نے پہاڑ کا وسیلہ پکڑا۔ اس لئے غرق ہوا)۔



اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾

بے شک اس میں ضرور نشانیاں اور بے شک ہم ہیں جانچنے والے۔ پھر پیدا کیں ہم نے ان کے بعد سنگتیں اور بھی۔

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

پھر بھیجے ہم نے ان میں رسول ان ہی سے کہ پوجو اللہ کو نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا تو کیا نہیں تم ڈرو گے۔

(آیت نمبر۳۰) نوح علیہ السلام اور ان کی امت کے ساتھ جو جو ہوا۔ ان واقعات میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ جن سے عقل والے استدلال کرتے ہیں اور عبرت حاصل کرنے والے ان سے عبرت پکڑتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ بے شک ہم ان آیات سے اپنے خاص بندوں کا امتحان لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ عبرت پکڑتے ہیں یا نہیں۔ ابتلاء کے وقت مخلص اور منافق کو کھرے اور کھوٹے کو ظاہر کرنا مقصد ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ ابتلاء کو اپنے لئے نمک کی طرح جانتے ہیں۔ وہ مصائب ومشکلات میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہوتے ہیں۔ ہر آزمائش میں صبر کیا۔ مثلاً نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک آزمائش برداشت کی اف تک نہ کی یہ جو بددعا بھی کی یہ بھی اذن الٰہی سے تھی۔ اور جان لیا کہ اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ **سبق:** مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے لئے منزل مبارک کی طلب رکھے۔ وہ منزل مبارک جس میں دین ودنیا کی بھلائی ہو۔

(آیت نمبر۳۱) نوح علیہ السلام کی قوم کے تباہ ہونے کے بعد۔ ہم نے اور کئی قومیں پیدا فرمائیں۔ جیسے قوم عاد وغیرہ اور قرن کا مطلب ہے ایک کے بعد دوسری قوم۔ یا ایک صدی کے بعد دوسری صدی کے لوگ اور ہر قوم میں زیادہ تر لوگ گمراہ ہوئے۔ نبی تشریف لاتے ہی اس وقت تھے۔ جب لوگ گمراہ ہو جاتے۔

(آیت نمبر۳۲) پھر ہم نے انہی میں سے رسول بھیجے۔ یعنی قوم ہود میں حضرت ہود اور ثمود میں صالح علیہما السلام کو بھیجا۔ یعنی ان کے پاس رسول کسی دوسرے ملک کسی دوسری قوم یا کسی اور جنس سے نہیں آئے۔ بلکہ ان کی اپنی قوم بلکہ ان کی اپنی برادری سے تھے۔ ان کے سامنے جوان ہوئے۔ تمام رسولوں نے یہی کہا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود ہی نہیں ہے کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کو شریک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو تمہارا شرک کرنا ایک گناہ اور خداوند کریم سے نہ ڈرنا دوسرا گناہ ہے۔ اس کے عذاب سے ڈرو اور شرک نہ کرو۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

اور کہا سرداروں نے اس کی قوم سے جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ملنے قیامت کو اور ہم نے انہیں چین دیا

فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ

زندگی دنیا میں نہیں ہے یہ مگر انسان تمہاری طرح وہ کھاتا ہے اس سے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے

مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۙ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ ﴿۳۴﴾

اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے بات مانی اپنے جیسے آدمی کی پھر تو تم اس وقت گھاٹے میں رہے۔

(آیت نمبر ۳۳) ان کی قوم کے لیڈروں نے کہا جو کافر تھے انہیں کفر سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت کرنا مطلوب ہے کہ وہ بہت بڑے منکر بھی تھے اور انہوں نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے اور اس میں حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کو بھی جھٹلایا۔ حالانکہ ہم نے انہیں نعمتوں سے نوازا دیگر ان کی ضروریات ومعاملات میں وسعت دی۔ دنیوی زندگی میں مال کی کثرت اور اولاد بھی عطا کی۔ لیکن انہوں نے اپنے ماتحتوں کو ہود علیہ السلام سے متنفر کیا۔ اور کہا کہ یہ ہود تو تمہاری طرح کا ایک بشر ہی ہے۔ تمام صفات واقوال وافعال میں تمہاری طرح ہے جو تم کھاتے ہو وہی وہ بھی کھاتا ہے۔ جیسے تم پیتے ہو ایسے وہ بھی پیتا ہے (اگر نبی ہوتا تو فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا آج کل بھی مثلیت جتلا کر انبیاء میں اسی طرح کے نقائص بیان کئے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ) (حیران کن بات ہے کہ پتھروں کو خدا مان کر ان میں کوئی عیب نہیں نکالا اور نبی کے اندر بشریت کا عیب نکال لیا۔)

(آیت نمبر ۳۴) مزید ماتحتوں کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ اگر تم نے اپنی طرح کے ایک بشر کی اطاعت کی تو یاد رکھو اس وقت تم بہت بڑے خسارے والے ہو گے یعنی تم بے عقل سمجھے جاؤ گے اور لوگوں کی نظر میں تم گر جاؤ گے۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے لکھا ہے کہ انہوں نے انہیں دھمکا کر کہا کہ تم بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ اگر تم نے اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت کی۔ **سبق**: مقام غور ہے کہ کفار ومشرکین نے کتنے بھونڈے انداز سے انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت اور اتباع (جو سراسر سعادت دارین ہے) کو بیان کیا کہ اسے باعث خسارہ اور نقصان کہہ دیا۔ حالانکہ اصل خسارہ اور نقصان کا باعث تو بت پرستی ہے اور اتنا بڑا خسارہ کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا (اللہ انہیں ذلیل ورسوا کرے)۔ لیکن: ع: خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ وعدہ تمہیں دیتا ہے کہ تم جب مر جاؤ اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں بیشک تم نکالے جاؤ گے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

کتنی دور کتنی ہی بعید بات ہے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر زندگی ہماری دنیا کی ہم مرتے

وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور جیتے ہیں اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے۔

(آیت نمبر ۳۵) کیا یہ پیغمبر تمہیں یہ وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے۔ یعنی تمہارے جسموں سے گوشت ختم ہو کر صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی اور تمہارے اجزاء جو گوشت اور ہڈیوں سے مرکب تھے۔ جب گوشت ختم ہو جائیگا اور مٹی میں مل جائیگا باقی ڈھانچہ ہڈیوں کا بچ جائے گا تو پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ پہلے ہڈیاں ہونگے پھر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد تم قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ جیسے تم پہلے دنیا میں تھے۔ اسی طرح تم زمین سے نکال کر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

(آیت نمبر ۳۶) اس بات کا وقوع بعید ہے اور بہت ہی بعید جس کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو۔ یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنا اور حساب وکتاب کیلئے اکٹھا ہونا یہ تو بالکل نہیں ہوگا۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ہی طرح سمجھتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ کہتے تھے کہ یہ بہت بعید ہے کہ جس کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو۔ چونکہ وہ قدرت خداوندی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے بلکہ مشکل پہلی مرتبہ کسی چیز کا بنانا ہوتا ہے۔ دوبارہ بنانا تو بہت آسان ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر ۳۷) نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیوی زندگی جس میں ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور اسی طرح رہے گا۔ **فائدہ:** یعنی کوئی مرتے ہیں کوئی زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ کا دور ختم ہو جائے گا۔ یا پرانے مر جاتے ہیں اور نئے لوگ زندہ ہو جاتے ہیں۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ ہمیں دو ہی معاملے ملنے والے ہیں۔ زندگی اور موت، حیات سے مراد اس دنیا کی زندگی اور موت سے مراد اس کے بعد مرنا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

نہیں ہے وہ مگر آدمی جس نے گھڑلیا اوپر اللہ کے جھوٹ اور نہیں ہم اسے ماننے والے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

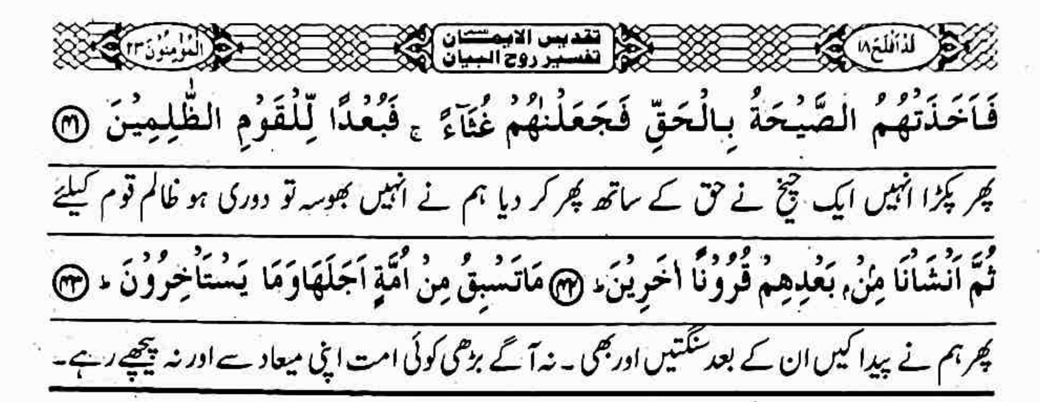
فرمایا میرے رب میری مدد فرما اس پر جوانہوں نے مجھے جھٹلایا۔ فرمایا کچھ تھوڑی دیر بعد ضرور ہو جائیں گے پشیمان۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۷) اس کے بعد جی اٹھنے کے تو وہ قائل ہی نہیں تھے۔ مزید وہ یہ کہتے تھے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ **فائدہ**: کفار کی یہ گفتگو جناب ہود علیہ السلام کے ساتھ تھی اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کو وہ ہود علیہ السلام کا وہم وگماں سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ بے وقوف اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ پیدا کرنا مشکل نہ موت دنیا مشکل۔ اللہ تعالیٰ کیلئے تو پہلی اور دوسری بار زندہ کرنا برابر ہے۔ اس لئے کہ وہ سب کچھ کر سکنے پر قادر ہے۔ زندہ کرنے پر بھی اور مارنے پر بھی۔ اس نے تو لفظ کن کہنا ہے۔ سب کچھ ہو جائیگا۔

(آیت نمبر ۳۸) مزید وہ ہود علیہ السلام کے متعلق کہنے لگے نہیں ہے یہ ہود مگر ایک ایسا مرد کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان گھڑا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے۔ افتراء کے کئی معانی بیان ہوئے افساد کے معنی میں بھی استعمال ہوا۔ اسی طرح قرآن مجید میں جھوٹ اور کفر وشرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مزید کہا کہ جو کچھ جناب ہود کہتے ہیں۔ ہم ان کی کسی بات کو بھی ماننے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہود علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔

(آیت نمبر ۳۹) جب جناب ہود علیہ السلام ان سے پوری طرح ناامید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے میرے رب۔ اب تو میری مدد فرما اور ان سے بدلہ لے۔ یعنی مجھے ان پر غلبہ عطا فرما اور انہیں مغلوب فرما کہ انہوں جو میری تکذیب کی اور اسی پر وہ ڈٹے رہے (اس کا انہیں مزہ چکھا)۔

(آیت نمبر ۴۰) تو اللہ تعالیٰ نے دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا۔ اب بہت تھوڑے وقت میں ان کا قلع قمع ہو جائے گا۔ یعنی اب ان کی زندگی کے چند لمحات ہی رہ گئے ہیں۔ ضرور بہ ضرور یہ جھٹلانے والے کافر اپنے کفر اور اس جھٹلانے پر پشیمان ہو جائیں گے یعنی عذاب دیکھتے ہی نادم ہوں گے اور عذاب آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ قلت کا لفظ بول کر بتا دیا کہ ان پر بہت ہی جلد عذاب آنے والا ہے۔ کیونکہ اب ان کا علاج یہی ہے کہ انہیں عذاب میں ڈالا جائے۔



فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

پھر پکڑا انہیں ایک چیخ نے حق کے ساتھ پھر کر دیا ہم نے انہیں بھوسہ تو دوری ہو ظالم قوم کیلئے

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَؕ ﴿۴۲﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَؕ ﴿۴۳﴾

پھر ہم نے پیدا کیں ان کے بعد سنگتیں اور بھی۔ نہ آگے بڑھی کوئی امت اپنی میعاد سے اور نہ پیچھے رہے۔

(آیت نمبر ۴۱) پھر انہیں صیحہ نے پکڑ لیا۔ یعنی جناب جبریل علیہ السلام کی وہ گرجدار آواز جسے سن کر ان کے دل پھٹ گئے اور وہ اسی وقت مر گئے۔ پہلے ایک نہایت ٹھنڈی اور انتہائی سخت آندھی چلی تو وہ سب بھاگ کر گھروں کی طرف آئے اتنے میں صیحہ یعنی ایک ہی گرج دار آواز آئی جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

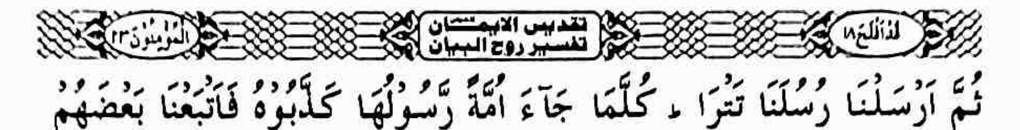
فائدہ: مروی ہے کہ شداد بن عاد نے جب ارم والی جنت نظیر جگہ کی تعمیر مکمل کی اور اس کے بعد وہ اپنے اہل وعیال سمیت اسے دیکھنے اور اس میں رہنے کے لئے آ رہا تھا تو اسے راستے میں ہی ایک گرجدار آواز نے تباہ کیا۔ جلالین نے اسے صیحۃ العذاب کہا ہے اور وہ صیحۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا کہ جسے پھر کوئی چیز دفع نہ کر سکی اور کر سکتی بھی کیسے۔ جبکہ وہ حق کی طرف سے تھی۔ جلالین نے اسے بالامر من اللہ لکھا ہے۔

کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (غثاء) خس وخاشاک ہوتا ہے جو پانی کے اوپر تیرتا ہے تو وہ کفار بھی خس وخاشاک کی طرح تباہ ہو گئے جیسے سیلاب خس وخاشاک کو باہر پھینکے اور وہ بالکل بیکار پڑا رہتا ہے۔

آگے فرمایا پس ظالموں کیلئے رحمت الٰہی ہے سے دوری ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی ہلاک ہو کر برباد ہو جائے۔ اور نیست ونابود ہو جائے۔

(آیت نمبر ۴۲) قرون مذکورہ کی تباہی کے بعد ہم نے دوسرے یعنی اور قرون پیدا فرمائے۔ یعنی قوم عاد کی تباہی کے بعد قوم صالح، قوم لوط اور شعیب علیہ السلام کی قوم وغیرہ کئی اور قومیں بھی آئیں۔ جنہوں نے انبیاء ورسل کی اتباع کی ان کی اپنی خوش نصیبی۔ ان کا اپنا فائدہ۔ دنیا بھی اعلیٰ اور آخرت اس سے بھی بہتر ہوئی۔

(آیت نمبر ۴۳) جو امت بھی ہلاک یا تباہ ہوئی وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اور اپنے وقت مقررہ پر ہوئی۔ جب وہ وقت مقرر آ گیا تو ایک گھڑی بھی نہ پہلے نہ بعد ہوئی۔



ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

پھر ہم نے بھیجے کئی رسول آگے پیچھے۔جب بھی آیا کسی امت کے پاس ان کا رسول تو جھٹلا دیا اس کو تو ہم نے بعض کے

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پیچھے بعض کو ہلاک کیا اور کر دیا انہیں قصے کہانیاں۔تو دوری ہو ان کیلئے جو نہیں ایمان لاتے۔

(آیت نمبر۴۴) پھر ہم نے آگے پیچھے متواتر رسول بھیجے یعنی قرون آخرین کے بعد کئی قرن پیدا کئے اور ان میں رسول بھیجے جو یکے بعد دیگرے قوموں کے پاس تشریف لاتے رہے اور جب بھی کسی امت کے پاس ان کے مخصوص رسول معجزات لے کر برائے تبلیغ تشریف لائے تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا۔یعنی ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا کہ تجھے اللہ نے نہیں بھیجا۔اور رسول علیہ السلام جو بھی انہیں توحید، نبوت، بعثت یا حشر ونشر کے بارے وعظ فرماتے تو وہ اسے جھوٹ پر محمول کرتے۔اپنے آباء کی اندھی تقلید کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے کفار کو یکے بعد دیگرے ہلاک کیا کیونکہ وہ کفر اور گناہوں اور طرح طرح کے جرائم میں اگلوں کے تابع تھے اور فرمایا کہ ہم نے ان کی تباہی کے بعد ان کو بعد والوں کیلئے کہانیاں ہی بنا دیا یعنی وہ بے نام ونشاں ہو گئے تو صرف ان کے قصے کہانیاں ہی رہ گئیں۔جنہیں بعد والے لوگ ایک دوسرے کو سنا کر تعجب کیا کرتے اور عبرت حاصل کرنے والے ان سے عبرت پکڑتے یعنی نیک بخت قسم کے لوگ ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے۔کاشفی معنی کرتے ہیں کہ ہم نے ان کی کہانیوں کو لوگوں کیلئے مثال بنا دیا تا کہ وہ ان کے عذاب کو یاد کر کے دوسروں کو سنائیں۔یعنی افسانے کے طور پر بیان کرتے۔اگر انہوں نے کوئی نیک کام کیا ہوتا تو لوگ انہیں اس رنگ میں یاد کرتے۔

آگے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو۔ان لوگوں کو جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق نہیں کرتے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بے ایمانی تباہی کا موجب ہے اور عذاب جہنم کا سبب ہے۔جیسے ایمان واسلام اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق نجات اور ہمیشہ کیلئے نعمتوں کا سبب اور جنت میں جانے کی سند ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے بھیجے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون اپنی آیات اور دلیل واضح کے ساتھ ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

طرف فرعون اور اس کے سرداروں کے تو انہوں نے تکبر کیا اور تھے وہ لوگ سرکش۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ ﴿۴۷﴾

پھر کہنے لگے کیا ایمان لائیں دو آدمیوں پر جو ہماری طرح ہیں اور ان کی قوم ہمارے بندگی کرتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر بھیجا۔ ان کے معجزات کی تعداد نو ہے اور فرمایا کہ مزید ہم نے انہیں واضح حجۃ بھی دی تھی۔ جو مخالف کو لاجواب کردے۔ اس سے مراد ید بیضا ہے۔ اس کو الگ اس لئے بیان فرمایا تاکہ اس کی شرافت کا اظہار ہو۔ یا اس سے تمام معجزات مراد ہیں۔ انہیں دو الگ الگ عنوانوں سے بیان کیا۔ ان کے تغائر ذاتی کی وجہ سے۔

(آیت نمبر ۴۶) فرعون اور اس کے ملاء کی طرف۔ ملاء سے مراد قبطیوں کے لیڈر ہیں۔ ان کو خصوصیت سے اس لئے بیان کیا۔ کہ فرعون کی سب آراء ان سے متعلق تھیں۔ کیونکہ چھوٹے درجے کے لوگوں کی آراء ان کیلئے کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ رسولان عظام کا واسطہ بھی ان بڑوں کے ساتھ تھا تو انہوں نے بجائے ماننے کے۔ اوران پر ایمان لانے اور ان کی متابعت کرنے سے انکار کیا اور تکبر بھی کیا اور سب سے بڑا تکبر ہی یہ ہے کہ بندہ رب تبارک وتعالیٰ کی آیات اور ان کے رسولوں کا انکار کرے۔ باوجود واضح دلائل دیکھنے کے۔ ان رسل کرام کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ فرعونی تھے ہی سخت متکبر یعنی تکبر وتمرد تو ان کی عادت ثانیہ تھی۔

(آیت نمبر ۴۷) تو ان متکبرین نے کہا کہ کیا ہم ان دو بشروں کے کہنے پر ایمان لے آئیں یعنی یہ تو ہماری شان کے لائق ہی نہیں کہ ہم ان کی تصدیق کرلیں۔ کیونکہ دونوں ہی ہماری طرح کے انسان ہیں۔ حالانکہ ان کی ساری قوم یعنی بنی اسرائیل جو ہمارے ہی خادم اور غلام ہیں۔ جیسے عبد اپنے معبود کے تابع ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ ہمارے تابع ہیں۔ اس سے وہ دونوں پیغمبروں کی حقارت ظاہر کررہے تھے۔ پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے جیسا کہا۔ پھر منصب رسالت کو حقیر جانا۔ **فائدہ:** کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قبطیوں کی بنی اسرائیل پرستش بھی کرتے تھے۔ اس لئے وہ انہیں اپنا عابد بھی سمجھتے تھے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾

18/18

تو جھٹلا دیا ان کو پھر تھے ہلاک ہونے والوں میں۔ اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب تا کہ ان لوگوں کو ہدایت ہو

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾ ع

اور ہم نے بنایا مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور ٹھکانہ دیا ہم نے اونچی جگہ ٹھہرنے کے مقام پر اور چشمے کے پاس

(آیت نمبر ۴۸) تو فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام اور جناب ہارون علیہ السلام دونوں کی تکذیب بھی کی اور اس پر ڈٹ گئے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام قبطیوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو ان کیلئے بددعا کی۔ اس لئے وہ بحر قلزم میں ڈوب کر تباہ و برباد ہو گئے۔

(آیت نمبر ۴۹) فرعونیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد جب بنی اسرائیل فرعونیوں کے ظلم اور دریا سے مکمل طور پر بچ گئے تو فرمایا تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا فرمائی۔ جسے لینے کیلئے موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے۔ کتاب دینے کا مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس کے احکام و شرائع پر عمل کر کے راہ حق کی ہدایت حاصل کر سکیں۔ چونکہ فرعون تو مکمل طور پر تباہ و برباد ہو گئے۔ پیچھے بنی اسرائیلیے ہی رہ گئے تھے۔

(آیت نمبر ۵۰) اور ہم نے ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امی جان کو اپنی قدرت کی عظیم نشانی بنایا کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اگرچہ ایک امر ہے لیکن اسے دونوں طرف منسوب کیا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا الگ ایک نشانی اور جناب مریم کا بغیر خاوند بچہ جننا دوسری نشانی پھر یہاں پر آیت کو محذوف ماننا پڑے گا۔ بعض وجوہات سے یہ درحقیقت ایک ہی نشانی ہے۔ اس لئے آیۃ کا لفظ واحد بولا گیا۔

فائدہ: العیون میں ہے کہ یہاں پر آیۃ بمعنی عبرت ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بنی اسرائیل کیلئے موسیٰ علیہ السلام کے بعد عبرت کا سبب تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا گود میں کلام کرنا۔ پھر بڑے ہو کر مُردوں کو زندہ کرنا اور بھی بڑی بڑی نشانیاں ان سے ظاہر ہوئیں تو یہ دونوں نشانیاں ہیں۔ اسی لئے دوسرے مقام پر والدہ ماجدہ کا پہلے ذکر کیا۔ "وجعلناھا وابنھا آیۃ" اس سے معلوم ہو گیا کہ بی بی مریم الگ نشانی ہیں کہ انہوں نے بغیر خاوند بچہ جنا اور عیسیٰ علیہ السلام الگ نشانی ہیں کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ ﴿۵۱﴾

اے رسولو کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور عمل کرو اچھے بے شک میں جو تم عمل کرتے ہو جانتا ہوں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۰) آگے فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو ایک بلند جگہ کی طرف جگہ دی۔ یہ بیت المقدس کے قریب مقام ایلیاء کی طرف اشارہ ہے یہ زمین کا بلند ترین مقام ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام یہود کے خطرہ سے اپنے گھر سے نکل کر اس بلند مقام پر تشریف لے گئے۔ آگے فرمایا کہ وہ قرار کا مقام ہے۔ یعنی وہاں پر لوگ قرار پکڑتے ہیں کیونکہ وہاں کھلی فضا ہے۔ وہاں لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ لوگوں کو وہاں سکون ملتا ہے اور فرمایا کہ وہاں سے چشمے نکلتے ہیں کہ بلا تکلف کھیتوں اور جانوروں کو پانی ملتا ہے۔ وہاں کی آب و ہوا خوش گوار ہے اور وہ جگہ خوش منظر ہے۔

(آیت نمبر ۵۱) اے رسولو تم پاکیزہ حلال کھانے کھاؤ۔ یہ خطاب ہر رسول کو ہے۔ بیک وقت نہیں ہوا۔ بلکہ جس زمانے میں وہ تشریف لائے۔ اس وقت کے نبی اور اس کی امت کو اس کی پابندی کا حکم دیا گیا۔

فائدہ: الطیبات: سے مراد ہے کھانے پینے کی وہ اشیاء یا پھل فروٹ جس کے کھانے میں لذت حاصل ہو۔

آگے فرمایا کہ نیک اعمال کرو کیونکہ تمہاری تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی چیز نافع ہے۔ اور اعمال صالحہ بجالاؤ۔ یہ امر وجوبی ہے۔ اس سے پہلا حلال کھانے والا حکم مباحی ہے۔

فائدہ: جاہل پیروں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ہم عشق و محبت الٰہی میں اس کمال تک پہنچ گئے ہیں۔ اب نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ تمام عبادات ظاہری اب ساقط ہو گئی ہیں۔ ایسی باتیں صریح کفر اور کھلی گمراہی ہیں۔ جب عبادات انبیاء سے ساقط نہیں اور کون ہو سکتا ہے جو ان سے بڑا عاشق خدا ہو کہ اس کو سب کچھ معاف ہو جائے۔

آگے فرمایا بے شک میں تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال کو جانتا ہوں۔

نکتہ: حلال کھانے کا ذکر پہلے اور عمل صالح کو بعد میں لایا گیا اس میں اشارہ ہے کہ عمل صالح تب قبول ہوگا۔ جب کھانا حلال ہوگا۔ (اگر کھانا پینا حلال نہ ہو تو نہ نماز قبول ہے نہ دعا۔

حدیث شریف: بے شک اللہ تعالیٰ پاک اور صرف پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے۔

فائدہ: ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حلال لقمے سے روزہ افطار کرنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ہی ڈرو۔ تو کاٹ لیا اپنا کام

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ

آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ ہر گروہ جو ان کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔ تو چھوڑ دو انہیں ان کے نشے میں

حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

ایک وقت تک۔

(آیت نمبر ۵۲) لفظ امت میں اشارہ ہے ملت اسلام و توحید کی طرف یعنی شریعت اسلامیہ کے امور صحیح سالم اور نہایت سیدھے اور ایسے واضح اور روشن ہیں کہ گویا وہ بالکل ہمارے سامنے حاضر ہیں۔

فائدہ: تمام رسولان عظام کو فرمایا گیا کہ تم سب کی شریعتیں اصل، میں ایک ہی ہیں۔ یعنی ہر ملت و شریعت اصول شرائع میں متحد ہیں البتہ فروعات میں اختلاف رہا ہے اور فروعی اختلاف کو اختلاف فی الدین نہیں کہا جاتا۔ جب اس میں رضاء الٰہی ہو۔ آگے فرمایا میں ہی تمہارا رب ہوں۔ میری ربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا تم مجھ سے ہی ڈرو۔ یعنی دین اسلام اور کلمہ توحید میں کوئی اختلاف نہ کرو اور میرے عذاب سے ڈرو۔ **فائدہ:** تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ تمام ادیان حقہ ایک ہی ہیں۔ سب کی اصل غرض معرفت الٰہی ہے اور گناہوں سے بچانا ہے۔

(آیت نمبر ۵۳) دین و ملت تو ایک ہی ہے۔ لیکن امتوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یعنی گروہ در گروہ ہو گئے اور ان میں ہر ایک گروہ جو بھی ان کے پاس منگھڑت باتیں تھیں۔ انہیں یہی سمجھا کہ یہ دین ہے۔ اسی پر خوش ہیں اور انہوں نے یہی عقیدہ رکھ لیا کہ ان کا منگھڑت دین ہی حق ہے اور اسی پر قائم دائم ہو گئے۔ (دین اصل وہی ہے جو قرآن و حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے)۔

(آیت نمبر ۵۴) یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے۔ یعنی اے محبوب ان کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ان کے متفرق ہونے سے اپنے آپ کو پریشان نہ کریں۔ ایک مقررہ وقت تک۔ یعنی ان کے مرنے یا قتل ہونے تک یا ان پر عذاب واقع ہونے تک۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ

کیا گمان کرتے ہیں کہ جو ہم ان کی مدد کرتے ہیں مال اور بیٹوں سے ۔ جلدی دیتے ہیں ان کو بھلی چیزیں ۔

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ ﴿۵۷﴾

بلکہ انہیں شعور نہیں ہے۔ بے شک وہ جو خوف خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۴) **فائدہ** اس میں کافروں کو دنیوی یا اخروی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور حضور ﷺ کو تسلی وتشفی دی کہ آپ کو انہیں عذاب میں ڈالنے کیلئے ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ اس بات سے گھبرائیں کہ ابھی انہیں عذاب کیوں نہیں آ رہا۔ اب ان کے دن گنے چنے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۵) کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ہم نے جو انہیں دنیوی عیش وعشرت دے رکھی ہے۔ یہ مال و دولت ہمیشہ ان کے پاس رہیگا اور کیا عزت افزائی ان کی ہمیشہ ہوتی رہے گی کہ مال اور بیٹے ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گے جن پر انہیں بہت زیادہ فخر ہے۔ اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے اس کو وہ اپنا کمال سمجھ رہے ہیں۔

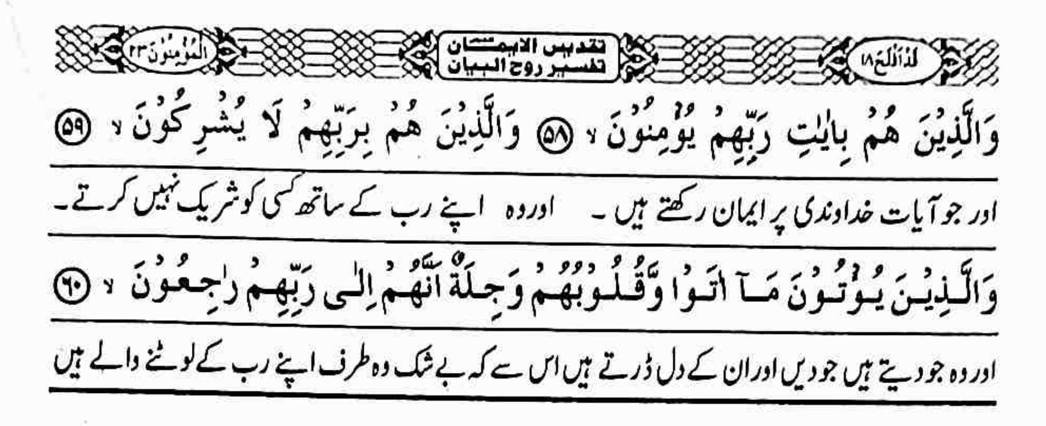
(آیت نمبر ۵۶) ہم انہیں بھلائی دینے میں جلدی کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کا شکریہ ادا کریں۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کفار اس گمان میں نہ رہیں کہ ہم نے جو ان کی امداد کی اور انہیں مال واولاد جلدی دے دیا تو یہ کوئی ہمیں ان سے بہت پیار ہے۔ بلکہ انہیں یقین ہونا چاہئے کہ ہم ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی دے رہے ہیں۔ تاکہ وہ آخرت میں اس کا مطالبہ نہ کریں۔ اسی بنا پر انہیں مہلت دی جارہی ہے۔

سبق: یاد رہے یہ سانس فانی ہیں مال سارا ادھارا ہے اولاد فتنہ ہے جو ان کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے وہ آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہے۔

(آیت نمبر ۵۷) بے شک جو لوگ اپنے رب کے عذاب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مومن احسان وخشیت کا جامع ہے اور کافر برائی اور عذاب سے بے خوفی کا مجموعہ ہے۔ (مومن ہر وقت عذاب الٰہی سے ڈرتا ہے۔ اس لئے وہ نیک اعمال میں آگے بڑھتا رہتا ہے اور کفار وفجار بے خوف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ گناہوں میں روز بروز آگے بڑھتے رہتے ہیں)۔



وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ ﴿۵۹﴾

اور جو آیات خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ ﴿۶۰﴾

اور وہ جو دیتے ہیں جو دیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں اس سے کہ بے شک وہ طرف اپنے رب کے لوٹنے والے ہیں

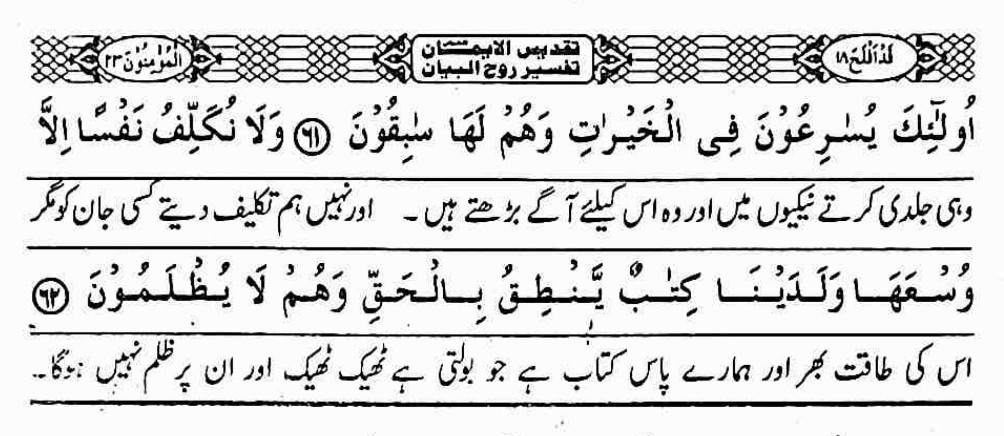
(آیت نمبر ۵۸) اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی آیات پر جو آفاق میں مطلق موجود ہیں۔ ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی جس ذات پاک پر وہ آیات بطور دلیل کے ہیں اسے یہ لوگ دل سے مانتے ہیں۔ ہرگز قولا فعلا تکذیب نہیں کرتے۔ یا مراد ہے کہ وہ قرآنی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

(آیت نمبر ۵۹) اور وہ بتوں وغیرہ کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ نہ ظاہراً نہ چھپ کر۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔

فائدہ: جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان میں کسی کا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے عظیم تر یا بزرگ تر کوئی چیز موجود نہ ہوا گر ہو تو وہ ہمارے نزدیک شرک ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے۔ وہ بھی مشرک ہے جس کے دل پر مخلوق کے احوال واقوال کے ردوقبول کرنے کے اثرات ہوں۔

(آیت نمبر ۶۰) اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے زکوٰۃ وصدقات دیتے ہیں اور بھی دوسرے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ ان کے دل خوف خدا سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ اس طرح کہ انہیں دل میں خوف رہتا ہے کہ ان کی نیکی شاید قبول نہ ہو اور اس کی رضا کے خلاف کوئی عمل ہم سے سرزد نہ ہوا ہو یا کہیں ہم اس وجہ سے پکڑے نہ جائیں۔ اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جائیں تو عذاب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔



اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا

وہی جلدی کرتے نیکیوں میں اور وہ اس کیلئے آگے بڑھتے ہیں۔ اور نہیں ہم تکلیف دیتے کسی جان کو مگر

وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾

اس کی طاقت بھر اور ہمارے پاس کتاب ہے جو بولتی ہے ٹھیک اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

(آیت نمبر ٦١) ان صفات کے لوگ نیکیاں حاصل کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ ہر قسم کی خیر و بھلائی کے کاموں میں جلد حصہ لیتے ہیں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کام کیلئے نہ فارغ ہوتے ہیں نہ اس کے غیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نیک کام کرنے کیلئے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یعنی وہ ہر خیر و بھلائی کے کام میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو آخرت سے پہلے یعنی دنیا بھی ہی سعادت حاصل ہوتی ہے اور انہیں آخرت میں بھی اس کا اچھا صلہ ملے گا۔

(آیت نمبر ٦٢) ہم کسی جان کو تکلیف میں نہیں ڈالتے۔ مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ معلوم ہوا کہ کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' کہنا اور احکام شرعیہ انسانی وسعت کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی تکلیف دی ہی نہیں جو بندہ کر نہ سکے۔ مثلاً: نماز میں جو کھڑا نہیں ہوسکتا وہ بیٹھ کر پڑھے۔ اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا۔ وہ لیٹ کر یا اشارے سے پڑھے۔ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ تو بعد میں قضاء کرے۔ جس کے پاس مال نہیں اس پر نہ حج ہے۔ نہ زکوٰۃ۔

فائدہ: بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ آج کل دین پر چلنا بہت مشکل ہے۔ وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ یہ شیطانی خیال ہے۔ دین پر چلنا بہت آسان ہے۔ دین پر چلنا اس وقت مشکل تھا۔ جب لوگ مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے پر طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اب کیا مشکل ہے۔

آگے فرمایا کہ سب کا اعمالنامہ ہمارے پاس ہے جس میں سب کے اعمال ثبت ہیں۔ وہ حق کے ساتھ بولتا ہے۔ یعنی اس میں ہر عمل صحیح طور پر لکھا ہے۔ ایک بال برابر بھی حقیقت کے خلاف نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میرے پاس ایک الگ اعمالنامہ ہے۔ جس میں ہر ایک کے اعمال موجود ہیں۔ وہی عملنامہ انسان کے عمل کی سچی گواہی دے گا اور ان سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ یعنی ''جزاء (بدلہ)'' میں کمی نہیں ہوگی۔ ثواب پورا پورا دیا جائیگا۔ ہاں برائی کی سزا پوری ہوگی۔ زیادہ نہیں۔ اور ثواب ہے تو وہ عمل سے زیادہ دیا جائیگا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

بلکہ ان کے دل پردے میں ہیں اس سے اور ان کے کام اس کے علاوہ ہیں جو وہ

عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کررہے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے پکڑا ان کے امیروں کو عذاب میں اس وقت وہ فریاد کرنے لگے۔

لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

نہ فریاد کرو آج بے شک تمہاری ہم سے مدد نہ کی جائیگی۔

(آیت نمبر۶۳) بلکہ ان کافروں کے دل غافل اور پردے میں ہیں کہ قرآن مجید کے احکام کو وہ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب میں جمع ہورہے ہیں۔ وہی کتاب قیامت میں حق حق بولے گی اور ان کے تمام اعمال کو برسرمیدان ظاہر کردیگی۔ جسے ہر ایک دیکھ اور سن رہا ہوگا۔

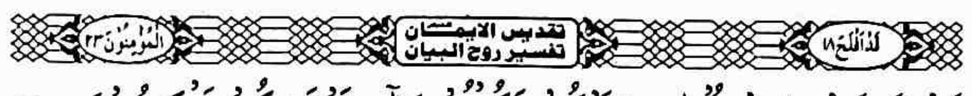
آگے فرمایا کہ ان مذکورہ اعمال کے سوا بھی ان کے کچھ اعمال بد ہوں گے جو طرح طرح کے کفر اور گناہوں اور جرموں سے بھرے ہوں گے۔ جنہیں وہ عادت کے طور پر کرتے رہے۔

(آیت نمبر۶۴) اور وہ اپنے ان غلط سلط کاموں میں لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان بڑے مال داروں اور لیڈروں کو عذاب میں پکڑیں گے اچانک عذاب گھیر لے گا تو چلائیں گے اور انہیں بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آئے گی نہ ان کی کوئی بات سنی جائے گی اس وقت وہ نجات پانے کیلئے خوب گڑگڑائیں گے۔

فائدہ: اگرچہ سب کافروں کا یہی حال ہوگا۔ لیکن ان کے لیڈروں اور مالداروں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان کے دیکھا دیکھی۔ باقی لوگ بھی برے اعمال کرتے تھے تو قیامت میں جب ان کا یہ حال ہوگا تو یہ کہاں بچیں گے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ "مترفیھم" سے مراد ان کے لیڈر جو بدر کے دن قتل کئے گئے اور "یجئرون" سے مراد اہل مکہ جو ان کا حال سن کر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ ممکن ہے یہ قیامت کا عذاب مراد ہو۔

(آیت نمبر۶۵) ہم انہیں بروز قیامت کہیں گے اب نہ چیخو چلاؤ قیامت کے دن کا ذکر اس لئے کہ وہ دن بہت سخت ہے۔ انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ اس دن معافی کا وقت گذر چکا ہوگا۔ اور کہا جائیگا۔ کہ اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی۔ جس سے تمہیں نجات حاصل ہو۔



قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

تحقیق میری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تم پر تو تم اوپر اپنی ایڑیوں کے الٹے پلٹ جاتے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

تکبر کرنے والے اس کے ساتھ رات کو بے ہودہ کہانیاں بکتے۔

(آیت نمبر ۶۶) دنیا میں تمہارے سامنے جب ہماری آیات پڑھی گئیں۔ اس وقت چاہئے تھا کہ تم ان سے نفع اٹھاتے لیکن تم نے آیات سن کر بجائے ماننے کے الٹا منہ پھیر کر تم چل دیئے۔ تصدیق کرنا تو درکنار تم تو متکبروں کی طرح وہاں سے چلے گئے کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے۔

(آیت نمبر ۶۷) الٹا تم نے میری آیات سن کے تکبر کیا اور تمہاری عادت ہوگئی تھی کہ تم ساری رات مل کر قرآن پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے کبھی کہتے یہ جادو ہے کبھی کہتے یہ شعر ہے غرضیکہ طرح طرح کے بکواس کرتے اور قرآن چھوڑنے کی باتیں کرتے کہ اس کے قریب کوئی نہ جائے۔

مسئلہ :اس آیت میں رات کو قصہ خوانی کرنے اور ناجائز باتیں کرنے کی مذمت کی گئی۔

فائدہ:امام قرطبی فرماتے ہیں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نماز عشاء کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ:حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے والوں کو سختی سے روکتے تھے۔ فرماتے جلد آرام کرو تا کہ تہجد نصیب ہو۔ فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز عشاء کے بعد باتیں تین قسم ہیں: (۱) مذاکرہ علمی: یہ نیند سے افضل ہے (جیسے علماء کا مطالعہ، طلباء کا مذاکرہ، مدرسین کا اسباق کی تیاری یا جلسہ ہائے اسلامی)۔ اسی طرح خیر وصلاح مسلماناں جیسے حضور ﷺ کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات پر عشاء کے بعد صلاح مشورہ کرنا۔ (۲) جھوٹے قصے کہانیاں، شعر وشاعری، ہنسی مذاق یہ سب مکروہ ہیں۔ (۳) گھریلو معاملات پر گفتگو یا انس پیدا کرنے کیلئے اگر اس میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو تو مباح ہے۔ اگر اس سے بھی بچ جائے تو زیادہ اچھا ہے۔

فائدہ :اگر فضول باتوں کا ارتکاب ہو جائے تو بعد میں ذکر الٰہی یا استغفار یا تسبیح، تحمید وغیرہ کہہ لی جائے تو اس کا کفارہ ہو جائے گا۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

تو کیا نہیں غور کیا انہوں نے بات میں یا آئی ان کے پاس وہ چیز جو نہیں آئی ان کے باپ دادا کے پاس اس سے پہلے

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَ

یا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو تو وہ اسے بے گانہ سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں کہ اسے جنون ہو گیا بلکہ وہ لائے

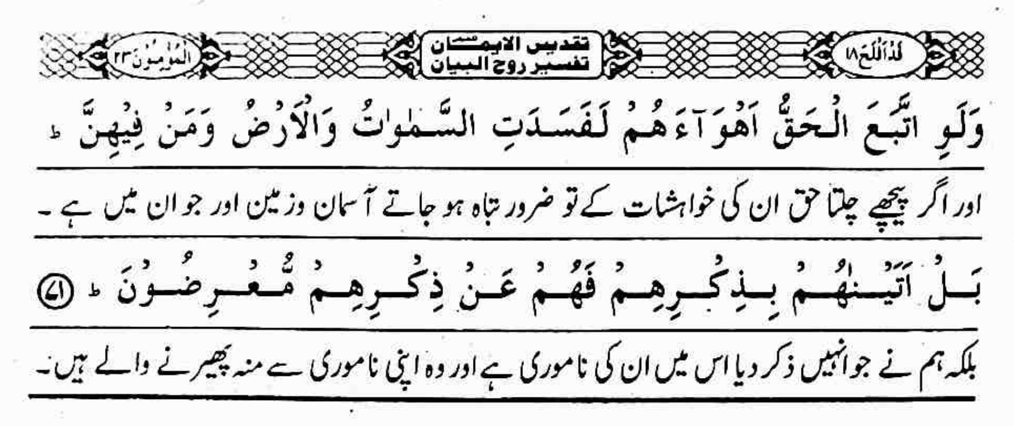
هُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

ان کے پاس حق اور زیادہ ان میں حق کو برا جانتے ہیں۔

(آیت نمبر ٦٨) کیا کفار نے اس روگردانی سے اور تکبر یا رات کو قرآن کے خلاف باتیں کرنے والوں نے اس میں غور نہیں کیا کہ اس قرآن کا نظم و ترتیب ہی بتاتا ہے کہ یہ واقعی کلام اللہ ہے۔اس کی تمام خبریں سچائی پر مبنی ہیں۔ ہم تو چاہتے تھے کہ غور وفکر کے بعد انہیں دولت ایمان نصیب ہوتا۔لیکن ان کی بدقسمتی کہ انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا یا ان کے پاس وہ کتاب آ گئی جو ان کے باپ دادا کے پاس بھی نہیں آئی تھی۔اللہ تعالیٰ کا قدیم سے یہ طریقہ آ رہا ہے کہ وہ اپنے رسولان عظام کے پاس کتاب بھیجتا ہے۔اسی طرح اس نے اس آخری رسول کے پاس بھی قرآن مجید نازل فرمایا۔پھر یہ اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ٦٩) کیا ان کفار نے میرے پیارے رسول کی صداقت و امانت اور ان کے حسن اخلاق کو نہیں دیکھا۔پھر یہ بھی جانتے ہیں کہ میرے اس رسول نے دنیا کے کسی استاد سے نہ پڑھا نہ کسی سے سنا لیکن اس کے پاس پہلوں پچھلوں کی سب خبریں ہیں پھر بھی اگر نبوت کے منکر ہیں۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس رسول ﷺ کے علمی کمالات سے بے خبر ہیں۔یا یہ پکے منکر ہیں۔

(آیت نمبر ٧٠) یا یہ کفار کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہو گیا ہے (معاذ اللہ)۔کیا ان احمقوں کو علم نہیں کہ وہ رسول تو عقل وفکر اور علم وعمل میں تمام لوگوں پر فائق ہیں۔اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ تو حق بات لائے ہیں۔جس سے روگردانی کرنا تباہی ہے۔لیکن ان میں زیادہ لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں۔کچھ اہل ایمان وہ ہیں جو حق کو پسند کرتے ہیں۔یعنی اکثریت وہ ہیں جنہوں نے تکذیب کی اور تھوڑے وہ ہیں جو ایمان والے ہیں۔یعنی حق کی تصدیق کرنے والے۔



وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

اور اگر پیچھے چلتا حق ان کی خواہشات کے تو ضرور تباہ ہو جاتے آسمان وزمین اور جو ان میں ہے ۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ ﴿۷۱﴾

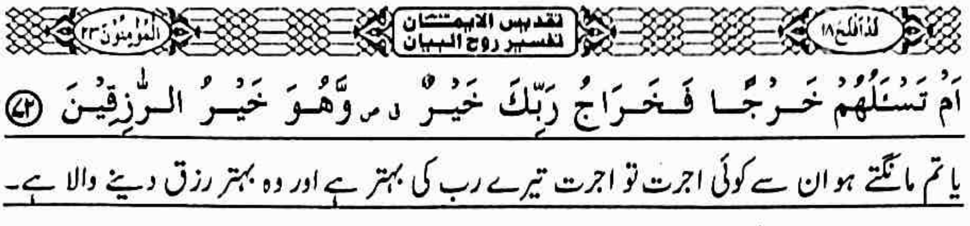
بلکہ ہم نے جوانہیں ذکر دیا اس میں ان کی ناموری ہے اور وہ اپنی ناموری سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

(بقیہ آیت نمبر ۷۰) **فائدہ**: معلوم ہوا کافر گویا بے کار پتھر بلکہ کوڑا کرکٹ ہیں اور اہل ایمان کا قلیل طبقہ جن کے جواہر نفیسہ گویا وہ خوشبودار پھول ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جسے انسان مکروہ سمجھے ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مکروہ ہو اللہ تعالیٰ اگر بندے کو تکلیف میں ڈالتا ہے تو وہ اس لئے کہ بندہ صبر کر کے آخرت کی دائمی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہو۔ بلکہ انسان کی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر طاعت کیلئے حکم الٰہی نہ بھی ہوتا تب بھی بندہ اپنے رب کے سامنے بندگی کیلئے سر تسلیم خم ہوتا اور رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں خوشی محسوس کرتا۔ ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بہت خوش ہوگا۔ جو محض رضاء الٰہی کیلئے عمل کرتے رہے۔ جن کو زبردستی جنت میں بھیجا جائیگا۔ بلکہ حدیث میں ہے انہیں زنجیر سے باندھ کر جنت میں لایا جائیگا۔ (کیونکہ وہ کہیں گے کہ ہم نے جنت پانے کیلئے عمل کئے ہی نہیں)۔

(آیت نمبر ۷۱) اے محبوب اگر حق ان کی خواہشات پر چلنے لگے یعنی جس حق کو انہوں نے مجبوراً قبول کیا۔ وہ ان کی خواہشات پر چلنے لگے جیسے انہوں نے کہا قرآن ہماری مرضی کے مطابق لے آئیں۔ پھر تو ساری تباہی پھر جائے۔ **فائدہ**: ان سے موافقت کو اتباع سے تعبیر کرنا مجازاً ہے۔

آگے فرمایا کہ پھر آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر رہنے والی تمام اشیاء میں فساد پھیل جاتا اور زمین وآسمان کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس لئے کہ پورے عالم کا نظام اس نظام الٰہی کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ جسے اسلام اور توحید یا عدل سے تعبیر کرتے ہیں۔ آگے فرمایا بلکہ ہم نے جوانہیں ذکر دیا ہے یعنی قرآن مجید۔ اگر اسے دل وجان سے قبول کر لیں تو دنیا وآخرت میں ان کی شرافت وفخر کیلئے کوئی اور چیز بہتر وبرتر نہ ہو۔



اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

یا تم مانگتے ہو ان سے کوئی اجرت تو اجرت تیرے رب کی بہتر ہے اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور بے شک آپ انہیں بلاتے ہیں طرف راستے سیدھے کے۔

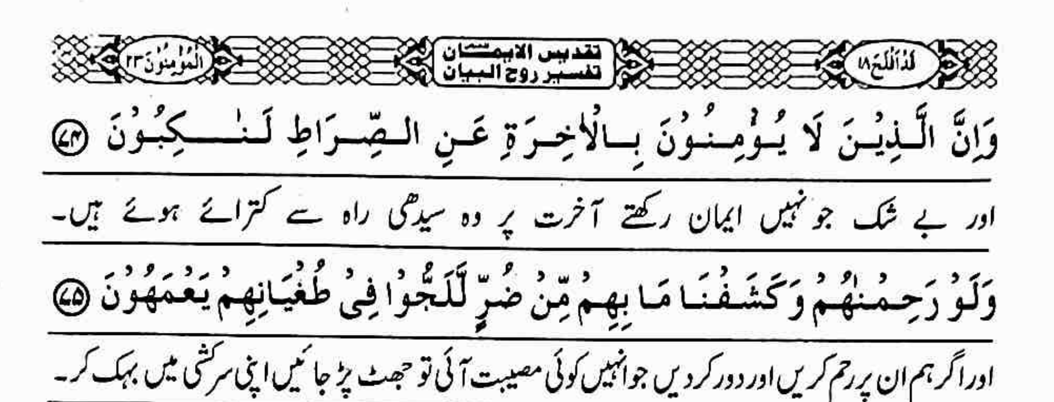
(بقیہ آیت نمبر۷۱) **فائدہ**: اس میں بھی کفار کی روگردانی کرنے کی مذمت بیان ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو شرافت و بھلائی کا بہترین سامان عطا فرمایا اس لئے ان پر واجب تھا کہ وہ اسے دل و جان کے ساتھ قبول کرتے۔ لیکن وہ اپنی بھلائی کے ذکر سے کہ جس میں ان کا شرف و فخر تھا۔ وہ اسی سے روگردان ہیں۔

(آیت نمبر۷۲) اے محبوب کیا آپ ان سے ادائے رسالت پر کوئی انعام یا اجر وغیرہ مانگتے ہیں۔ جیسے ان بدنصیبوں کی سوچ ہے۔ اس میں ان کی مذمت اور زجر و توبیخ ہے۔ تو فرمایا میرے محبوب تیرے رب کی طرف سے ملنے والا انعام و اکرام ہی بہت بہتر ہے۔ اور آپ ان سے کچھ مانگیں بھی کیوں۔ جبکہ رب تعالیٰ نے آپ کو کسی چیز کی کمی نہیں دی۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ دارین میں آپ کو خیر و برکت سے مالا مال کر دیا۔

فائدہ: اس آیت میں حضور ﷺ کے استغناء کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کا رب جو کفیل ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ انعامات الٰہی کے خزانے ہوتے ہوئے انہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں اور وہ ذات سب سے بہتر عطا فرمانے والی ہے۔ اس لئے کہ اوروں کی عطا ختم ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کی عطا کبھی ختم نہیں ہوتی۔

(آیت نمبر۷۳) اور اے محبوب بے شک آپ تو انہیں بلا رہے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔

فائدہ: جس استقامت کی گواہی عقل سلیمہ دیتی ہے۔ اس راستے میں کوئی کجی نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ آپ کسی ٹیڑھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ یہی سیدھی راہ جنت تک بھی لے جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تک بھی پہنچاتی ہے۔



وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر وہ سیدھی راہ سے کترائے ہوئے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور دور کردیں جو انہیں کوئی مصیبت آئی تو جھٹ پڑ جائیں اپنی سرکشی میں بہک کر۔

(آیت نمبر ۷۴) بے شک جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے یعنی جو بدبخت دنیوی کاموں میں ایسے مشغول ہیں کہ وہ اپنا سب سے بڑا مقصد دنیا کو ہی سمجھتے ہیں اور وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں۔ وہ اس سیدھی راہ سے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ روگردان ہیں بلکہ جان بوجھ کر اس سے ہٹ گئے ہیں۔

فائدہ: جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس میں عالم آخرت کی طرف لوٹنے اور اس کیلئے سرمایہ بنانے کے علامات نہ پائے جائیں اور نہ ہی ملا اعلیٰ اور مسند اعظم میں اس کا ذکر ہو اس کیلئے یقین جانو کہ وہ صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور ہدایت والی راہ کی اتباع سے محروم ہے اس سے وہ شخص بہتر حال پر ہے۔ جسے گذشتہ زندگی کی غلطی کا احساس ہے۔ اور آئندہ والی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر ہے۔

(آیت نمبر ۷۵) اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور آنے والے عذاب کو ان سے ہٹا دیں۔

شان نزول: ثمامہ قبیلے کے لوگ مسلمان ہونے کے بعد یمامہ والوں سے جا ملے اور مکہ والوں کا غلہ بھی روک دیا جس کی وجہ سے اہل مکہ قحط میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ خون اور گوبر ملا کر کھایا (ابوسفیان جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کو رب کی قسم اور رشتہ داری کا واسطہ۔ ہمارے بڑے بدر میں مارے گئے اور چھوٹے بھوک سے مر رہے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دعا کریں تاکہ یہ قحط کا عذاب ٹل جائے۔ حضور نے دعا فرمائی تو عذاب ٹل گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا کہ اگر ان پر آئے ہوئے عذاب کو ہم ٹال بھی دیں یعنی قحط اور بھوک جو سخت تکلیف دہ تھی اسے ختم کر دیں تو انہوں نے پھر بھی کفر و سرکشی میں اور عداوت رسول سے باز نہیں آئیں گے اور صحابہ کرام سے دشمنی میں حد سے نکل کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ مگر وہ ہدایت کی طرف نہیں آئیں گے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور تحقیق ہم نے انہیں پکڑا عذاب میں تو پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کے سامنے اور نہ گڑ گڑائے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ع ﴿۷۷﴾

یہاں تک کہ جب کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے عذاب سخت کے تو اس وقت وہ اس میں ناامید پڑے ہیں

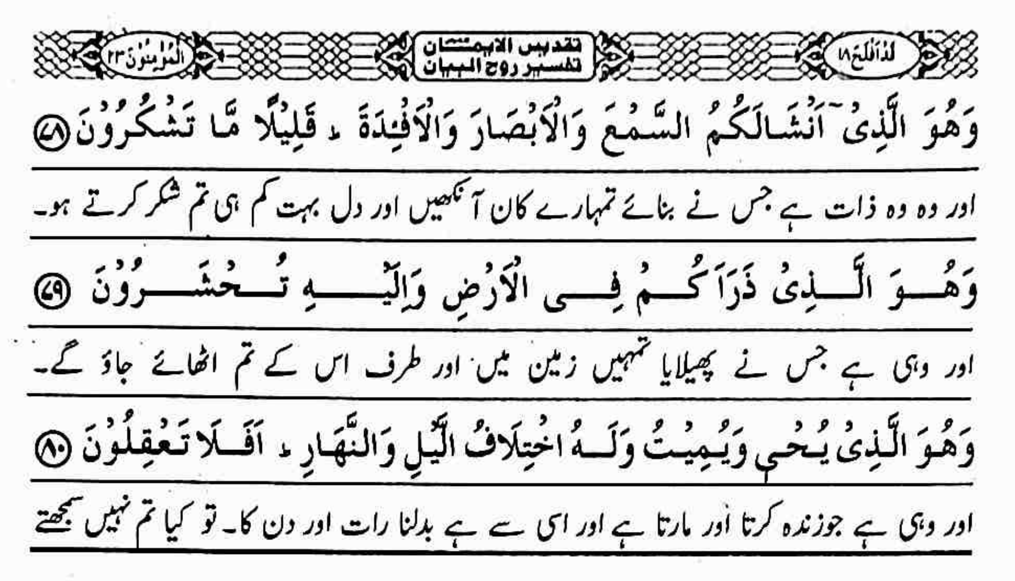
(آیت نمبر ۷۶) اور البتہ تحقیق ہم نے انہیں دنیوی عذاب میں پکڑا یعنی غزوۂ بدر کے عذاب میں پکڑا کہ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور قید بھی ہوئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ عاجزی کا اظہار کیا نہ رب تعالیٰ کے سامنے وہ گڑ گڑائے بلکہ وہ تو اپنی سرکشی اور تکبر میں ہی مگن رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اتنے بڑے تکبر والے کہ عاجزی کو تو وہ فضول چیز سمجھتے ہیں بلکہ یہ چیز ان کی عادت میں ہی نہ تھی۔

(آیت نمبر ۷۷) یہاں تک کہ جب ہم ان کیلئے آخرت میں عذاب کے دروازے کھولیں گے اس وقت وہ اچانک اس عذاب کو دیکھ کر وہ حیران ہو جائیں گے اور ہر قسم کی بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

فائدہ: عکرمہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں جس دروازے کا ذکر ہے وہ جہنم میں سب سے اوپر والا دروازہ ہے۔ جس میں چار لاکھ سیاہ چہروں والے ڈاڑھیں نکالے فرشتے ہوں گے۔ جن کے دلوں سے رحم تو بالکل نکال دیا جائیگا جب جہنمی وہاں پہنچیں گے تو اس وقت وہی دروازہ کھلے گا ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے عذاب سے عافیت وسلامتی چاہتے ہیں۔

ولی اللہ اور یہودی:

ایک دن سہیل صعلو کی ایک یہودی کے سامنے سے گذرے تو اس نے کہا کہ تم کہتے ہو دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔ حالانکہ میرا اور آپ کا حال مختلف ہے۔ آپ مزے کر رہے اور ہم بھوکے مر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے تم مرنے کے بعد جس سخت عذاب میں جاؤ گے تو یہ دنیا تمہیں جنت نظر آئے گی۔ ہم جنت کی نعمتوں میں عیش میں ہوں گے تو دنیا باوجود اس عیش وعشرت کے جنت کے مقابلے میں قید خانہ نظر آئے گا تو یہودی سن کر ہکا بکا رہ گیا۔



وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہ وہ ذات ہے جس نے بنائے تمہارے کان آنکھیں اور دل بہت کم ہی تم شکر کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہی ہے جس نے پھیلایا تمہیں زمین میں اور طرف اس کے تم اٹھائے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی سے ہے بدلنا رات اور دن کا۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے

(آیت نمبر ۷۸) وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے فائدے کیلئے کان بنائے۔ یعنی کانوں میں سننے کی قوت عطا فرمائی اور آنکھیں اور دل دیا۔ **فائدہ**: ان تینوں اعضاء کی تخصیص اس لئے کہ اکثر دینی اور دنیوی فوائد ان ہی کے ساتھ متعلق ہیں تو فرمایا کہ نعمتیں میں نے اتنی بڑی دی ہیں لیکن تم ان کا شکر بہت تھوڑا کرتے ہو اور جس مقصد کیلئے یہ نعمتیں بنائی گئیں۔ کہ تم انہیں نیکی کیلئے استعمال کرو۔ اور تم اس کے برعکس استعمال کرتے ہو یہ دوسری ناشکری ہے۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلت بھی عدم کے معنی میں ہے اور کفار کے حال کے یہ معنی مطابق ہے۔

آیت کے فوائد: (۱) بڑی نعمتوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا اظہار۔ (۲) بندوں سے شکریہ ادا کرنے کا مطالبہ۔ (۳) ناشکروں کی شکایت۔

(آیت نمبر ۷۹) وہ ذات جس نے تمہاری نسل بڑھانے کیلئے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اسی ذات کی طرف لوٹنے والے ہو یعنی اس کی بارگاہ میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اس کے بعد کہ جب تمہارے جسم مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ جب تمہارا یہ حال ہونے والا ہے تو ایمان ہی کیوں نہیں لے آتے اور اس کی نعمتوں پر شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے۔ تاکہ تمہیں آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔

(آیت نمبر ۸۰) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بے جان نطفوں، انڈوں اور مردوں میں جان ڈال دیتا ہے اور وہ زندوں سے زندگی چھین لیتا ہے۔ رات اور دن کے بدلنے میں بھی موثر حقیقی وہی ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اگر نظر وفکر سے دیکھو تو سمجھو کہ یہ جملہ امور ہماری طرف سے ہیں تمام ممکنات پر اور ان پر تصرف بھی ہمارا ہی ہے۔ قیامت برپا کرنا اور اس دن سب کو زندہ کرنا یہ بھی ہمارے اختیار میں ہے۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

بلکہ یہ وہی کہتے ہیں جیسے کہا پہلوں نے۔ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں مٹی اور ہڈیاں

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ

کیا پھر ہم ضرور اٹھائے جائیں گے۔ تحقیق وعدہ دیئے گئے ہم اور ہمارے باپ دادا اس سے پہلے نہیں ہے یہ

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

مگر قصے پہلے لوگوں کے۔

(آیت نمبر ۸۱) انہیں چاہئے تھا کہ قدرت کے اتنے دلائل دیکھنے کے بعد ایمان لے آتے۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے وہی کہا جیسے ان سے پہلے کافروں نے کہا تھا۔ یہ بھی وہی باتیں کررہے ہیں جو ان کے بڑوں نے کیں۔ کہ انہوں نے اللہ رسول پر بھی اعتراض کیا۔ نبی کریم ﷺ کے متعلق طرح طرح کے الزام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے برے بکواسات کرتے تھے۔

(آیت نمبر ۸۲) کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے اور ہڈیاں بھی گل سڑ کر چورہ چورہ ہوجائیں گی کیا پھر بھی ہم اٹھائے جائیں گے یہ بات انہوں نے بر سبیل انکار کی اور اس بات کو انہوں نے بعید جانا کہ دوبارہ کیسے زندہ ہوجائیں گے لیکن وہ اگر اس پر غور وفکر کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ انسان کی اول تخلیق بھی تو مٹی سے ہوئی یعنی آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

(آیت نمبر ۸۳) البتہ تحقیق ہمیں اور ہمارے آباء واجداد بھی اسی کا وعدہ اس سے پہلے دیئے گئے یعنی حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہمارے آباء کو بھی وعدہ دیا گیا تھا یعنی پہلے انبیاء نے بھی یہی کہا کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے لیکن انہوں نے بھی نہیں مانا تھا ہم بھی اس کی حقیقت کے منکر ہیں کیونکہ ہمیں اس بات میں کوئی سچائی نظر نہیں آتی ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہی ہیں۔ **فائدہ:** انسان چونکہ باپ دادا کی (بری) تقلید کا عادی ہے۔ مگر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نور ایمان دے۔ جس کی برکت سے اسے تصدیق کی ہدایت بھی عطا فرمائے۔ وہ تو جانے گا۔ کہ یہ بات برحق ہے۔ ورنہ اکثر بعد میں آنے والے اپنے پہلے باپ دادا کی غلط تقلید میں انبیاء کرام کی تکذیب کرنے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن اٹھنے کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا

فرمادو کس کی ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر ہو تم جانتے۔ عنقریب کہیں گے اللہ کا۔ فرمادو تو پھر کیوں نہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

سوچتے۔ اے محبوب فرمادو کون ہے رب آسمانوں ساتوں کا اور کون ہے مالک عرش بڑے کا

(آیت نمبر ۸۴) اے محبوب آپ ان سے پوچھیں تو یہ زمین اور اس پر رہنے والی ساری مخلوق کس کی ہے۔ اگر کچھ علم ہے تو بتاؤ مخالف کو منوانے کا یہ بھی ایک انداز ہے۔ اب وہ کیسے کہیں گے کہ یہ زمین بتوں نے بنائی لازماً کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بنائی تو یہی جواب ہمارے مدعا کیلئے کافی ہے اگر پھر بھی نہیں مانتے تو اس میں ان کی جہالت کا واضح ثبوت ہے۔

(آیت نمبر ۸۵) عنقریب وہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہ بات بھی وہ اس لئے کہیں گے کہ بداہۃً ان کی عقل اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کا اعتراف کریں کہ ان سب کا خالق اللہ ہے لہذا اے محبوب ان کو فرمادیجئے کہ جب یہ مانتے ہو تو پھر یہ کیوں نہیں مانتے کہ جس ذات نے ان تمام چیزوں کو ایک دفعہ بنالیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں دوبارہ قیامت کے دن بھی بنالے۔ اس کیلئے نہ پہلی بار بنانا مشکل نہ دوبارہ بنانا مشکل ہے۔ عقل کا تو یہی تقاضا ہے کہ پہلی مرتبہ بنانا مشکل ہوتا ہے۔ جب اسے تسلیم کرلیا تو اس کا اعادہ کرنا تو آسان کام ہے اسے بھی ضرور تسلیم کرنا چاہئے۔

(آیت نمبر ۸۶) یعنی اے محبوب ان سے پھر سوال کرو کہ یہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

فائدہ: لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جو اوپر ہے وہ اعلیٰ ہے اور جو نیچے ہے وہ کم تر ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام تمام فرشتوں سے اعلیٰ ہیں خواہ وہ عرش پر ہوں یا فرش پر خواہ آسمانوں پر یا زمین پر ہوں۔

فائدہ: درمیان میں واؤ آنے سے معلوم ہوا عرش عظیم ان ساتوں آسمانوں کے علاوہ ہے۔ رب اس لئے فرمایا کہ آسمانوں میں بھی مخلوق ہے ان کی پرورش کرنے والا بھی وہی ہے۔



سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ

19
19

عنقریب وہ کہیں گے اللہ ہی کا۔ فرمادو تو کیوں نہیں تم ڈرتے۔ فرمادو کس کے ہاتھ میں ملکیت ہر چیز کی اور وہی

یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

پناہ دیتا ہے اور نہیں پناہ دیا جاتا اس کے خلاف اگر تم جانتے ہو

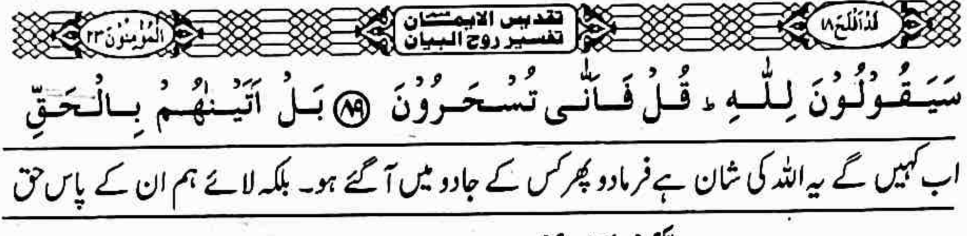
(آیت نمبر ۸۷) تو وہ جواب میں ضرور کہیں گے کہ آسمان بھی اور آسمانی مخلوق بھی اور عرش بھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے تو پھر آپ ان کو فرمادیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں۔ یعنی اس کے عذاب آنے سے پہلے ہی اس سے ڈرو جب تمہیں یہ معلوم ہے تو پھر تم اس کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو اور قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو اور اس کی ربوبیت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو۔ یہ سب باتیں جہنم میں لے جانے والی ہیں۔

فائدہ: تذکر پہلے ہے اور "تتقون" بعد میں اس میں وجہ ظاہر ہے کہ تذکر سے معرفت ملتی ہے۔ معرفت سے تقوی ملے گا یعنی اسے جب علم ہوگا تو پھر وہ مخالفت سے بچے گا۔

(آیت نمبر ۸۸) اے محبوب فرمادیں کہ بتاؤ کس کے قبضہ قدرت میں ہے یہ سب کچھ۔

فائدہ: یہاں ید کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس لئے ید کا معنی مجازی کیا جائیگا۔ یعنی قبضہ قدرت جیسے ایک **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا۔ اسی طرح ایک اور **حدیث** میں ہے۔ بے شک مومن کا دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے (ریاض الصالحین)۔ تو اس قسم کے اطلاقات مجاز پر مبنی ہیں۔ یعنی قدرت خداوندی کے تحت یہ سب کچھ ہے۔ اسی طرح ملک ملکوت کی ہر چیز کہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ ملک وملکوت میں فرق یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے سنتے ہیں وہ ملک ہے اور جو نہیں دیکھ سکتے وہ ملکوت ہے۔

فائدہ: امام راغب کہتے ہیں کہ ملکوت کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ آگے فرمایا وہی پناہ دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے اور اسے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور کوئی اسے کسی کی مدد کرنے سے نہیں روک سکتا۔ اگر تم جانتے ہو۔



سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ

اب کہیں گے یہ اللہ کی شان ہے فرمادو پھر کس کے جادو میں آ گئے ہو۔ بلکہ لائے ہم ان کے پاس حق

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

(آیت نمبر۸۹) تو اس کے جواب میں بھی وہ عنقریب کہیں گے کہ تمام ملکوت بھی اللہ ہی کیلئے ہیں۔ تو اے محبوب ان کو فرمادو پھر کس کے جادو میں آ کر کیوں دھوکہ اور فریب کھا رہے ہو۔ اس کے باوجود کہ تمہیں معلوم ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ پھر بھی تم گمراہی میں پڑے ہو۔ تم رشد و ہدایت کی روشنی کی طرف کیوں نہیں آتے۔ اصل بات یہ ہے کہ یا تو انہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے یا وہ اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہیں۔

(آیت نمبر۹۰) بلکہ ہم نے انہیں سچا وعدہ دیا ہوا ہے یعنی توحید اور قیامت کو اٹھنا اور وہ جو بھی کہیں بے شک وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کی شرکیہ باتیں ہیں یا قیامت کے دن اٹھنے کے انکار میں جو بھی کہیں وہ جھوٹے ہیں اور وہ اپنی اس غلطی پر ڈٹے ہوئے بھی ہیں اور اپنی سرکشی میں حق سے دور ہیں۔ حالانکہ ان کے تمام بہانوں اور حیلوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور حق واضح کر دیا گیا۔ جب وہ عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے تو اس وقت عذر بہانے کریں گے لیکن ان کا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا اور وہ اس غلط فہمی میں ہوں گے کہ دنیا میں کچھ نہیں ہوا۔ یہ تو چند دن کی مہلت ان کی بقا کا سبب ہے۔ آخر کار ضرور اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے گا۔ اس کے مہلت دینے میں بھی حکمت ہے مہلت ملنے پر وہ مغرور نہ ہوں۔ وہ حلیم ہے یعنی وہ جلد پکڑتا نہیں۔ لیکن اگر پکڑ لے تو چھوڑتا بھی نہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دنیا قیامت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے۔ اس کی چند صدیاں باقی رہ گئی ہیں اس کی آخری صدی میں اہل توحید نہیں ہوں گے۔ یعنی سعادت مند دنیا سے چلے جائیں گے اور قیامت بدبختوں پر قائم ہوگی مرنے کے بعد سب کو قبروں سے اٹھایا جائیگا اور سب کا حساب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء یا سزا دی جائیگی۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا

نہیں بنائی اللہ نے اپنی کوئی اولاد اور نہ ہے اس کے ساتھ کوئی اور خدا پھر تو ضرور لے جاتا ہر خدا جو اس نے

خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ ﴿۹۱﴾

پیدا کیا اور ضرور چڑھتے ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ اس سے جو یہ کہتے ہیں

(آیت نمبر ۹۱) نہیں بنائی اپنے لئے اللہ تعالیٰ نے اولاد۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد پسند ہی نہیں کی۔

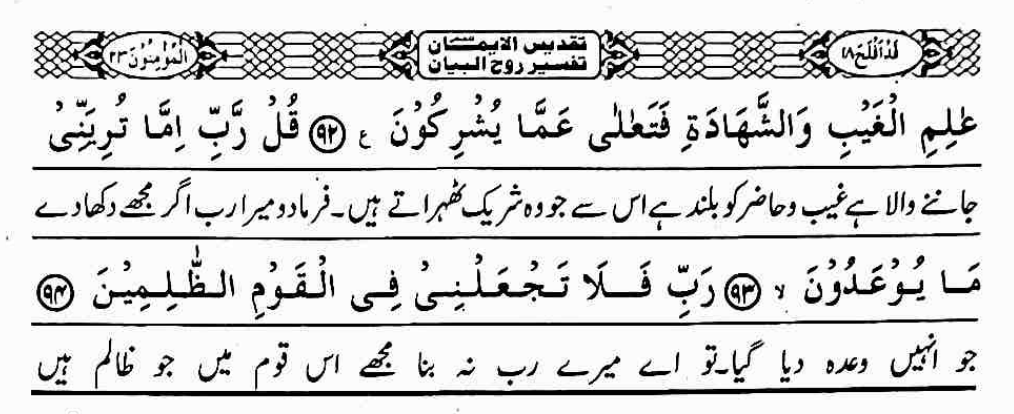
فائدہ: اس آیت میں رد ہے ان کا جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے دعوے دار ہیں۔ جیسے یہود عزیر کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے یا مکہ میں کچھ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، ان کی تردید میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے ہی نہیں۔ اولاد کیلئے بیوی چاہئے اور بیوی خاوند کی ایک جنس ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم جنس ہے ہی کوئی نہیں تو اولاد کیسی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے جو خدائی میں اس کا شریک ہو۔

فائدہ: یہ بدعقیدہ بت پرستوں کا خیال ہے کہ بت بھی اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ان بدبخت لوگوں کا یہاں رد ہے جو کہتے ہیں کہ نور کا خالق اور ہے اور ظلمت کا خالق اور ہے۔ تو ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو پھر ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر چل دیتا تاکہ دوسرے خدا پر حملہ کر کے اس سے ممتاز ہو چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسا آج تک نہیں ہوا نہ کوئی الگ پیدا ہوا ہے نہ کوئی علیحدہ اپنی مخلوق کو لیکر کہیں گیا ہے تو اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے۔ بعض بعض پر غالب آتا جیسے دنیا کے بادشاہوں میں عموماً ہوتا ہے جب ایسا کبھی مقابلہ نہیں ہوا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ مقابل ہے ہی کوئی نہیں۔

فائدہ: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس آیت میں دلیل تمانع ہے وہ یہ کہ اگر دو معبود ہوتے تو علم وقدرت کا امتناع ضرور واقع ہوتا۔ مثلاً ایک زندہ رکھنا چاہتا ہے دوسرا مارنا چاہتا پھر قوت آزمائی میں ایک ہی غالب آتا اور دوسرا مغلوب ہوتا تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مغلوب کبھی خدا نہیں ہوسکتا ہے۔

آگے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے ان باتوں سے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔



عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٩٢﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّىْ

جاننے والا ہے غیب وحاضر کو بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ فرمادو میرا رب اگر مجھے دکھادے

مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِىْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾

جو انہیں وعدہ دیا گیا۔تو اے میرے رب نہ بنا مجھے اس قوم میں جو ظالم ہیں

(آیت نمبر۹۲) اللہ تعالیٰ غیب وحاضر سب جانتا ہے۔یعنی اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ **فائدہ**: تاویلات میں ہے اللہ تعالیٰ ملک وملکوت اور اجسام وارواح سب کو جانتا ہے غیب سے مراد بھی یہ ہے کہ جو چیز ہم سے غیب ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو سب حاضر وغیب برابر ہے یہ بھی دلیل ہے۔ اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر ہے۔ اس سے جن کو وہ شریک جانتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ذات وصفات میں منفرد ہے۔

شرک دوقسم ہے: نمبر۱: اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا شرک اکبر ہے اور نمبر۲: کسی کام میں غیر اللہ کی رعایت کرنا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ جسے ریا کاری بھی کہا جاتا ہے۔

سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ بقدر استطاعت توحید میں مشغول رہے اور شریعت سے بال برابر بھی باہر نہ جائے اور نفس کے برے صفات سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں بنائے جو ماسوی اللہ سے کٹے ہوئے ہیں اور ہر کام رضاء الٰہی کیلئے کرتے ہیں۔

(آیت نمبر۹۳) اے محبوب آپ فرمادیں اے میرے رب اگر تو مجھے وہ چیز دکھادے۔ جس کا واقعی حکم مقدر ہو چکا ہے۔ یعنی وہ عذاب جس کا وہ وعدہ دیئے گئے ہیں۔ اور جس کو وہ جلدی مانگ رہے ہیں۔

فائدہ: الوعد خیر وشر دونوں قسم کے وعدوں کیلئے بولا جاتا ہے۔

(آیت نمبر۹۴) اے میرے پروردگار مجھے ظالموں میں سے نہ بنانا۔ یعنی عذاب میں ان کا شریک نہ بنانا۔ ظلم سے مراد شرک ہے۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے کہ انسان کو ہر وقت عذاب الٰہی سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اس لئے کہ جب وہ آتا ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے پھر نہ برا بچتا ہے نہ نیک پھر وہی بچتا ہے جسے اللہ بچائے۔

وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾

اور بے شک ہم اس بات پر کہ آپ کو دکھائیں جو انہیں وعدہ دیتے ہیں ضرور اس پر قادر ہیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾

دور کرو اس چیز سے جو اچھی ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔

(آیت نمبر ۹۵) اور بے شک ہم نے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے مطابق عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہیں۔ لیکن ہم اسے ایک مقصد کے تحت لیٹ کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی نسلوں میں ایماندار لوگ آنے والے ہیں۔ یا اس لئے عذاب نہیں بھیج رہے کہ میرے محبوب آپ ان میں موجود ہیں۔ (جیسا کہ پارہ نمبر ۹ میں فرمایا)۔

(آیت نمبر ۹۶) اے میرے محبوب آپ ان کی برائیوں کا دفاع احسن طریقے سے کریں یعنی حوصلے اور درگذر سے کام لیں۔ کفار کی برائی سے مراد ان کی ایذاءرسانی اور تکالیف پہنچانا ہے۔ جو وہ کبھی کبھی حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو ناجائز طور پر تکالیف دیتے اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اے محبوب پاک ﷺ آپ کفار کی بداخلاقی کے مقابلے میں ان سے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں جو ہم نے آپ کو عنایت فرمائے۔ یعنی ان کے ساتھ رحمت وشفقت سے پیش آئیں اس لئے کہ آپ کریم النفس ہیں۔ ان کا رویہ بے شک ظالمانہ ہے لیکن آپ کا برتاؤ ان سے رحیمانہ کریمانہ ہونا چاہئے۔

فائدہ: تاویلات میں ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا جائز ہے۔ لیکن معاف کر دینا زیادہ اچھا اور افضل ہے۔ اس کا درجہ اور ثواب بہت زیادہ ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم ان کی باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں یا جو باتیں وہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کبھی جادوگر کبھی شاعر، کبھی مجنون کہتے ہیں۔ وہ سب ہمیں معلوم ہے۔

فائدہ: اس آیت میں کفار کیلئے وعید ہے اور حضور ﷺ کو تسلی دی گئی اور بتایا گیا کہ آپ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کریں۔ اور کفار کو بھی بتا دیں کہ وہ اگر باز نہ آئے تو سزا کے مستحق ہوں گے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

اورعرض کریں اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانی وسوسوں سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں میرے رب

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ ﴿۹۹﴾

کہ وہ میرے پاس آئیں۔ یہاں تک کہ جب آئی ان میں کسی کو موت تو کہتا ہے میرے رب مجھے واپس لوٹا۔

(آیت نمبر ۹۷) اے محبوب فرمادیں اے میرے رب کریم میں تیرے فضل وکرم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں شیطان کے ان وسوسوں سے جو گمراہ کن ہیں جو ہمیں نیکیوں سے ہٹا کر برائیوں کی طرف لے جاتے ہیں جیسے وہ وساوس جن کا اوپر بیان ہوا۔

(آیت نمبر ۹۸) اور اے میرے رب میں تیرے فضل وکرم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ ان شیطانوں سے جو آ کر مجھے نماز یا تلاوت یا موت کے وقت پریشان کریں۔ کیونکہ ان مواقع پر شیطان گمراہ کرنے پر پورا زور لگاتا ہے۔

مسنون دعا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز کے شروع میں تین بار "لاالہ الااللہ"، تین بار "اللہ اکبر" پھر پڑھتے تھے: "اللهم انی اعوذبك من همزات الشياطين من همزها ونفثها ونفخها واعوذبك رب ان يحضرون" ہمزہ سے مراد دیوانگی، نفث سے بے ہودہ شعر اور نفخ سے کبر مراد ہے۔

آسیب وغیرہ پر حضور ﷺ یہ کلمات پڑھنے کا حکم فرمایا: "اعوذبكلمات الله التامات من غضبه ووعقابه ومن شر عبادة ومن همزات الشياطين وان يحضرون"۔

مسئلہ: حضور ﷺ کا شیطان سے پناہ مانگنا دراصل امت کو پناہ مانگنے کا طریقہ بتانا مقصود ہے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں حضور ﷺ کے ساتھ رہنے والا شیطان بھی مسلمان ہوگیا۔ یا آپ کے وسوسہ ڈالنے والی جگہ کو ہی ختم کردیا گیا ہے۔ اور وہاں مہر نبوت رکھ دی گئی۔

(آیت نمبر ۹۹) یہاں تک کہ جب ان کفار میں سے کسی کو موت آتی ہے درانحالیکہ وہ کفر پر ہوتے ہیں۔ اس وقت موت سے بھاگنے کا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا تو اس وقت اپنی کوتاہیاں یاد کر کے کہتے ہیں۔ یا بروز قیامت کہیں گے۔ اے میرے رب مجھے واپس دنیا کی طرف لوٹا دے۔ (تاکہ ایمان لاؤں)۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

تا کہ میں عمل نیک کروں اس میں جو چھوڑے ہرگز نہیں۔ بے شک وہ بات ہی ہے جو اس نے کہی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ

اور ان کے آگے پردہ ہے تا روز اٹھائے جانے کے۔ پھر جب پھونکا جائیگا صور میں

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

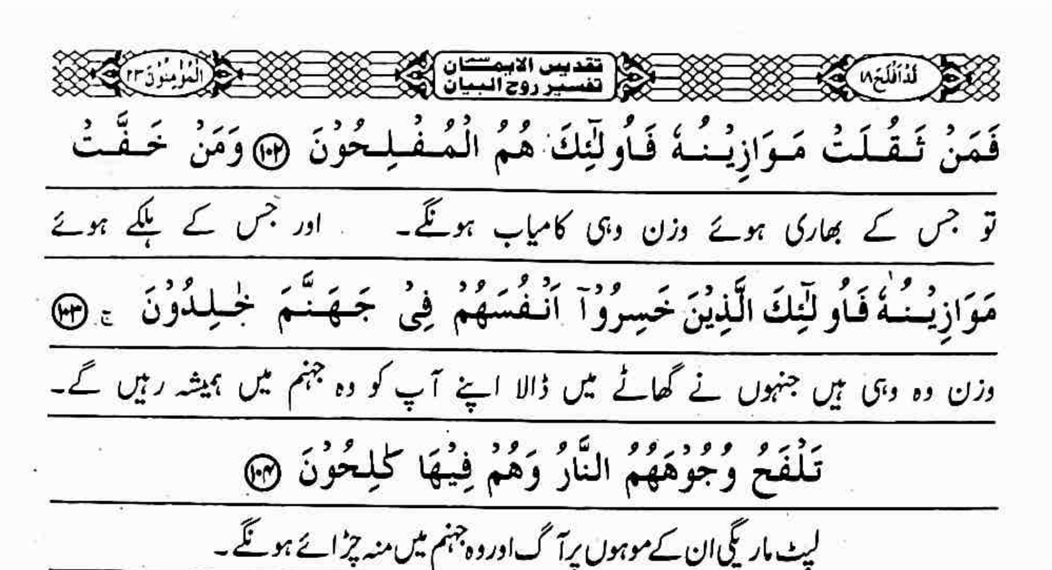
تو نہ رہیں گے رشتے آپس کے اس دن اور نہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے۔

(بقیہ آیت نمبر ۹۹) **فائدہ**: جب کافر یہ تمنا کرے گا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ دنیا میں کس لئے بھیجا جائے۔ کیا مال جمع کرنے یا باغ لگانے یا تعمیرات کرنے یا نہریں کھودے گا تو وہ کہے گا امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں جو پہلے نہ کر سکا اور توحید کی گواہی دونگا یعنی جن کاموں کے کرنے میں کوتاہی کی وہ اب کروں گا۔ **فائدہ**: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کی طرف رجوع کافر سے ہی مخصوص نہیں بلکہ مومن بھی یہ آرزو کرے گا۔

(آیت نمبر ۱۰۰) یعنی جب وہ کہے گا کہ میں واپس دنیا میں جا کر اب نیک کام کروں گا۔ تو اسے جھڑک کر کہا جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے۔ یہ لوٹنے کا ایک کلمہ ہی ہے۔ جسے کہنے والا کہہ دے گا یعنی یہ صرف اس کی آرزو ہی ہوگی۔ لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہیں ہوگی۔ اب تو ان کے پیچھے برزخ یعنی بہت بڑی آڑ ہے جو ان کے اور دنیا کے درمیان رکھ دی گئی ہے۔ اب اس کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ دنیا کا تو خاتمہ ہی کر دیا گیا ہے۔

فائدہ: انہیں پوری طرح دنیا کی طرف لوٹ کر جانے سے ناامید کر دیا جائے گا۔ کہ قیامت میں جا کر دنیا کی طرف لوٹنا بالکل ممتنع ہے۔ کہ دنیا کو نیست و نابود کر دیا جائیگا۔

(آیت نمبر ۱۰۱) پھر جب صور میں پھونکا جائیگا۔ یعنی نفحہ ثانیہ کے بعد لوگوں کو حساب و کتاب کیلئے اٹھایا جائے گا تو اس دن آپس میں حسب و نسب کا معاملہ ختم ہو جائیگا۔ نہ طولاً رہے گا یعنی باپوں اور بیٹوں کے درمیان اور نہ عرضاً ہوگا۔ یعنی بھائیوں اور چچوں کے درمیان۔ اس لئے فرمایا کہ آج کے دن رشتہ داریاں نہ ہوں گی نہ وہ ایک دوسرے رشتہ دار کے بارے میں آپس میں سوال کریں گے کیونکہ اس شدت ہول میں ہر ایک کو اپنی ہی جان کی پڑی ہوگی۔ کہ میں کسی طرح بچ جاؤں۔ (یہ ایک دور ہوگا۔ بعد میں ایک دوسرے کے متعلق پوچھ گچھ کر لیں گے۔)



فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

تو جس کے بھاری ہوئے وزن وہی کامیاب ہونگے۔ اور جس کے ہلکے ہوئے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

وزن وہ وہی ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

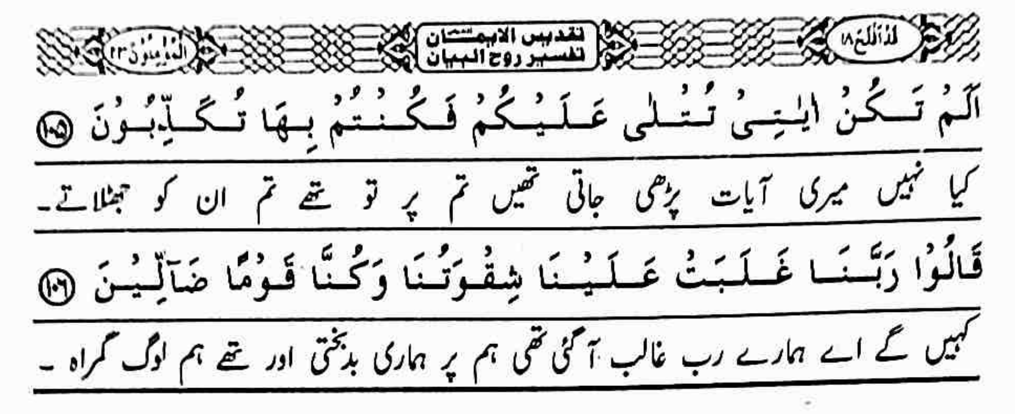
لپٹ ماریگی ان کے موہوں پر آگ اور وہ جہنم میں منہ چڑائے ہونگے۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰۱) **حدیث:** حضور ﷺ نے فرمایا۔ تین مقام انتہائی سخت ہوں گے۔ جہاں ہر ایک کے ہوش اڑ جائیں گے: (۱) اعمالنامہ ملنے کے وقت۔ (۲) وزن اعمال کے وقت۔ (۳) پل صراط پر۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

(آیت نمبر۱۰۲) تو جن کے عقائد صحیح ہوئے اور اعمال نیک ہوئے۔ ان کے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن ہیں۔ یعنی ان کی قدر و قیمت ہے اور یہی لوگ کامیاب بھی ہیں۔ اپنے ہر مطلب پر اور اپنے ہر پریشان کن امر سے نجات پانے والے ہیں۔

(آیت نمبر۱۰۳) اور جن کے وزن کم ہوئے۔ یعنی جن کے عقائد و اعمال خراب ہوئے ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و وقعت نہیں ہوگی وہ وہی ہوں گے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو خسارے میں رکھا ہوگا۔ یعنی ان کی جس استعداد نے انہیں کمال تک پہنچانا تھا۔ انہوں نے اسے باطل کر کے ضائع کر دیا۔ گویا انہوں نے اپنی زندگی کا سرمایہ ہی ضائع کر دیا۔ اپنی ہی غفلت سے۔ لہذا اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں ہی رہیں گے کیونکہ استعداد جو ملی تھی۔ کہ وہ اپنے عقائد و اعمال درست کر سکتے تھے۔ اسے فساد کرنے میں لگا دیا۔ لہذا فسادیوں کو اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ جیسے انڈا خراب ہو جائے۔ پھر اس کا نفع نہیں ہوتا۔

(آیت نمبر۱۰۴) جلادیگی ان کے چہروں کو جہنم کی آگ۔ یعنی میدان محشر میں ہی آگ ان کے چہرون پر آلگے گی چونکہ چہروں پر آگ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے یا بدن میں چہرہ کی تخصیص اس کی شرافت کی وجہ سے ہے۔ آگ کے وقت انسان چہرے کو بچانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے۔ لہذا چہرے کا ذکر کر کے انسان کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ وہ آگ کی سخت جلن کی وجہ سے بہت منہ کو چڑانے والے ہوں گے۔



اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کیا نہیں میری آیات پڑھی جاتی تھیں تم پر تو تھے تم ان کو جھٹلاتے۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہیں گے اے ہمارے رب غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور تھے ہم لوگ گمراہ۔

(بقیہ آیت نمبر۱۰۴) جیسے بکری کی سری کو جب بھونا جائے اور ہونٹ جل جانے کی وجہ سے دانت کھلے نظر آتے ہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ قیامت کے دن آگ سب سے پہلے چہروں کو جلائے گی تو ان کے اوپر والے ہونٹ کو جلانے کے بعد سر کے درمیان پہنچ جائے گی اور نیچے والے ہونٹ جل کر ناف تک لڑھک آئیں گے۔ (سنن الترمذی) (نعوذ باللہ من النار ونفحھا)۔ (لیکن یاد رہے جو مومن گناہ گار جہنم میں جائیں گے۔ ان کے چہرے نور ایمان کی وجہ سے سلامت رہیں گے)۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عتبہ نامی غلام کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن بازار سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ بکری کے بھنے ہوئے سر کو تنور سے نکال رہے تھے تو اس کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور تین دن بے ہوش رہے۔ ہوش آنے پر فوراً وہ ایمان لے آئے۔

(آیت نمبر۱۰۵) انہیں حقارت سے اور زجر وتوبیخ کرتے ہوئے اور یاد دھانی کراتے ہوئے کہا جائیگا کہ کیا تمہارے پاس ہماری آیات نہیں آئی تھیں یعنی کیا دنیا میں تمہارے سامنے ہماری آیات نہیں پڑھی گئی تھیں۔ لیکن تم نے ماننے کے بجائے ان کو جھٹلا دیا۔ لہٰذا اب تم اسی عذاب کے مستحق ہو۔ جس میں تمہیں ڈالا گیا۔

(آیت نمبر۱۰۶) تو اس وقت وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اس وقت ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی۔ جسے ہم نے خود اپنے برے اختیار سے اپنا لیا تھا۔ جس کی بناء پر آج یہ برے انجام سے دوچار ہوئے۔

فائدہ: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بدبختی سے مراد یہ ہے کہ وہ نفسانی خواہشات ولذات میں منہمک ہو گئے جو ان کی بدبختی کا سبب بن گئیں اور آگے کہیں گے کہ ہم مانتے ہیں کہ ہم سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ اسی وجہ سے ہم سے تکذیب ہوئی اور طرح طرح کے گناہ اور جرم ہو گئے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا

ہمارے رب نکال ہمیں اس سے پھر اگر لوٹ کر ایسا کیا تو بے شک ہم ظالم ہونگے۔ فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو

فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

اس میں اور نہ مجھ سے بات کرو۔ بے شک تھی ایک جماعت میرے بندوں کی جو کہتے اے ہمارے رب

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ج صلے ﴿۱۰۹﴾

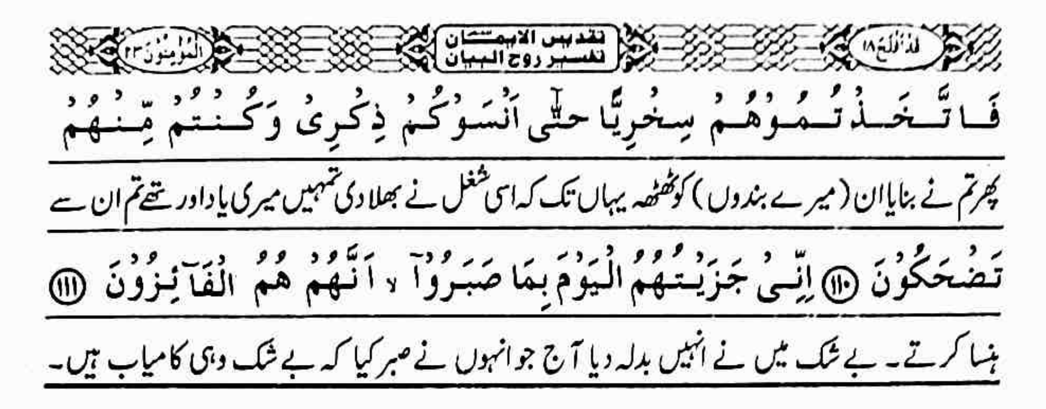
ہم ایمان لائے ہمیں بخش دے اور رحم کر اور تو بہتر رحم کرنے والا ہے۔

(آیت نمبر ۱۰۷) اے ہمارے پروردگار ہمیں اس عذاب سے ایک دفعہ نکال دے۔ اس کے بعد اگر ہم نے دوبارہ یہ غلطی کی تو پھر ہم واقعی بہت بڑے ظالم ہونگے۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کر کے حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ اگر بالفرض ہم ان کی بات مان کر ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج بھی دیں تو انہوں نے پھر بھی کرنا وہی ہے جو وہ پہلے کرتے رہے۔

(آیت نمبر ۱۰۸) اللہ تعالیٰ غضب وجلال سے انہیں جواب میں فرمائے گا۔ اسی جہنم کے عذاب میں خاموشی سے پڑے رہو۔ ذلت وخواری تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ اب کسی قسم کے سوال کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

فائدہ: ان کو ایسے جھڑکا جائیگا۔ جیسے کتے کو جھڑکا جاتا ہے تو کتا دروازے سے ہٹ کر خاموش الگ ہوجاتا ہے اور فرمایا جائے گا کہ جہنم سے نکلنے یا دنیا میں دوبارہ جانے کی بات مجھ سے مت کرو۔ اس لئے کہ اب ہمیشہ کیلئے تمہیں اسی جہنم میں رہنا ہوگا۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا میں نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی۔ اس میں تم نصیحت حاصل کر سکتے تھے الخ۔

(آیت نمبر ۱۰۹) بے شک شان یہ ہے۔ میرے بندوں میں سے ہی ایک جماعت وہ تھی یعنی ایمان والے دنیا میں کہا کرتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے یعنی تیری ذات پر اور تیری طرف سے آئے ہوئے سارے احکامات کو دل وجان سے مانا اور تصدیق کی۔ پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں اپنی تمام نعمتوں سے نواز۔ یعنی جہنم سے بچا کر جنت میں داخلہ نصیب فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ تیری رحمت ہی سب رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔



فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ

پھر تم نے بنایا ان (میرے بندوں) کو ٹھٹھہ یہاں تک کہ اسی شغل نے بھلا دی تمہیں میری یاد اور تھے تم ان سے

تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ہنسا کرتے۔ بے شک میں نے انہیں بدلہ دیا آج جو انہوں نے صبر کیا کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔

(آیت نمبر ۱۱۰) تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے کافرو تم تو میرے ان بندوں سے ٹھٹھا مذاق کرتے تھے۔ لہذا اب تم جہنم سے نکلنے کی استدعا وغیرہ مت کرو۔ اس لئے کہ تم میرے خالص بندوں کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ جب وہ "ربنا آمنا" کہا کرتے تو تم ان سے شغل کرتے۔ یہاں تک کہ تمہیں اس مشغلہ نے سب کچھ بھلا دیا یعنی تمہارا یہ مشغلہ اس قدر تھا کہ تمہیں میری یاد ہی نہیں آئی۔ کہ تم نے کبھی میرے ہاں بھی آنا ہے یا میری اطاعت کرنی ہے گویا میرا خوف ہی تمہارے دلوں سے نکل گیا تھا۔ اتنے تم ٹھٹھے مخول میں منہمک ہو گئے تھے اور ان میرے بندوں کو دیکھ کر خوب ہنستے تھے۔ اور آنکھوں سے ان کی طرف اشارے کرتے تھے۔ اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔

شان نزول: مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت بلال، عمار، سلیمان اور صہیب رضی اللہ عنہم اور ان جیسے غریب مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی کہ جب کفار مکہ ابوجہل وغیرہ بڑے مالدار ان غریبوں کو دیکھتے تو ان پر ہنسی مزاخ کرتے اور اسلام کے خلاف آوازیں کستے اور مسلمانوں کو ایذاء دیتے تھے۔

(آیت نمبر ۱۱۱) آج میں ان صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کی جزاء دینے والا ہوں جو تمہاری ایذاؤں پر صبر کیا کرتے تھے اور وہ میرے اور میرے رسول کی اطاعت کرتے۔ اس پر جو تم انہیں تکالیف دیتے تھے۔ اس پر وہ صبر کرنے کی وجہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے انہیں جنت میں بھیج کر جزاء دوں گا۔ اور ان کی تمام مرادیں پوری کروں گا۔ وہ اس جزاء کے لائق ہیں اور تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے محروم ہو گئے۔

فائدہ: کفار کو باقی سزاؤں کے علاوہ مسلمانوں سے ٹھٹھہ مزاح کرنے کی ڈبل سزا ملے گی۔ جس سے ان کی تکلیف میں کئی گنا اضافہ ہوگا۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ

فرمایا کتنے تم رہے زمین میں گنتی کے سال۔ بولے رہے ہم دن یا کچھ حصہ

يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ

دن کا پوچھ لیں گننے والوں سے۔ فرمایا نہ رہے تم مگر تھوڑا اگر بے شک ہو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

تم جانتے۔

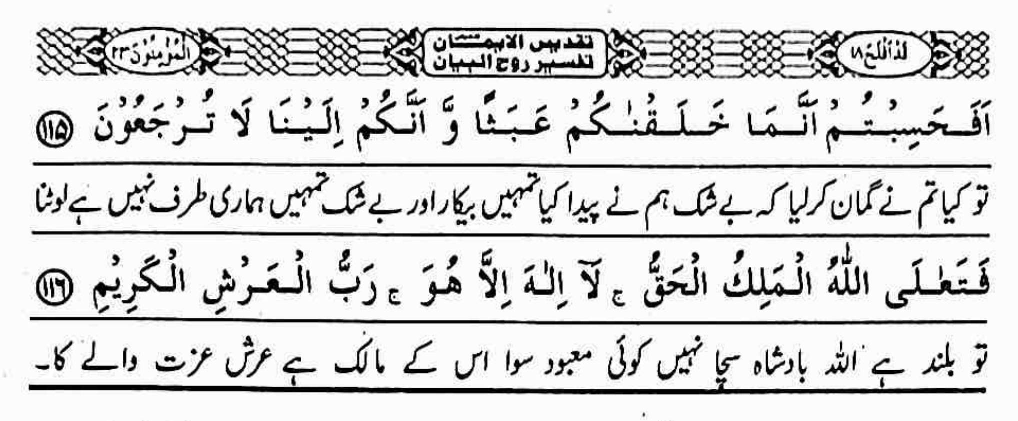
(آیت نمبر۱۱۲) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں یاددھانی کراتے ہوئے فرمائے گا۔

فائدہ :یعنی جب وہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا۔اس سے پہلے تم کتنا عرصہ زمین پر رہے۔یعنی جس دنیا کی طرف لوٹ کر جانا چاہتے ہواس سے پہلے کتنا زمانہ وہاں رہ آئے ہو سالوں کے حساب سے۔وہ گنتی کے حساب سے کتنے سال بنتے ہیں۔

(آیت نمبر۱۱۳) تو وہ عرض کریں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ رہے۔یہ انتہائی کم وقت آخرت یا دوزخ میں رہنے کے حساب سے ہوگا۔یا اس لئے کہ دنیا میں انہوں نے خوب عیش وعشرت فرحت وسرور کا وقت گزارا ہوگا۔فرحت وسرور کا وقت انتہائی جلدی سے گذر جاتا ہے۔لہذا انہیں گذرا ہوا وقت نہایت قلیل بلکہ معدوم نظر آئیگا۔آگے کہا ان سے پوچھ لیں جو زندگی کے ایام گننے والے ہیں۔اگر گذرے ہوئے ایام کی گنتی ضروری ہے تو ان سے پوچھیں جو آرام میں ہیں ہم تو عذاب میں مبتلاء ہیں۔اسی سے فرصت نہیں ہے۔

(آیت نمبر۱۱۴) تو اللہ تعالیٰ ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمائیگا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا ہی رہے۔کاش تمہیں دنیا میں ہی علم ہوتا لیکن نہ اُس وقت تم نے اسے جان کر قدر کی۔نہ اب تمہیں اس کی کچھ قدر ہے۔

فائدہ :بحرالعلوم میں ہے کہ باوجودیکہ تم نے دنیا میں کافی عرصہ گذارا (ساٹھ ستر یا زیادہ سال) لیکن اب تمہیں اس کا کوئی علم نہیں رہا۔اگر تمہیں اس کا کچھ علم ہوتا تو ضرور بتادیتے۔لیکن نہ تمہیں یاد ہے نہ بتا سکتے ہو۔بے شک دنیا وآخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل یعنی بہت تھوڑی ہے۔



اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

تو کیا تم نے گمان کرلیا کہ بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں بیکار اور بے شک تمہیں ہماری طرف نہیں ہے لوٹنا

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

تو بلند ہے اللہ بادشاہ سچا نہیں کوئی معبود سوا اس کے مالک ہے عرش عزت والے کا۔

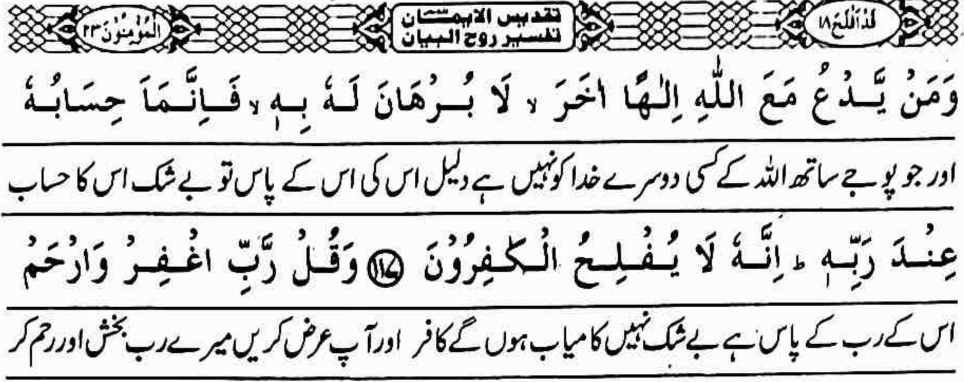
(بقیہ آیت نمبر۱۱۴) **سبق**: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کا تدارک کرے اور اصلاح کی کوشش کرے۔ اس سے پہلے کہ سانس ختم ہو جائیں اور موت سارا کھیل اجاڑ دے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ زندگی کے ان چند لمحات کو غنیمت جانو اور نیک اعمال میں پوری جدوجہد کرو۔ غلط حیلے بہانے چھوڑ دو۔ اس لئے کہ دنیا میں رہنے کیلئے اب بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے اور عمر محدود ہے۔ آخرت لمبی ہے اس کے سنوارنے میں کوشش کرو۔

(آیت نمبر۱۱۵) کیا تم اس گمان میں ہو کہ میں نے تمہیں بے کار اور حکمت کے تقاضوں کے خلاف پیدا کیا ہے اور تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ ہم نے تمہیں اس لئے پیدا کیا تھا کہ تم نیک عمل کرو گے۔ پھر قیامت کے دن ہمارے ہاں آکر اچھی جزاء پاؤ گے۔ اور تم نے اپنا وقت ضائع ہی کر دیا۔

فائدہ: ترمذی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور اپنے بندوں کو وہ عبادت کا اچھا اجر دے اگر وہ عبادت کریں گے تو وہ عبادت سے آزادی اور عزت وعظمت پائیں گے۔ یعنی دنیا میں عبد تھے تو آخرت میں بادشاہ ہوں۔ ورنہ ترک عبادت سے وہ مالک کی نظروں سے گر جائیں گے اور ان کا بدبختوں میں شمار ہوگا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں شمار ہوگا اور ان کے ساتھ ہی جہنم میں جانا ہوگا۔ **حدیث قدسی**: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے مخلوق کو اس لئے بنایا کہ وہ مجھ سے نفع اٹھائے۔ مجھے ان سے کوئی نفع نہیں ہے (احیاء العلوم)۔ **فائدہ**: بحر الحقائق میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں نفع حاصل کرنے کیلئے پیدا کیا۔ ورنہ تمہاری پیدائش کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (لہٰذا مجھے راضی کرکے دنیا وآخرت کا نفع حاصل کرو)۔

(آیت نمبر۱۱۶) اللہ تعالیٰ کی ذات بلند وبالا ہے اور مخلوق کی مماثلت سے منزہ ہے۔ وہ برحق بادشاہ ہے۔ مخلوق کے بنانے اور مٹانے میں زندہ رکھنے اور مارنے میں پہلی دفعہ اور دوبارہ بنانے میں جزاء وسزا دینے میں ہر لحاظ سے مختار ہے۔ اور مطلق طور پر مالکیت وملک سب اسی کے لئے ثابت ہے۔



(بقیہ آیت نمبر ۱۱۶) **فائدہ**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ملک وملکیت میں اور ذات وصفات میں اور افعال میں کل موجودات سے مستغنی ہے۔ بلکہ کل موجودات اس کے محتاج ہیں۔ امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کی ہر بات سچی ہے اور مخلوق میں سے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں اگر وہ مخلوق پر کوئی احسان فرماتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق اس کی مستحق تھی بلکہ وہ اپنے فضل وکرم سے احسان فرماتا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۷) اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہر چیز اس کی عبد ہے اور وہ عرش کریم کا رب ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تابع فرمان اور اس کے احاطے میں ہے۔ اس کا فضل عمیم اسی عرش فیض کریم سے ہے۔ اور اس کی رحمت اور کرم مخلوق کی طرف تقسیم ہو کر آتا ہے۔ پوری کائنات اس کے فیض سے مستفیض ہو رہی ہے۔

(آیت نمبر ۱۱۸) جو لوگ اللہ کے ساتھ اوروں کی عبادت کرتے ہیں۔ خواہ اکیلے یا ملا کر حالانکہ ان کے پاس اللہ کے سوا کسی کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ باطل دین والوں کے پاس کبھی کوئی دلیل ہوتی ہی نہیں۔ نہ عقل اس پر گواہی دیتا ہے۔ تمام باطل مذاہب تک تخمینے پر بنے ہیں۔ تو بے شک ایسوں کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہی ہے۔ جس کے وہ مستحق ہیں اسی کے مطابق وہ سزا پائیں گے۔ بے شک یہ بات پکی ہے کہ کافروں کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ یعنی وہ آخرت میں اپنے برے حساب سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

فرمادیں۔ اے میرے پروردگار مجھے بخش دیں اور رحم فرمائیے۔ **فائدہ**: یہ جملہ امت کی تعلیم کیلئے ہے ورنہ

نبی تو معصوم عن الخطا ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی استغفار ان کے درجات کو بڑھاتی ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ رب تبارک وتعالیٰ سے یوں ہی بخشش طلب کرے۔

فائدہ: اس آیت میں حضور ﷺ کو بھی استغفار اور رحم طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ دین کے اہم امور سے ہے کہ وہ ذات جس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ اس کے باوجود انہیں بخشش اور رحمت مانگنے کا حکم ہے۔ پھر ہم کس شمار میں ہیں۔

فائدہ: لہٰذا امت کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اقتداء میں یوں ہی دعا کیا کرے۔

آگے فرمایا کہ تو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ یہ آیت ہر مرض کا علاج ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس گئے جو سخت لاعلاج مرض میں مبتلا تھا۔ تو انہوں نے یہی آیات پڑھ کر اس پر دم کیا تو وہ فوراً صحت مند ہو گیا اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان آیات کو صدق دل سے پڑھا جائے تو پہاڑ بھی جگہ سے ہٹ جائے۔

فائدہ : مروی ہے کہ اس سورۃ کی پہلی اور آخری آیات عرش کے خزانوں میں سے ہیں ان آیات کو پڑھنے والا دارین میں فلاح ونجات پائے گا۔

مورخہ ۲۶ اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق رجب بروز منگل بوقت نماز صبح

سورۃ النور ۲۴ — مدنیۃ ۱۰۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتہا ۶۴ — رکوعاتہا ۹

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

اس سورۃ کو ہم نے اتارا اور اس کے احکام فرض کئے اور اتاریں اس میں آیتیں واضح تاکہ تم دھیان کرو۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

بدکار عورت اور بدکار مرد لگاؤ کوڑے ہر ایک کو ان میں سے سو سو اور نہ آئے تمہیں ان پر

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ

ترس دین الٰہی کے مقابلے میں اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ پر اور روز آخرت پر۔ اور چاہئے کہ حاضر ہو

عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

ان کی سزا کے وقت ایک جماعت مسلمانوں کی

(آیت نمبرا) امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں پاک دامنی، ستر وحجاب اور پردہ کے احکام بیان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو سورۂ نور پڑھایا کرو۔ اسی طرح کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے۔ آگے فرمایا۔ یہ وہ عظمت وشان والی سورۃ ہے کہ ہم نے اسے عالم قدس سے جبریل امین کے ذریعے نازل فرمایا اور اس کے اندر نازل شدہ احکام بھی تم پر قطعی طور پر واجب فرمائے واجب اور فرض کا اصطلاحا ایک ہی معنی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ باعتبار وقوع وثبات کے واجب کہا جاتا ہے اور بحکم قطعی ہونے کے فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آگے فرمایا کہ ہم نے اس میں وہ آیات نازل فرمائیں کہ ان آیات کے احکام کے واضح اور روشن دلائل پائے جاتے ہیں اور انہیں اس لئے نازل کیا تاکہ تم ان سے نصیحت پکڑو اور ان احکامات کے مطابق فیصلے کرو۔

(آیت نمبر۲) بدکار عورت اور مرد یعنی جو مرد یا عورت زنا کا ارتکاب کریں۔ زانیہ کا ذکر اس لئے پہلے کیا کہ اس فعل کا سبب زیادہ تر عورت ہی بنتی ہے اور کثرت شہوت بھی اسی میں پائی جاتی ہے تو فرمایا کہ اگر دونوں زنا کا ارتکاب

کریں تو اے اسلامی اور قرآنی احکام کو قبول کرنے والو۔ ان دونوں کو سو سو درے مارو۔ پہلے یہ حکم شادی شدہ اور غیر شادی دونوں کیلئے تھا۔ پھر شادی شدہ کیلئے سنگ سار کرنے کا حکم آ گیا۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ غیر شادی شدہ کی حد سو درہ ہے اور شادی شدہ کی حد سنگ ساری ہے۔

قاعدہ فقہی:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنگسار کرنے کیلئے چھ شرائط ہیں: (۱) اسلام۔ (۲) آزاد۔ (۳) عقل۔ (۴) بلوغت (۵) نکاح صحیح۔ (۶) دخول۔ ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو سنگسار نہیں کیا جائیگا۔

آگے فرمایا کہ سزا دیتے وقت تمہیں ان دونوں میں سے کسی پر رافت وشفقت یعنی ترس نہ آئے۔ رأفۃ رقت قلبی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت اور حدود اللہ قائم کرنے میں ان پر مہربانی کر کے کوڑے کم مارو۔ یا چشم پوشی کر کے حد کی تکمیل نہ کرو یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جسے حد ماری جاتی ہے وہ عجز وانکساری کرتا ہے فریاد کرتا ہے رحم کی اپیل کرتا ہے۔ لہذا اس پر ترس کھا کر حد معاف کرنا یا کم کرنا حقوق الٰہی میں کمی کرنے کے مترادف ہے اسی بات سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

حدیث میں ہے بروز قیامت ان حکام کو لایا جائیگا۔ جنہوں نے حدود اللہ میں کمی کی ہوگی۔ انہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم مجھ سے بھی زیادہ رحیم ہو گئے تھے۔ احکام الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ پھر انہیں لایا جائیگا۔ جو حدود میں کوڑوں کی سزا حد سے زیادہ دے۔ انہیں بھی جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ (کشاف)

آگے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اس ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی اطاعت وعبادت میں پوری کوشش کی جائے اور احکام الٰہیہ کے جاری کرنے میں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کی جائے۔

آگے فرمایا کہ زانی اور زانیہ کو حد مارتے وقت معتبر مومنین اور نیک لوگوں کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے کوڑوں کی سزا ڈبل سزا ہو جاتی ہے اور گندی شہرت سے مجرم اپنے جرائم اور گناہوں سے باز آ جاتے ہیں۔ (زانی کی سزا کے مزید احکام فیوض الرحمان میں پڑھ لیں)۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ز وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ

زانی مرد نہ نکاح کرے مگر بدکار عورت یا مشرکہ عورت سے اور بدکار عورت نہ نکاح کرے اس سے مگر بدکار مرد

اَوْ مُشْرِکٌ ج وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

یا مشرک مرد سے۔ اور حرام ہے یہ اوپر مسلمانوں کے۔

(آیت نمبر ۳) زانی نہ نکاح کرے مگر زانیہ عورت سے یا مشرکہ عورت سے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل ایمان کو زنا سے روکا ہے۔ وہاں زنا کے مرتکب لوگوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی روکا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ زانی آدمی نیک عورت کے بجائے بدکار عورتوں سے نکاح کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اسی طرح بدکار عورت بھی بدکار مردوں کی طرف میلان رکھتی ہیں۔ بلکہ نیک مردوں سے تو وہ نفرت کرتی ہیں۔ مشرک اور زانی کو آپس میں اس لئے جوڑا کہ جیسے مشرک اصلی خدا کو چھوڑ کر نقلی خدا کو پوجتا ہے۔ اسی طرح زنا والی اصلی خاوند کو چھوڑ کر دوسرے مردوں کے پاس جاتے ہیں۔ اس رشتے کی وجہ سے ان کو آپس میں جوڑ دیا۔

شان نزول: مروی ہے کہ فقراء مہاجرین نے مدینہ طیبہ کی دولتمند عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت ظاہر کی تاکہ وہ انہیں دولت دے دیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہی رواج تھا درحقیقت وہ مسلمانوں کو ورغلانا چاہتی تھیں۔ خصوصاً غریب و مسکین مسلمان جو روزی سے تنگ تھے۔ وہ ان کے دام تزویر میں پھنس جاتے تھے۔ پھر مسلمانی میں کمزور پڑ جاتے تھے (جیسے آج کل سعودی یہودنوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں) بہرحال اس سلسلہ میں بعض صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی تو انہیں نفرت دلائی گئی اور انہیں بتایا گیا کہ بدکار عورتوں سے تم بچو۔ لہذا زانی زانیہ سے نکاح کرے یا مشرکہ عورت سے اسی طرح زانیہ عورت زانی مرد سے یا مشرک مرد سے نکاح کرے۔ یہ مومنوں کیلئے حرام ہیں مسلمانوں کو مشرکوں سے دور رہنے کا سخت حکم دیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ فرمایا۔ نہ مشرکین کے ساتھ رہو۔ نہ ان کے اجتماع میں جاؤ اس لئے کہ جو ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا وہ ان سے ہی ہوگا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (اخرجہ الحاکم فی صحیحہ)

مسئلہ: یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو دیکھ کر خواہش کرنا کاش میں ان سے ہوتا اور ان عورتوں سے نکاح کرتا۔ ایسی تمنا کرنا کفر ہے۔ (العیاذ باللہ)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں پارسا عورتوں پر پھر نہیں لاتے چار گواہ تو مارو انہیں اسی کوڑے

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ ④

اور نہ مانو ان کی گواہی کبھی بھی — وہی لوگ فاسق ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۳) **سبق**: مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ممکن حد تک اپنے آپ کو ان سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ غیور ہے اسے یہ بات ہرگز پسند نہیں۔ **مسئلہ**: عورت کو بری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا کے برابر ہے۔

زنا کی نحوست: حضور ﷺ نے فرمایا لوگو زنا سے بچو۔ اس لئے کہ زنا میں چھ خرابیاں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا میں: (۱) عزت وآبرو ختم ہو جاتی ہے۔ (۲) تنگدستی آجاتی ہے۔ (۳) عمر کم ہو جاتی ہے۔ **آخرت میں**: (۱) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی۔ (۲) حساب کی سختی۔ (۳) جہنم کا عذاب۔

(آیت نمبر ۴) وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں یہاں محصنات کی تخصیص اس لئے ہے کہ ان پر عموماً بہتان تراشی ہوتی ہے۔ ورنہ مرد وعورت اس میں برابر ہیں۔

مسئلہ: علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حد قذف کی پانچ شرائط ہیں: (۱) آزاد ہونا۔ (۲) بالغ ہونا۔ (۳) عاقل ہونا۔ (۴) مسلمان ہونا۔ (۵) پہلے زنا کی تہمت نہ لگی ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک بار زنا کیا۔ بعد میں توبہ کرلی۔ پھر ہر طرح کی برائی سے بچتا رہا۔ اس پر بھی کسی نے زنا کی تہمت لگائی تو اس پر اس بہتان تراشی کی کوئی حد نہیں لگے گی۔

تہمت کے الفاظ: اے زانیہ، زانی کے بیٹے، زنا سے پیدا ہونے والے، زانیہ کے بیٹے، تیرا اپنا باپ نہیں، فلاں کی بیٹی، تہمت کی حد اسی کوڑے ہیں۔

جھوٹی تہمت لگانے والے پر تعزیر: واجب ہو جاتی ہے جب کہے اے فاسق، اے شراب پینے والے، اے سود کھانے والے یا اے خبیث، یا اے نصرانی اے یہودی اے مجوسی وغیرہ۔

مسئلہ: تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا انتالیس کوڑے اور کم از کم تین کوڑے ہیں۔ غلام کی حد چالیس کوڑے ہیں۔

مسئلہ: حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد کی سزا مقرر ہے اور تعزیر کی سزا مقرر نہیں ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

مگر جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور اصلاح کی۔ پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۴) تعزیر لگانا حاکم وقت کی رائے اور صوابدید پر منحصر ہے۔ نیز حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔ نیز حد بچے پر نہیں لگتی تعزیر لگ سکتی ہے وقت گذر جانے سے بھی حد ساقط ہوتی ہے۔ تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔

آگے فرمایا کہ اگر تہمت لگانے والے چار گواہ نہ لا سکے۔ تب اس پر حد لگ سکتی ہے۔

مسئلہ: حدود میں عورتوں کی گواہی نامقبول ہے۔

مسئلہ: امام اعظم کے نزدیک چاروں گواہوں کی گواہی بیک وقت ضروری ہے اگر وہ گواہ نہ لا سکے۔ تو بہتان تراشی کرنے والوں کو اسی اسی کوڑوں کی سزا ہوگی۔ ان کی پھر کسی عدالت میں کبھی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ خواہ انہوں نے اس گناہ سے توبہ بھی کر لی ہو۔ اس لئے کہ یہ لوگ فاسق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہتان تراشی گناہ کبیرہ ہے۔

(آیت نمبر۵) مگر جن لوگوں نے اتنے بڑے گناہ کے بعد توبہ کی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی۔ یعنی جس پر تہمت لگائی اس سے معافی مانگ لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ وہ ستار رحیم و کریم ہے کہ لوگوں کی خطاؤں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ حدود نافذ کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ بندے بھی اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے کا کذب کسی پر ظاہر نہ کریں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ اس شخص سے سخت ناراض ہوئے جو دوسرے کے عیب ظاہر کرتا تھا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی سر محشر سب کے سامنے رسوا کرے گا (اخرجہ احمد وابوداؤد)۔ ایک اور **حدیث** میں فرمایا جو کسی مسلمان کے عیب و خطا چھپاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب و خطا چھپائے گا۔ (ریاض الصالحین)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

اور جولوگ عیب لگائیں اپنی بیویوں کواور نہ ہوں ان کے پاس گواہ مگر وہ خودتو گواہی دے ایک ان میں سے

اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

چارمرتبہ اللہ کے نام سے کہ بے شک وہ اس بات میں سچا ہے

(آیت نمبر ۶) وہ لوگ جواپنی بیویوں پرتہمت لگاتے ہیں یعنی اسے زانیہ کہا۔

مسئلہ: اگرآگے سے عورت نے مرد سے کہاتو زانی ہےتو عورت پرحد آئے گی۔ مرد پر نہیں۔ مرد پرلعان ہے۔

لعان کا آغاز: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ جو پاکدامنہ پرتہمت لگاتے ہیں پھر گواہ نہ لاسکے۔ الخ تو عاصم بن عدی نے کہا کہ اگر ایک آدمی گھر میں داخل ہوااور اپنی عورت کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے پھر گواہ تلاش کرنے جائے تو اتنے میں وہ برائی سے فارغ ہوکرنکل جائے تو وہ کیا کرے۔ اتفاق سے اسی دن عاصم کا چچازاد عاصم سے آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی حولہ بنت قیس کوشریک بن شحماء کے ساتھ برائی کی حالت میں دیکھا تو عاصم نے اناللہ پڑھی اور دربارنبوی میں حاضر ہوکرعرض کی کہ آج جو میں نے سوال کیا تھا۔ اتفاق سے اس میں میرے خاندان والے مبتلا ہوگئے۔ آپ نے پوچھاوہ کیسے تو انہوں نے کہا میرے چچازادعویمر نے اپنی بیوی خولہ کو شریک کے ساتھ برائی کرتے دیکھا تو حضور ﷺ نے سب کو بلاکرعویمر سے فرمایا کہ تو اپنی بیوی کے بارے میں خدا سے ڈر۔ اس پر بہتان نہ باندھ۔ تو اس نے عرض کی۔ قسم بخدا میں نے شریک کو اپنی بیوی کے پیٹ پر اپنی آنکھوں سے دیکھااور میں نے چار ماہ سے اپنی بیوی سے جماع بھی نہیں کیااور اب یہ حاملہ ہےتو حضور ﷺ نے خولہ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کراور سچ سچ بتادے۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ۔ عویمر غیرت مند انسان ہے اس نے شریک کو دیکھا کہ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھااور کبھی کبھی میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے اتنی سی بات پرعویمر نے مجھ پرتہمت لگادی۔ اتنے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی کہ عورت پر بہتان لگنے سے لعان کیا جائے۔ نمازعصر کے بعد حضور ﷺ نے عویمر سے فرمایا کہ تو کھڑا ہوکر کہہ دے خولہ زانیہ ہےاور میں سچا ہوں دوبارہ یہ کہلوایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی قسم خولہ میرے سوا کسی اور سے حاملہ ہے۔ یقیناً میں سچا ہوں تیسری اور چوتھی بار کہلوایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خولہ زانیہ ہےاور میں نے اس کو چار ماہ سے جماع نہیں کیا میں یقیناً سچا ہوں۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾

اور پانچویں بار کہے بے شک لعنت ہو اللہ کی اس پر اگر ہو جھوٹوں سے۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) پانچویں بار کہلوایا۔ عویمر پر لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد عویمر کو بٹھا دیا۔ پھر خولہ سے فرمایا کھڑی ہو اور کہہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میں سچی ہوں میرا خاوند جھوٹا ہے۔ دوسری بار کہلوایا کہ میں گواہ ہوں کہ شریک نے میرے ساتھ زنا نہیں کیا۔ میرا خاوند جھوٹ بولتا ہے۔ تیسری بار کہلوایا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میرا حمل عویمر سے ہے۔ اس نے جھوٹ کہا کہ میرا حمل غیر سے ہے چوتھی بار کہلوایا کہ میرے شوہر نے مجھے برائی کرتے نہیں دیکھا وہ جو کہتا ہے وہ جھوٹ ہے پانچویں دفعہ کہلوایا کہ خولہ پر غضب الٰہی ہو اگر عویمر دعوے میں سچا ہو ان گواہیوں کے بعد حضور ﷺ نے دونوں میں جدائی کا حکم فرما دیا اور فرمایا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اسے ماں کے حوالے کر دینا۔ اسے باپ کی طرف منسوب نہ کرنا۔

آگے فرمایا کہ جب اپنی عورتوں پر تہمت لگائیں اور گواہ نہ ہو سوائے ان کی اپنی ذات کے تو پھر ان میں سے ہر ایک اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ شہادت مشروعہ دے اور کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔

اور پانچویں مرتبہ شہادت میں یوں کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو۔ یعنی اس دعوے میں جس میں اس نے زنا کی تہمت لگائی ہے۔

مسئلہ: مرد جب لعان کر چکے تو عورت کو قید کیا جائے یہاں تک وہ اعتراف کر لے تو سنگ سار کی جائے یا وہ بھی لعان کرے۔

(آیت نمبر ۷) مرد چار مرتبہ قسم کھانے کے بعد فوراً پانچویں مرتبہ کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹ بولوں۔

نوٹ: لعنت اگرچہ کفار پر کی جاتی ہے۔ لیکن مسلمان پر اگر ایسا موقع آ جائے تو کہنے میں حرج نہیں ہے۔ لعنت کی نسبت اگر مسلمان کی طرف ہو تو مراد ہے۔ خیر سے دوری۔ یہ انسان کی دوسروں کیلئے بددعا ہے اور جب نافرمانی سے وہ نکل آئے تو پھر وہ خیر حاصل کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ⑧

اور ٹالے اپنے سے عورت سزا کہ وہ گواہی دے چار بار اللہ کو حاضر جان کر بے شک وہ (خاوند) جھوٹوں سے ہے

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨

پانچویں بار کہے بے شک غضب الٰہی ہو اس (عورت) پر اگر وہ ہو (مرد) سچوں سے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ع ⑩

اور اگر نہ ہوتا فضل الٰہی تم پر اور رحمت اس کی اور بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے

(آیت نمبر ۸) پھر عورت یوں اپنے عذاب کو دور کرے چونکہ سنگساری بھی دنیوی عذاب ہے۔ لہذا وہ بھی چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔ اس دعوی میں جو اس نے مجھ پر تہمت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ گواہی میں یہ کہے کہ مجھ پر غضب الٰہی ہو اگر میرا شوہر سچا ہے اپنے دعوے میں جو اس نے مجھ پر تہمت لگائی ہے۔ (لعان کی مزید تفصیلات کتب فقہ میں دیکھ لیں) **مسئلہ**: عورت لعان کے بعد مطلقہ بائنہ ہوگئی۔ امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک۔ اور دیگر تمام اماموں کے نزدیک فرقت دائمہ ہوگی۔

(آیت نمبر ۹) عورت چار مرتبہ قسمیں کھانے کے بعد پانچویں مرتبہ کہے کہ اس عورت پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو (غضب انتقام کے وقت خون کھولنے کو کہتے ہیں۔ **حدیث شریف**: اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ غضب سے بچو۔ اس لئے کہ یہ ایک چنگاری ہے۔ جو انسان کے دل میں سلگتی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اس وقت آدمی کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں تو آگے وہ کہے کہ مجھ پر غضب الٰہی ہو اگر وہ تہمت لگانے والا سچا ہے۔ اس کے بعد عورت خاوند میں طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ امام اعظم کے نزدیک۔

(آیت نمبر ۱۰) اے تہمتیں لگانے والو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا اور تمہاری کوتائیوں کو معاف نہ فرماتا تو تم پر عذاب نازل ہوتا۔ یا خاوند پر حد قذف ہوتی کیونکہ ان میں سے ایک نہ ایک تو ضرور جھوٹا ہوگا۔ یہ اس کے لطف و کرم کی دلیل ہے کہ اس نے اپنی حکمت سے ایسا حکم جاری فرما دیا کہ بندے تکلیف سے بچ گئے اور ایک دوسرے کا پردہ بھی رہ گیا اور حد بھی دفعہ ہوگئی اور توبہ کیلئے اس کو وقت مل گیا۔ یہ سب اس کی رحمت اور فضل و کرم ہے۔ آگے فرمایا بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے۔ کہ بندہ جب بھی سچے دل سے توبہ کرے تو وہ توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ

بے شک جو لائے بڑا بہتان وہ ایک جماعت تم سے۔ نہ سمجھو اس کو برا اپنے لئے۔ بلکہ وہ بہتر ہے

لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ

تمہارے لئے۔ ہر شخص کیلئے ان سے وہ ہے جو اس نے کمایا گناہ میں سے۔ اور جس نے حصہ لیا اس میں بڑا

مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

ان میں سے اس کیلئے عذاب بھی بڑا ہے۔

(آیت نمبر ۱۱) بے شک جن لوگوں نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا۔ **واقعہ**: غزوہ بنی المصطلق کو جاتے وقت حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے گئے۔ ابھی پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ مائی صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس جنگ سے واپسی پر رات کے وقت مدینہ شریف سے باہر ہی ایک جگہ قیام کیا تو میں قافلہ سے دور قضاء حاجت کیلئے چلی گئی جاتے یا آتے راستے میں میرا ہار گم ہو گیا میں اسے تلاش کرنے لگ گئی۔ قافلہ آگے چلنے لگا تو کجاوہ اٹھانے والوں نے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا چونکہ میرا اتنا وزن نہیں تھا کہ انہیں اٹھاتے وقت محسوس ہو۔ انہوں نے سمجھا میں کجاوے میں ہوں۔ انہوں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چلے گئے۔ مجھے جب ہار ملا تو میں واپس آئی۔ دیکھا تو قافلہ جا چکا تھا۔ میں وہیں بیٹھ گئی۔ حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ قافلے میں سے کسی کو حکم دیتے کہ وہ صبح تک وہیں رہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہو تو وہ لے آئے۔ اس دفعہ اس ڈیوٹی پر حضرت صفوان مامور تھے جو ایک برگزیدہ صحابی تھے۔ میرے قریب آ کر انہوں نے مجھے پہچان لیا اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر میرے قریب اونٹ بٹھا دیا۔ میں اس پر بیٹھ گئی اور ہم قافلے سے جا ملے چونکہ وقت دوپہر کا ہو گیا تھا تو کچھ لوگوں نے دیکھ لیا ان میں سے کچھ نے مجھ پر بہتان وافتراء باندھا۔ ان بدقسمتوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ابن سلول منافقین کا سردار تھا۔ اس بدبخت نے یہ بات ہر طرف پھیلا دی اور ہر جگہ اس بات کا چرچا ہونے لگا اور مجھے اس غلط پروپیگنڈے کا علم نہیں تھا۔ البتہ میرے والدین تک یہ خبر پہنچ گئی تھی۔ مجھے اور تو کچھ علم نہیں تھا۔ البتہ حضور ﷺ کا میرے ساتھ وہ لطف وکرم والا رویہ اب نہیں تھا جو پہلے ہوتا تھا۔ میں نے بیماری کی وجہ سے میکے جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت فرما دی۔ والدین کو اس کا علم ہونے کے باوجود انہوں نے اس بارے میں میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ سنا گمان مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنوں پر اچھا ہوتا اور کہتے

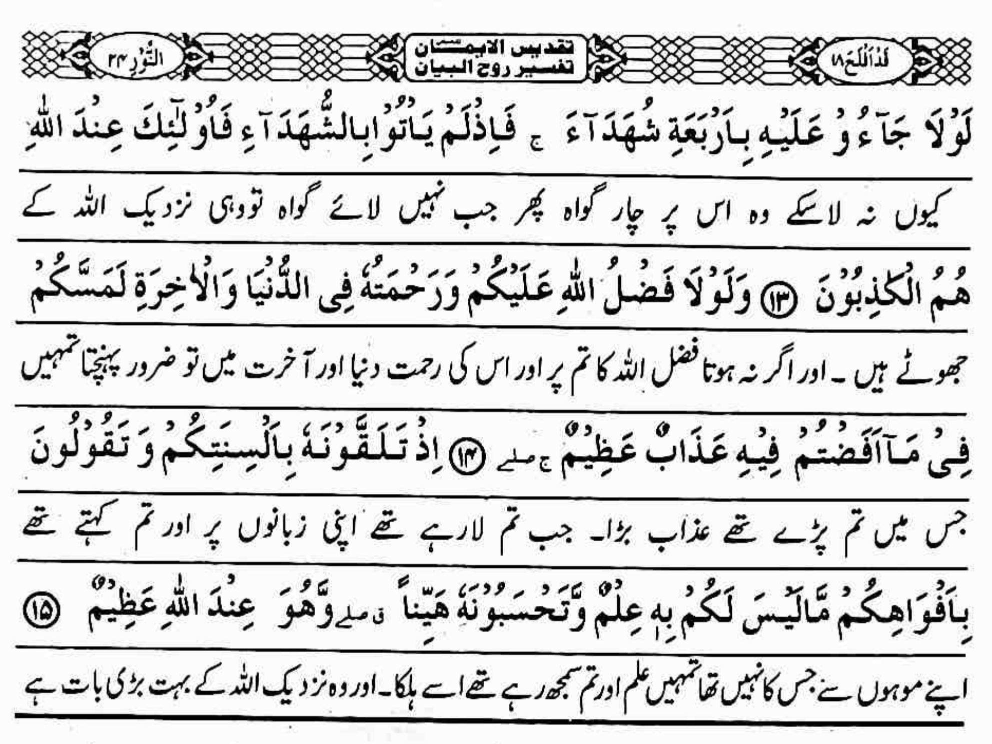
هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾

کہ یہ تو بہتان ہے کھلا۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۱) تقریباً ایک ماہ اسی حالت میں گذر گیا۔ ایک رات ام مسطح کے ساتھ قضاء حاجت کیلئے جاتے ہوئے راستے میں مجھے ام مسطح نے سارا واقعہ سنایا کہ منافقین تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ سن کر میں اور زیادہ بیمار ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں نے وہ پوری رات روتے ہوئے گذار دی۔ نہ آنسو آنا بند ہوئے۔ نہ نیند آئی۔ اس تمام عرصے کے درمیان میرے متعلق کوئی وحی بھی نازل نہ ہوئی اور حضور ﷺ نے میرے بارے میں صحابہ سے مشورہ بھی کیا۔ پورے ماہ کے بعد وحی اتری تو حضور ﷺ میرے والدین کے گھر میں تشریف فرما تھے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ نے تیری برات پر آیات نازل فرمادی ہیں تو اس الزام سے بری ہے اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کر۔

مسئلہ :اب جو بھی عائشہ صدیقہ کے بارے میں اس وقعہ کو بیان کر کے کہے مائی صاحبہ قصور وار تھیں تو وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کا انکار کر رہا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جا کر وہی آیات سنائیں اور بہتان باندھنے والوں کو اسی اسی کوڑوں کی سزا دی گئی۔ تو آگے فرمایا جن لوگوں نے بہتان لگایا وہ معمولی سی جماعت ہے لیکن اے میرے پیارے رسول اور صحابہ کرام تم اس کو شر نہ سمجھو۔ بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے تمہارے لئے اس میں اجر و ثواب بھی ہوا اور تمہاری عزت میں اضافہ بھی ہوا اور بہتان لگانے والوں میں سے ہر ایک کو جو اس نے برا کیا اس برائی کا حصہ ملا۔ یعنی حرم نبوی میں جس نے بہتان لگایا یا اس پر ہنسی مزاح کی یا ان کا کسی طرح ساتھ دیا ان میں سے ہر ایک کو سزا ملی اور وہ جو بڑے افتراء کا مرتکب ہے ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔

(آیت نمبر ۱۲) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس بات کو سنا۔ ایمان کا تقاضا تو یہی ہے کہ مومن مرد و عورت ایک دوسرے پر آپس میں اچھا گمان کرتے۔ وہ تو ایک دوسرے کے عیب نہیں بیان کرتے۔ لہٰذا اے مسلمانو جب تم نے سنا تو صاف کہتے یہ واضح اور کھلا بہتان ہے۔ خاص کر کے صدیقہ بنت صدیق تو حرم رسول سے ہیں۔ اس موقع پر تو تمہیں اور بھی زیادہ احتیاط کرنی چاہئے تھی۔ تو تم اس بات کو رد کر کے منافقوں کا منہ بند کر دیتے۔



لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ج فَاِذْلَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

کیوں نہ لاسکے وہ اس پر چار گواہ پھر جب نہیں لائے گواہ تو وہی نزدیک اللہ کے

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

جھوٹے ہیں۔ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو ضرور پہنچتا تمہیں

فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ج صلے ﴿١٤﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ

جس میں تم پڑے تھے عذاب بڑا۔ جب تم لا رہے تھے اپنی زبانوں پر اور تم کہتے تھے

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ق صلے وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾

اپنے موہوں سے جس کا نہیں تھا تمہیں علم اور تم سمجھ رہے تھے اسے ہلکا۔ اور وہ نزدیک اللہ کے بہت بڑی بات ہے

(آیت نمبر ۱۳) پھر وہ اپنے اس دعوے پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ جب وہ چار گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکمل طور پر جھوٹے ہیں یعنی ظاہر و باطن میں وہ جھوٹے نکلے۔

(آیت نمبر ۱۴) اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی دنیا اور آخرت میں تو تم پر بہت بڑا عذاب آجاتا اس وجہ سے کہ جو تم اس بہتان میں جان بوجھ کر پڑے۔ اب تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

(آیت نمبر ۱۵) تمہیں اسی وقت عذاب آجاتا کہ جب تم ان اختراع کرنے والوں سے ملے۔ اپنی زبانوں کے ساتھ یعنی بہتان تراشی کی باتیں تم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے کہ ہر گھر میں یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ تم اپنے موہنوں سے وہ باتیں کہہ رہے تھے۔ جن کا تمہیں کوئی علم بھی نہیں تھا۔ اسے تم آسان سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ **فائدہ:** ایک شخص نے اپنے عزیز کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم کسی گناہ کو گٹھلی کے برابر مت سمجھو۔ ہوسکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھجور کے برابر ہو۔ **فائدہ:** امام ترندی فرماتے ہیں جو اپنے غلط کاموں پر جرات کر کے انہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو بڑے بڑے دعوے کر کے رب تعالیٰ پر جرات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو نبیوں کے درجے تک جانتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا اسے تو تم نے کہا ہوتا نہیں ہے ہمارا حق کہ ہم بات کریں یہ۔ پاک ہے تو یہ بہتان ہے

عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰

بہت بڑا نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ لوٹ کر ایسی بات کرو کبھی اگر ہو تم مومن۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱

اور صاف بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

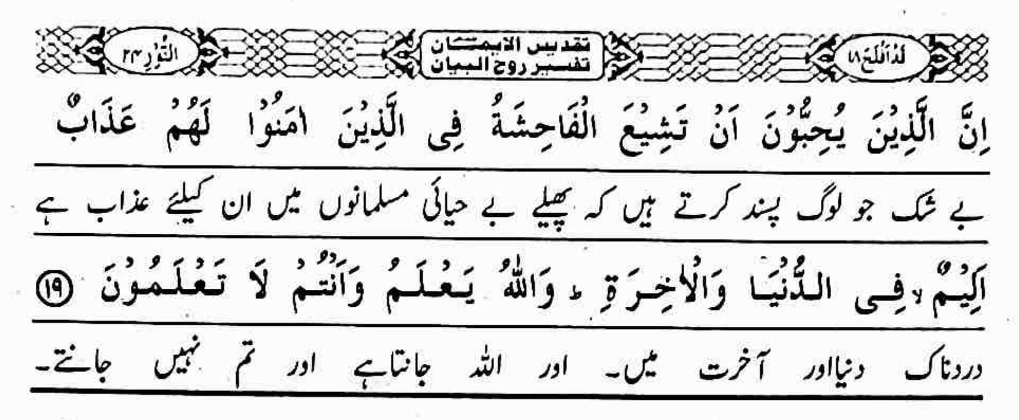
(آیت نمبر ۱۶) کیوں تم سے نہ ہوا کہ جب تم نے ان بہتان باندھنے والوں اور ان کے پیروکاروں سے سنا کہ وہ نبی کی بیوی پر بہتان لگا رہے ہیں تو تم ان کو جھٹلاتے ہوئے یوں کہتے کہ ہمارے لئے یہ مناسب ہے ہی نہیں کہ ہم اس کے بارے میں کوئی بات کریں۔ یا کوئی بات سنیں سب پاکی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی علیہ السلام کے حرم محترم سے کوئی ایسا برا فعل ہونے دے۔ یہ بہتان ہے جس کا بیان کرنا ہی حرام ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

(آیت نمبر ۱۷) اب اللہ تعالیٰ تمہیں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں نصیحت فرماتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتان تراشنے والوں کو خطاب ہے کہ اب کبھی بھی نہ ایسا بہتان تراشنا نہ ہی ان کے متعلق بدگمانی کرنا کبھی بھی۔ اگر تم مومن ہو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ کام کبھی نہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اس پر عذاب بھی نازل ہوسکتا ہے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر افتراء کرے گا وہ مسلمانی سے خارج ہو جائیگا بلکہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو سن کر خاموش ہو جائے وہ بھی ان کے ساتھ یعنی بہتان تراشنے والوں کے ساتھ گناہ میں شامل ہوگا اور حشر بھی اس کا ان کے ساتھ ہی ہوگا۔

(آیت نمبر ۱۸) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسی آیات کو واضح کر کے بیان فرما رہا ہے جو شرائع اور محاسن آداب کو واضح کرتی ہیں تاکہ تم ان سے نصیحت حاصل کرو اور اپنی عادات و اخلاق کو درست کر لو یعنی اس قرآن کے نزول ہی سے تمام مطالب و مقاصد واضح ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام چھوٹے بڑے احوال کو جانتا ہے اور ان کے تمام کام تدبیر کے ساتھ اور افعال میں حکمت سے کام لیتا ہے۔



اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی مسلمانوں میں ان کیلئے عذاب ہے

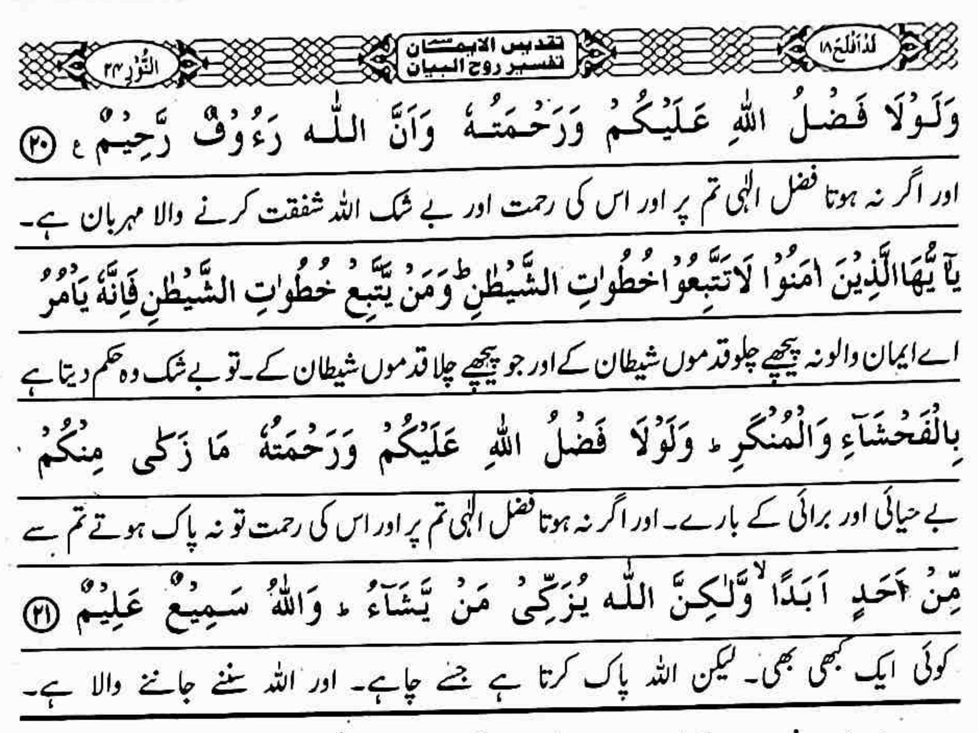
اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

دردناک دنیااور آخرت میں۔ اور اللہ جانتاہے اور تم نہیں جانتے۔

(بقیہ آیت نمبر ١٨) تو جب وہ دانا اور حکیم ہے تو پھر وہ اپنے پیارے رسول ﷺ کے حرم میں کیسے برا فعل صادر ہونے دیتا ہے۔ **فائدہ:** کشفی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو جانتا ہے۔ اسی لئے ان پر عیب وعار سے ان کی برات کا اظہار فرمایا۔ **فائدہ:** نجم الدین فرماتے ہیں کہ واقعہ افک اگر چہ بظاہر حضور ﷺ اور جناب عائشہ اور ان کے عزیز واقارب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے بڑی آزمائش اور امتحان تھا۔ لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قرب خاص کے ساتھ بھی اس کا تعلق تھا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑی آزمائش انبیاء کرام علیہم السلام پہ آتی ہے۔ پھر اولیاء کرام پر (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں فرمایا کہ انسان کی آزمائش اس کے دین کے حساب سے ہوتی ہے۔ (صحیح ترمذی)

مناقب عائشہ صدیقہ: فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے تو فرمایا کہ عائشہ سے اور ایک مرتبہ جناب صدیقہ سے فرمایا تیری محبت میرے دل میں ایک عقدہ کی طرح ہے۔ واقعہ افک کے بعد مائی صاحبہ کے دل میں محبت الٰہی کا غلبہ بہت زیادہ ہوگیا اور (اس کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ آپ کو ازحد محبت تھی۔ اور یہ محبت انہیں والدین سے ورثے میں ملی تھی۔)

(آیت نمبر ١٩) بے شک وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی بہت پھیلے۔ سب سے بدتر برائی فاحشہ ہے خواہ اس کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے۔ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ دشمنان رسول تو یہ چاہتے تھے کہ مائی عائشہ کی خبر فاحشہ کے ساتھ دور دور تک پھیلے یعنی اہل ایمان میں بھی جو اپنے ایمان میں مخلص ہیں۔ اس وجہ سے ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ جس میں درد والم بہت زیادہ ہوگا۔ دنیا میں جیسے انہیں کوڑے لگائے گئے۔ آخرت میں بھی انہیں جہنم کا سخت عذاب ہو۔ **فائدہ:** ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے ایسی برائی کی نشر واشاعت میں پورا زور لگایا تاکہ سب لوگ اس میں شامل ہوں۔ اسی لئے ان پر حد قذف جاری ہوئی۔



وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ع ﴿۲۰﴾

اور اگر نہ ہوتا فضل الٰہی تم پر اور اس کی رحمت اور بے شک اللہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ

اے ایمان والو نہ پیچھے چلو قدموں شیطان کے اور جو پیچھے چلا قدموں شیطان کے۔تو بے شک وہ حکم دیتا ہے

بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

بے حیائی اور برائی کے بارے۔اور اگر نہ ہوتا فضل الٰہی تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاک ہوتے تم سے

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

کوئی ایک کبھی بھی۔ لیکن اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۹) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے۔ بالخصوص وہ باتیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق شائع ہوئیں یا ان کے دلوں میں پوشیدہ سکیمیں تھیں۔ان سب کو وہ خوب جانتا ہے۔

(آیت نمبر ۲۰) اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل ورحمت نہ ہوتا تو انہوں نے تمہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلاء کر دیا تھا۔لیکن تمہیں عذاب میں مبتلاء نہ فرمانا یہ اس کے فضل ورحمت کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن کے سینوں پر جب دوزخ کے چابک پڑیں گے۔اس سے جو آواز اٹھے گی۔اسے تمام جہنمی سنیں گے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ان کی پردہ دری کرتے اور ان کی برائیاں پھیلاتے ہیں۔(تفسیر کبیر امام رازی)

فائدہ: خلاصہ یہ ہے کہ اس افک کے معاملے میں اہل ایمان کا اس میں تعلق نہیں تھا۔اہل ایمان کی شان تو حضور ﷺ نے یوں بیان فرمائی کہ سب مومن ایک دوسرے کیلئے دیوار کی طرح ہیں جو ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہوتے ہیں۔ایک اور **حدیث** میں فرمایا کہ مومن آپس کی محبت اور رحم وکرم میں ایک جان کی طرح ہیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار محسوس کرتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب البر)

(آیت نمبر ۲۱) ایمان والو شیطان کے طریقے پر مت چلو جس کیلئے وہ تمہیں بلاتا ہے۔وہ بے حیائی کو مزین

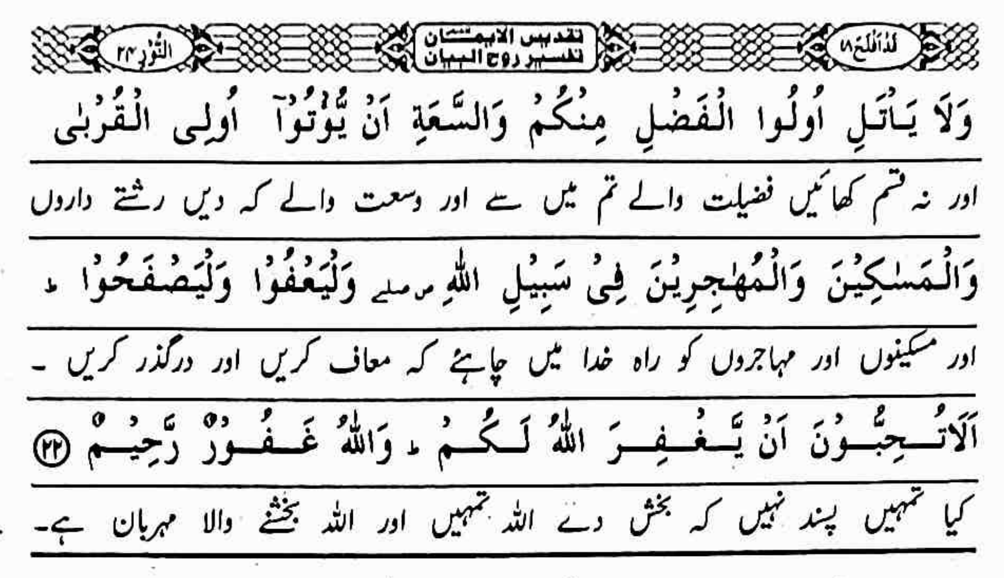
کر کے تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے تو جو بھی شیطان کی پیروی کر کے برائی اور بے حیائی کا مرتکب ہوگا پس اسے معلوم ہو کہ بے شک اس کا کام تو بے حیائی اور برائی کا ہی حکم دینا ہے۔ **فائدہ**: فحش وہ برائی جو عقلاً اور عرفاً بہت بری سمجھی جائے قولا ہو یا فعلا اور منکر وہ برائی جو شرعاً قبیح ہو۔ استعارے کے طور پر ہر وہ کام جسے شیطان مزین کر کے دکھائے وہ قبیح ہوتا ہے۔ اور بنو آدم کی تحقیر کے پیش نظر انہیں شر پر برانگیختہ کرنے کیلئے وہ ایسا کرتا ہے۔ شیطان تو ہمیشہ فحش و منکر کا ہی حکم دیتا ہے۔ نیکی کا حکم دینے کی تو اسے توفیق ہی نہیں۔ آگے پھر فرمایا کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتا۔ یعنی مذکورہ بیانات نہ آتے اور توفیق نہ ملتی جس سے گناہ ختم ہوتے ہیں اور شرع کی حدود مقدر نہ ہوتیں جو گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں تو تم میں سے کوئی ایک بندہ بھی کبھی گناہوں کی میل کچیل سے پاک وصاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پاک وصاف کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ یعنی اس پر وہ اپنے فضل و رحمت کی بارش برساتا ہے اور اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔ اور گناہ بھی معاف کر کے اسے نیکی کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

فائدہ: اس میں قدریہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنی طاعات وعبادات سے ہی نفوس کا تزکیہ و تطہیر کرتا ہے۔ اس میں توفیق کا کوئی دخل نہیں۔ جبکہ یہ بات سراسر ہی غلط ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے یعنی افک والوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے دلوں میں جو تھا اس کو جانتا ہے۔ یعنی جن لوگوں نے جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔

فائدہ: وہ بندہ مبارک باد کا مستحق ہے جو حلال کی کمائی سے مال راہ حق میں خرچ کرے اور علماء فقہاء کی مجلس میں بیٹھے اور دانا لوگوں کے پاس آنا جانا رکھے اور گناہ گاروں فجاروں اور جاہلوں سے دور رہے۔

فائدہ: تزکیہ نفوس اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے یہ اس بندے کا ہوتا ہے جس کے اعمال اچھے ہوں۔ اور جس کا مرشد کامل ہو جو اسے راہ حق پر چلائے۔ ہم تو ان امور میں سب سے بڑا وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں اس کے بعد ان حضرات کو جو راہ حق پر چلائیں۔ (اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ آج کل کے فراڈیوں سے بچائے۔ اور کسی نیک بندے سے ملائے)۔



وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى

اور نہ قسم کھائیں فضیلت والے تم میں سے اور وسعت والے کہ دیں رشتے داروں

وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ

اور مسکینوں اور مہاجروں کو راہ خدا میں چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں ۔

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

کیا تمہیں پسند نہیں کہ بخش دے اللہ تمہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(آیت نمبر۲۲) دینی فضیلت رکھنے والے قسم نہ کھائیں کہ وہ آئندہ کسی کو کھانا بطور صدقہ نہیں دیں گے۔

شان نزول: مسطح صحابی جو کہ بدر میں شریک ہونے والوں سے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھی تھے اور کھانا بلکہ ان کا ٹوٹل خرچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیتے لیکن وہ بھی بدقسمتی سے تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ ان پر احسان ومروت نہیں کریں گے تو اس موقع پر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ صاحب فضیلت اور مالی وسعت والے ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور مسکینوں کو جو اللہ کی راہ میں ہجرت کر آئے ہیں۔(اس سے مراد مسطح صحابی ہیں) کہ مذکورہ صفات والوں کے ساتھ احسان ومروت اب نہیں کریں گے۔انہیں چاہئے کہ احسان روکنے کی قسم نہ کھائیں۔ بلکہ چاہئے کہ انہیں درگذر کریں اوران کی غلطی پر انہیں ملامت کرنے سے بھی گریز کریں تو کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ترک ملامت اور برائی کے بجائے احسان کرنے پر تمہیں بخش دے اور بندوں کے گناہوں کی کثرت کے باوجود وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ :اس میں ترغیب ہے کہ بندہ عفوودرگذر کرنے کی عادت بنالے تا کہ اللہ بھی ان سے عفوودرگذر کا معاملہ فرمائے۔

ایثار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے جب جناب صدیق اکبر کو یہ آیت کریمہ سنائی تو انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمت فرمائے۔آئندہ حسب سابقہ خرچہ دیا کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمادیا بلکہ پہلے سے زیادہ کردیا۔

صاحب فضیلت لوگ: اس آیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر صراحت ہے کہ آپ واقعی افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں۔یعنی افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ آیت واضح دلیل ہے۔

21

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا

بے شک جو عیب لگاتے ہیں پارسا بے خبر مومنہ عورتوں کو لعنت ہے ان پر دنیا

وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ

اور آخرت میں اور ان کیلئے عذاب ہے بڑا۔ جس دن گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں

وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اوران کے ہاتھ اوران کے پاؤں اس کی جو تھے وہ کرتے۔

(بقیہ آیت نمبر۲۲) **علی اور صدیق رضی اللہ عنہما**: مروی ہے کہ ایک مجلس میں حضور ﷺ رونق افروز تھے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تو ان کے لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جگہ چھوڑ دی۔ اپنی جگہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بٹھا دیا تو حضور ﷺ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا صاحب فضیلت کی فضیلت کو فضیلت والا ہی جانتا ہے۔

(آیت نمبر۲۳) بے شک وہ جو پاکدامنوں پر تہمت لگاتے ہیں حالانکہ وہ ایسے قبائح اور فواحش سے بے خبر ہیں۔ انہیں اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور وہ ایمان کی صفت سے بھی موصوف ہیں۔ اس سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ امہات المؤمنین کی طرف تہمت کی نسبت درحقیقت نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر دنیا وآخرت میں لعنت کی گئی ہے۔ یعنی دنیا میں حرمت کی ہتک کی وجہ سے ملعون ومردود ہوئے اور آخرت میں مبغوض ومطرود ہوئے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے چونکہ جرم عظیم ہے لہذا عذاب بھی عظیم ہے۔ امام مقاتل نے فرمایا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں ہے۔ **مسئلہ**: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر بہتان تراشنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس پر لعنت ہوگئی ہے۔

(آیت نمبر۲۴) جس دن ان کی زبانیں بھی بلا اختیار ان کے خلاف گواہیاں دیں گی۔ یہ ان کے موہوں پر مہر لگنے سے پہلے کی بات ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی گواہی ان کی اپنی زبانیں دیں گی۔ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ انہیں نیکی پر جزاء اور برائی پر سزا دے گا کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہوں گے اور اس دن کی ہولناکی کو دیکھ کر یقین کرلیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات برحق ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ جس سزا کا وعدہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا وہ فرمان برحق ہے۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

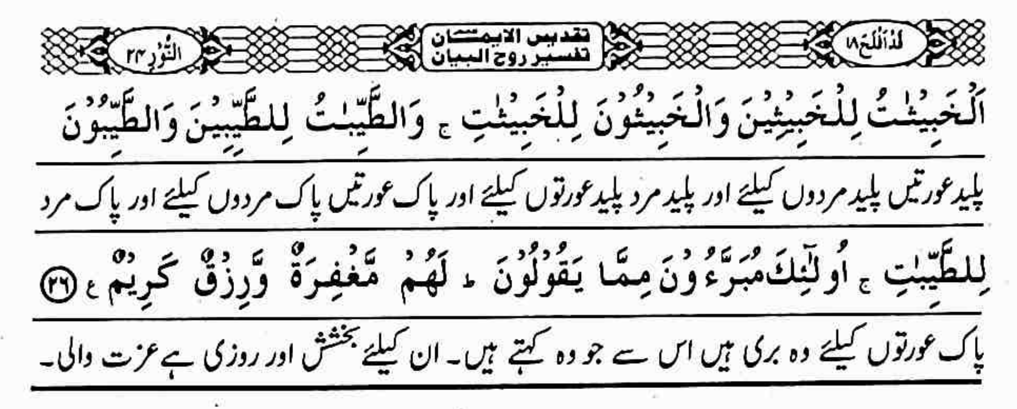
اس دن پورا دے گا انہیں اللہ ان کا بدلہ سچا اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ ہی کی ذات برحق واضح ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۲۴) **فائدہ**: جو لعنت کا مستحق ہے اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ لعنت کا سبب تین چیزیں ہیں:
(۱) کفر۔ (۲) بدعت عقیدہ کی (۳) فسق جو اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پامال کرے۔

فائدہ: لعنت کی تصریح چونکہ احادیث میں نہیں۔ لہذا عوام کو لعنت کرنے سے روکا جائے۔ اس سے فتنہ وفساد کا خطرہ ہے۔ شخص معین پر بھی اس وقت لعنت کریں گے جب واضح اس کا کفر ثابت ہو جب کسی کے خاتمے کا پتہ علم نہ ہو اس پر بھی لعنت کرنا ناجائز ہے۔ (اسی لئے بعض بزرگوں نے یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن شرح عقائد میں ہے۔ کہ یزید اور اس کے تمام کارندوں پر لعنت ہے۔ اس لئے کہ اس کے اکثر کرتوت کفر پر دال ہیں۔)

فائدہ: جیسے مجرموں کے اعضاء ان کے جرموں اور گناہوں کی گواہی دیں گے۔ ایسے ہی اطاعت گذاروں کے اعضاء نیکی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً زبان قرات قرآن کی ہاتھ قرآن پکڑنے کی۔ پاؤں مسجد کی طرف چلنے کی۔ آنکھ قرآن دیکھنے کی اور کان کلام الٰہی سننے کی۔

(آیت نمبر ۲۵) بروز قیامت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ پورا پورا دیا جائیگا۔ جو جو بھی انہوں نے دنیا میں عمل کئے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ وہ میں نے پورا کر دیا تو لوگ خود بول کر کہیں گے کہ واقعی بے شک اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا۔ وہ بالکل برحق تھا۔ ان مذکورہ آیات سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ جو لعنت کا اہل ہے اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ مثلاً یہود ونصاریٰ خوارج روافض۔ زانی۔ ظالم اور سود خور وغیرہ۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہاتھ اور پاؤں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔



اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ

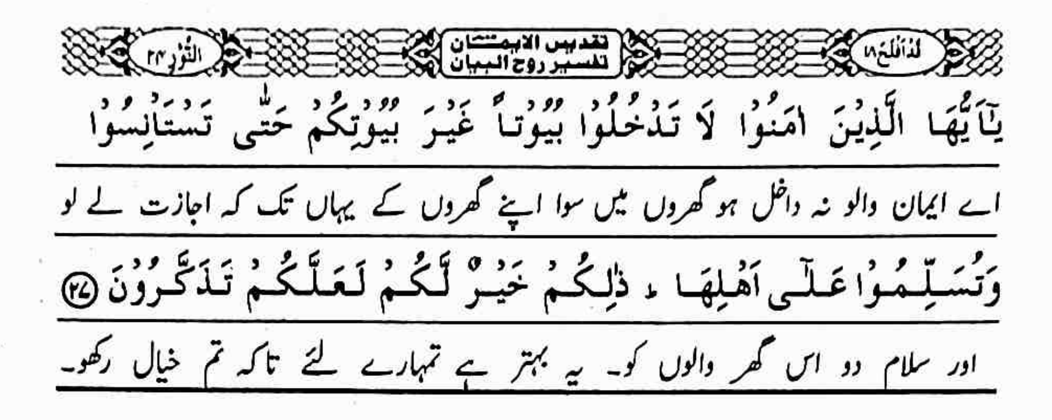
پلید عورتیں پلید مردوں کیلئے اور پلید مرد پلید عورتوں کیلئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے اور پاک مرد

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۧ ﴿٢٦﴾

پاک عورتوں کیلئے وہ بری ہیں اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ ان کیلئے بخشش اور روزی ہے عزت والی۔

(آیت نمبر۲۶) خبیث یعنی زانی عورتیں خبیث مردوں کیلئے یعنی زانی مردوں کیلئے۔ جیسے عبداللہ بن ابی خود زانی تھا۔ عورت بھی اسے ایسی ہی ملی کیونکہ خبیث عورتوں کو خبیث مرد مل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی عورتیں دوسروں کیلئے نہیں ہوتیں۔ یہ جوڑ ملانے پر بھی فرشتے مقرر ہیں۔

آگے فرمایا کہ اسی طرح خبیث مرد پلید عورتوں کیلئے ہیں تاکہ جنس جنس سے مل جائے۔ اسی طرح پاک عورتیں پاک مردون کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے۔ چونکہ حضور ﷺ خود پاک طیب اور طاہر تھے بلکہ اوروں کو بھی پاک کرنے والے تھے۔ اولین وآخرین میں سب سے اعلیٰ واولیٰ تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے نکاح میں بھی صدیقہ کائنات دی جو طیب واطیب تھیں۔ اسی قاعدے کو مدنظر رکھا جائے تو منافقین کے بکواسات وخرافات بالکل باطل اور غلط تھے۔ اسی لئے آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان کی صفائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس برائی سے بری ہیں۔ اس سے جو بہتان باندھنے والے کہتے ہیں چونکہ یہ زنا کی تہمت بظاہر تو ان دو حضرات پر تھی۔ لیکن حقیقت میں وہ رسول اللہ ﷺ پر طعن وتشنیع تھی۔ اس لئے کہ آپ کے حرم محترم پر یہ غلط تہمت لگائی گئی تھی۔ اسی طرح صدیق اکبر حضرت عائشہ صدیقہ کے والد ماجد ہونے کی وجہ سے ان پر یہ طعن تھا۔ بلکہ جملہ اہل اسلام کے لئے یہ بات عار تھی اس لئے کہ مائی صاحبہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ سب اس سے بری تھے اس سے جو کچھ منافق بکتے تھے اور ان کے لئے بخشش ہے اور جنت میں ان کیلئے بڑا وسیع رزق ہے۔ **فائدہ**: علماء کرام فرماتے ہیں کہ رزق کریم وہ ہوتا ہے۔ جو بقدر کفایت ہو۔ اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔ اور منت واحسان بھی نہ ہو اور بعض بزرگ فرماتے ہیں۔ رزق کریم وہ ہے۔ جو حق حلال ہو اور جس کا آخرت میں سوال نہ ہو۔

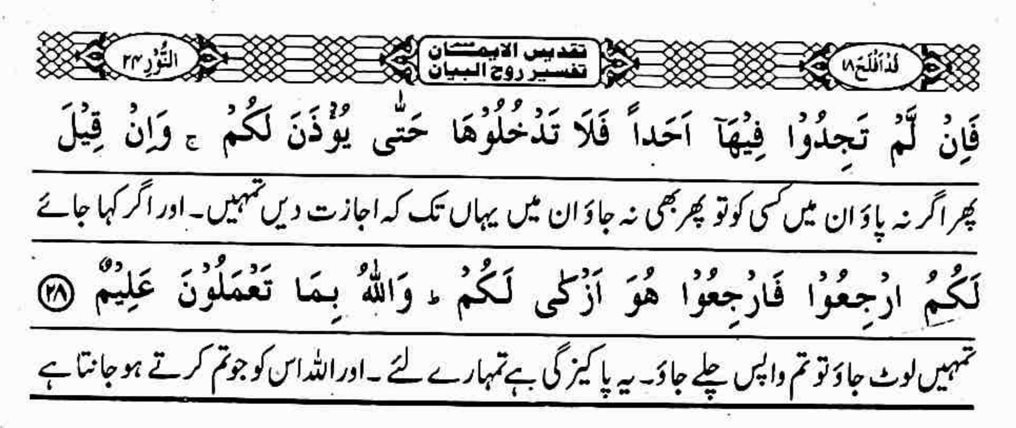


(آیت نمبر ۲۷) اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں نہ جایا کرو۔

شان نزول : عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ میں بعض دفعہ گھر ایسی حالت میں ہوتی ہوں اس وقت میں یہی چاہتی ہوں کہ مجھے کوئی نہ دیکھے اور آنے والے اسی طرح اچانک منہ اٹھایا ہوا آجاتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اب چلی جا جب حکم الٰہی آئیگا تو میں تجھے بتا دونگا۔ اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ دوسروں کے گھروں میں اجازت کے بغیر نہ جاؤ یعنی گھر والے سلام کا جواب دیں یا مرحبا کہیں یا خوش آمدید کہیں یا کہیں کہ اندر آجاؤ۔ تو پھر گھر میں داخل ہو جاؤ۔

مسئلہ : حضور ﷺ سے پوچھا گیا استئناس کا معنی کیا ہے تو فرمایا کہ گھر کے باہر تسبیح یا تکبیر یا سلام کہے یا کھنگارے تاکہ اندر والے پہچان کر اجازت دیں۔ **فائدہ**: غیر کے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت مانگنا اسلام کے بہترین آداب اور پسندیدہ افعال میں سے ہے۔ اس میں دونوں جہانوں کی سعادت کا راز مضمر ہے۔

آگے فرمایا کہ اجازت مانگنے کیلئے گھر والوں کو سلام دو اور کہو کیا میں آجاؤں۔ اجازت ملے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ دوبارہ سلام دیں۔ سہ بارہ سلام دے کر اجازت لے۔ پھر بھی جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ تو فرمایا یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے گھروں میں بھی جاؤ تب بھی کھانسو تاکہ وہ سنبھل جائیں ممکن ہے کپڑے اتارے بیٹھے ہوں یا ناشائستہ حالت میں ہوں۔ آگے فرمایا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یعنی حکم الٰہی پر عمل کرو جیسے تمہیں کہا گیا۔



فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ

پھر اگر نہ پاؤ ان میں کسی کو تو پھر بھی نہ جاؤ ان میں یہاں تک کہ اجازت دیں تمہیں۔ اور اگر کہا جائے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

تمہیں لوٹ جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ۔ یہ پاکیزگی ہے تمہارے لئے۔ اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے

(آیت نمبر ۲۸) پس اگر تم ان گھروں میں کسی ایسے شخص کو نہ پاؤ جو اجازت دے سکتا ہو۔ مثلاً صرف عورت ہو یا بچے ہوں۔ جو کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یا گھر میں بالکل ہی کوئی نہ ہو تو ان گھروں میں بالکل داخل نہ ہو۔ جب تک تمہیں گھر میں داخلے کی اجازت نہ ملے یعنی کوئی مرد گھر میں آ جائے جو اجازت دینے کا اہل ہو تو پھر جاؤ کیونکہ کسی گھر میں داخل ہونے کے دو موانع ہیں: (۱) گھر میں وہ ہوں جن کا پردہ لازمی ہے۔ (۲) گھر میں کوئی ایسا مال ہے جسے دوسروں سے چھپانا ضروری ہو۔

فائدہ: کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا گویا دوسرے کے ملک میں تصرف کرنے کے برابر ہے۔ نیز کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا خطرہ ہے تہمت کا۔ چوری وغیرہ کا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہ تہمت والی جگہ سے بچو۔

آگے فرمایا کہ اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو تم لوٹ جاؤ پھر دروازے پر بھی نہ ٹھہرو۔ گھر میں داخل ہونے سے منع کرنے والا خواہ اہل ہو یا نہ۔ یعنی اس سے اجازت کا تکرار یا اصرار نہ کرو۔ نہ وہاں مزید انتظار کرو۔ اس خیال میں کہ شاید اجازت مل جائے۔ اس سے ان کے دل میں تمہارا وقار گر جائے گا۔ ویسے بھی یہ مروّت کے خلاف ہے۔ تمہارے لوٹ جانے میں تمہارے لئے پاکیزہ بات ہے۔ بلاوجہ غیروں کے گھروں یا دروازوں کے آگے کھڑا ہونا خسیس لوگوں کا کام ہے۔ شریف لوگ دوسروں کی عزت کا خیال رکھتے ہیں۔

آگے فرمایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے یعنی جن کاموں کا حکم دیا یا جن سے رکنے کا فرمایا اگر اسی کے مطابق عمل کرو گے تو ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کے خلاف کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر سزا کے مستحق ہو جاؤ گے۔

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡهَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ ؕ

نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ تم داخل ہو ان گھروں میں جو غیر آباد ہیں ان میں سامان ہے تمہارا

وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ

اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ فرما دو مسلمانوں سے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں

وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾

اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ اس میں پاکیزگی ہے ان کی۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

(آیت نمبر ۲۹) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان گھروں میں داخل ہو بغیر اجازت کے جن میں کسی کی مستقل سکونت نہیں ہے۔ رباط یا سرائین یا حمام وغیرہ اور وہاں تمہارا سامان وغیرہ ہو تو تم نفع اٹھا سکتے ہو یعنی ایسے گھروں میں بغیر اجازت جا سکتے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ اس میں ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو ایسی جگہوں پر شر و فساد کیلئے یا لوگوں کے عیوب دیکھنے جاتے ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی درخت پر چڑھ کر دوسروں کے گھروں میں جھانکے تو اہل خانہ اس پر شرعی طور پر کیس کر سکتے ہیں۔ **مسئلہ**: المختار میں ہے کہ چھت یا درخت پر چڑھنا ضروری ہو تو چڑھنے والا نیچے گھر والوں کو چڑھنے سے پہلے پردے کا اعلان کرے تاکہ پردہ دار پردہ میں ہو جائیں۔ اعلان کئے بغیر چڑھا ہے تو اس پر مقدمہ کر کے اسے روکا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کھڑکی کھول کر دوسروں کے گھر میں جھانکتا ہے تو بھی اسے روکا جا سکتا ہے اور یہ فعل سخت برا ہے ایسے شخص کی صاحب خانہ آنکھ نکال سکتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۰) اے میرے محبوب ان ایمان والوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا ان کیلئے حرام ہے۔ ان سے اپنی آنکھیں نیچے کر لیں۔ اور اس گھر میں بیٹھی غیر محرم کو نہ دیکھیں تاکہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ تمہارے لئے نہایت پاکیزگی اور ستھرائی ہے کہ ہر طرح

کے شک وشبہ سے بچاؤ ہے اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ یعنی اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

نکتہ: جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ بیگانی عورت دیکھنے سے بچو اس لئے کہ اس سے دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے۔

آنکھ شیطان کا تیر ہے: باقی اعضاء ساکن ہیں لیکن آنکھ دور ونزدیک سے دیکھتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلی بار دیکھنا معاف ہے۔ دوسری بار دیکھنے سے باز رہو۔ ورنہ ہلاکت کا موجب ہے (نساب الاحتساب)۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا چھ چیزوں کی ضمانت تم مجھے دو جنت کا میں ضامن ہوں: (۱) بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (۳) امانت کو ادا کرو۔ (۴) شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ (۵) آنکھوں کو غیر محرم سے بچاؤ۔ (۶) ہاتھوں کو حرام کاری سے بچاؤ۔ (رواہ احمد وصححہ حاکم)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور فرمادو مسلمان عورتوں سے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ ظاہر کریں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اپنی زیب وزینت مگر جو ظاہر ہے ان سے اور اوڑھ رکھیں اپنے دوپٹے اوپر اپنے گریبانوں کے اور نہ ظاہر کریں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

اپنی زیب وزینت مگر اپنے خاوندوں کے یا باپوں پر یا اپنے بیٹوں پر یا خاوندوں کے بیٹوں پر

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا اپنے بھانجوں پر یا مسلمان عورتوں پر

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ

یا اپنی کنیزوں پر جن کی وہ مالک ہوں یا وہ نوکر جو شہوت والے نہ ہوں مردوں سے یا وہ لڑکے

الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

جو ابھی نہیں واقف ہوئے اوپر شرم کی باتوں کے عورتوں کی اور نہ ماریں اپنے پاؤں زور سے تاکہ معلوم ہو

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار اور توبہ کرو طرف اللہ کے سب اے مسلمانوں تاکہ تم کامیاب ہو۔

(آیت نمبر ۳۱) اے محبوب مومنہ عورتوں کو بھی فرمادیں کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں کہ جن کا انہیں دیکھنا منع ہے۔ اسے نہ دیکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

فائدہ: تمام ائمہ کے نزدیک سترعورت واجب ہے۔ سترعورت امام اعظم کے نزدیک مرد کیلئے ناف سے گھٹنے تک ہے۔ گھٹنہ پردے میں داخل ہے۔ اگر گھٹنا ننگا ہو تو اسے نرمی سے سمجھایا جائے۔ جس کی ران ننگی ہو اسے سختی سے کہا جائے۔

مسئلہ: آزاد عورت کا پورا جسم ہی عورت ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔امام اعظم کے نزدیک اس کے دونوں پاؤں بھی ننگے ہونے میں حرج نہیں۔نماز میں پاؤں پر بھی کپڑا ہو۔تقریباً تمام ائمہ کے نزدیک یہی ہے۔

نکتہ: نگاہ نیچی رکھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔آگے فرمایا کہ عورتیں اپنی زیب و زینت کو مردوں پر ظاہر نہ کریں۔اس لئے کہ انسان برائی کا ارتکاب یہاں سے شروع کرتا ہے۔اس لئے عورتوں کو بھی بناؤ سنگار کر کے نکلنے سے منع کیا گیا۔مگر وہ جگہیں جو ظاہر ہیں جیسے منہ اور ہاتھ۔اس لئے کہ ان کے چھپانے میں حرج ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ فرماتے ہیں۔زینت کی چیزیں، زیورات، سرمہ لگانا، اچھے کپڑے۔اگر فتنے کا خطرہ نہ ہو پھر کوئی حرج نہیں۔

آگے فرمایا کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے گریبان کپڑے سے ڈھانپ رکھیں۔تاکہ ان کے بال۔بالیں اور گردن غیروں سے چھپا رکھیں اور غیروں کو بھی چاہئے کہ وہ ان کو نہ دیکھیں۔دوبارہ پھر فرمایا کہ وہ اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں۔یعنی سینہ، پنڈلی، بازو اور سر وغیرہ کہ یہ زیب و زینت کے مقام ہیں۔سونا ان ہی جگہوں پر سجایا جاتا ہے۔سوائے خاوندوں کے یعنی خاوندوں کے سامنے جتنا مرضی ہے زیب و زینت کریں۔

مسئلہ: مرد اپنی عورت کے تمام اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔شرمگاہ کو نہ دیکھے تو اچھا ہے نہ ہی عورت مرد کی شرمگاہ دیکھے۔کہ اس سے نظر ختم ہونے کا خطرہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی میرے پورے جسم کو نہیں دیکھا۔آگے فرمایا عورت پردہ نہ کرے باپوں یعنی باپ دادا اور سسر یا بیٹوں پوتوں یا شوہر کی دوسری بیویوں کی اولاد یا بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں کے سامنے۔اس لئے کہ یہ محرم ہیں۔ان سے نکاح حرام ہے۔ان سے برائی کا احتمال کم ہے اور یہ ہر وقت گھر میں آتے جاتے ہیں۔اسی طرح عورتیں عورتوں کے سامنے زیب و زینت کر سکتی ہیں۔لیکن مومن عورتوں کے سامنے کافرہ عورتوں کے سامنے نہیں۔تاکہ وہ کافر مردوں کو مسلمان عورتوں کے حالات نہ بتائیں۔اس میں بھی فتنے کا خطرہ ہے کیونکہ عورتوں کے اوصاف سننا انہیں دیکھنے کے برابر ہے۔

فائدہ: علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسلمان عورتوں کو غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے۔بلکہ اسلام میں تو فاسق و فاجر عورت کا متقی عورت کے ساتھ میل جول رکھنا اور اسے دیکھنا منع ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ کو لکھا کہ مسلمان عورتیں کتابی عورتوں کے ساتھ ایک حمام میں نہ نہائیں۔

آگے فرمایا کہ یا وہ مرد جن کے وہ مالک ہوں۔ یعنی غلام بھی عورت کیلئے اجنبی ہے اس کے ساتھ نہ حج کر سکتی ہے نہ سفر۔ البتہ اپنے غلام کو دیکھ سکتی ہے۔ بشرطیکہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔ البتہ لونڈی کو اپنی مالکہ کی زینت دیکھنی جائز ہے۔

آگے فرمایا کہ وہ مرد جو اہل خانہ کے اتباع میں سے ہوں۔ یعنی انتہائی بوڑھے کمزور کہ جن سے شہوت اور خیالات شہوانی ختم ہوں۔ جنہیں عورت سے ہمبستری کا خیال نہ آئے۔ ایسے مردوں سے پردہ فرض نہیں ہے مجبوب یعنی جس کا عضو تناسل کٹا ہو یا خصی سے پردہ کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان سے بھی پردہ لازم ہے۔ اسی طرح خسرہ سے بھی یعنی مختار مذہب یہی ہے کہ ان تینوں سے پردہ کرنا چاہئے۔

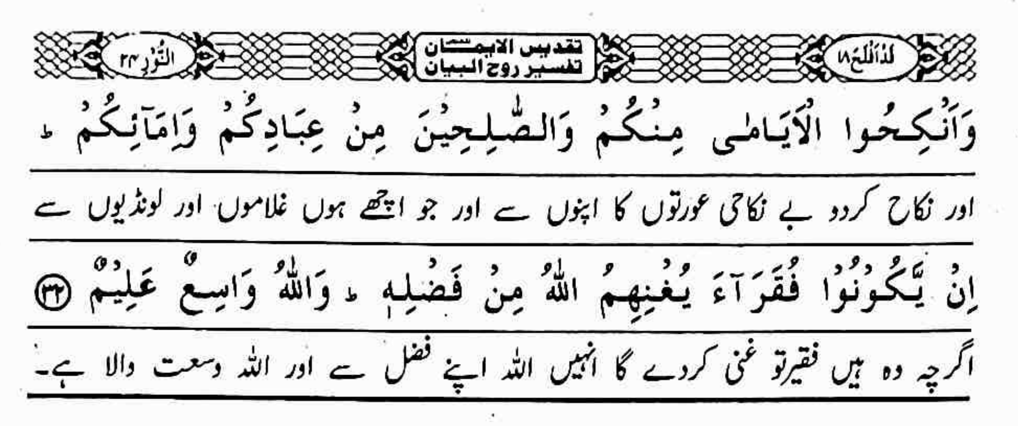
آگے فرمایا یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کے شرم والے مسائل سے آگاہ نہیں ہیں یعنی انہیں ایسی باتوں کی تمیز نہیں ہے ان سے پردہ کی ضرورت نہیں۔ **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح ستر کھلنے سے حیا محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح بے پردگی سے باحیاء انسان کو شرم و حیاء لاحق ہوتی ہے۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سات سال یا اس سے کم عمر طفل یعنی وہ بچہ میں داخل ہے۔ بہتر ہے اس سے بھی پردہ ہو اگرچہ وہ حد شہوت کو نہیں پہنچا لیکن سن تمیز کو پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ: بے ریش لڑکے کو دیکھنا حرام ہے۔ امام صاحب کا قول ہے۔ عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں۔ بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ عورتیں اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ یعنی انہیں اپنے آپ کو چھپانا چاہئے تاکہ لوگ نہ دیکھیں اسی لئے انہیں حکم دیا کہ وہ آواز دار زیور نہ پہنیں۔ اگر آواز دار پازیب ہو تو زمین پر پاؤں آہستہ رکھیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ کوئی عورت پازیب پہن کر جا رہی ہے۔ اسی طرح مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھ کر شہوت ابھرتی ہے۔ یا انہیں خیال آئیگا کہ شاید عورت برائی کی طرف بلا رہی ہے۔

نکتہ: جب عورت زیور پہن کر پاؤں زور سے زمین پر نہیں مار سکتی کہ ان کی آواز غیر نہ سنیں اور فتنہ پیدا نہ ہو تو ان کی آواز خصوصاً ترنم کے ساتھ کتنے بڑے فتنے کا موجب ہوگی۔

عورت کی آذان: کو بھی فقہاء نے اسی بناء پر مکروہ کہا ہے۔ اسی طرح ان کے لئے ذکر بآواز بلند اور تلاوت قرآن کا بھی یہی حکم ہے اور نعت خوانی کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کا آواز اگر غیر محرموں تک جا رہا ہے تو ثواب کے بجائے عذاب ہوگا۔



وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط

اور نکاح کردو بے نکاحی عورتوں کا اپنوں سے اور جو اچھے ہوں غلاموں اور لونڈیوں سے

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اگرچہ وہ ہیں فقیر تو غنی کردے گا انہیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا ہے۔

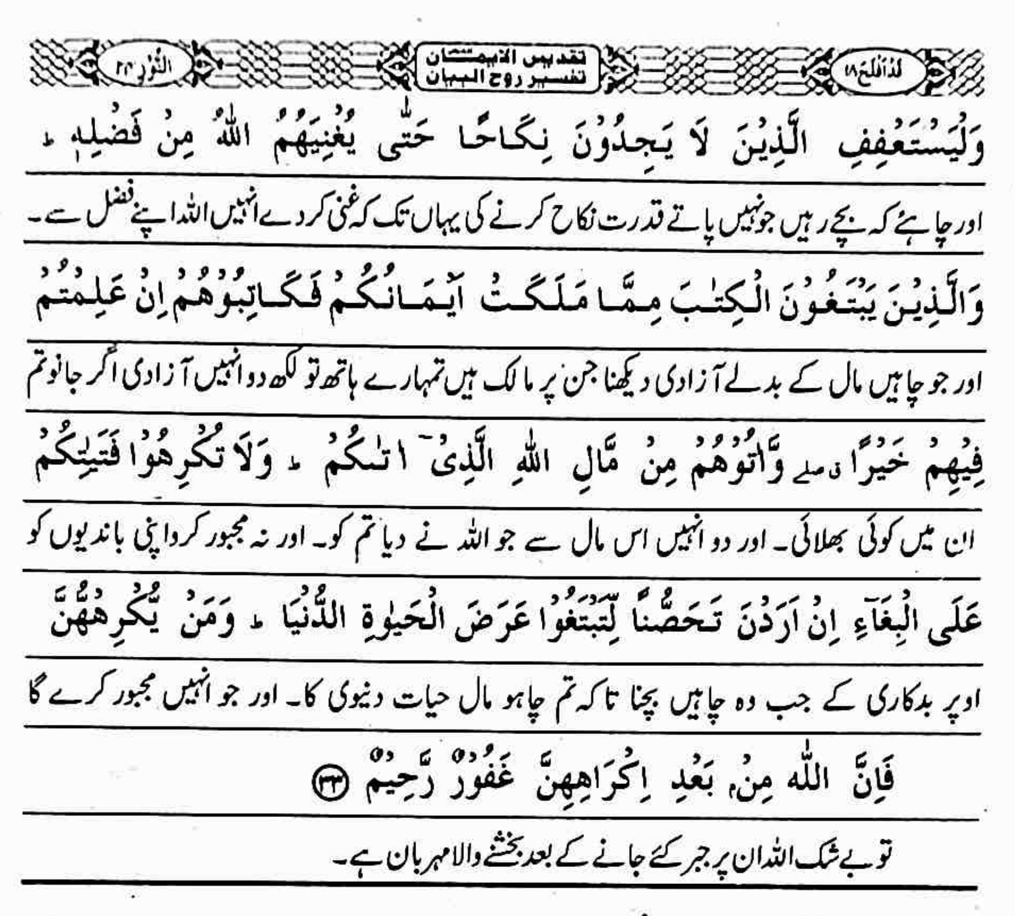
(بقیہ آیت نمبر ۳۱) **فائدہ**: اس سے معلوم ہوا کہ انسان گناہ کبیرہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اسی لئے مومنوں کا لفظ توبہ کے بعد فرمایا۔ آگے فرمایا کہ اس توبہ سے تم دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگے۔

نکتہ: تمام اہل ایمان سے فرمایا کہ توبہ کرو کیونکہ سب کو توبہ کی حاجت ہے۔ مبتدی ہے تو حرام کاموں سے۔ درمیانے درجے کا مومن ہے تو وہ بھی نیکی میں خلل پڑنے سے اور بلند درجے والے ماسوی اللہ سے یعنی سب توبہ کریں۔

(آیت نمبر ۳۲) مردوں اور عورتوں کے والیوں کو حکم دیا گیا کہ تم بے نکاح عورتوں کو نکاح میں دیدو تاکہ نسل انسانی بڑھے اور زنا کم ہو خصوصاً تمہارے باصلاحیت غلام یا لونڈیاں ہوں۔ یا نیک ہوں اور جو نیک نہیں ہوتا وہ اس لائق بھی نہیں ہوتا کہ آقا اس پر اتنی مہربانی کرے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ ایسے نالائق غلام کو اپنے سے دور ہی کردے۔

آگے فرمایا کہ اگر وہ غلام اور کنیزیں محتاج اور تنگ دست ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے غنی فرمادے گا۔ تم انہیں غریب ومسکین سمجھ کر نکاح سے نہ روکو کہ وہ نان نفقہ کہاں سے کھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم وسیع ہے اور لطف عام ہے۔ وہ ان کی غربت کو دور کردے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ غریب ہمیشہ غریب ہی رہے۔ یا امیر امیر ہی رہے گا۔ دولت اور مال آنے جانے والی شیء ہے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے مال دار بنائے اور جب چاہے مال واپس لے لے اور اسے کنگال بنادے وہ بندوں کو ایسے طریقے سے رزق عطا فرمادیتا ہے کہ بندے کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے کہ اس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور وہ علیم ہے اس کا رزق گھٹانا یا بڑھانا علم وحکمت سے ہے۔

حدیث شریف: (نکاح میری سنت ہے جو اس سے منہ پھیرے مجھ سے نہیں (رواہ ابن ماجہ) جو میری فطرت کو پسند کرتا ہے۔ اسے چاہئے کہ نکاح کر کے میری سنت پر عمل کرے۔ **حدیث شریف**: اے جوانو تم میں سے جسے نکاح کی ہمت ہے نکاح کرے کہ اس سے نگاہ نیچی ہوجاتی ہے اور زنا سے بچ جاتا ہے اور جسے نکاح کی ہمت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ ڈھال کا کام دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)



وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

اور چاہئے کہ بچے رہیں جو نہیں پاتے قدرت نکاح کرنے کی یہاں تک کہ غنی کردے انہیں اللہ اپنے فضل سے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ

اور جو چاہیں مال کے بدلے آزادی دیکھنا جن پر مالک ہیں تمہارے ہاتھ تو لکھ دو انہیں آزادی اگر جانو تم

فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ

ان میں کوئی بھلائی۔ اور دو انہیں اس مال سے جو اللہ نے دیا تم کو۔ اور نہ مجبور کرو اپنی باندیوں کو

عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ

اوپر بدکاری کے جب وہ چاہیں بچنا تا کہ تم چاہو مال حیات دنیوی کا۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا

فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

تو بے شک اللہ ان پر جبر کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۲) **نکاح سے فقر وفاقہ دور ہو جاتا ہے:** زجاج فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے نکاح کی ترغیب دلائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ تنگ دستی کو دور فرما دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۳) اور وہ لوگ جو نکاح کے موجبات کی ہمت نہیں رکھتے یعنی حق مہر یا نان نفقہ وغیرہ کی انہیں ہمت نہیں ہے۔ ان کیلئے نکاح کر لینا وبال جان بن جائیگا۔ ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ روزے رکھیں کہ روزہ گناہوں سے بچنے کیلئے ڈھال کا کام دیتا ہے۔ اس لئے کہ روزہ سے شہوانی غلبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس طرح سے شرمگاہ کا عفت وعصمت اچھے طریقے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: جب شہوت غالب ہونے لگے تو "فلیستعفف" کے امر کو وجوب پر محمول کیا جائیگا۔

آگے فرمایا کہ اپنے آپ کو روکے رکھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے غنی کردے تا کہ اسے وہ اسباب مہیا ہو جائیں جن سے وہ شادی کر سکے۔

حکایت: ایک شخص کے پاس دنیوی اسباب نہ تھے پھر بھی نکاح کر لیا پھر عیالدار بھی ہو گیا تو وہ بال بچے کو لیکر کھلے میدان جا کر اعلان کیا یہ اس کی سزا ہے۔ جو حکم الٰہی کے خلاف کرے لوگوں نے پوچھا حکم الٰہی کے خلاف تم نے کیا کیا تو اسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو نکاح کیلئے وسعت نہیں رکھتا وہ رک جائے۔ میں نے جلد بازی کر کے نکاح کر لیا آخر کار یہ دن دیکھنا پڑا۔ لوگوں نے اس پر رحم کیا اور اسے مالی مدد دیکر تنگدستی سے نکال دیا۔

غلامی سے آزادی: آگے فرمایا وہ لوگ جو مکاتبت چاہتے ہیں تمہارے غلاموں یا کنیزوں سے جو تمہارے مملوک ہیں۔ مکاتبت یہ ہے کہ مالک اپنے غلام سے کہے کہ تو اتنے عرصے میں رقم ادا کر دے تو تو آزاد ہے۔ اگر اس نے اس عرصے میں مقررہ رقم ادا کی تو وہ اس وقت آزاد ہو جائے گا۔ چونکہ یہ ساری بات وہ لکھ دیتا ہے اس لئے اس کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔

شانِ نزول: صبیح مولیٰ حویطب بن عبد العزی کے غلاموں نے اپنے مالک سے مکاتبت کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جب تمہارے غلام تم سے آزادی کا مطالبہ کریں تو تم ان سے عوض لیکر آزاد کر دو۔ **مسئلہ:** یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آقا غلام کے کہنے پر اسے آزاد کر دے۔ نہ غلام کیلئے ہے کہ وہ خواہ مخواہ آزادی کی استدعا ہی کر کے جان چھڑائے۔ کتابت کے پیسے یکمشت دینا بھی جائز ہے اور قسط وار بھی۔

آگے فرمایا کہ کہ اگر تم ان میں خیر اور بھلائی سمجھو یعنی تمہیں اگر یقین ہو کہ واقعی غلام رقم ادا کر دے گا تو ان سے آزادی کا وعدہ کر لو۔ جبکہ غلام حلال مال ادا کرے اور یوں بھی خیر و بھلائی اس میں محسوس کرو کہ وہ آزاد ہو کر سرکش نہیں بنے گا۔ **فائدہ:** جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خیر کا مطلب یہ ہے کہ تم اس میں علم بالحق یا عمل صالح پاؤ تو آزاد کر دو۔ آگے آقاؤں کو حکم فرمایا کہ تم اللہ کے دیئے مال میں سے غلاموں کو بھی دو یا ان کو کچھ حصہ معاف کر دو یا "آتوھم" کا حکم عام مسلمانوں کو ہے کہ وہ مکاتبوں کو آزاد کرانے میں مدد کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ تین بندے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہیں: (۱) جو اس بندے کی مدد کرے جو غلام آزادی چاہتا ہے۔ (۲) اور اس کی مدد کرے جو نکاح کرنا چاہتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (رواہ الترمذی والبیہقی)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ

اور تحقیق ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں واضح اور مثالیں کچھ ان کی جو گذر گئے تم سے پہلے

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۳۴

اور نصیحت پرہیز گاروں کیلئے۔

(بقیہ آیت نمبر۳۳) آگے فرمایا کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ عفت وعصمت چاہتی ہیں یعنی انہیں زنا پر مجبور نہ کرو چونکہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو زنا پر مجبور کرتے جبکہ وہ لونڈیاں اس سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں۔(جیسے آج کل بھی پاکستان میں تمام بڑے شہروں میں عورتوں سے یہ کام کروا کر مال بناتے ہیں) العیاذ باللہ

شـــان نــزول : منقول ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی چھ لونڈیاں جو نہایت حسینہ جمیلہ تھیں جنہیں وہ بدکاری پر مجبور کرتا تھا اگر وہ انکار کرتیں تو انہیں سخت سزائیں دیتا تھا تو ان میں سے دو نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(آیت نمبر۳۴) اور البتہ تحقیق اتاریں ہم نے تمہاری طرف روشن آیات یعنی تمہاری ان تمام ضروریات کیلئے نازل فرمائیں جن کی تمہیں سخت ضرورت تھی۔ مثلاً حدود کے بیانات ودیگر احکام اور ان کی یہ مثالیں بیان کر دیں جو تم سے پہلے گذر گئے ان کے عجیب وغریب واقعات اور ان کی وہ مثالیں جو سابقہ کتب سماوی میں ہیں یا وہ پاکیزہ کلمات جو انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان مبارک سے نکلے۔ مثلاً قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ مریم علیہا السلام یا واقعہ یوسف علیہ السلام یہ سب عجیب وغریب قصے تھے۔ ان واقعات میں پند ونصیحت تھی۔ اسی طرح ان میں محرمات ومکروہات کا بیان تھا۔ پرہیز گاروں کیلئے چونکہ ان واقعات سے متقین نے صحیح نفع اٹھایا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ ہی کا نور ہے آسمانوں اور زمین میں مثال اس کے نور کی جیسے طاق ہو اس میں چراغ ہو ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ

وہ چراغ ایک فانوس میں ہو وہ فانوس گویا ایک ستارہ موتی کی طرح چمکتا جو روشن ہوتا ہے درخت سے

مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ

جو برکت والا زیتون ہے نہ مشرق کا اور نہ مغرب کا قریب ہے اس کا تیل روشنی دے اگرچہ

لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

نہ چھوا ہو اسے آگ نے۔ نور پر نور ہے۔ ہدایت دیتا ہے اللہ اپنے نور کیلئے جسے چاہے ۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کیلئے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(آیت نمبر ۳۵) اللہ تعالیٰ ہی کا نور ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نور ہی ایسی چیز ہے جس سے کائنات کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی ذات الٰہی کا نور ہے۔ اسے ہی آسمانوں اور زمین کا نور کہا گیا ہے جیسے سورج کے نور کا ذرّہ ذرہ سورج کی ذات پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی کل کائنات کا ذرہ ذرہ واجب الوجود کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نور اسماء الٰہیہ میں سے ہے اور یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے اور یہ حقیقی معنیٰ میں مستعمل ہے نہ کہ مجازی معنیٰ میں۔ اس لئے کہ اسنے تمام اشیاء کو کتم عدم سے اور اپنے فیض وجود سے منور فرمایا۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرما کر اس پر اپنے نور کا چھینٹا مارا۔ (ترمذی واحمد والطبرانی)

نور کی اقسام: ۱۔ وہ نور جس سے پوشیدہ اشیاء ظاہر ہوں لیکن وہ خود نہ دیکھے جیسے سورج کا نور۔

۲۔ آنکھ کا نور جس سے آنکھیں دیکھتی ہیں یہ پہلے نور سے زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ عقل کا نور۔ ۴۔ نور حق جو اشیاء معدومہ اور مخفیہ کو ظاہر کرتا ہے۔

فائدہ : تبیان میں ہے کہ آیت میں نور بمعنی مدلول ہے یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نور بمعنی ہادی ہے کہ سب جہان اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی ہدایت پاتا ہے چونکہ نور ایمان ونور ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ملتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا۔ لہذا نور کو ہدایت اور ہدایت کو نور کہا جا سکتا ہے۔ نور بمعنی منور بھی بعض مفسرین نے لیا ہے یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز کو نور دینے والا یا یوں معنی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نور کا خالق ہے۔

آگے فرمایا اسکے نور کی مثال اس دریچہ کی ہے کہ جو دیوار میں ہو اور اس میں چراغ پڑا ہو جو بہت ہی روشن ہو اور وہ چراغ شیشے میں ہو چراغ پر شیشہ ہو تو روشنی ڈبل ہو جاتی ہے اور وہ کسی دریچے میں ہو تو روشنی اور زیادہ ہو جاتی ہے اور شیشہ بھی اپنی صفائی کے لحاظ سے اور اپنی عظمت ورونق کے لحاظ سے ایسے ہو جیسے چمکدار ستارہ ہے۔ اس زہرہ۔ مشتری یا مریخ مراد ہے۔ (بعض علماء نے اس سے حضور ﷺ کا سینہ مقدس مرادلیا ہے۔ جیسے احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ع: شمع دل تن مشکوٰۃ سینہ زجاجہ نور کا۔۔۔۔ تیری صورت کیلئے آیا ہے سورۂ نور کا۔ ،

آگے فرمایا کہ اس چراغ کو روشن کرنے کیلئے برکت والے کثیر المنافع درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو جسے زیتون کہا جاتا ہے۔

زیتون کے فوائد: حدیث شریف میں زیتون کے ستر سے زائد فائدے بتائے گئے ہیں چونکہ اس کی برکات کیلئے ستر نبیوں نے دعائیں مانگی ہیں۔ سب سے اچھا زیتون کا تیل شام کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس ملک کا زیتون سب سے اچھا اس لئے ہے کہ یہ مشرق ومغرب کے درمیان خط استواء پر واقع ہے جسے قبۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ وہ زیتون جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی ایسی جگہ کا ہو جو درمیان میں ہو اس لئے شام دنیا کے درمیان میں ہے۔ وہاں موسم بھی معتدل رہتا ہے نہ زیادہ سردی نہ گرمی۔ رات دن کے اوقات بھی برابر ہیں۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس درخت کی اصل بہشت ہے۔ یہ درخت عالم دنیا کا ہے ہی نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔

آگے فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ روشنی دے۔ اگرچہ اس تیل تک آگ نہ پہنچے یعنی وہ اتنا چمکدار ہے کہ اسے آگ لگانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ نور پھیلانے اور صفائی میں کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اسے آگ لگائی جائے یا نہ ہر حال میں وہ روشن ہی رہتا ہے۔ نور پر نور ہے۔ تیل روشن۔ قندیل روشن شیشہ یعنی دو نور نہیں بلکہ کئی نور جمع ہو جاتے ہیں۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ

ان گھروں میں کہ اجازت دی اللہ نے کہ بلند کیا جائے اور لیا جائے اس میں نام اس کا تسبیح کہتے ہیں اس کی

فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ ﴿۳۶﴾

اس میں صبح اور شام کو۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۵) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نور کی وجہ سے جو موصل الی المطلوب ہے۔ راہنمائی فرماتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے۔ یعنی نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ کہ اس کی ہدایت کا دارومدار مشیت ایزدی پر ہے۔ خواہ اس کے اسباب بہ ظاہر کوئی بھی نہ ہوں۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالیں لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس مثال کی کئی تفاسیر ہیں (جو فیوض الرحمان میں دیکھی جاسکتی ہیں)

(آیت نمبر ۳۶) اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا جائے۔ انسان کے رات گذارنے والے مقام کو بیت کہا جاتا ہے۔ وہ عام ہے خواہ وہ کسی مادہ کا ہو یا مٹی کا اون کا ہو یا چمڑے کا۔ جہاں بھی کوئی رات کے وقت آرام کرے اسے بیت سے تعبیر کریں گے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر مسجدیں ہیں۔ آسمانوں سے زمین والی مسجدیں اس طرح چمکتی ہیں۔ جیسے زمین سے آسمان پر ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نام اونچا کیا جائے یا اس کے ناموں کی تعظیم کی جائے اور ان مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ اسم سے مراد ذات باری تعالیٰ کی صفات ہے۔ **مسئلہ**: ذکر سے مراد توحید کا بیان، تلاوت قرآن، علوم شرعیہ کا مذاکرہ یا اذان واقامت وغیرہ۔

مسجدوں میں صرف یہ مذکورہ افعال کئے جائیں۔ دنیوی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ دنیوی باتیں نیکیوں کو اس طرح چاٹ جاتی ہیں۔ جیسے جانور گھاس کو۔ (مسند امام ابوحنیفہ)

آگے فرمایا کہ ان گھروں میں صبح وشام خوب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی جائے۔ تسبیح عام ہے خواہ قولی عبادت میں ہو یا فعلی میں۔ اگر صرف دل میں عبادت کی نیت ہو تو بھی اسے تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہاں فرض نمازیں مراد ہیں۔ غدو سے مراد صبح صادق سے طلوع آفتاب تک اور آصال سے مراد ظہر سے رات کے پچھلے پہر تک۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

ایسے مرد ہیں کہ نہیں روکتی انہیں تجارت اور نہ بیع یاد الٰہی سے اور قائم کرنے نماز اور ادا کرنے

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

زکوٰۃ سے وہ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ الٹ جائیں گے اس میں دل اور آنکھیں۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

تا کہ بدلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر جوانہوں نے عمل کئے اور زیادہ دے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے

(آیت نمبر ۳۷) کچھ بندگان خدا ایسے ہیں کہ انہیں یاد الٰہی سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ کوئی خرید وفروخت۔ **فائدہ:** چونکہ عرب میں زیادہ کاروبار تجارت ہی ہے۔ اس لئے اسی کا خاص کر کے ذکر کیا اور دوسری چیز بیع یعنی خرید وفروخت بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ خواہ کتنا ہی منافع حاصل ہونے کی امید ہو۔

تجارت اور بیع میں فرق یہ ہے کہ تجارت میں نفع کا حصول یقینی نہیں ہوتا۔ بخلاف بیع کے اس میں حصول نفع یقینی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بندگان خدا کو جب یقینی نفع یاد خدا سے غافل نہیں کرتا۔ تو ظنی نفع کیسے غافل کر سکتا ہے۔ ذکر اللہ سے مراد تسبیح، تہلیل اور تحمید ہے اور نماز قائم کرنے سے مراد اپنے وقت میں تعدیل ارکان وشرائط سنن ومستحبات وغیرہ کے ساتھ ادا کرنا۔ ان میں سے کسی امر میں بھی سستی کرے گا تو پھر اقامت صلوٰۃ اس کی نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی جو اپنے مال سے نکال کر مستحقین کو دی جاتی ہے۔ آگے فرمایا کہ مذکورہ اعمال کے ساتھ ساتھ وہ روز قیامت سے بھی ڈرتے ہیں۔ یعنی قیامت کے دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ سے دل اور آنکھیں بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ دل اپنی جگہ چھوڑ کر گلے تک آ جائیں گے اور آنکھوں کے متعلق فرمایا کہ وہ پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(آیت نمبر ۳۸) وہ بندگان خدا اعمال صالحہ یعنی ذکر وتسبیح اور نماز وزکوٰۃ اور ہر وقت دل میں خوف خدا صرف اس لئے رکھتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بروز قیامت اس کی اچھی جزاء دے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال جیسے سراب چمکتا ہوا کسی جنگل میں سمجھے اسے پیاسا پانی ۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ

یہاں تک کہ جب آیا اس کے پاس نہ پایا وہاں کچھ بھی اور پایا اللہ کو اپنے پاس تو اس نے پھیر دیا اس کا حساب۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ ﴿۳۹﴾

اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۳۸) یعنی ان کے اعمال سے بھی بہتر جزا دے جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا کہ ایک کے بدلے دس اور دوسری جگہ فرمایا سات سو گنا تک بلکہ انہیں اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا جو عمل صالح کی جزا سے الگ ہی ہوگا۔ بندوں کو تو اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔ وہ ایک خاص عطا ہوگی جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے اس کے احسان وکرم کی کوئی انتہا نہیں۔ یعنی جب وہ عطا کرتا ہے تو پھر وہ کسی کے شمار میں نہیں آتا۔

شانِ نزول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان تاجروں کے حق میں نازل ہوئیں جو بازار میں خرید وفروخت میں مصروفیت کے باوجود وہ اپنے نیک مشاغل سے بھی غافل نہیں ہوتے۔

فائدہ: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے نزدیک مرد صرف وہ ہے جو اپنے دل سی غیر اللہ کا تصور ہی نکال دے جس میں یہ کمال نہیں وہ گویا مرد ہی نہیں۔

دل اللہ کا گھر ہے: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ اے داود میرا گھر صاف رکھ پوچھا یا اللہ تو تو گھر سے پاک ہے۔ فرمایا اپنے دل کو میرے لئے پاک اور صاف کر۔

دل کی صفائی کا نسخہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کیلئے چمکانے والی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو ذکر الٰہی سے چمک ملتی ہے۔ جب دل میں چمک آ جائے دل صاف ہو جائے تو پھر وہ جلوہ گاہ حق بن جاتا ہے۔

(آیت نمبر ۳۹) ان لوگوں کے اعمال جو کافر ہیں وہ جو بھی نیک عمل کرتے ہیں۔ مثلاً کسی پر احسان وکرم کر دیا یا صلہ رحمی کی یا کسی مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈال دیا۔ کسی مظلوم کی فریاد رسی کر دی یا مہمان نوازی یا کوئی قربانی کر دی۔ وغیرہ

وغیرہ اگر تو وہ ایمان قبول کرنے کے بعد یہ اعمال کرتے پھر تو وہ ضرور ثواب اور بہتر جزا پاتے۔لیکن انہوں نے یہ اعمال حالت کفر میں کئے ہیں۔اس لئے ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے ریتلا میدان ہو اور سورج کی تپش میں دوپہر کے وقت دور سے چلتا ہوا پانی نظر آتا ہے۔اسے دیکھ کر پیاسا آدمی تو اسے پانی سمجھتا ہے کیونکہ دور سے پانی کی طرح نظر آتا ہے۔قریب جا کر اسے ناامیدی حاصل ہوتی ہے۔جب پیاس بجھانے وہاں پہنچتا ہے۔تاکہ وہاں پانی پئے لیکن وہاں پانی وغیرہ کچھ نظر نہ آتا۔بلکہ یہ وہاں سے پیاسا ہی واپس آتا ہے۔یہی حال کافر کا بھی ہوگا کہ دنیا میں وہ ایمان اور علم وعمل سے کورے رہے ان کے اعمال پر کفر کا غلبہ تھا۔ان کے اچھے اعمال جن کی وجہ سے اچھی امید لگائے بیٹھے تھے وہ سارے ہی باطل ہو گئے۔جنہیں شیطان ان کے۔لئے خوبصورت بنا کر دکھاتا رہا تو ان کے اعمال مثال اس سراب کے ہی نکلے جسے پیاسا پانی سمجھتا رہا کافر اچھے اعمال اس امید پر کرتا رہا کہ قیامت کے دن ان اعمال کا اچھا بدلہ پائے گا لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچے گا ایک تو اللہ تعالیٰ کو ناراض پائے گا۔اس لئے کہ اس نے دنیا میں جیسے عمل کرتا تھا۔یا جس چیز کی وجہ سے اعمال قبول ہونے تھے۔وہ ایمان تھا جس سے محروم رہا۔لہذا وہ اپنے اعمال کا بدلہ بالکل نہیں پا سکے گا اور ناامید ہو جائیگا۔اس لئے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے کچھ حاصل کرنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس نے جو کچھ دنیا میں کیا اس کا پورا پورا حساب کرے گا یعنی ہر برائی اور گناہ کی پوری پوری سزا کا حکم کرے گا۔تو اس وقت اسے اپنے برے حال کا علم ہو جائے گا۔اچھے عمل ضائع ہو جائیں گے اور اسے مکمل طور پر ناامید لے ہو جائیگی۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ کے پاس بڑے امیدی کر حاضر ہوتا کہ بادشاہ اسے انعام واکرام سے نوازے لیکن اس کی کسی برائی کی وجہ سے اسے بادشاہ کی طرف سے الٹی سزا ملے اور مار کر دروازے سے بھی دھتکار دیا جائے۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے یعنی حساب لینے میں کوئی زیادہ وقت خرچ نہیں ہوگا۔

فائدہ: کاشفی لکھتے ہیں کہ جلد حساب کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حساب میں کوئی اور حساب رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں کہ چھائے اس پر موج اور موج کے اوپر موج اور اس کے اوپر بادل ہوں۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ

اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔ جب نکالے اپنا ہاتھ نہیں قریب کہ اسے دیکھ سکے۔

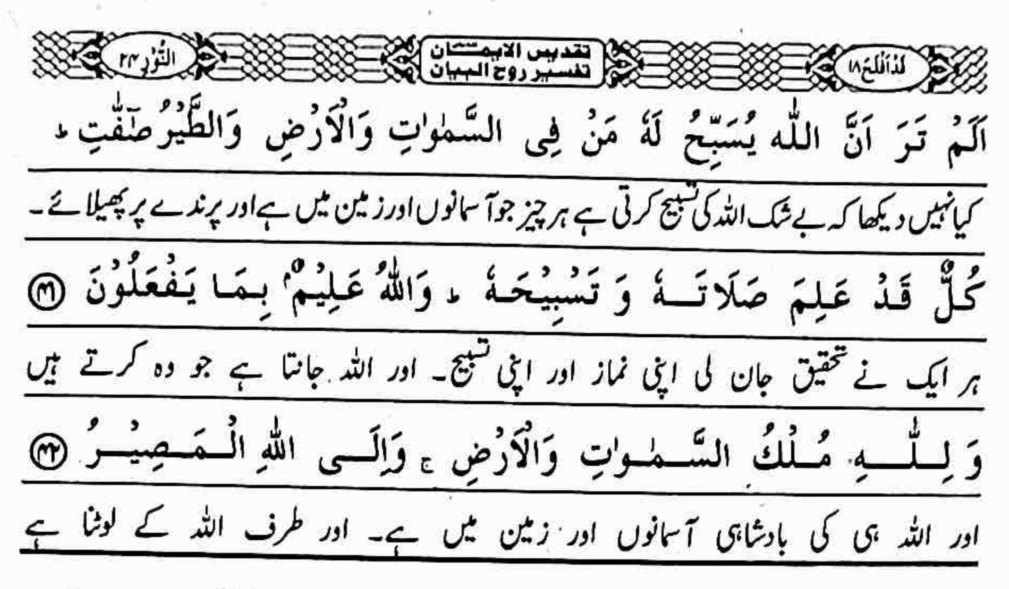
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۧ ﴿۴۰﴾

اور جسے نہ کرے اللہ کہ اس کا نور ہو تو نہیں اس کا کہیں سے نور۔

(آیت نمبر ۴۰) یا اس کے برے اعمال ظلمات کی طرح ہوں گے جیسے کوئی پانی کی نچلی تہہ میں ہو۔ جہاں پانی بھی بہت زیادہ ہو۔ پھر دریا کی موجوں نے اسے مکمل طور پر ڈھانپ لیا ہو یعنی دریا کی لہروں اور موجوں میں وہ ڈوبا ہوا ہے اور ادھر اوپر اس کے بادلوں پر بادل ہوں یعنی نیچے دریا کی لہریں بھی تہہ بہ تہہ اور بادل بھی تہہ بہ تہہ ہوں تو اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تاریکیوں پر تاریکیاں پھیل گئیں یہاں تک کہ اس نے اتنی تاریکیوں میں مبتلا ہونے والا اپنا ہاتھ نکالا تو نہیں قریب کہ اسے دیکھ سکے۔ ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کہ باقی اعضاء کی نسبت یہ آنکھ کے زیادہ قریب آسکتا ہے کہ نظر بھی آسکے لیکن کثرت ظلمات کی وجہ سے قریب ہے کہ اسے بھی نہ دیکھ سکے۔

آگے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دینا چاہے اسے کوئی اور نور نہیں دے سکتا کہ جس کی وجہ سے اسے نور ایمان نصیب ہو۔ کیونکہ نور دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے وہ ہی نور نہ دے تو کوئی بھی اسے نور نہیں دے سکتا۔

فائدہ: کاشفی فرماتے ہیں کفار کے اعمال کی یہ دوسری مثال ہے۔ تاریکی سے مراد ان کے اعمال اور دریا کی گہرائی سے مراد ان کے دل اور ان کے اندر شرک وکفر اور جہالت وغیرہ کو تہہ بہ تہہ اندھیروں سے مثال دی جو کہ موج بر موج میں ڈوبے ہیں اور اوپر سحاب کی ظلمت ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار کی گفتار اور ان کا ہر عمل تاریک ہے۔ اسی طرح وہ بروز قیامت بھی ظلمات میں آئیں اور اس کے برعکس ایمان والوں کے تو آگے بھی نور پیچھے بھی نور دائیں بھی نور اور بائیں بھی نور ہوگا۔



اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ

کیانہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرندے پر پھیلائے۔

كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾

ہر ایک نے تحقیق جان لی اپنی نماز اور اپنی تسبیح۔ اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۴۲﴾

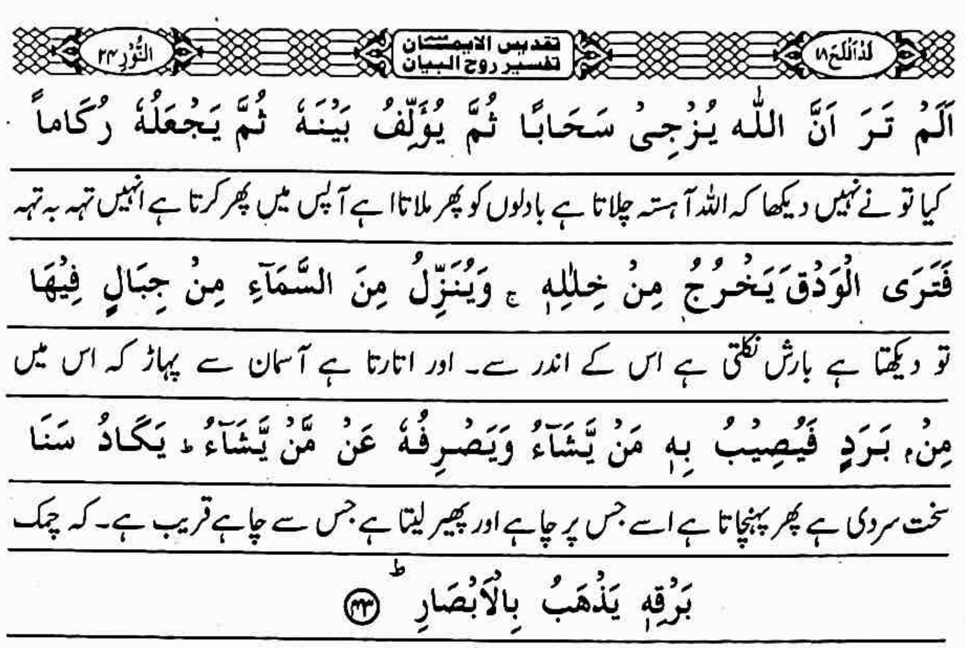
اور اللہ ہی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور طرف اللہ کے لوٹنا ہے

(آیت نمبر ۴۱) اے محبوب کیا آپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا کہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس (اور تحمید) بیان کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور سب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ آسمانوں وزمین میں رہنے والے سب نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم کرلیا ہے کہ ان کی نماز وتسبیح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہہ بیان کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی عبادات کو اور صلوٰۃ وتسبیحات کو خوب جانتا ہے اور انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائیگا۔ اس آیت کریمہ میں ان جنوں اور انسانوں کو وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس نہیں بیان کرتے۔ **فائدہ:** تسبیح کا مطلب ہے۔ کہ جو اقوال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان سے اسے پاک جاننا۔

(آیت نمبر ۴۲) اور زمین وآسمان کی ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ثابت ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کی ذات وصفات کا وہی خالق ہے۔ بنانے اور مٹانے میں جیسے پہلی دفعہ کیا۔ اسی طرح دوسری دفعہ بنانے پر اسی کا تصرف ہے اور سب نے فنا ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے اپنے مالک اور اس قوی ذات کی عبادت کرے اور ظاہر وباطن سے اس کی تسبیح کہے۔

فائدہ: محققین کے نزدیک اس سے تسبیح حقیقی مراد ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک کو ان کے لائق زبان حاصل ہے۔ جس سے وہ حقیقی طور پر تسبیح وتقدیس کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ غیر ذوی العقول کو بھی زبان عطا فرمائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں اس کی تفصیلات سورہ اسراء میں بیان ہو گئی ہیں: "ولکن لاتفقهون تسبیحهم" کے تحت۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آہستہ چلاتا ہے بادلوں کو پھر ملاتاا ہے آپس میں پھر کرتا ہے انہیں تہہ بہ تہہ

فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ ج وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا

تو دیکھتا ہے بارش نکلتی ہے اس کے اندر سے۔ اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑ کہ اس میں

مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ط یَکَادُ سَنَا

سخت سردی ہے پھر پہنچاتا ہے اسے جس پر چاہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہے قریب ہے۔ کہ چمک

بَرْقِہٖ یَذْھَبُ بِالْاَبْصَارِ ط ۴۳

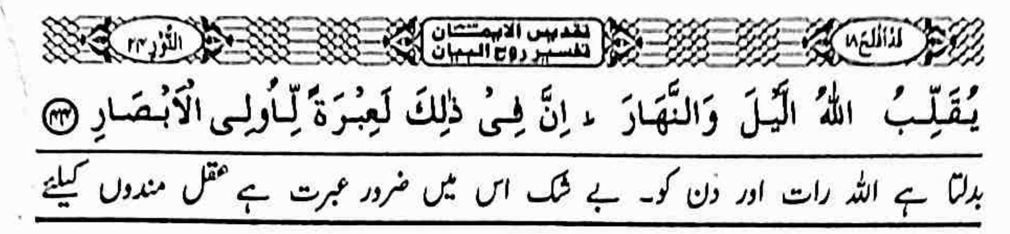
اس کی بجلی کی لے جائے آنکھیں۔

(بقیہ آیت نمبر۴۲) امام باقر علیہ السلام کی کرامت: ابوثابت فرماتے ہیں کہ ہم امام کی خدمت میں تھے۔ آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد یہ چڑیاں کیا کہتی ہیں میں نے لاعلمی ظاہر کی تو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہیں اور اس سے اپنے رزق کا سوال کرتی ہیں۔

نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان ہو یا غیر انسان اس کے ہر سانس سے ذکر الٰہی جاری ہے خواہ اس کا خیال ہو یا نہ کیونکہ سانس کے آنے اور جانے سے لفظ ''ھو'' خود بخود خارج ہوتا ہے جو اس غیب الغیب ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہر عقلمند پر لازم ہے کہ وہ سانس کے اندر اور باہر جاتے اور آتے وقت اللہ اور ''ھو'' کا تصور دل میں جمائے تا کہ اس کی کوئی سانس ذکر الٰہی کے بغیر نہ گذرے اسی لئے نقشبندی حضرات کہتے ہیں ہوش دردم یعنی سانس کے آتے جاتے ہوش رکھ۔ یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ نکلے۔

مسئلہ: ''کل علم صلوتہ وتسبیحہ'' میں اشارہ ہے کہ ہر چیز میں اس کی شان کے لائق علم اور شعور ہے۔

(آیت نمبر۴۳) کیا تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے پھر ان کے تمام اجزاء کو آپس میں ملاتا ہے یہاں تک کہ وہ سب اکٹھے ہو کر ایک ٹکڑا بن جاتا ہے پہلے کئی ٹکڑوں سے مل کر انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر اوپر نیچے ہونے کے بعد بارش کو دیکھتے ہو کہ جو بادلوں کے درمیان سے نکلتی ہے۔



يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

بدلتا ہے اللہ رات اور دن کو۔ بے شک اس میں ضرور عبرت ہے عقل مندوں کیلئے

(بقیہ آیت نمبر ۴۳) اور بارش جہاں سے نکلتی ہے وہاں تمہیں کوئی سوراخ بھی نہیں دکھائی دیتے۔

فائدہ: کعب فرماتے ہیں کہ بارش کی چھلنی ہے اگر وہ نہ ہوتی تو بارش جس پر گرتی اسے خراب کر دیتی۔ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑوں کی طرح جو اوپر والی تہہ میں ہوتے ہیں ان سے ٹھنڈا پانی زمین پر گرتا ہے۔

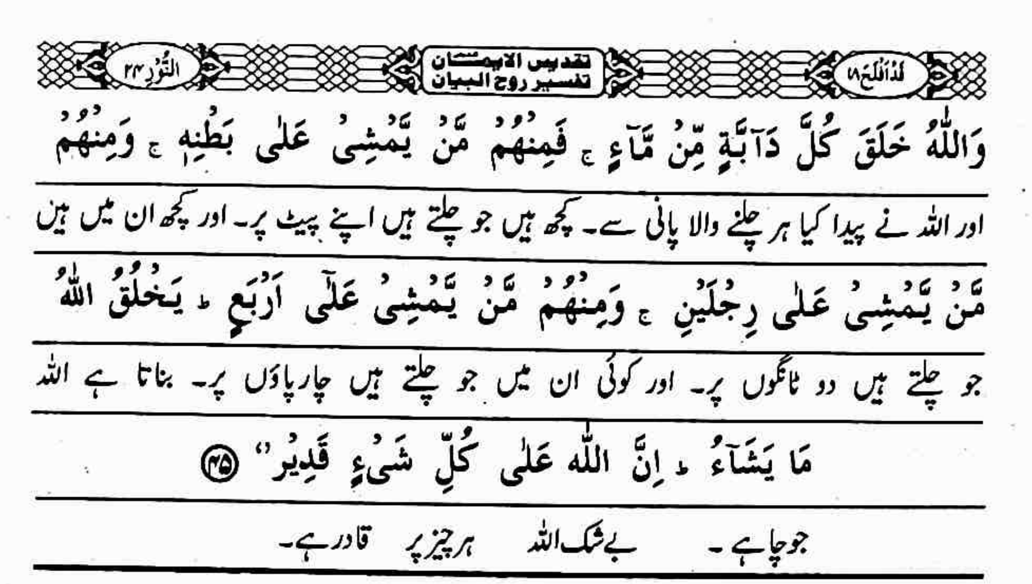
فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے درمیان مختلف قسم کے پہاڑ پیدا فرمائے۔ جن میں سے بعض سرد اور بعض برف کی طرح ہیں جن پر فرشتے مقرر ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں اتارتے ہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ جس جگہ کیلئے اللہ چاہتا ہے اس پر پانی پہنچاتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے پھرا لیتا ہے۔ تا کہ ان کے جان و مال کھیتی اور پھلوں میں نقصان نہ ہو اور وہ اس کے ضرر سے محفوظ ہوں۔ آگے فرمایا کہ قریب ہے کہ بادلوں میں چمکنے والی بجلی آنکھوں کی بینائی ہی لے جائے یعنی اتنی زیادہ روشنی ہوتی ہے جو بار بار چمکتی ہے تو ایسا پتہ چلتا ہے۔ جیسے آنکھوں کی روشنی کو بھی چھین کر لے جاتی ہے۔

(آیت نمبر ۴۴) رات اور دن کو آگے پیچھے بدلتا ہے یا ایک دوسرے کو گھٹا بڑھا کر بدلتا ہے یا ان کے احوال کو ہی بدل دیتا ہے جیسے سردی گرمی اندھیرا اور روشنی۔ ان میں سے بادلوں کا چلنا بارش کا برسنا۔

حدیث قدسی: آدم کا بیٹا زمانے کو گال دیکر مجھے تکلیف دیتا ہے۔ زمانہ تو میں خود ہوں۔ میں ہی بدلتا ہوں رات دن کو کیونکہ سب اختیار میرے ہاتھ میں ہے (مشکوٰۃ شریف)۔ مذکورہ تمام احوال یعنی بادلوں کو چلانا یا رات دن کا بدلنا ان میں عبرۃ ہے ان کیلئے جنہیں بصیرت حاصل ہے۔ اس لئے کہ مانع قدیم کا وجود اور اس کی وحدت اور اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔ اور کل اشیاء پر اس کا علم محیط دلالت ہے ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ جنہیں بصیرت نصیب ہے وہی ان امور سے مدبر حقیقی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

فائدہ: عقلمند وہی ہے جو رات اور دن کی گھڑیوں سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ (غافل یہ گھڑیاں تجھے دیتا ہے منادی۔۔۔۔ گردوں نے تیری عمر کی گھڑی اور گھٹا دی)

فائدہ: رابعہ تیسیہ فرماتی ہیں میں اذان سنوں تو مجھے قیامت کی پکار یاد آتی ہے۔ برف کو دیکھ کر اپنا اعمال نامہ ہاتھ میں ملنا یاد آ جاتا ہے۔ ٹڈیوں کو دیکھ کر حشر کا دن یاد آ جاتا ہے۔



وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والا پانی سے۔ کچھ ہیں جو چلتے ہیں اپنے پیٹ پر۔ اور کچھ ان میں ہیں

مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ

جو چلتے ہیں دو ٹانگوں پر۔ اور کوئی ان میں جو چلتے ہیں چار پاؤں پر۔ بناتا ہے اللہ

مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

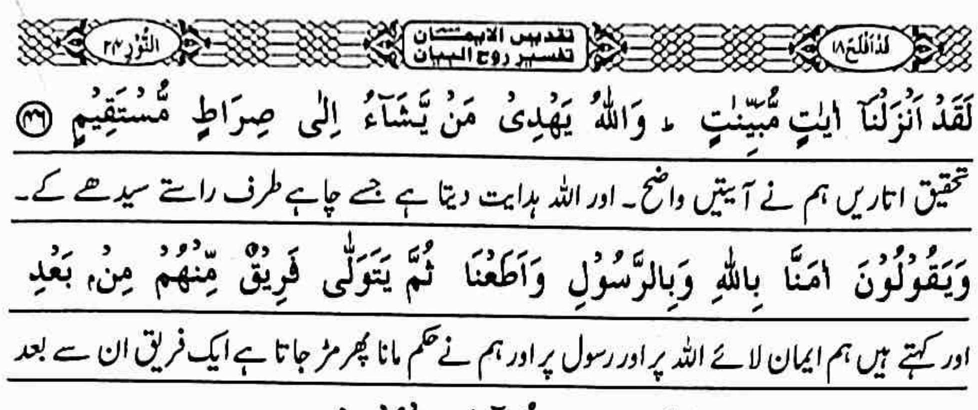
جو چاہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(آیت نمبر ۴۵) اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا فرمایا۔ اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اگرچہ ان کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں خواہ ان کی تخلیق روحانی ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرما کر اس پر نگاہ ہیبت ڈالی تو وہ جوہر پگھل کر پانی ہوگیا۔ پھر آگ سے جن پیدا فرمائے اور جس پر ہوا کو غلبہ دیا اس سے فرشتے پیدا فرمائے جس پر مٹی کو غلبہ دیا اس سے انسان اور حیوان پیدا فرمائے۔ الغرض جن اور فرشتوں کے علاوہ باقی حیوانات پانی سے ہی پیدا فرمائے۔

ساری مخلوق حضور ﷺ کے نور سے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمام ذی روح چیزیں نور محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پیدا ہوئیں کیونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق حضور ﷺ کی روح سے ہوا۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد مبارک ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔

آگے فرمایا کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ مچھلی وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ جیسے انسان اور پرندے وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے عام جانور کچھ کیڑے مکوڑے ہیں جو اس سے زیادہ ٹانگوں پر چلتے ہیں وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے ہوسکتا ہے ابھی بعض وہ چیزیں ہوں جو بعد میں پیدا ہوں گی جن کا ذکر نہیں ہوا۔ اسکی بعض مخلوق بسیط اور بعض مرکب ہے جیسے اس نے چاہا ایسے پیدا فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔



لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

تحقیق اتاریں ہم نے آیتیں واضح۔ اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے طرف راستے سیدھے کے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے حکم مانا پھر مڑ جاتا ہے ایک فریق ان سے بعد

ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

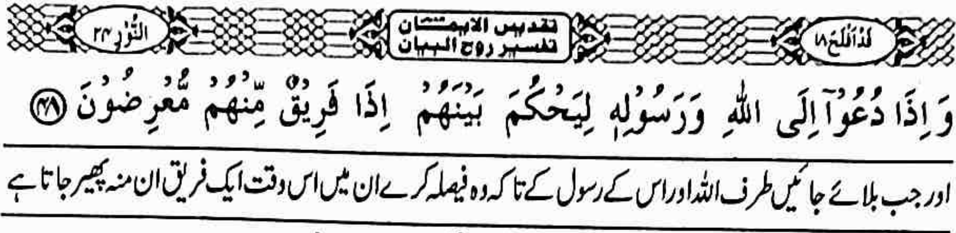
اس کے۔ اور نہیں ہیں یہ لوگ مومن

(آیت نمبر ۴۶) البتہ تحقیق ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں۔ ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ یا آیات سی مراد احکام دینیہ ہیں اور صراط مستقم سے مراد اسلام ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ یا آیات سے مراد اسرار تکوینیہ ہیں۔ جن میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور جنت کے راستے کی طرف رہبری فرماتا ہے۔ یا آیات سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس کی آیات واضح اور روشن ہیں اس میں فرمایا کہ ہم نے انسان کی مختلف قسمیں بنائیں یعنی ان میں مختلف اوصاف بنائے اگر ہم انہیں ان کی فطرت کے ہی حوالے کر دیتے تو ان میں سے کوئی بھی ہدایت نہ پاتا اور نہ ہی کوئی اپنی مرضی وارادہ پر ہدایت پا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

(آیت نمبر ۴۷) اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

شان نزول: یہ آیت بشر نامی منافق کے حق میں اتری۔ جس کا زمین کے بارے میں ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا تو منافق کہنے لگا۔ چل ہم یہودیوں کے بڑے عالم کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی کہنے لگا۔ نہیں ہم مسلمانوں کے رسول (ﷺ) سے فیصلہ کراتے ہیں تو اللہ نے فرمایا کہ منافق کہتے ہیں۔ ہم نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان بھی لایا اور ان کی اطاعت کی تمام احکام میں اور منع کی ہوئی باتوں میں بھی۔ لیکن پھر اس کے بعد ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے منہ پھیرتا ہے۔

فائدہ: فریق اس جماعت کو کہا جاتا ہے۔ جو بڑی جماعت سے الگ ہو جائے یا جو جمہور سے علیحدہ ہو جائے یعنی وہ ایمان اور اطاعت کا دعویٰ کرتے ہیں۔



وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب بلائے جائیں طرف اللہ اور اس کے رسول کے تا کہ وہ فیصلہ کرے ان میں اس وقت ایک فریق ان منہ پھیر جاتا ہے

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ؕ ﴿۴۹﴾

اور اگر ہو ان کا حق تو آئیں اس کی طرف مانتے ہوئے۔

(بقیہ آیت نمبر ۴۷) پھر ان میں سے کچھ اپنے اعتقاد وعمل سے منہ چراتے ہیں تو ایسے لوگ حقیقی مومن نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حقیقی مومن تو وہ ہوتے ہیں۔ جنہیں ایمان میں اخلاص اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہو۔

(آیت نمبر ۴۸) اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ رسول اللہ ﷺ ان میں فیصلہ فرمائیں۔ اس لئے کہ حقیقی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرنے والا تو اللہ کا رسول ہی ہوتا ہے اور اس کے پیچھے حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔ **فائدہ**: اس میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ حکم اس فیصلہ کو کہا جاتا ہے جو اس کے تقاضوں کے مطابق ہو مخالف اسے قبول کرے یا نہ کرے۔

آگے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی طرف بلایا جائے تو وہ روگردانی کرتا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا فیصلہ چونکہ ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حضور ﷺ کا فیصلہ حق کے مطابق ہوتا ہے اور آپ کوئی رشوت وغیرہ بھی نہیں لیتے۔ اس لئے منافق نے کہا۔ کہ یہودی عالم سے فیصلہ کرائیں گے۔ تا کہ رشوت وغیرہ دے کر فیصلہ اپنے حق میں کرالوں گا۔ کیونکہ یہ کام یہودی مولوی بلا جھجک کر لیتے تھے۔

(آیت نمبر ۴۹) اگر حق ان کیلئے ہو یعنی فیصلہ ان کی مرضی کا ہو یا اس میں انہیں کوئی فائدہ نظر آئے پھر وہ رسول پاک کے پاس آ جائیں گے۔ بڑے فرمانبردار بن کر اس لئے کہ اب انہیں یقین ہو گا کہ حضور ﷺ اس کے فائدے کا فیصلہ فرمائیں گے۔ (لیکن منافقین کے زیادہ فیصلے جھوٹ پر ہی مبنی ہوتے تھے۔ اس لئے وہ بارگاہ نبوت میں آنے سے کتراتے تھے۔)

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ

کیاان کے دلوں میں کوئی مرض ہے یاانہیں شک ہے یاڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے گا اللہ ان پراوراس کارسول

بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۠ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ سوائے اس کے نہیں بات مسلمانوں کی جب وہ بلائے جائیں طرف اللہ

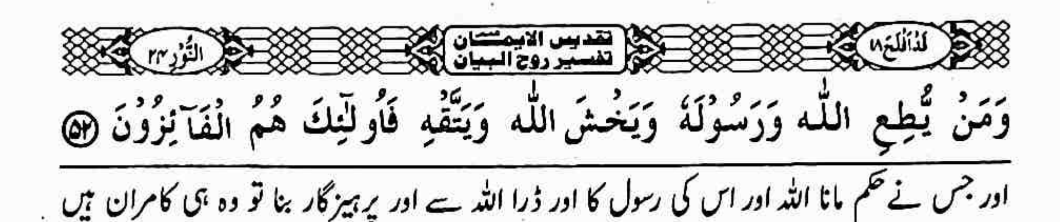
وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

اوررسول کے تاکہ رسول فیصلہ کریں ان میں تووہ کہیں گے ہم نے سنااور مانا۔اوروہی لوگ کامیاب ہیں۔

(آیت نمبر۵۰) کیاان کے دلوں میں مرض ہے۔اب ان کے منہ پھیرنے کی برائی کو بیان کیا جارہا ہے اوران کی اصل منشا کا بیان ہے۔یعنی ان کا دررسول پرآنے سے منہ پھیرناان کے قلبی مرض کی وجہ سے ہے اوروہ کفرونفاق ہے جوانہوں نے دل میں چھپارکھا ہے۔

آگے فرمایا کہ یاانہیں شک ہے یعنی نبوت کے بارے میں شک وشبہ ہے حالانکہ نبوت توشک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ اس میں توساری حقیقت واضح ہوتی ہے یاانہیں خوف ہوگیا ہے کہ ان پراللہ اوراس کارسول فیصلہ کرنے میں ظلم وزیادتی کریں گے۔(معاذ اللہ)۔آگے ان کے اعراض کی اصل وجہ بتادی۔اصل وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ظالم ہیں انہیں حضور ﷺ سے توظلم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔انہیں یقین تھا کہ حضورحق پرقائم ہیں انہوں نے برحق فیصلہ کرنا ہے۔آپ معمولی سی بھی لغزش کھانے والے نہیں ہیں توپھرثابت ہوگیا وہ لوگ خودظالم ہین۔وہ اہل حق پرظلم ڈھاناچاہتے تھے۔ان کا یہی مقصد تھا کہ حق والوں کاحق ہڑپ کریں اس لئے وہ حضور ﷺ سے فیصلہ کراتے ہوئے کتراتے تھے۔انہیں یقین تھا کہ حضور ﷺ توفیصلہ حق پرکریں گے۔لہذاجن برائیوں کی وجہ سے انہیں ظالم کہا گیا وہ برائیاں ان میں اتنی راسخ ہوگئیں کہ اب ان کا واپس آنامشکل تھا۔

(آیت نمبر۵۱) سوائے اس کے نہیں ایمان والے یہی کہتے جب اللہ جل شانہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان میں فیصلہ فرمائیں جوان کے اورمخالفوں کے درمیان معاملہ ہواتووہ یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنے پیارے رسول کی دعوت کوسنااورقبول کیا اورجس طرح ان کا حکم ہوگا۔ہم تہہ دل سے اس پرعمل کریں گے۔



وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جس نے حکم مانا اللہ اور اس کی رسول کا اور ڈرا اللہ سے اور پرہیزگار بنا تو وہ ہی کامران ہیں

(بقیہ آیت نمبر ۵۱) اور وہی لوگ درحقیقت کامیابی بھی پانے والے ہیں۔ اپنے تمام مطالب ومقاصد میں اور ہر قسم کے خطرات سے نجات پانے والے ہیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ میرے لائے ہوئے احکام کا پورے طور پر تابع نہیں ہوجاتا۔ (بخاری)

شرح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان کامل اس وقت تک نہیں ہوسکتا اور نہ وہ کمال ایمانی کے اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے۔ جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات اللہ اور رسول ﷺ کے لائے ہوئے احکام کے پورے طور پر تابع نہ ہوجائے اور آپ کی سیرت اور ہدایت پر عمل نہ کرے۔

(آیت نمبر ۵۲) جو شخص اللہ اور اس کے رسول پاک کی اطاعت کرتا ہے یعنی ان کے حکم جیسے ہو وہ ایسے ہی کرتا ہے اور ان کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کے گناہوں پر پکڑ نہ ہو جائے اور آئندہ آنے والی بقیہ عمر کے بارے میں بھی وہ گناہوں سے بچنا چاہتا ہے یہ لوگ دراصل طاعت وخشیت سے موصوف ہیں اور وہی ہمیشہ کی نعمتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہیں۔ غیروں کو یہ کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔

حکایت: کشاف میں ہے۔ ایک بادشاہ نے کسی عالم دین سے پوچھا کہ کوئی ایک آیت ایسی بتائیں کہ جس پر عمل کیا جائے پھر دوسری کسی آیت پر عمل کی ضرورت نہ رہے تو اس عالم دین نے یہی آیت پڑھی۔ تقریباً اس وقت کے تمام علماء نے ان کی تائید کی۔ کہ واقعی تمام فوز وفلاح اللہ رسول کی فرمانبرداری میں ہے اور خشیت الٰہی اور تقوے میں ہے۔

مسئلہ: ادائے فرائض اور اجتناب محارم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔ اللہ اور رسول جس امر کا بھی حکم فرمائیں۔ اسے ہر حال میں سر تسلیم خم ماننا ضروری ہے۔

فائدہ: علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عطا نے فرمایا کہ دعوت الی اللہ دعوت رسول ہی ہے کیونکہ جو رسول کو داعی الی اللہ نہیں مانتا وہ گمراہ ہے اور اسے دماغ میں کوئی بیماری ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ کی اپنی تو کوئی غرض ہی نہیں تھی۔ انہوں نے تو جب بھی بلایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ

اور قسمیں کھائیں اللہ کی پکی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے۔ فرمادو نہ قسمیں کھاؤ

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

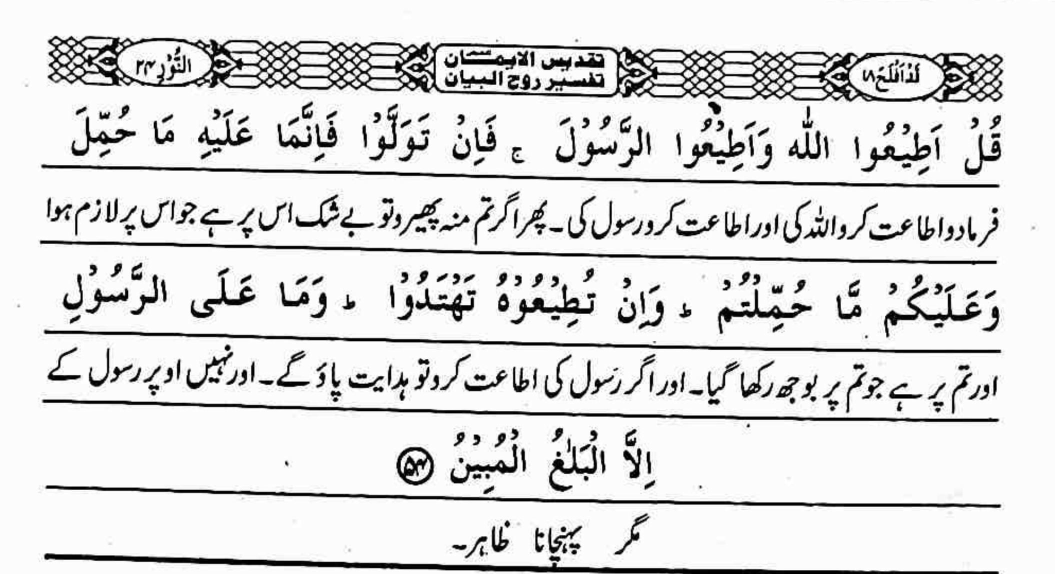
اطاعت چاہئے موافق شرع۔ بے شک اللہ خبردار ہے اس سے جو کچھ تم کرتے ہو۔

(آیت نمبر۵۳) منافق اللہ کی قسمیں کھاتے اور پورے وثوق سے اپنی قسموں کو اٹھاتے یعنی ان کی قسموں میں اتنی شدت اور سختی ہوتی جیسے وہ اپنی قسم سے بات کو اپنی طاقت اور وسعت کی انتہاء تک پہنچا رہے ہیں یعنی وہ اپنی قسموں میں حضور ﷺ سے عرض کرتے کہ ہم ہر وقت آپ کے حکم کے پابند ہیں۔ آپ ہمیں جہاد کیلئے گھروں سے نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اگر آپ گھر پر رہیں گے تو ہم بھی گھر پر رہیں گے اگر جہاد کا حکم دیں گے تو بسروچشم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور جہاد کیلئے فی الفور اٹھ کھڑے ہونگے۔

فائدہ: حالانکہ ان کی یہ تمام باتیں جھوٹی تھیں (اس سے پہلے کئی دفعہ وہ دھوکہ دے چکے تھے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرمایا۔ ان کی قسم ان کے منہ پر مار کر فرمادو۔ اپنے دعوے پر قسمیں مت کھاؤ۔ تمہاری طاعت معلوم ہے جو صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ تمہارے اقوال تمہارے دلی عزائم کے موافق نہیں۔

فائدہ: ان کی طاعت کو معروف اس لئے کہا کہ ان کی عادات واطوار اتنے واضح تھے کہ بچہ بچہ اس سے واقف تھا کہ ان کی ہر بات میں منافقت تھی۔ اطاعت میں اپنی مرضی سے نہیں ہوتی۔ اطاعت وہ ہوتی ہے۔ جو شرع کے مطابق ہو۔

آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال سے اور جھوٹے مقال سے خبردار ہے یا وہ تمہارے زبانی دعووں اور اندرونی مخالفت سے پوری طرح آگاہ ہے اور وہ اس کے مطابق ہی تمہیں آخرت میں سزا دے گا۔



قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

فرمادو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ پھر اگر تم منہ پھیرو تو بے شک اس پر ہے جو اس پر لازم ہوا

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور تم پر ہے جو تم پر بوجھ رکھا گیا۔ اور اگر رسول کی اطاعت کرو تو ہدایت پاؤ گے۔ اور نہیں اوپر رسول کے

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴

مگر پہنچانا ظاہر۔

(آیت نمبر ۵۴) اے محبوب ان کو فرمادو کہ تم تمام احکام فرائض وسنن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو لیکن اگر تم اللہ اور رسول کا حکم سننے کے بعد پھر گئے تو پھر تم اس بات کو یقین سے مان لو۔ بے شک ہمارے رسول پاک کے ذمہ وہی ہے جس کے وہ مکلف ہیں یعنی ان کی ذمہ داری میرا پیغام تم تک پہنچا دینا ہے اور اے منافقو تم بھی یادرکھو تمہارے ذمہ پر وہ ہے جس کا تم حکم دیئے گئے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا پھر اس کی اطاعت کرنا۔

فائدہ: حکم الٰہی کو حمل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ وہ بوجھ ہے جو ادا کئے بغیر نہیں اترے گا اس وقت تک اس کے ذمہ ہے جب تک ادا نہ کرے۔ اگر تم میرے رسول کا پیغام سن کر منہ پھیرو گے تو اس کی ذمہ داری سے عہدا برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر تم اطاعت کرو گے تو پھر ہدایت بھی پا جاؤ گے۔ یعنی حق کی طرف تمہیں راہنمائی نصیب ہوگی۔ مومن کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ ہمارے رسول یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ ہمارے پیغام کو واضح طور پر تم تک پہنچا دیں اور وہ واضح طور پر ہمارا پیغام تم تک پہنچا چکے اب تم پر ہے تم حکم الٰہی پر عمل کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ سزا پاؤ گے۔

اطاعت رسول درحقیقت اطاعت خداوندی ہے اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ اگر ایک کتا اصحاب کہف (اللہ والوں) کا دامن پکڑ کر جنتی ہو سکتا ہے تو ایک انسان اطاعت رسول سے کیوں جنت نہیں جا سکتا۔ لہذا اطاعت رسول اللہ تعالیٰ کے حضور مقبولیت کی کنجی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب ان کو بتادو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

وعدہ دیا اللہ نے ان کو جو ایمان لائے تم سے اور عمل کئے نیک کہ ضرور خلافت دے گا انہیں

فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ

زمین میں جیسے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے ہوئے۔ اور ضرور پکا کرے ان کیلئے ان کا دین

الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ

جو اس نے پسند کیا ان کیلئے اور ضرور بدل دے گا ان کے خوف کے بعد امن۔ وہ میری عبادت کریں

لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

نہ شریک کریں میرا کسی کو۔ اور جس نے کفر کیا بعد اس کے پس وہ ہی فاسق ہیں

(آیت نمبر ۵۵) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان (صحابہ کرام) سے وعدہ فرمایا تم میں سے جنہوں نے اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ انہیں خلافت عطا کرے گا۔ عرب وعجم میں یعنی کفار کی کل املاک کا ایک دن تمہیں جانشین بنائے گا۔ اور تم ان املاک میں شاہانہ زندگی بسر کرو گے۔ **حدیث شریف:** حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ دین وہاں تک جائیگا جہاں رات ہوتی ہے (تفسیر نسفی)۔ یعنی دنیا کے چپے چپے تک اسلام پھیلے گا۔ آگے فرمایا۔ جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا جیسے جبابرہ اور فراعنوں کو ختم کر کے بنی اسرائیل کو خلیفہ بنایا۔ اور ان کے دین کو بھی ان کے ساتھ ایسا ثابت فرمایا تا کہ وہ اس کے احکام پر ہمیشہ عمل پیرا ہوں وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے۔ کہ دشمن کا خوف ختم کر کے انہیں امن سے بدل دے گا۔

فائدہ: حضور ﷺ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ کے دس سالہ دور میں کفار سے خوف زدہ رہتے تھے۔ پھر مدینہ شریف میں بھی تشریف لانے کے بعد ہر وقت اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھتے کہ کفار نے یہاں بھی مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ مسلمان نہ صرف اہل عرب پر بلکہ وہ عرب وعجم پر چھا گئے (فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا اور مسلمانوں سے خوف نکل کر کفار میں چلا گیا "یبدلن" کا یہ معنی ہے)

آگے اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مسلمان صرف میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ وہ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور فرمانبرداری کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ ۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۵) معلوم ہوا یہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مسلمان صرف میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ وہ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ معلوم ہوا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صرف ان لوگوں سے ہے جو مومن میری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ میرے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہیں کرتے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا یعنی مرتد ہوا۔ یا جس پر اسلام کی ترغیب وترہیب اثر انداز نہ ہوئی اور توحید پر دلائل وبراہین کا مشاہدہ کر کے بھی ایمان نہ لایا۔ اس کا کفر ڈبل ہے اور وہی فاسق ہے۔ یعنی کفر وطغیان میں کامل ومکمل ہے۔

خارجیت کی ابتداء: خارجیوں کے بارے میں مشہور تو یہی ہے کہ وہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں مسلمانوں سے الگ ہوئے لیکن حالات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابتداء دور عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوئی انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے امان اٹھا لیا اور خوف مسلط کر دیا (پھر مولیٰ علی کے دور میں تو انہوں نے سرکشی کی انتہاء کر دی) کہ انہوں نے مسلمانوں ہی کے خون سے ہاتھ رنگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی سے اپنی نعمت نہیں چھینتا جب تک کہ ان سے وہ امور سرزد نہ ہوں جو نعمت کے چھن جانے کا موجب ہوں۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں تلوار اٹھے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی۔ (سنن الکبریٰ بمستدرک)۔ یعنی واپس نیام میں پھر نہیں جائے گی۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کسی کے کھیت سے گذرا تو کسان نے مجھے بیل کہہ کر پکارا تو میں نے دل میں سوچا کہ مجھ سے کوئی ضرور غلطی ہوئی اسی لئے کسان مجھے بیل کہہ رہا ہے۔ اگر غلطیاں بہت زیادہ ہوں تو نہ معلوم معرفت کا دروازہ ہی مجھ پر بند ہو جائے۔

(آیت نمبر ۵۶) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرو جن کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے۔ ان سب میں یہی ہے۔ کہ اللہ کی اطاعت کرو تا کہ تم رحم کئے جاؤ یعنی مذکور سارے امور جیسے ایمان، نماز، زکوٰۃ اور اطاعت رسول بجالا کر امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ

نہ خیال کرنا کہ جو کافر ہیں قابو سے نکل جائیں گے زمین میں۔ اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔

وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷

اور ضرور برا ہی ٹھکانہ ہے۔

(بقیہ آیت نمبر ۵۶) **نکتہ**: اعمال کا ذکر پہلے اور اطاعت کا حکم بعد میں اس لئے کہ جو بھی نیک اعمال اطاعت رسول میں ہوں گے وہی مقبول ہوں گے ورنہ مردود ہونگے۔

فائدہ: حضور نبی کریم ﷺ نے سب کو توحید اور اطاعت الٰہی کی دعوت دی جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اسے سعادت نصیب ہوئی جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے اسے قبول کیا وہ نیک بخت ہوئے اور وہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے سردار ہوئے اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی وہ بد بخت ہوئے اور ان کے سردار وہ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانے کے کفار و منافقین تھے۔ جنہوں نے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کو ترک کیا۔ اور وہ حق سے بھاگے اور کفر و طغیان پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی سزا دی۔ اور قبر و قیامت میں بھی سزا کے حق دار ہوں گے۔

(آیت نمبر ۵۷) اے محبوب ان کافروں کے متعلق خیال نہ فرمائیں کہ یہ کافر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں کہ ایسا مکر کریں کہ وہ انہیں ہلاک یا تباہ و برباد ہی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ زمین بہت کشادہ ہے۔ وہ جہاں بھی جانا چاہیں۔ نکل جائیں گے۔ یا زمین کے نیچے کسی حصے میں چلے جائیں گے۔ پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔ یعنی جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فائدہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکم خدا کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس کی دی ہوئی نعمت کو غلط جگہ اور گناہ میں نہ صرف کرے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تمہارے دونوں دن برابر ہوں (یعنی دوسرے دن میں پہلے دن کی نسبت زیادہ عمل نیک نہ ہوئے) تو پھر تم اپنے آپ کو ناقص سمجھو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کس طرح تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نعمت دی تو تیرا فرض تھا کہ تو اس کا حق ادا کرتا یعنی جو چیز جس مقصد کیلئے بنائی گئی وہ اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتی تو وہ ناقص ہی ہے۔ اسی طرح انسان عبادت کیلئے بنا اگر وہ عبادت نہیں کرتا تو ناقص ہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا

اے ایمان والو چاہئے کہ اجازت لیں تم سے وہ جن پر مالک ہیں تمہارے ہاتھ اور وہ بھی کہ نہیں پہنچے

الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ

جوانی کو تم میں تین اوقات میں پہلے نماز فجر کے اور جس وقت تم اتارتے ہو

ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ

اپنے کپڑے دوپہر کو اور بعد نماز عشاء کے۔ یہ تینوں وقت پردے کے ہیں تمہارے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ

نہیں ہے تم پر اور نہ ان پر گناہ ان اوقات کے بعد۔ جو آتے جاتے رہتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے

عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

پاس اس طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(آیت نمبر ۵۸) اے ایمان والو چاہئے کہ تم سے تمہارے غلام بھی اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں۔

شانِ نزول: اسماء بنت ابی مرثد کا غلام ایسے وقت میں ان کے گھر میں چلا گیا جس وقت کا آنا انہیں سخت ناگوار ہوا تو انہوں نے جا کر حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یہ خطاب تمام مومن مردوں اور عورتوں کو ہے۔ اگرچہ تغلیباً مردوں کو کہا گیا لیکن عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔

فائدہ: یعنی تمہارے غلام اور لونڈیاں بھی گھر میں داخل ہونے کیلئے تم سے اجازت مانگ کر داخل ہوں اور وہ لڑکے بھی جو ابھی سن بلوغت تک نہیں پہنچے۔ بالغ تو ہر حال میں اجازت لیکر حاضر ہوں۔

مسئلہ: بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ جماع کرے تو اسے انزال ہو۔ اسی لئے لفظ بلوغت کے بجائے حلم یعنی احتلام کا ذکر کیا۔

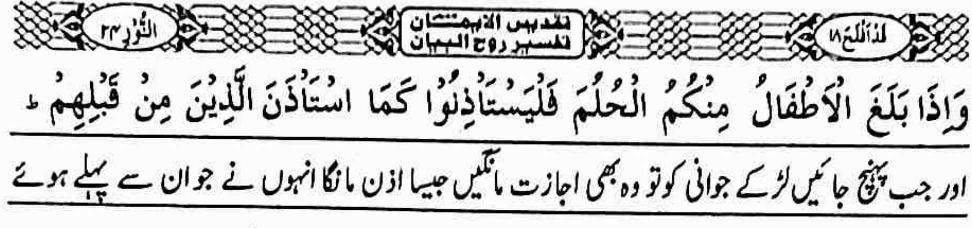
فائدہ: سن بلوغ وہ عمر ہوتی ہے کہ جس وقت اسے عقل وفہم والا کہا جائے۔

آگے فرمایا کہ وہ تم سے تین وقتوں میں اجازت لیکر داخل ہوں کیونکہ وہ آرام کرنے کے اوقات ہیں: (۱) فجر کی نماز سے پہلے۔ وہ وقت ہوتا ہے کہ بندہ کپڑے اتار کر سو رہا ہوتا ہے یا صبح والے پہن کر نماز کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔ (۲) دوپہر میں قیلولہ کیلئے لیٹے تو پھر کپڑے اتارتا ہے اس لئے فرمایا کہ جب تم کپڑے اتارتے ہو گرمی کی وجہ سے یا ویسے ہی عادت کے طور پر قمیص وغیرہ اتار کر معمولی کپڑوں میں سویا جاتا ہے۔ دوپہر کی گرمی میں چونکہ وہ وقت بھی تھوڑا ہوتا ہے۔ (۳) عشاء کی نماز کے بعد وہ بھی خصوصی وقت ہوتا ہے کپڑے اتارنے اور سونے کا۔ سردیوں میں تو اتنا ننگا نہیں ہوتا۔ کہ رضائی وغیرہ اوپر اوڑھ لی جاتی ہے لیکن گرمیوں میں آدھا بدن ویسے ہی زیادہ گرمی کی وجہ سے ننگا ہوتا ہے اس لئے ان تین اوقات کے بارے میں فرمایا کہ یہ پردے کے اوقات ہیں۔ اس کے علاوہ اوقات میں بلا اجازت گھروں میں داخل ہونے پر نہ تمہیں کوئی حرج ہے نہ تمہارے غلاموں اور عام بچوں پر کوئی گناہ ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں داخلہ امر الٰہی کی مخالفت کا موجب نہیں ہے۔ ان تینوں اوقات ممنوعہ کے علاوہ جو غلام اور بچے گھروں میں تمہارے پاس عام آتے رہتے۔ بار بار آنے جانے کو طواف سے تعبیر کر دیا۔ جیسے کعبہ شریف کے اردگرد چکر لگانے والا آ جا رہا ہوتا ہے۔ اگر ہمہ وقت آمد و رفت کیلئے اجازت طلبی ضروری ہو تو بھی تمہارا حرج ہوگا۔ اس لئے ان تین مذکورہ اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں عام اجازت کر دی گئی تاکہ کاروبار زندگی کیلئے ایک دوسرے کے ہاں بلا تکلف آیا جا سکے۔

آگے فرمایا کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ نازل فرما کر لوگوں پر اپنے احکام کو واضح فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے بھی بخوبی باخبر ہے اور وہ تمام امور کی حکمتوں کو بھی جانتا ہے اسی لئے انسانوں کی معاد و معاش کے متعلق جو بھی مفید امور تھے وہ نازل فرما دیئے۔

فائدہ :ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چونکہ عرب قدیم میں گھروں کے دروازے نہیں ہوتے تھے نہ دروازوں پر پردے یا کوئی رکاوٹ تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ بلا رکاوٹ گھروں میں چلے جاتے تھے۔ جس سے گھر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس تکلیف کو ہی دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت طلبی کا حکم نازل فرمایا۔ پھر جب مسلمانوں کو مالی وسعت ہوئی اور وافر رزق ملا تو پھر دروازے اور ان پر تالے اور دربان تک رکھ لئے گئے لہذا تالے لگ جانے سے اجازت طلبی کا معاملہ حل ہو گیا کہ اب اجازت کے بغیر کوئی داخل ہوگا ہی نہیں۔

شرعی اصول :اس سے معلوم ہوا علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے لہذا الباس و معاش یا مکان مضبوط بنانے اور کنڈے تالے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ ان کی وجہ سے کبر و غرور مقصود نہ ہو۔



وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط

اور جب پہنچ جائیں لڑکے جوانی کو تو وہ بھی اجازت مانگیں جیسا اذن مانگا انہوں نے جوان سے پہلے ہوئے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ۵۸) **فائدہ**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت مالی دی ہے تو تم بھی دل کھول کر خرچ کرو (لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں عورتیں آج کل کی طرح بے مقصد میک اپ وغیرہ پر پیسے ضائع کریں) ان کے عقل پر تو ویسے بھی شہوت نفسانی کا غلبہ رہتا ہے۔ یعنی جائز حد تک خرچ کریں بلکہ **حدیث شریف** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن فضول خرچی سے بچیں۔ (مزید بلوغت اور اجازت کے مسائل دیکھنے ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)

(آیت نمبر ۵۹) اور جب اجنبی اور آزاد بچے بالغ ہو جائیں تو انہیں چاہئے کہ جب وہ تمہارے گھر میں آنا چاہیں تو اجازت لیکر آئیں۔ **مسئلہ**: اگر دروازہ کھلا ہو تو ایک سائیڈ پر کھڑے ہو کر دروازہ کھٹکھٹائیں۔

مسئلہ: معلوم ہوا بالغ غلام کو اپنی مالکہ کے گھر جاتے وقت اجازت کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان اوقات ثلثہ مذکورہ ممتعہ میں انہیں بھی اجازت لینا ضروری ہے تو فرمایا کہ سن بلوغ کو پہنچے ہوئے لڑکے اسی طرح اجازت لیکر اندر جائیں۔ جس طرح ان سے پہلے کے بالغ ہونے والے لڑکے لیتے ہیں۔ جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے اور وہ علم وحکمت والا ہے۔

بلوغت کی علامات: (۱) عورت کو حاملہ کرنا۔ (۲) انزال منی۔ (۳) احتلام آنا۔ لڑکی کیلئے ایک زائد ہے یعنی حیض کا آنا۔۔۔۔ سن بلوغت لڑکے کی بارہ سال ہے اور لڑکی نو سال ہے۔

اسقاط کا مسئلہ: میت کی طرف سے نمازوں کا حساب اسقاط کیلئے ۱۲ سال کی عمر نکال کر باقی عمر کے حساب سے نمازوں اور روزوں کا فدیہ دیا جائیگا۔ ہر نماز کے بدلے سوا دو سیر گندم کے دانے یا آٹا۔ یہی ہر روزہ کا بدلہ ہے۔ **مسئلہ**: بچہ اگر چہ بالغ نہ ہو سمجھدار ہو تو اسے شریعت کے احکام بتائے جائیں اور برائیوں سے روکنا چاہئے کیونکہ ایسی عمر والے کو اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخلے کیلئے اجازت لینے کا حکم دیا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ

اور خانہ نشیں بوڑھی عورتیں جنہیں نہیں آرزو نکاح کی تو نہیں ان پر گناہ کہ اتاردیں بالائی

ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

کپڑے جبکہ نہ چمکائیں اپنا ہارسنگار۔ اور یہ کہ بچ جائیں تو بہتر ہے ان کیلئے اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔

(بقیہ آیت نمبر۵۹) **حدیث شریف**: حضور ﷺ نے فرمایا کہ بچے سات سال کے ہوں انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوں تو انہیں مار کر زبردستی نماز پڑھاؤ (رواہ ابوداؤد)۔ اس لئے کہ اب وہ بلوغت کے قریب آ گئے تا کہ بالغ ہو کر ان کی عادات اچھی ہو جائیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ برائیاں نہیں لکھی جاتیں۔ **فائدہ**: اسی طرح جب بچے سات سال کے ہوں تو انہیں ایک بیڈ پر نہ سونے دیا جائے۔ ان کے بستر الگ کر دیئے جائیں۔ **فائدہ**: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ جب دس سال سے آگے بڑھے تو اسے غیر محرم عورتوں کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے سے روکا جائے ورنہ روئی پر آگ رکھنے والی بات ہوگی۔

(آیت نمبر ۶۰) اور وہ بوڑھی عورتیں جو حیض و حمل ہونے کی عمر سے نکل جائیں جو نکاح کی خواہش نہیں رکھتیں۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ بعض عورتیں حیض ختم ہونے کے بعد بھی نکاح کی رغبت رکھتی ہیں یہاں سے مراد ایسی عورتیں جو نہیں چاہتیں کہ ان سے کوئی نکاح کرے ان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اوپر بڑی چادر نہ پہنیں یا برقعہ اتار دیں البتہ جوان عورتوں کیلئے ضروری حکم ہے کہ وہ یہ کہ چہرے کے علاوہ بدن کو ڈھانپیں اور زیب وزینت سے بھی غیر مردوں کے سامنے جانے سے پرہیز کریں۔ البتہ بوقت ضرورت استعمال کریں۔ اور اپنی عفت کا بھی خیال رکھیں۔ یعنی جتنا ہو سکتا ہے۔ بری باتوں سے اجتناب کریں اور اپنے آپ کو غیر محرموں کے احتلاط سے بچائیں۔ **مسئلہ**: ایسی بوڑھی عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں جسے دیکھنے سے شہوت نہ ہو۔

فائدہ: اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان فتنہ میں ڈالنے والے امور سے بھی بچ کر رہے۔ اسی میں سکون ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ عورتیں اپنی عفت کا خیال رکھیں۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے یعنی وہ ہر ایک کی بات سنتا ہے وہ جوان کے اور مردوں کے درمیان ہوتی ہیں اور ان کے تمام مقاصد کو بھی جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

نہیں اوپر اندھے کے کوئی حرج اور نہ اوپر لنگڑے کوئی حرج اور نہ اوپر بیمار کے کوئی حرج

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

اور نہ اوپر تمہارے کوئی حرج کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

یا اپنی ماؤں یا اپنے بھائیوں یا اپنی بہنوں یا اپنے چچاؤں

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

یا اپنی پھوپھیوں یا اپنے خالاؤں کے گھروں سے جنہوں نے تمہیں مالک بنایا

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ

اپنی چابیوں کا یا اپنے دوستوں کے گھروں سے نہیں ہے تم پر گناہ یہ کہ کھاؤ مل کر یا الگ ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ

الگ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلام دو اپنوں کو یہ اچھا تحفہ ہے من جانب اللہ بابرکت اور پاکیزہ ہے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع ﴿٦١﴾

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں تاکہ تم سمجھو

(آیت نمبر ۶۱) نہ اندھے پر حرج ہے نہ لنگڑے پر اور نہ ہی بیمار پر کوئی حرج اور نہ تمہارے جیسوں پر کوئی حرج ہے کہ تم ان کے ساتھ مل کر کھاؤ اپنے گھروں سے۔

فائدہ: بیمار اندھے اور لنگڑے کا سپیشل ذکر اس لئے کیا کہ عموماً لوگ ایسے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا پسند نہیں کرتے۔ اور نفرت کرتے ہیں چونکہ ان کے بعض اطوار ہی تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔ مثلاً نابینا اپنے ساتھی کے

آگے سے کھانا اٹھالے گا۔ اسی طرح لنگڑا باقی لوگوں سے زیادہ جگہ پر قبضہ کرے گا۔ جس سے دوسروں کو تنگی ہوگی اسی طرح مریض کی بیماری سے بدبو وغیرہ یا پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے پیپ لینے کی وجہ سے لوگ نفرت کرتے ہیں تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کھانے میں حرج تو کوئی نہیں نہ کوئی گناہ والی بات ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا۔ انسان کیلئے حلال طیب کھانا وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)۔ آگے فرمایا یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے کھانا بغیر اجازت کھا سکتے ہو۔

بھائی کی اقسام: ماں باپ ایک ہوں تو بھائی عینی ماں ایک باپ الگ تو بھائی اخیافی اور باپ ایک ہو ماں الگ تو علاتی بھائی ہے۔ اگر ایک ماں کا دودھ پیا تو رضاعی بھائی کبھی قبیلہ ایک ہونے یا دین ایک ہونے میں دینی بھائی (پیر ایک ہونے سے پیر بھائی) غرضیکہ کئی مناسبات سے بھائی بن جاتا ہے۔

اسی طرح اپنی بہنوں کے گھروں سے اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا پھوپھیوں کے گھروں سے یا خالو یا خالاؤں کے گھروں سے۔ یا جن مالکوں نے تمہیں اپنے گھروں میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک تندرست آدمی کسی ضروری کام کیلئے جانے لگے یا جنگ کیلئے جاتے وقت کسی بیمار یا مذکورہ دیگر اعذار والوں میں سے کسی کو اپنے گھر یا کاروبار کا قبضہ و تصرف دے جائے تو یہ لوگ اس کے گھر سے بغیر اجازت بلا خوف وخطر اپنی ضرورت کے مطابق کھا سکتے ہیں۔

شان نزول: جب مسلمان جہاد پر جاتے اور گھروں کی چابیاں کسی معذور کو دیتے تو وہ بلا اجازت ان کے گھروں سے کوئی چیز نہ کھاتے تھے خواہ وہ چیز خراب ہو جاتی تو اس موقع پر یہ حکم نازل ہوا۔ اسی طرح اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

فائدہ: ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صدیق وہ سچا دوست ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں دوستی کا دم بھرے ایسے دوست کے لئے دوست کی ہر چیز مباح ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دوست کے گھر سے بھی کھاؤ۔ تا کہ دوست کا دل خوش ہو۔ وہ دوست جو اسے اپنے لئے فخر محسوس کرے۔

مسئلہ: مفسرین فرماتے ہیں دوست کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کھا لینا تب جائز ہے۔ جب



دوست کو یقین ہو کہ وہ اس سے دل میں بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔اب آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم ان مذکورہ لوگوں کے گھروں سے بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت بغیر اجازت بے شک کھاؤ پیو اس میں تمہیں کوئی بھی گناہ نہیں خواہ وہ خود گھر میں نہ ہوں۔

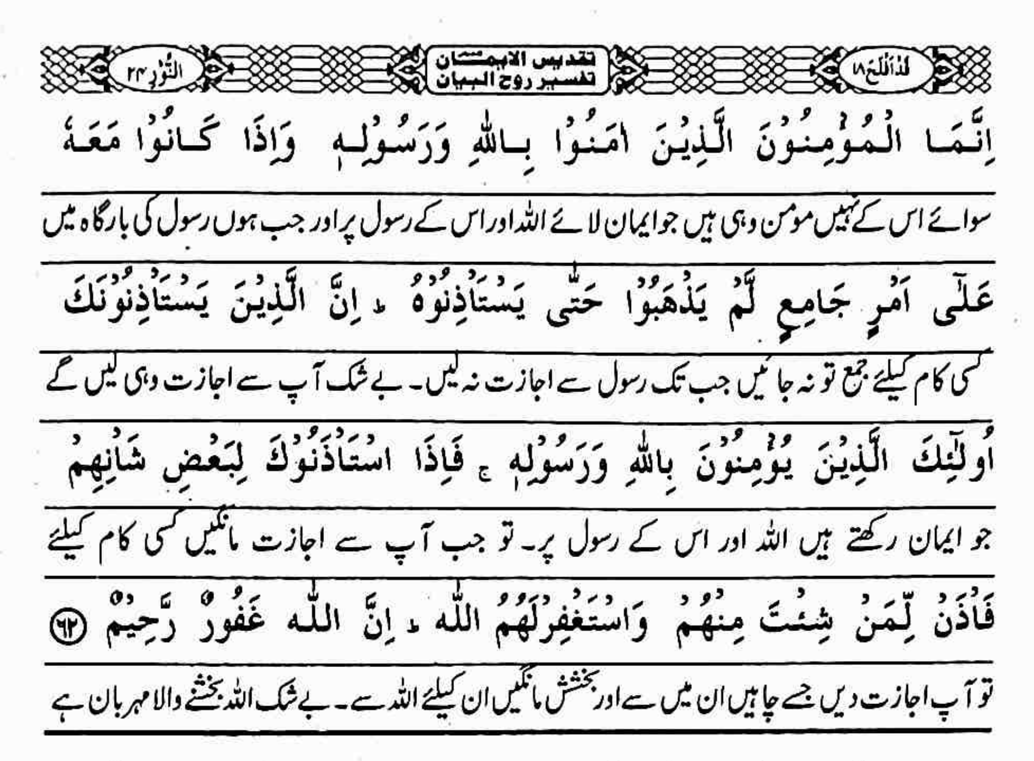
آگے فرمایا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اکٹھے کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔

شان نزول : یہ آیت کریمہ بنی لیث کے حق میں نازل ہوئی جو کہ کنانہ کا ایک قبیلہ ہے وہ الگ الگ کھانا کھانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔بعض تو ایسے تھے کہ جب تک ان کے ہاں مہمان نہ آتا وہ کھانا ہی نہیں کھاتے تھے۔کئی دفعہ صبح سے شام تک کسی کے آنے کا انتظار کرتے تھے تو اس آیت میں رخصت دی گئی کہ اگر دوسرا ساتھ کھانے والا نہیں تو اس صورت میں اکیلے بھی کھا سکتے ہو البتہ اگر کوئی حاجت مند ہے تو اسے ضرور ساتھ کھلائے ورنہ اکیلے کھالے۔

حدیث شریف :حضور ﷺ نے فرمایا جو کھانا کھائے اور پاس بھوکا دو آنکھوں سے دیکھتا رہے۔اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہ کرے۔وہ ایسی مرض میں مبتلا ہوگا۔جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔(ربیع الابرار)

آگے فرمایا کہ جب تم گھروں میں داخل ہو یہاں ''بیوتا'' سے مراد مذکورہ گھر ہیں جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ان گھروں میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے کہو''السلام علیکم'' یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے تحفہ ہے۔ سلام کا معنیٰ اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرنا اور وہ تحفہ خیر و برکت والا ہے۔اس میں مسلم علیہ کیلئے درازی عمر کی دعا ہے اور یہ ایسا پاکیزہ تحفہ ہے کہ جسے سننے والے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان آیات کو واضح بیان فرماتا ہے۔تاکہ تم ان کی شرائع اور احکام و آداب کو سمجھو اور ان کے مطابق ان پر عمل بھی کرو تاکہ اس کی برکت سے دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرو۔

مسئلہ :اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہا جائے:''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین'' اس لئے کہ وہاں فرشتے موجود ہوتے ہیں وہ جواب دیتے ہیں۔(سلام کے مسائل مزید دیکھنے ہوں تو فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)



اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ

سوائے اس کے نہیں مومن وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر اور جب ہوں رسول کی بارگاہ میں

عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

کسی کام کیلئے جمع تو نہ جائیں جب تک رسول سے اجازت نہ لیں۔ بے شک آپ سے اجازت وہی لیں گے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ

جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر۔ تو جب آپ سے اجازت مانگیں کسی کام کیلئے

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

تو آپ اجازت دیں جسے چاہیں ان میں سے اور بخشش مانگیں ان کیلئے اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(آیت نمبر ۶۲) اے محبوب بے شک پکے مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے والے ہیں۔

شانِ نزول: غزوۂ خندق کی کھدائی میں منافقین تو کام سے جی چرا کر حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر کھسک گئے جبکہ کھدائی کا بہت ہی اہم کام باقی تھا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں پوری کوشش سے لگے رہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک مومن کامل فی الایمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پوشیدہ اور ظاہر ہر لحاظ سے ان کے تمام احکام پر عمل پیرا ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اہم اور بڑے کام میں ہوں تو حضور ﷺ کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں تمام امور اسلامی اجتماعی طور پر مل کر سرانجام دیتے ہیں اور وہ حضور ﷺ سے جدا ہو کر کہیں نہیں جاتے جب تک کہ آپ انہیں اجازت مرحمت نہیں فرماتے۔ ان کے ایمان کا کمال یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ سے جدا ہونا پسند ہی نہیں کرتے۔ مومن و منافق میں امتیاز ہی یہ ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے صفت بیان فرمائی کہ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان بھی لاتے ہیں۔ باقی وہ لوگ منافق ہیں جو بغیر اجازت ہی چلے جاتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ نبی کریم ﷺ سے اجازت لینا یا نہ لینا نہیں ہے۔ اصل وجہ ناراضگی ان کی غلط اغراض ہیں۔ ورنہ اجازت لینے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

نہ ٹھہراؤ بلانے رسول کو آپس میں جیسے بلاتے ہو تم ایک دوسرے کو۔ تحقیق جانتا ہے اللہ

الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ

انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم سے آڑ لیکر۔ تو چاہئے کہ ڈریں وہ جو خلاف کرتے ہیں رسول کے حکم کے

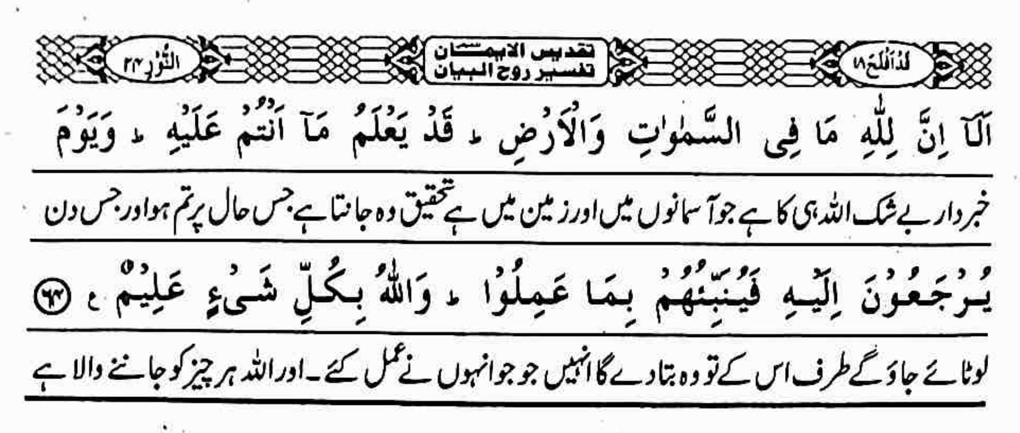
اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

کہ پہنچے انہیں کوئی فتنہ یا پہنچے انہیں عذاب دردناک۔

(بقیہ آیت نمبر۶۲) اے محبوب جب مومن کامل فی الایمان کسی اہم کام کیلئے اجازت لیکر جانا چاہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی اہم کام کیلئے اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے اجازت بھی دی دعا بھی دی۔ اس طریقے سے اگر ایمان والے کسی اہم کام کیلئے اجازت مانگیں تو آپ انہیں اجازت دے دیں۔ جسے آپ چاہیں کیونکہ آپ ان کی مصلحتوں کو بھی جانتے ہیں اور اجازت دینے کے ساتھ ساتھ ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا بھی کریں۔ اس لئے کہ اجازت مانگنے میں ان کو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اے محبوب آپ کا ساتھ چھوڑنا اور دینی معاملے پر دنیوی کام کو ترجیح دینا اچھا نہیں ہے۔ لہذا آپ ان کیلئے استغفار کر دیں گے تو پھر بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو بخشنے والا ہے۔ اور ان پر رحمت فرمانے والا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں حفظ آداب کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ امام وقت کسی اہم معاملے کیلئے بلائے۔ عالم دین ہو یا مرشد کامل کی مجلس میں آنے کے بعد پھر ان پر لازم ہے کہ وہ امام وقت سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔ امام وقت بھی ان کی اشد ضرورت پر انہیں اجازت دیدے۔ البتہ بلا اجازت جانے والا موقع پرست اور اہل بدعت سے ہوگا۔

(آیت نمبر۶۳) نہ بناؤ رسول پاک ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح۔ یعنی حضور ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے پر قیاس نہ کرو کہ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو اس طرح میرے نبی کو مت پکارو بلکہ نبی ﷺ کو ذاتی نام یعنی اے محمد کہہ کر بھی نہ پکارو نہ ان کی بارگاہ میں چلا کر بولو میرے نبی کو لقب اور تعظیم کے الفاظ سے پکارو۔ یارسول اللہ۔ یانبی اللہ کہو۔



اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَیَوْمَ

خبر دار بے شک اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے تحقیق وہ جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن

یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ع ﴿٦٤﴾

لوٹائے جاؤ گے طرف اس کے تو وہ بتادے گا انہیں جو جو انہوں نے عمل کئے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

(بقیہ آیت نمبر ٦٣) **فائدہ:** کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کے نام سے قرآن میں پکارا گیا۔ یا آدم، یا نوح، یا زکریا، یا یحییٰ، لیکن اپنے محبوب کو مکرم ترین القاب سے یاد فرمایا: یاایھا النبی، یاایھا الرسول

ع: یا آدم است باپدر خطاب — یاایہاالنبی خطاب محمد است

فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے استاد کا ادب بھی سکھایا اشارۃً بتایا کہ استاد کی تعظیم کیا کرو کہ استاد کا یا باپ کا بھی نام نہ لو کہ اس میں اس کی بے ادبی ہے۔ استاد ہے تو استاد جی کہو۔ والد ہے تو ابا جی کہو۔

فائدہ: حقائق بقلی میں ہے۔ احترام رسول درحقیقت احترام الٰہی ہے۔ جیسے ان کی متابعت اللہ تعالیٰ کی متابعت ہے۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جانتا ہے۔ جو تھوڑے ہو کر چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ کسی طرح چھپ کر۔ ان میں سے ایک دو اجازت لیتے ہیں باقی ویسے ہی چپکے سے نکل جاتے ہیں۔

شان نزول: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک دوسرے کے سہارے چپکے سے نکل جاتے اس لئے ان کو یہ وعید سنائی کہ انہیں چاہئے کہ وہ ڈریں یعنی جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں جو ان کے حکم پر عمل نہیں کرتے یا وہ حکم سے روگردانی کرتے ہیں تو انہیں کسی وقت بھی کوئی بھی فتنہ پہنچ سکتا ہے۔ یعنی کوئی دکھ ان کے بدن یا مال یا اولاد وغیرہ میں پہنچے یا وہ قتل کر کے انہیں تباہ کر دیا جائے یا ان پر کسی جابر کو مسلط کر دیا جائے۔ **فائدہ:** کاشفی فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے یا انہیں آخرت والا دردناک عذاب دے دیا جائے۔

(آیت نمبر ٦٤) خبردار آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ خلقاً بھی اور ملکاً بھی۔ لہٰذا اے لوگو جو مخلص ہو یا منافق اللہ تعالیٰ تم سب کو جانتا ہے۔ تم جس حال میں بھی ہو یعنی تمہارا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ اور جس دن تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی بروز قیامت جب تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر

ہو گے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو جب سزا و عذاب کیلئے حاضر کیا جائیگا تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ ان کے کئے کی خبر دے گا۔ یعنی بر سر عام سب کچھ ظاہر کر دے گا۔ اس وقت انہیں ان کے برے اعمال کا پتہ چل جائیگا۔ پھر ان کی بداعمالیوں پر سزا مرتب کی جائیگی۔

فائدہ: اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے کہ جو لوگ اعمال کرتے وقت اس کے انجام سے بے خبر تھے۔ جو حیوانیہ طبائع سے مغلوب رہے۔

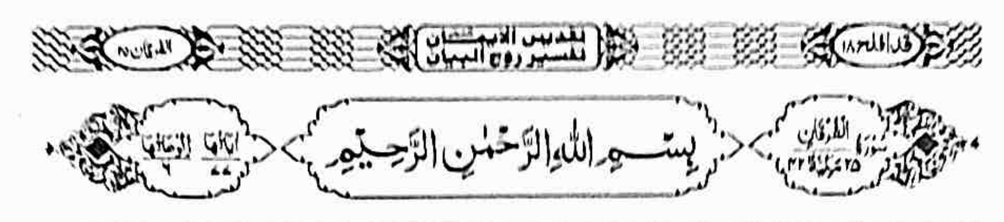
آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ منافقین اس سے کس طرح چھپ سکتے ہیں جتنی مرضی ہے کوشش کر لیں۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔

فائدہ: بعض اللہ والے فرماتے ہیں کہ انسان کو جو چیز یاد الٰہی سے غافل کر دے اسی کا نام دنیا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ع: چیست دنیا از خدا غافل بدن ۔۔۔۔۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز کا نام دنیا ہے۔ سونے چاندی اور بال بچوں کا نام دنیا نہیں ہے)۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ امر الٰہی میں غور و فکر کرے اور یوم جزاء و مکافات کے آنے سے پہلے وہ اپنا محاسبہ کرے کیونکہ بالآخر فنا ہے۔ اس چند روزہ دنیوی زندگی کو سب کچھ سمجھ لینا اچھا نہیں نہ اس سے پہلے کوئی رہا نہ آئندہ کوئی رہے گا۔ سب کو آخر فنا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول: جن لوگوں نے اس دنیا میں عیاشی کی مبارک دی تو زمانے نے اسے برے دن بھی دکھائے کسی شاعر نے کہا۔ ترجمہ: جب زمانہ تیرے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور تو اس کی بھلائی سمجھتا ہے لیکن تو اس کی بری تقدیر سے نہیں ڈرتا۔ یعنی جب وہ برا وقت لاتا ہے تو حال بھی برا کر دیتا ہے۔ آگے کہا کہ نہ صحت و عافیت کسی کی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ نہ دکھ اور درد وقت سے پہلے مار سکتے ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ہر ایک کی موت اور لوٹنے کو جانتا ہے۔ مبارک بادی کا مستحق ہے۔ وہ شخص جس نے ہر وقت بارگاہ الٰہیٰ کی حاضری کو مد نظر رکھا اور ساری زندگی خوف خدا میں گذاری۔



تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ ﴿۱﴾

بابرکت ہے وہ جس نے اتارا قرآن اوپر اپنے خاص بندے کے تاکہ ہو تمام جہانوں کو ڈر سنانے والا۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ

وہ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے اور نہیں اختیار کی اولاد اور نہ ہے اس کا کوئی

شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

شریک بادشاہی میں اور بنائی کر ہر چیز پھر اس کا ٹھیک انداز رکھا۔

(آیت نمبر۱) بہت بڑی خیر و برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان یعنی قرآن پاک نازل فرمایا۔ قرآن کو خیر و برکت اس لئے کہا کہ اس میں دینی اور دنیوی برکات ہیں۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہر چیز سے بڑھ کر برکتوں والی ہیں۔ (یعنی جس نے کتاب بھیجی وہ بھی برکت والا۔ کتاب بھی برکت والی۔ جو لایا وہ بھی برکت والا جس پر نازل ہوئی وہ بھی برکت والے۔ سبحان اللہ)۔ **فائدہ:** برہان القرآن میں ہے کہ قرآن مجید وہ عظیم الشان کتاب ہے۔ جس میں تمام کتب الٰہیہ کے علوم موجود ہیں اور قرآن کو فرقان اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب حق و باطل میں بہت اچھے طریقے سے فرق واضح کر دیتا ہے۔ عبدہ یعنی اپنے بندہ خاص پر نازل فرمایا۔ آگے اس کی غرض و غایت بھی بیان فرما دی کہ یہ قرآن یا رسول تمام جہانوں کیلئے ڈرانے والے ہیں۔ عذاب الٰہی یا غضب الٰہی سے ۔**فائدہ:** جس کے ساتھ بشارت بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گذاری تو آخرت میں مزے کرے گا۔ تمام جہانوں کی حقیقت کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ کائنات کی ہر نوع باقاعدہ ایک مستقل جہان ہے۔

(آیت نمبر۲) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ بالاستقلال اسی کا ہے جو ملک میں ہے یا ملکوت میں ہے۔ آسمانوں میں اور زمینوں میں بھی سب کچھ اسی کا ہے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ ملک بمعنی بادشاہی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں تصرف کرنا اسی کے لائق ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ

اور بنائے (مشرکوں نے) اس کے سوا اور کئی خدا نہیں وہ بنا سکتے کچھ اور وہ خود بنائے گئے اور نہ مالک ہیں

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳

اپنی جانوں کے برے اور نہ نفع کے اور نہ انہیں اختیار مرنے کا اور نہ جینے کا اور نہ اٹھنے کا۔

(بقیہ آیت نمبر۲) اللہ تعالیٰ نے مشرکین یہود ونصاریٰ کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنی اولاد بھی نہیں بنائی چونکہ نہ اس پر موت آئے گی۔ نہ بوڑھا ہوگا۔ نہ معزول ہوگا کہ اولاد کی ضرورت پڑے اور نہ ہی ملک میں اس کا کوئی شریک ہے نہ زمینوں میں نہ آسمانوں میں کہ جو اسکا مقابلہ کر سکے یا اسکی مدد کر سکے۔ آگے فرمایا کہ اسنے ہر چیز کو پیدا کیا۔ یعنی جملہ موجودات کو مخصوص اور معین صورتوں میں پیدا فرمایا اور ہر ایک چیز کو پورے اندازے پر رکھا۔ یعنی جیسے چاہا ایسے بنایا اور بہت خوب بنایا۔ کہ کوئی بھی آج تک کسی چیز میں نقص نہیں نکال سکا۔

(آیت نمبر۳) اور ان مشرکین نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کئی خدا بنا لئے جبکہ ان معبودان باطلہ یعنی بتوں وغیرہ میں یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ کوئی چیز پیدا کر سکیں یا کسی کو تباہ کر سکیں۔ وہ تو خود مخلوق ہیں اور بالکل بے جان اور انتہائی گھٹ درجے کی مخلوق جس میں نہ عقل ہے نہ ہمت کہ جگہ سے ہل بھی سکیں اور وہ اپنی جان کیلئے نہ نفع کے مالک نہ نقصان کے مالک۔ یعنی جب وہ اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں تو دوسرے کو کیا نفع دیں گے۔ یا نقصان پہنچائیں گے وہ جانوروں سے گئے گذرے اور عاجز تر ہیں۔ کیونکہ جانور کم از کم اپنا نقصان تو دفع کر سکتے ہیں یا نفع حاصل کر سکتے ہیں اور اور پھر یہ بت نہ موت کے مالک نہ زندگی کے۔ نہ قیامت کو اٹھنے کے یعنی نہ زندوں کو مار سکتے ہیں۔ نہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی تو ویسے ہی ان میں ہمت نہیں ہوگی۔ حیرانی ہے کہ جس مخلوق کا یہ حال ہو وہ خدائی کے مستحق کیسے ہو گئے (ایسوں کو خدا ماننے والے بھی پرلے درجے کے گدھے ہی تھے جنہیں اتنی بھی سمجھ نہ آئی) کہ جس میں الوہیت کے لوازم تو درکنار اکثر مخلوق کے لوازم بھی نہ تھے۔ انہیں خدا بنا لیا۔

ع   خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

فائدہ: اللہ تو وہ ہے جو قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ جسے جس طرح چاہے جزاء وسزا دے۔ اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ﰳافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ

اور کہا کافروں نے نہیں ہے یہ مگر جھوٹ جسے گھڑ لیا اس نے اور اس کی مدد کی اس پر قوم

اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ ④

دوسری نے تو تحقیق لائے ہیں ظلم اور جھوٹ۔

(بقیہ آیت نمبر ۳) **سبق**: آج کے دور میں جھوٹے مکار پیر اور سجادہ نشین جو خدا بن بیٹھے ہیں اور لوگ ان کی اسی طرح پوجا کرتے ہیں۔ جس طرح مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے اور وہ مکار پیر جنت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ مریدوں سے لاکھوں روپے لوٹ کر انہیں جنت کا ٹکٹ تقسیم کرتے ہیں۔ نہ دین کا پتہ نہ شریعت کی پابندی۔ جو کہ خود نفس کے پجاری ہیں۔ سچے مشائخ کو بھی بدنام کرنے والے مریدوں سے کہتے ہیں۔ تمہاری ہمارے ساتھ نسبت ہی تمہاری نجات کیلئے کافی ہے۔ "لاحول ولاقوة الا باللہ" اللہ تعالیٰ ایسے مکاروں سے بچائے اور سچے مشائخ کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آیت نمبر ۴) کافروں نے کہا۔ (اس سے مراد نضر بن حارث، امیہ، نوفل بن خویلد ہیں) اور ان کے ساتھی کہا کرتے تھے کہ نہیں ہے۔ یہ قرآن مگر محض جھوٹ جسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بات جو حقیقت کے بالکل خلاف ہو یعنی بناوٹی بات۔ اسی لئے وہ ہوائیں جو خلاف موقع رخ تبدیل کریں انہیں مؤتفکات کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ آدمی جو حق سے منہ موڑے اور باطل سے تعلق جوڑے اسے رجل مافوک کہا جاتا ہے۔ تو مشرکین کہتے تھے کہ اس قرآن کو محمد (ﷺ) نے اپنی طرف خود ہی گھڑا ہے۔

افتراء اور کذب میں فرق: وہ جھوٹ جو انسان خود گھڑ کر بیان کرے اسے افتراء کہتے ہیں اور کذب عام ہے خواہ خود گھڑ کر بیان کرے یا کسی کا گھڑا ہوا سنا دے اور آگے کہا کہ اس نبی کی کوئی اور قوم یعنی یہود وغیرہ اس کلام کے گھڑنے میں مدد کرتے ہیں یا یہ یہودی (محمد ﷺ) کو سابقہ امتوں کے واقعات سناجاتے ہیں اور یہ اس میں معمولی ترمیم اور اضافہ کر کے اور کچھ رد و بدل کر کے قرآن بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس تحقیق اس قسم کی باتیں کر کے انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا ہے کہ انہوں نے معجز کلام کو یہودیوں کی اعانت کی طرف منسوب کر کے اور اسے گھڑا ہوا کہہ کر بہت بڑے ظلم کے مرتکب ہوئے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ افک سے بالکل بری ہیں اور امام راغب فرماتے ہیں زُورا سے کہتے ہیں جو اپنی اصلی جہت (صدق) سے ہٹا ہوا ہو۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵

اور کہتے ہیں یہ قصے ہیں اگلوں کے جن کو لکھ لیا ہے تو وہی پڑھے جاتے ہیں اس پر صبح اور شام۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶

فرمادو اتارا اس کو اس نے جو جانتا ہے چھپی باتیں آسمانوں اور زمین میں بے شک وہ ہے بخشنے والا مہربان۔

(آیت نمبر۵) اوران مشرکین نے قران پاک کے متعلق یہ بھی کہا کہ یہ پہلے لوگ کے من گھڑت قصے ہیں۔ اساطیر وہ خرافات اورافسانے جنکو پچھلی قوموں نے گھڑا تھا۔ جیسے اسفندیار و رستم کے جھوٹے افسانے وغیرہ اوروہ کہتے کہ یہ قرآن بھی ان پرانے افسانوں کا مجموعہ ہے (معاذ اللہ) جولوگوں نے اپنے پاس لکھ رکھا تھا۔ اسی طرح اس نبی نے بھی لکھوالیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ خودنہیں لکھتے تھے۔ اسی لئے آپ کا امی لقب تھا۔ اکتساب اسی کو کہا جاتا ہے کہ کسی کو حکم دیکر اس سے کام لیا جائے اور مزید وہ کہتے تھے کہ من گھڑت افسانے ملا جلا کر حضور ﷺ کے سامنے پڑھے جاتے تا کہ آپ انہیں یاد کرلیں کیونکہ آپ امی تھے کہ دنیوی کسی استاد سے پڑھا نہ لکھا لہذا یہ دوسروں سے سن یا لکھوا کر یاد کر لیتے ہیں اور لوگوں کو سنا دیتے ہیں صبح وشام یعنی ہر وقت یا کچھ دیر صبح کو اور کچھ دیر شام کو جب لوگ کاروبار سے فارغ ہو کر گھروں کو آتے ہیں۔

(آیت نمبر۶) اے محبوب آپ ان کافروں کی تردید کرتے ہوئے اور حق کو ثابت کرتے ہوئے فرمادیں کہ اس قرآن پاک کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی سب چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یہاں اس لئے بیان کیا کہ کفار مکہ نے فصاحت و بلاغت کے ماہر ہونے کے باوجود قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر اس قرآن میں مغیبات اور پوشیدہ حقائق کا ذکر ہے۔ جنہیں علام الغیوب رب کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تو اس جیسے شان والے قرآن کو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں کہنے والا پرلے درجے بے وقوف ہی ہوگا۔ آگے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے یعنی وہ تمہیں تباہ و برباد کر سکنے کے باوجود اور تمہارے ان غلط اقوال پر فوری سزا نازل کر سکنے کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ بلکہ معاف فرمادیتا ہے۔ وہ بہت بڑا مہربان بھی ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ

اور کہتے ہیں کیا ہے اس رسول کو کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ

اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ جو ہوتا اس کے ساتھ ڈر سنانے والا۔

(بقیہ آیت نمبر ۶) **فائدہ**: اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جس قوم نے حضور ﷺ پر بہتان تراشا کہ آپ نے قرآن مجید خود گھڑا ہے۔ اگر اب بھی وہ توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بخش دے گا کیونکہ ارشاد خداوندی یوں ہی ہے کہ جو بھی میرے ہاں توبہ کر کے آئے میں اسے بخش دونگا۔

فائدہ: ہم اللہ تعالیٰ سے امن وامان اور کامل ایمان تمام احکامات کی پابندی کرنے اور تمام مواعظ پر عمل پیرا ہونے اور تمام منہیات سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہیں۔ آمین

(آیت نمبر ۷) قریش مکہ کے بڑے لیڈر ابوجہل وغیرہ کعبہ شریف کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ بات انہوں نے نبی کریم ﷺ کیلئے بطور حقارت اور بطور استہزاء کے کہی۔ یعنی یہ کیا سبب ہے کہ یہ رسالت کا دعوی کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ ہماری ہی طرح کھانا کھاتا ہے اور ہماری ہی طرح رزق روزی کی تلاش میں بازار میں جاتا ہے۔ وہاں ہماری طرح چلتا پھرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کفار کی سوچ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے دعوی نبوت میں اس لئے سچے نہیں کہ یہ تو کھاتے پیتے اور بازاروں میں جاتے ہیں۔ نبی تو وہ ہوتا ہے جو نہ کھائے نہ پئے۔ بلکہ بعض کفار یہ کہتے کہ نبی تو بادشاہ کی طرح ہوتا ہے۔ یا بعض کہتے کہ وہ فرشتہ ہوتا ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور حضور علیہ السلام کو جب کھاتے پیتے یا بازار میں جاتے ہوئے دیکھتے تو تعجب کرتے کہ جو بالکل ہماری طرح ہے۔ وہ رسول نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول تو فطرتاً ہی اوصاف میں ممتاز ہوتا ہے۔ کیونکہ رسالت تو ایک اعلیٰ واجل منصب ہے۔ اسی طرح رسول کو بھی اعلیٰ واجل ہونا ضروری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بصیرت کے بھی اندھے تھے۔ محسوسات پر بھی ان کی نگاہ کی کمی تھی۔ ورنہ رسول ظاہری جسمانی لحاظ سے ممتاز نہیں ہوتا۔ ممتاز ہوتے ہیں تو احوال نفسانی اور ملکہ نورانی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ علوم وروحانیت میں ممتاز ہوتے ہیں۔ بشریت تو ان کیلئے ایک ظاہری صورت ہے۔ تاکہ لوگ ان سے مانوس ہوں۔ (کفار ومشرکین عجیب تھے۔ پتھروں کو بے دھڑک خدا مان لیا۔ مگر رسول کیلئے اعلیٰ واجل ذات تلاش کرتے رہے)۔

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ

یا ڈالا جاتا اس کی طرف کوئی خزانہ یا ہوتا اس کا کوئی باغ کہ کھاتا اس سے۔ اور کہا

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

ظالموں نے نہیں تم پیروی کر رہے مگر ایک مرد جادو کئے ہوئے کی۔ دیکھ کیسے بیان کیں انہوں نے تیرے لئے

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ع ﴿۹﴾

مثالیں پھر ایسے گمراہ ہوئے کہ پھر نہیں پا سکے کوئی سیدھی راہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۷) **فائدہ:** کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اتنا بھی علم نہیں تھا کہ نبوت بشریت کے منافی نہیں۔ لیکن وہ بے چارے بھی مجبور تھے کیونکہ ان کے عقل اور دل تو تھے۔ مگر نبوت و رسالت کو سمجھنے کا ان میں مادہ ہی نہ تھا۔ آگے فرمایا کہ وہ یوں کہتے تھے کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ جو اس رسول کا معاون ہوتا۔ جس سے کفار ڈرتے اور وہ اس رسول کی تصدیق کرتا۔ ہمیں بھی علم ہوتا کہ واقعی یہ رسول ہیں۔

(آیت نمبر ۸) یا اس رسول کی طرف آسمان سے مال و دولت کا پورا خزانہ اترتا جس کی وجہ سے یہ معاشی طور پر بے فکر ہو جاتا۔ یا اس کا کوئی باغ ہوتا۔ جس سے کم از کم اپنی معاش تو صحیح رکھ سکتا۔ جیسے دولت مندوں یا امیروں کے بڑے بڑے باغ ہوتے ہیں جس سے وہ بھی اور لوگ بھی کھاتے پھر وہ ظالم مشرک مسلمانوں سے کہنے لگے۔ نہیں تم پیروی کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: گویا انہوں نے نبی کیلئے سوچ بنا رکھی تھی۔ کہ نبی ایک رئیس کی طرح کر و فر سے رہتا ہے۔ حالانکہ نبی ان میں سے ایک چیز کو بھی پسند نہیں کرتا اور جو باتیں نبی کہتا انہیں قوم پسند نہیں کرتی تھی۔ چونکہ وہ نبی کے آنے کا مقصد ہی نہیں سمجھتے تھے۔ **فائدہ:** دراصل انہوں نے رسول کو اپنے اوپر قیاس کیا۔ اسی لئے دولت ایمان سے بھی محروم رہے۔

(آیت نمبر ۹) اے محبوب دیکھیں یہ آپ کے متعلق کیسی مثالیں دے رہے ہیں۔ یعنی آپ کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں جو عقلی لحاظ سے بالکل خلاف واقعہ ہیں۔ اس لئے کہ یہ آپ کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں اور جو کچھ آپ انہیں بتاتے ہیں۔ وہ انہیں سمجھ نہیں آ رہیں۔ نہ یہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

بابرکت ہے وہ اگر وہ چاہے تو کردے آپ کے لئے بہتر اس سے ایسے باغات کہ جاری ہوں

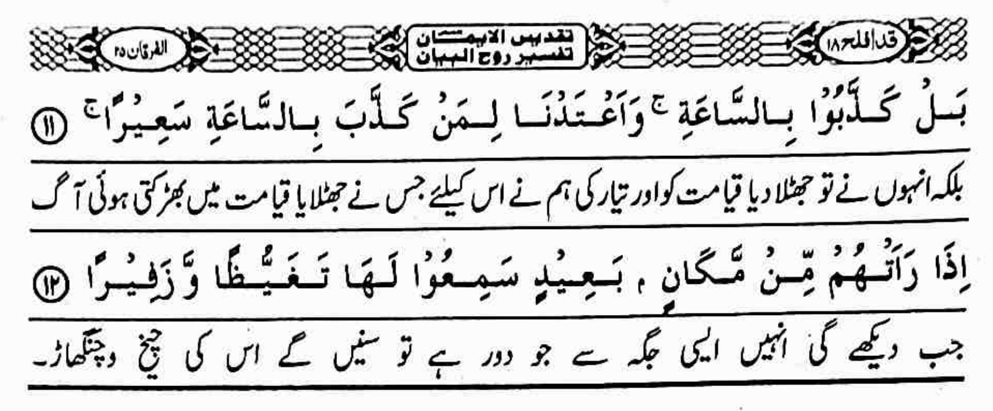
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩

ان میں نہریں اور کرے آپ کے لئے محل اونچے۔

(بقیہ آیت نمبر۹) **فائدہ**: بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ کفار نے اسی لئے آپ کو مسحور کہا کہ ایسا آدمی نبوت کا اہل نہیں ہوتا۔ اور کفار فقیر آدمی کو ناقص سمجھتے اور مالدار کو کامل سمجھتے تھے۔ (معاذ اللہ) اسی لئے ان کا مطالبہ تھا کہ آپ کے ساتھ اور معاون بھی ہوتا۔ جو نبوت و رسالت کے امور سرانجام دینے میں مددگار ہوتا۔ اسی لئے وہ کافر بہک گئے اور سیدھی راہ پر نہ آسکے بلکہ راہ حق سے کوسوں دور چلے گئے اور وہ بدبخت نبوت و رسالت پر طعن و تشنیع کی وجہ سے استعداد ازلی بھی کھو بیٹھے۔ اسی لئے وہ وصول الی اللہ سے محروم رہے۔

(آیت نمبر۱۰) بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو بنادے آپ کے لئے اس سے بھی زیادہ بہتر جو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے لئے خزانے ہوں یا باغ ہوں۔ لیکن یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے ہمیشہ رہنے والی جگہ یعنی آخرت میں تیار کر رکھی ہیں کیونکہ وہ بہتر بھی اور برتر بھی اور دائمی اور باقی بھی ہیں۔ اے محبوب آپ کی تو شان یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو ہی نہ بناتا ہم نے آخرت میں آپ کے لئے وہ باغات بنائے جن میں نہریں جاری ہونگی کافر تو ایک باغ کہتے ہیں ہم نے آپ کے لئے باغات بنائے وہ ایسے عالی شان جن میں نہریں جاری ہوں گی اور اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے دنیا میں ایسے محل بنادیں جو نہایت مضبوط، اونچے اور عالی شان ہوں لیکن حضور ﷺ نے ان چیزوں کو خود ہی پسند نہیں فرمایا بلکہ فرمایا اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ یہ پہاڑ میرے لئے سونے کے بنادے۔ لیکن میں چاہتا ہوں ایک دن ملے تو میں اس کا شکر کروں اور ایک دن نہ ملے تو میں صبر کروں۔ (اختیارات مصطفےٰ پر مزید تفصیلات فیوض الرحمٰن میں دیکھ لیں)۔

شانِ نزول: امام کاشفی لکھتے ہیں کہ اسباب نزول میں ہے کہ جب کفار مکہ نے حضور ﷺ کو فقر و فاقہ کا طعنہ دیا تو داروغہ جنت رضوان نے ایک ڈبیہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں لاکر پیش کی اور عرض کی کہ حضور ﷺ اس نورانی ڈبیہ میں دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہیں اور آخرت کی نعمتوں اور کرامتوں میں بھی آپ کو کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے رضوان جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کر کہ میں ان پر فقر و فاقہ کو ترجیح دیتا ہوں اور میں صابر و شاکر بننا چاہتا ہوں۔



بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۚ ﴿۱۱﴾

بلکہ انہوں نے تو جھٹلا دیا قیامت کو اور تیار کی ہم نے اس کیلئے جس نے جھٹلایا قیامت میں بھڑکتی ہوئی آگ

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ ۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾

جب دیکھے گی انہیں ایسی جگہ سے جو دور ہے تو سنیں گے اس کی چیخ وچنگھاڑ۔

(آیت نمبر ۱۱) بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا یعنی اب ان کی جنایت پر توبیخ فرمائی گئی تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ قیامت کے عذاب کا سبب ان کے اپنے برے اعمال ہیں۔یعنی نبی کو جھٹلانا۔ یہ تمام جرموں سے بڑا جرم ہے۔(نبی کے انکار میں تمام لوازمات کا انکار ہے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا بھی انکار ہے۔)

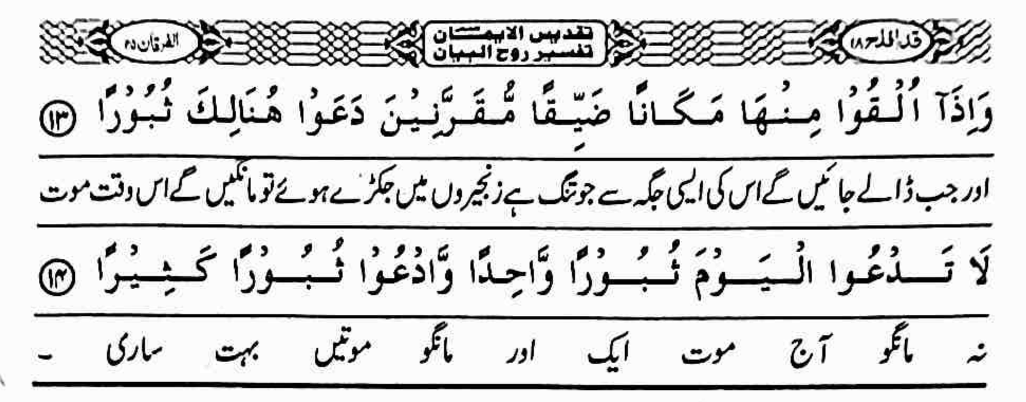
آگے فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کیلئے جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔قیامت کے دن سخت تر جلانے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔جو دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔

فائدہ :اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ آخرت کی آگ بھی ان لوگوں کیلئے بھڑکائی گئی ہے۔جن کے دنیوی اعمال جیسے دنیا کی حرص وغیرہ کو اپنا اصل ملجا و ماوی سمجھتے ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

(آیت نمبر ۱۲) جب کفار اپنے ایک مقام پر پہنچیں گے تو جہنم کی آگ انہیں دور سے ہی دیکھ لے گی۔

فائدہ:بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرق ومغرب کے برابر یعنی پانچ سو سال کی دوری سے ہی آگ دکھائی دینے لگے گی اور دوزخی سن لیں گے۔اس جہنم کی سخت آواز کو جیسے ہانڈی کا جوش میں آواز نکلتا ہے یا غضبناک شخص کی آواز جب غیظ وغضب کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے۔زفیر اس آواز کو کہا جاتا ہے جو پیٹ کے اندر سے سنائی دے در اصل یہ اس وقت سنائی دیتی ہے کہ جب انسان کی آواز اس کے اندر سے آئے۔جب اس کی پسلیاں سوج جائیں اور ان سے آواز آئے۔

نفسی نفسی کی صدا:جب آتش دوزخ جوش مارے گی تو سب نبی اور فرشتے سجدے میں گر جائیں گے اور ان پر کپکپی طاری ہو جائیگی تو انبیاء بھی نفسی نفسی پکاریں گے۔ما دشما کا خدا جانے کیا حال ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھے۔آمین بحرمۃ سید المرسلین



وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور جب ڈالے جائیں گے اس کی ایسی جگہ سے جو تنگ ہے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو مانگیں گے اس وقت موت

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾

نہ مانگو آج موت ایک اور مانگو موتیں بہت ساری ۔

(آیت نمبر۱۳) جب کفار تنگ مکان سے گرائے جائیں گے اس میں اشارہ ہے کہ وہ دوزخ میں جا کر سخت کرب وبلا میں مبتلا ہوں گے۔ **فائدہ**: اور دوزخ اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ ہوگی۔ تاکہ اس سے نکل نہ سکیں۔

فائدہ: جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ چودہ طبق اس کے ایک کنارے میں آجائیں اور دوزخ کفار سے ایسے تنگ ہو جائے گی کہ جیسے تیر کا پھل یا دیوار میں میخ پھنس جاتی ہے اس سے ان کے عذاب میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ جس سے ان کے دل بھی سخت تنگ ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا کہ کفار ہاتھوں کو کندھوں سے ملا کر جکڑ دیئے جائیں گے یعنی زنجیروں کے ساتھ یا مراد یہ ہے کہ ہر مجرم اپنے ہی ہم جنس کے ساتھ جکڑ کر باندھا ہوگا یعنی شیطان جو دنیا میں اسے گمراہ کرتا رہا اور زنجیر جہنم کی آگ سے بنی ہوگی تو اس وقت وہ ہلاکت مانگیں گے یعنی وہ اس وقت ہلاکت کی آرزو کرتے ہوئے کہیں گے۔ اے تباہی اے موت اے ہلاکت آجا اب تیرا وقت ہے آئیگا۔

حدیث شریف میں ہے بروز قیامت جہنمی تارکول کا لباس سب سے پہلے شیطان کو پہنایا جائیگا (الوسیط تفسیر القرآن)۔ اس وقت وہ بھی اور جو پیچھے اس کی اولاد ہوگی وہ سب کہیں گے "واثبوراہ" ہائے ہلاکت ان سب کو باندھے ہوئے کھینچ کر دوزخ میں لایا جائیگا۔

(آیت نمبر۱۴) جب وہ ہلاکت مانگیں گے تو انہیں کہا جائیگا۔ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آج ایک ہلاکت نہ پکارو بلکہ بہت ساری ہلاکتیں مانگو۔ یہ انہیں تنبیہ ہوگی کہ یہ عذاب ان کیلئے دائمی ہے۔ اس لئے کہا جائیگا بار بار یہی پکارو یا اس قسم کی جتنی پکاریں پکار سکتے ہو پکارو۔ یہ عذاب جس میں تمہیں لایا گیا۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے جتنا پکارو گے اتنا عذاب اور بڑھے گا۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ

فرمادو کیا یہ بہتر ہے یا باغ ہمیشہ والے جن کا وعدہ دیا گیا پرہیزگاروں کو۔ ہے ان کا

جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى

اچھا صلہ اور اچھا انجام ان کیلئے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں گے ہمیشہ کیلئے۔ ہے اوپر ذمہ کرم

رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

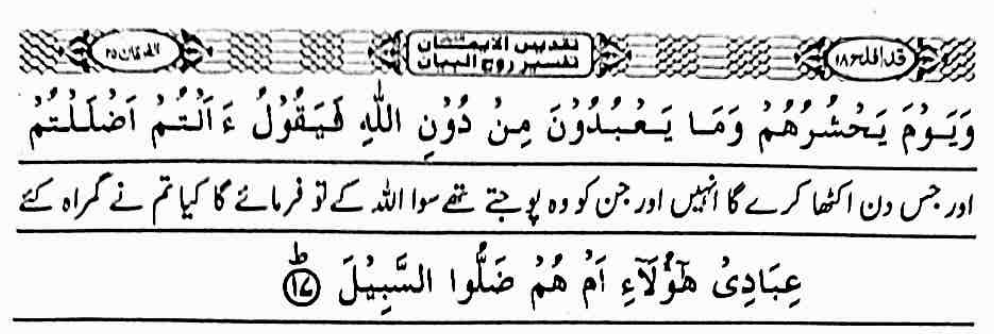
تیرے رب کے وعدہ مانگا ہوا۔

(آیت نمبر ۱۵) اے محبوب فرمادو کیا یہ عذاب بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس سے مطلق تقوی مراد ہے اس لئے ہم اہل سنت کے نزدیک ہر مومن متقی ہے۔ اگر چہ گناہ گار بھی ہو جنۃ الخلد سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں کہ جن کو دی گئیں ان سے واپس لے لی جائیں کیونکہ جنت نام ہی اس گھر کا ہے جس میں دوام وبقا ہے آگے فرمایا کہ وہ جنت ان کیلئے بدلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتقاضائے کرم ان کے اعمال پر انہیں جزاء دی ہے۔ یاد رہے یہ ہرگز تصور نہ کیا جائے کہ جنت ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے بلکہ یہ عطا محض فضل الٰہی ہے (اعمال بھی اس کے کرم سے ہیں) جزاء اپنے مقابل کے مطابق ہوگی یعنی مقابلے میں نیکیاں ہیں تو جزاء بمعنی ثواب ہے اور مقابلے میں گناہ ہیں تو جزاء بمعنی سزا ہے اور مصیر وہ جگہ جہاں لوٹ کر جانا ہے۔

(آیت نمبر ۱۶) مومنوں کیلئے اس جنت میں وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے جس قسم کی نعمت یا لذت انہیں وہاں درکار ہوگی وہی ان کو میسر ہوگی لیکن حسب مراتب ہوگی جیسا اعلیٰ مرتبہ ہوگا۔ اسی مرتبے کے مطابق نعمتیں ہونگی لیکن ما فوق المرتبہ کی خواہش جنت میں ہوگی ہی نہیں۔ جنت میں اسی چیز کی خواہش ہوگی۔ جو اچھی ہے۔

وہم کا ازالہ: بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ اگر کسی کو لواطت کی خواہش ہوئی تو کیا وہ بھی پوری کی جائیگی یہ سراسر غلط سوال ہے کیونکہ یہ عمل سب سے خبیث ہے اور خبیث چیز کی وہاں خواہش ہی نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا کہ جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جائیں گے اور اس ہیشگی کا وعدہ تیرے رب کی طرف سے ہے جو پوچھا ہوا ہے۔



وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

اور جس دن اکٹھا کرے گا انہیں اور جن کو وہ پوجتے تھے سوا اللہ کے تو فرمائے گا کیا تم نے گمراہ کئے

عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

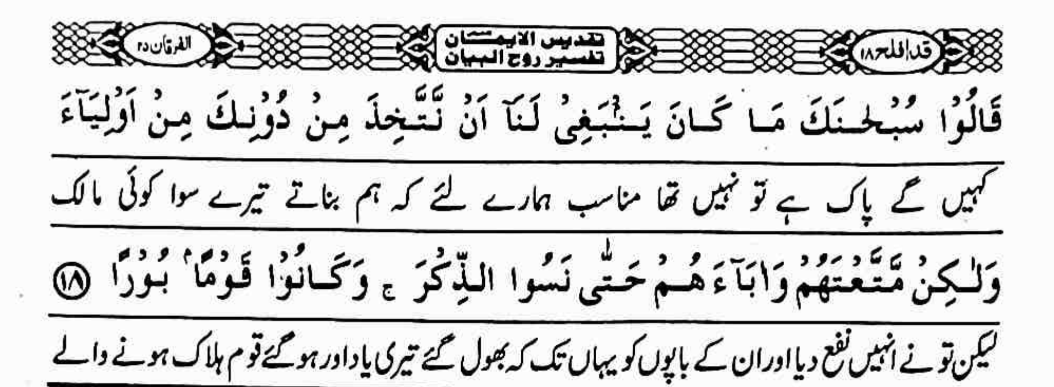
میرے بندے یہ یا وہ خود ہی بھول گئے سیدھی راہ۔

(بقیہ آیت نمبر ۱۶) **فائدہ**: آخرت میں انسان کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔ **فائدہ**: انسان اگر رابح نہ ہو تو سالم ضرور ہو۔ خاسر نہ ہو سالم وہ جو صرف فرائض و واجبات ادا کرے اور گناہوں سے بچے۔ رابح وہ جو نوافل و مستحبات بھی ادا کرے اور خاسر وہ جو نہ فرائض ادا کرے نہ گناہوں سے بچے۔ اس لئے لازم ہے کہ انسان رابح بنے ورنہ سالم ہی بن جائے خاسر نہ بنے۔

(آیت نمبر ۱۷) جس دن اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو اکٹھا فرمائے گا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو معبود بنا رکھا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ ان معبودان باطلہ سے فرمائے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یعنی کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی تھی یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے جبکہ انہوں نے نہ میرے دلائل و براہین کو دیکھا نہ اپنے رہبر کامل کی بات کو مانا بلکہ اس کے فرمان سے ہی منہ پھیر لیا۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ بتوں سے پوچھے گا تو وہ حق بات کو صحیح طور پر واضح کر دیں گے۔ اس سے بت پرستوں کی حسرت میں اور اضافہ ہوگا۔ اپنے معبودوں کے جھٹلانے اور بیزار ہونے پر وہ خوب روئیں گے اور حسرت سے انہیں کہیں گے۔ کاش ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرتے۔ (لیکن اب پچھتائے کیا بنے جب چڑیا چگ گئیں کھیت) والی بات ہے۔

سبق : انسان کو چاہئے کہ وہ دنیا میں خواب غفلت سے بیدار ہو۔ اور اپنے رب کو پہچانے اور اس کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہو۔ تا کہ آخرت میں پشیمان اور شرمسار بلکہ پوری دنیا کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہو۔ (میں نے اپنی زندگی کا خلاصہ یہ نکالا ہے۔ کہ جب تک بندہ قرآن کو نہیں سمجھتا۔ اس وقت تک وہ صراط مستقیم پر قائم نہیں رہ سکتا۔)



قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

کہیں گے پاک ہے تو نہیں تھا مناسب ہمارے لئے کہ ہم بناتے تیرے سوا کوئی مالک

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۸﴾

لیکن تو نے انہیں نفع دیا اوران کے باپوں کو یہاں تک کہ بھول گئے تیری یاد اور ہوگئے قوم ہلاک ہونے والے

(آیت نمبر ۱۸) تو ان کے خود ساختہ معبود اللہ تعالیٰ کو صاف صاف جواب دیتے ہوئے کہیں گے اور اپنی بیزاری کا اعلان کر دیں گے کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے۔ کفار کا ہم جیسوں کو تیرے برابر کرنا بڑے تعجب کی ہی بات ہے۔ یا اللہ تیری ذات تو شریکوں سے بالکل پاک ہے۔ اس سے مراد مشرکوں کے وہ بت ہو سکتے ہیں۔ جن کی انہوں نے پرستش کی ہوگی۔ خواہ وہ پتھروں کے ہوں یا کسی اور دھات کے۔ دنیا میں تو وہ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اندر حیات پیدا فرما کر انہیں خطاب کی صلاحیت عطا کرے گا۔ تا کہ ان سے سوال وجواب ہو سکے تو بت جواب میں کہیں گے کہ ہمارے لئے مناسب ہی نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں نہ یہ ہمارے لائق تھا۔ نہ ہم اس کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ ہم تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ تیرے سوا کسی اور کو معبود بنایا جائے یا مانا جائے۔

فائدہ: انہیں کہا گیا کہ تم نے انہیں گمراہ کیا یا تم نے انہیں یہ کہا کہ وہ غیر اللہ کو معبود بنائیں تو اس کی صراحت یوں تھی کہ وہ یوں کہتے کہ نہ ہم نے انہیں گمراہ کیا نہ ہم نے انہیں کہا کہ غیر اللہ کو معبود بنائیں اس غلطی کا ارتکاب انہوں نے خود ہی کر لیا کہ انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔ اے اللہ پاک ہم نے انہیں گمراہ نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ تو نے انہیں لمبی لمبی عمریں دیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے انہیں نوازا تو انہوں نے بجائے نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے کے الٹا وہ شہوات وخواہشات میں پڑ گئے بجائے تیری معرفت حاصل کرنے کے الٹا غلط کاموں میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ وہ تیری یاد سے بھی غافل ہو گئے اور جو انہیں نصیحتیں کی گئیں ان سب کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تیری دی ہوئی نعمتوں کو بھلا یا اور تیری آیات میں غور وفکر کو چھوڑ دیا اور جو اسباب انہیں ہدایت حاصل کرنے کیلئے دیئے گئے تھے۔ وہ انہوں نے غلط اختیار سے گمراہی میں لگا دیئے۔ اسی لئے اضلال کی نسبت ان کی طرف کی گئی کہ انہوں نے اپنے اختیار سے گمراہی حاصل کی۔ آگے فرمایا وہ بدقسمتی سے خود ہی ہلاک ہونے والی قوم تھے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ

تحقیق انہوں نے تو تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا پھر اب نہیں عذاب پھیر سکیں گے اور نہ مدد کر سکیں گے

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

جو ظلم کرے گا تم سے ہم چکھائیں گے اسے عذاب بہت بڑا۔اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ؕ

رسول مگر بے شک وہ کھاتے کھانا اور چلتے بازاروں میں

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

اور بنایا ہم نے ایک دوسرے کیلئے آزمائش کیا تم صبر کرو گے اور ہے تیرا رب دیکھنے والا۔

(آیت نمبر۱۹) اب اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرمائے گا کہ اب تو تمہارے معبودوں نے بھی تمہیں جھٹلا دیا یعنی تمہارے عقیدے کے خلاف بیان دے دیا تم کہتے تھے یہ ہمارے معبود ہیں انہوں نے تمہارے عقیدے کی نفی کر دی۔ اب اے مشرکو تم کو میرے عذاب سے بچنا۔ ناممکن ہے میرے عذاب کو دفع کرنے کی تمہیں نہ ذاتی طور پر ہمت ہے نہ بالواسطہ نہ تم خود اپنی مدد کر سکتے ہو نہ کوئی دوسرا تمہاری مدد کر سکتا ہے یعنی جن کی تم نے پوجا کی اس وجہ سے کہ وہ تمہارا آخرت کا عذاب ٹال دیں گے اس کا بھی تمہارے معبودوں نے جواب دے دیا ہے۔ کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب یاد رکھو جس نے بھی تم میں سے شرک کیا تھا ہم اسے بہت بڑا عذاب چکھائیں گے۔ یعنی ہمیشہ کیلئے اسے نار جہنم میں ڈال دیں گے اس لئے کہ اس نے اپنے اوپر ظلم عظیم کیا اور ظلم عظیم شرک کو کہتے ہیں۔

(آیت نمبر۲۰) اب کفار کے سوال (کہ نبی کھاتا ہے بازار میں چلتا ہے) کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر وہ ضرور کھانا بھی کھاتے تھے اور بازار میں بوقت ضرورت وہ تشریف لے جاتے تھے۔ یہ باتیں کوئی نبوت و رسالت کے منصب کے خلاف تو نہ تھیں۔ یعنی یہ کام کوئی نیا نہیں ہے اور ہم نے تم میں سے

بعض کو بعض کیلئے فتنہ بنا دیا۔ یعنی فقراء اغنیاء کے لئے اور رسولان عظام مرسل الیہم کیلئے آزمائش ہوئے کیونکہ یہ انہیں اپنی طبیعتوں کے خلاف پا کر انہیں تکالیف پہنچائیں گے۔ اسی طرح بیمار تندرستوں کے لئے آزمائش۔ نچلی سطح والے اونچے طبقے والوں کے لئے آزمائش رعایا بادشاہوں کیلئے رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کیلئے آزمائش ہیں۔

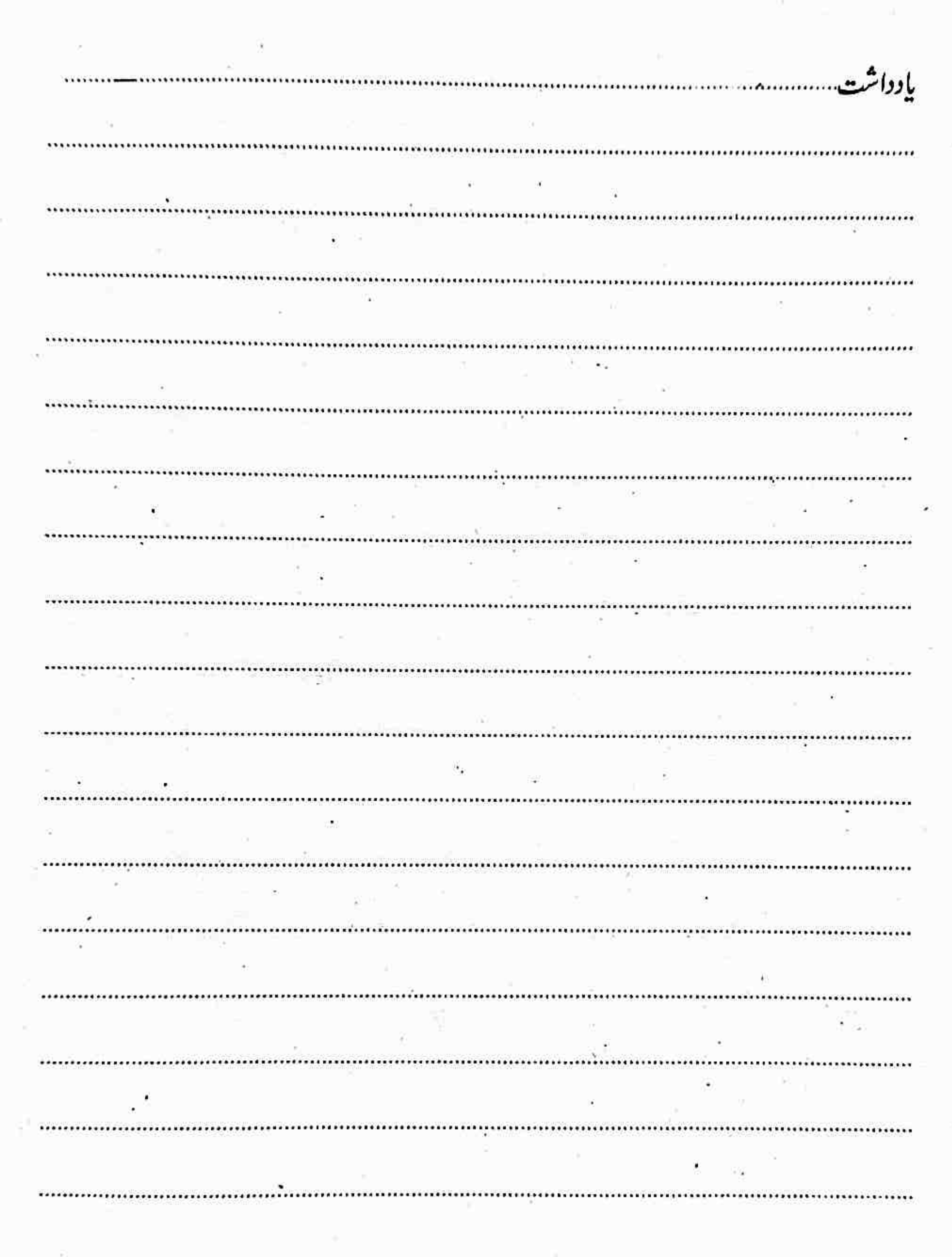
فائدہ: واسطی فرماتے ہیں۔ چیز ملے تو بھی فتنہ مل کر گم ہو جائے تو بھی فتنہ آ گے فرمایا تو کیا تم اس آزمائش پر صبر کرو گے۔

فائدہ: ابو اللیث فرماتے ہیں اس کا معنی ہے صبر کرو اور ہے آپ کا رب دیکھنے والا یعنی پروردگار دیکھتا ہے کہ کون صبر کرتا ہے اور کون جزع فزع کرتا ہے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ ہر وقت قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم رہے۔ راحت و سرور ملے یا تکلیف و مصائب میں ہو۔ فقر و فاقہ ہو یا دولت مندی و تونگری بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تکلیف دینے کے بعد ہی راہ دکھاتا ہے اور اس کا بندے کو مراد سے نامراد کرنا حکمت سے خالی نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتوں سے نوازے یا دولت مند بنائے۔ یہ سب اس کی حکمت عظیمہ ہے۔

پارہ ۱۸ ختم، ۷ مئی ۲۰۱۶ء بوقت مغرب

الحمد للہ جلد ششم ختم ہوئی



یادداشت